پاکستان میں فارسی ادب کی تاریخ

عہدِ جہانگیر سے عہدِ اورنگ زیب تک

از

ڈاکٹر ظہور الدین احمد

مجلسِ ترقیِ ادب

کلب روڈ، لاہور

پاکستان میں فارسی ادب

کی تاریخ

عہدِ جہانگیر سے عہدِ اورنگ زیب تک

از

ڈاکٹر ظہور الدین احمد

مجلسِ ترقیٔ ادب

کلب روڈ ○ لاہور

طبع اول : نومبر ۱۹۷۸ء

تعداد : ۱۱۰۰

ناشر : احمد ندیم قاسمی
ناظم مجلس ترقی ادب ، لاہور

مطبع : زرین آرٹ پریس ، ٦١ ریلوے روڈ ، لاہور

طابع : محمد زرین خاں

قیمت : ۳۲ روپے

مندرجات

مؤرخین :

دوسری تاریخیں :

دیگر مصنّفین و تصانیف :

مرکز کشمیر

فارسی ادب :

مصنّفین:

تاریخِ کشمیر :

مرکزِ سندھ

دیگر شعرا :

مؤرخین :

انشاء نگار :

لغت نگار :

تذکره نگار :

مرکزِ وادیِ پشاور

مرکزِ بنگال

شعراء :

کتبِ تاریخ :

☆ ☆ ☆

تعارف

عہدِ جہانگیر سے عہدِ اورنگ زیب تک "پاکستان میں فارسی ادب کی تاریخ" جغرافیائی یا سیاسی تقسیم کے پیش نظر پانچ مراکز کو محیط ہے، یعنی مرکزِ لاہور، مرکزِ کشمیر، مرکزِ سندھ، مرکزِ وادیٔ پشاور اور مرکزِ بنگال - ان مختلف مراکز میں اُن مصنفین کو شامل کیا گیا ہے جو ان علاقوں میں پیدا ہوئے اور انھوں نے زندگی کا بیشتر حصہ یہاں گزارا، یا اگر وطن سے باہر رہے تو آخر وہ واپس آ گئے اور یہیں پیوندِ خاک ہوئے - ان میں بعض وہ لوگ بھی شامل ہیں جو باہر سے آ کر ان علاقوں میں بس گئے اور پھر یہیں کے ہو رہے - اس کتاب میں سلاطین و حکام و امرا میں سے اُن اشخاص کا بھی ذکرِ خیر ہے جنھوں نے اس سرزمین میں خاص مدت کے لیے حکمرانی کی اور فارسی ادب کی ترویج و فروغ میں حصہ لیا -

اس کتاب میں اکثر ایسے مصنفین یا ان کی تصانیف کا تعارف پیش کیا گیا ہے جن کے متعلق پہلے کسی نے نہیں لکھا، یا لکھا ہے تو بہت مختصر - دنیا بھر کی لائبریریوں میں جہاں جہاں کتابوں کا سراغ ملا ہے، ان کا ذکر کیا گیا ہے - اپنے محدود وسائل کے باوجود میں نے مقدور بھر کتابوں تک رسائی حاصل کرنے کی کوشش کی ہے -

برِعظیم پاکستان و ہند میں فارسی ادب کی تاریخ بہت وسیع ہے اور اس کی ترتیب و تالیف کسی فرد واحد کا کام نہیں - وہ تو ایک منصوبے کے تحت ہی مرتّب ہو سکتی ہے جس کے لیے وسیع وسائل فراہم کرنے کی ضرورت ہے - اس مقصد کے لیے دنیا بھر کی لائبریریوں سے پاک و ہند سے متعلق تصانیف کے روٹو گراف حاصل کرنے پڑیں گے - یہ بھی صحیح ہے کہ بہت سے نامور مصنّف اُن علاقوں میں رہے، بسے اور دفن ہوئے جو اب سرزمین بھارت سے متعلق ہیں - لیکن ہم نے اپنے ملک کی الگ ادبی تاریخ مرتّب کرنے کے خیال سے اس کو پاکستان تک محدود رکھا - ایسا کرنے سے اتنا ضرور ہو گیا ہے کہ اپنے ملک کے بعض ایسے مصنّفین سے ہم متعارف ہو گئے ہیں جن کا پاک و ہند

کی مفصل تاریخ میں جگہ پانا دشوار ہوتا - ہم بعض ایسی تصانیف کا تعارف بھی کرا سکے ہیں جو صرف پاکستان کی لائبریریوں میں موجود ہیں اور باہر والوں کی نگاہوں سے اوجھل ہیں -

امید ہے ہماری اس محنت و کاوش کو قدر کی نگاہ سے دیکھا جائے گا -

ظہور الدین احمد

۷ دسمبر ۱۹۷۰ع
۵ - پرتاپ سٹریٹ ، نسبت روڈ ، لاہور

☆ ☆ ☆

مرکزِ لاہور

لاہور

اکبر ۱۵۸۴ع سے ۱۵۹۸ع تک لاہور میں مقیم رہا اور لاہور کی تعمیر و ترقی کے لیے کوشاں رہا۔ قلعہ مستحکم ہوا، جگہ جگہ محلات اور باغات وجود میں آئے، مدارس قائم ہوئے، درس و تدریس کا چرچا ہوا، آبادی میں اضافہ ہوا، تجارت کو فروغ ہوا۔ عہدِ جہانگیری میں لاہور کی آبادی اور رونق کا یہ عالم تھا کہ ٹھٹھہ کے لیے سوداگر دریاے راوی میں جہازوں پر سامان لادتے تھے اور یہیں سے ہزاروں اونٹ مال و اسباب لاد کر قندھار کے راستے سے ایران جاتے تھے۔ شاہجہان کے عہد میں باغوں، نہروں، عمارتوں سے لاہور ایک عظیم الشان شہر بن گیا تھا۔ تعلیم و تدریس کا بھی مرکز تھا۔ صوفیہ و اولیا کی خانقاہیں اور مزارات بھی توجہ و فیض کا مرکز تھے۔ عہدِ عالمگیری میں شاہی مسجد اور بندِ عالمگیری کی تعمیر نے لاہور کی شان کو اور چار چاند لگا دیے۔

لاہور نہایت اہم سیاسی اور فوجی مرکز تھا۔ صوبے کا دارالسلطنت تھا۔ یہیں سے فوجیں تیار ہو کر پشاور و کابل جاتیں، یہیں سے ملتان اور ٹھٹھہ کو روانہ ہوتیں، یہیں بیٹھ کر کشمیر فتح کرنے کے منصوبے بنتے۔ اہم حیثیت کا حامل ہونے کی وجہ سے سیاسی سازشیں بھی یہیں ہوتیں۔ شاہزادے بادشاہوں کے خلاف بغاوتیں کرتے اور اپنی آزادی اور خود مختاری کا اعلان کرتے۔ قلعہ لاہور بڑی پناہ گاہ تھا۔ خواجہ ابوالحسن، آصف جاہ اور فاضل خاں جیسے اولوالعزم وزرا اور جہانگیر و نورجہاں جیسے شہنشاہ اور ملکۂ معظمہ اسی سرزمین میں سپردِ خاک ہوئے۔

ہم لکھ آئے ہیں کہ عہدِ مغلیہ میں علم و ادب کو بڑا فروغ ہوا۔ شہنشاہ اور شاہزادے علم و ادب کا ذوق رکھتے تھے۔ بابر، ہمایوں، اکبر اور جہانگیر شعر بھی کہہ لیتے تھے۔ جہانگیر شعر کا بہت اچھا ذوق رکھتا تھا اور بڑا ذہین نقاد تھا۔ مغل شاہزادوں میں مرزا کامران اور دارا شکوہ صاحبِ دیوان شاعر تھے۔ شاہزادیوں میں سے نورجہاں، ممتاز محل اور زیب النسا شعر کہتی

تھیں - بابر اور جہانگیر مؤرخ اور ادیب تھے - 'توزک بابری' اور 'توزک جہانگیری' تاریخ و انشا کے بہت اچھے نمونے ہیں - اورنگ زیب بھی بڑا اچھا انشا پرداز تھا - بادشاہوں کے علاوہ امرا، صوبیدار اور دوسرے منصب دار بھی علم و ادب کا ذوق رکھتے تھے - اُن میں بعض شاعر تھے اور علما و شعرا کے قدردان و مربی بھی تھے - ان کے الگ دربار لگتے تھے - وہ شاہنشاہوں کی طرح فیاضی اور زر بخشی کے لیے نامور تھے - عبدالرحیم خانخاناں، ابو الفتح گیلانی، آصف خاں، افضل خاں، سعد اللہ خاں، نواب قاسم خاں، مہابت خاں، ظفر خاں احسن، سیف خاں، جعفر خاں، عطاء الملک فاضل خاں خود شعر گو، شعر فہم اور شعرا کے قدردان تھے - اورنگ زیب شعر کا بڑا اچھا ذوق رکھتے تھے لیکن مذہبی سخت گیری کی وجہ سے انھوں نے مدح سرائی کو روک دیا اور شعرا کی سرکاری سرپرستی نہ رہی -

مرکزِ لاہور سے منسوب مصنّفین کو عموماً شاہانہ سرپرستی حاصل رہی - بعض اپنے طور پر علمی و ادبی خدمت میں مصروف رہے - لاہور کے صوبے داروں میں سے اکثر سال سال دو دو سال انتظامی امور سنبھالنے پر مامور ہوئے - ان میں سے قلیچ خاں، مرتضیٰ خاں، وزیر خاں، قاضی افضل، شیخ عبدالکریم، خلیل اللہ خاں، ابراہیم خاں اور چند دیگر، جنھیں پانچ پانچ چھ چھ سال جم کر یہاں کام کرنے کا موقع ملا، عالم و فاضل تھے - انھوں نے علم و ادب کے فروغ میں بھی حصہ لیا - اس دور میں متوسط درجے کے شعرا بھی تھے جو دربار کی تقاریب پر اشعار پیش کرتے تھے - مثلاً جب قاضی افضل لاہور کے صوبیدار مقرر ہوئے تو ناطق نے مندرجہ ذیل قطعۂ تاریخ لکھا :

یافت چون قاضی محمد افضل از الطاف او
صوبۂ لاہور، خاطر زین سبب مسرور شد
افضلِ اربابِ دانش صوبۂ پنجاب یافت
ہست تاریخش بدولت حاکمِ لاہور شد (۱۰۵۸ھ)

مرکز لاہور سے متعلق ہم مندرجہ ذیل مصنّفین شامل کر سکے ہیں - چونکہ جہانگیر اور نورجہاں لاہور میں مدفون ہوئے اور علم و ادب کی ترویج و تشویق میں بھی انھیں نمایاں حیثیت حاصل رہی اور وہ شعر بھی موزوں کر لیتے تھے ،

اس لیے ان کو بھی شامل کر لیا گیا ہے۔

شعراء	: منّور ، عارف ، برہمن ، منیر ، شادمان ، سیادت ، ختمی۔
صوفی شعراء	: شاہ ابوالمعالی ، مُلا شاہ اور سلطان باہو۔
عوامی مثنویاں لکھنے والے	: باقی ، سعیدی ، میتا۔
مؤرخین	: محمد یوسف اٹکی ، محمد صالح ، عنایت اللہ ، عبدالحمید ، سجان سنگھ۔
انشا پرداز	: برہمن ، محمد صالح ، عنایت اللہ ، سعداللہ خاں ، سجان سنگھ۔
علماء مصنّفین	: نوراللہ شوستری ، عبد السلام ، عبد الکریم چشتی ، عبدالحکیم سیالکوٹی ، نعمت اللہ ، اللہ داد ، محمد عثمان جالندھری۔
متفرق موضوعات پر تصانیف	: کتب ریاضی از لطف اللہ مہندس اور عطاءاللہ رشیدی۔

صوبیداران لاہور

(جہانگیر سے اورنگ زیب تک)

سعید خاں چغتائی	۱۰۱۴ - ۱۰۱۵ھ/۱۶۰۵ - ۱۶۰۶ع
قلیج خاں	۱۰۱۵ - ۱۰۱۸ھ/۱۶۰۷ - ۱۶۱۰ع
مرتضیٰ خاں	۱۰۱۸ - ۱۰۲۵ھ/۱۶۱۰ - ۱۶۱۶ع
اعتماد الدولہ (غیاث بیگ)	۱۰۲۵ - ۱۰۲۷ھ/۱۶۱۶ - ۱۶۱۸ع
قاسم خاں	۱۰۲۷ - ۱۰۳۲ھ/۱۶۱۸ - ۱۶۲۳ع
صادق خاں	۱۰۳۲ - ۱۰۳۵ھ/۱۶۲۳ - ۱۶۲۵ع
آصف خاں	۱۰۳۵ - ۱۰۳۷ھ/۱۶۲۵ - ۱۶۲۸ع
خدمت پرست خاں	۱۰۳۷ - ۱۰۳۸ھ/۱۶۲۸ - ۱۶۲۸ع
آصف خاں	۱۰۳۸ھ/۱۶۲۸ع
قلیج خاں	۱۰۳۸ھ/۱۶۲۸ - ۱۶۲۹ع
عنایت اللہ یزدی	۱۰۳۸ - ۱۰۴۱ھ/۱۶۲۹ - ۱۶۳۲ع
وزیر خاں	۱۰۴۱ - ۱۰۴۹ھ/۱۶۳۲ - ۱۶۳۹ع

معتمد خاں	۱۰۴۹ - ۱۰۵۲ھ/۱۶۳۹ - ۱۶۴۲ع
سعید خاں بہادر ظفر جنگ	۱۰۵۲ - ۱۰۵۴ھ/۱۶۴۲ - ۱۶۴۴ع
قلیچ خاں	۱۰۵۴ - ۱۰۵۷ھ/۱۶۴۴ - ۱۶۴۷ع
جعفر خاں	۱۰۵۷ھ/۱۶۴۷ع
قاضی افضل	۱۰۵۸ - ۱۰۶۲ھ/۱۶۴۸ - ۱۶۵۱ع
شیخ عبدالکریم	۱۰۶۲ - ۱۰۶۶ھ/۱۶۵۱ - ۱۶۵۵ع
خواجہ معین (معین خاں)	۱۰۶۶ - ۱۰۶۷ھ/۱۶۵۵ - ۱۶۵۶ع
بہادر خاں	۱۰۶۷ھ/۱۶۵۶ع
سیّد عزت خاں	۱۰۶۷ - ۱۰۶۸ھ/۱۶۵۶ - ۱۶۵۷ع
خلیل اللہ خاں	۱۰۶۸ - ۱۰۷۲ھ/۱۶۵۸ - ۱۶۶۴ع
ابراہیم خاں	۱۰۷۲ - ۱۰۷۸ھ/۱۶۶۴ - ۱۶۶۷ع
محمد امین خاں	۱۰۷۸ - ۱۰۸۰ھ/۱۶۶۷ - ۱۶۶۹ع
(؟)	۱۰۸۰ - ۱۰۸۶ھ/۱۶۶۹ - ۱۶۷۵ع
امانت خاں (سید احمد خاں)	۱۰۸۶ - ۱۰۸۷ھ/۱۶۷۵ - ۱۶۷۶ع
(؟)	۱۰۸۷ - ۱۰۸۹ھ/۱۶۷۶ - ۱۶۷۸ع
قوام الدین خاں	۱۰۸۹ - ۱۰۹۱ھ/۱۶۷۸ - ۱۶۸۰ع
شاہزادہ محمد اعظم	۱۰۹۱ھ - (؟)/۱۶۸۰ع - (؟)
مکرّم خاں	۱۰۹۷ھ/۱۶۸۵ع
سپہدار خاں	۱۰۹۷ھ - (؟)/۱۶۸۵ع - (؟)
شاہزادہ محمد اعظم کے نائب	۱۱۰۲ھ/۱۶۹۰ع
خان جہاں بہادر	۱۱۰۲ - ۱۱۰۵ھ/۱۶۹۰ - ۱۶۹۳ع
مہابت خاں ابراہیم	۱۱۰۵ - ۱۱۰۸ھ/۱۶۹۳ - ۱۶۹۶ع
مکرّم خاں	۱۱۰۸ھ/۱۶۹۶ع
ابو نصر خاں	۱۱۰۸ھ/۱۶۹۶ع
حفظ اللہ الملقب بہ میاں خاں	(؟) /۱۶۹۶ع
ابراہیم خاں	۱۱۱۱ھ/۱۶۹۹ع
محمد معظّم	۱۱۱۱ھ/۱۶۹۹ع

زبردست خاں ۱۱۱۶ھ/۱۷۰۴ع

نائبان محمد معظم (نائب صوبیدار ۱۱۱۶ - ۱۱۱۸ھ/۱۷۰۴ - ۱۷۰۷ع
منعم خاں)

☆ ☆ ☆

جہانگیر

شہنشاہ اکبر کے بعد اس کا بیٹا نور الدین جہانگیر تخت نشین ہوا - اس نے بھی اپنے باپ کی طرح پرورش علم و ادب کا شیوۂ خسروی جاری رکھا - وہ اپنے باپ سے بڑھ کر جمالیاتی حس سے مالا مال تھا -

جہانگیر کا نام شیخ سلیم چشتی کے نام پر سلیم رکھا گیا - اکبر پیار سے اُسے شیخو بابا کہا کرتے تھے - ۱۵۶۸ع تک اکبر کے ہاں جو اولاد ہوئی ، وہ بچپن میں ہی اللہ کو پیاری ہو گئی - اکبر کو شروع ہی سے تخت و تاج کے وارث کی آرزو تھی - وہ اولیاء اللہ سے دعائیں منگواتے اور منتیں مانتے - چنانچہ جب مریم الزمانی حاملہ ہوئیں تو ان کو خادماؤں کے ہمراہ شیخ سلیم کے قرب میں پہنچا دیا گیا - سلیم ۱۷ ربیع الاول ۹۷۷ھ (۳۰ اگست ۱۵۶۹ع) کو وہیں پیدا ہوئے - اکبر آگرہ سے اجمیر تک ۲۲۸ میل پیدل چل کر حضرت معین الدین چشتی کے مزار پر شکرانے کے لیے حاضر ہوئے -

رواج کے مطابق چار سال چار مہینے اور چار دن کی عمر میں بسم اللہ ہوئی اور مولانا میر کلاں ہروی جیسے باکمال استاد مقرر ہوئے - قطب الدین محمد خان انگہ اور عبدالرحیم خانخاناں جیسے بلند پایہ اتالیق میسر آئے - فارسی اور ترکی زبانوں میں اچھی دسترس پیدا کی ، شعر گوئی اور شعر فہمی کا ذوق پیدا ہوا ، جمالیاتی احساس کی تربیت ہوئی - خوش نویسی ، نقاشی اور مصوری کی قدر شناسی میں گہرائی پیدا ہوئی - اس کے دل میں مناظر قدرت سے لطف اندوز ہونے کا شدید جذبہ اُبھرا -

سلیم لاڈ پیار میں پلا ، آرام و آسائش میں بڑھا اس لیے عیش کوشی کے ساتھ شراب نوشی بھی آئی ۔ جفاکشی اور سخت جانی کی عادات نہ آئیں ، اس لیے ضعفِ کردار زندگی کے آخری لمحوں تک اس کے ساتھ رہا ۔

۱۵۹۹ء میں اکبر بیمار ہوا تو جانشینی کے لیے منصوبے بننے شروع ہوئے ۔ سلیم کی بےراہ روی اُس کی تخت نشینی میں سدِ راہ بن رہی تھی ، اکبر اور سلیم کے تعلقات کشیدہ ہو رہے تھے ۔ تخت کے دعویداروں میں شاہزادہ مراد ۱۵۹۹ء میں چل بسا ۔ شاہزادہ دانیال بھی ۱۶۰۴ء میں لقمۂ اجل ہوا ۔ راجا مان سنگھ کی نظریں سلیم کے بیٹے سلطان خسرو پر لگی تھیں ۔ سلیم سمجھتا تھا کہ اکبر کا وزیر و مشیر ابوالفضل اس کا مخالف ہے اس لیے اس نے بیر سنگھ بندیلہ کے ہاتھوں اس کو قتل کروا دیا اور خود الہ آباد میں خود مختاری کا اعلان کر دیا ، اور سکّہ بھی اپنے نام کا جاری کر لیا ۔ ابوالفضل کی موت سے راستہ صاف ہوگیا ۔ سلطان سلیمہ بیگم کے توسط سے باپ بیٹے میں صلح ہوگئی ۔ آخر وہ ۱۶۰۵ء میں اکبر کی وفات کے بعد جہانگیر کے لقب سے تخت نشین ہوا ۔

عہدِ جہانگیری میں ۱۶۲۲ء تک عموماً امن رہا ۔ مقامی شورشیں اور فسادات دبا دیے گئے ۔ میواڑ اور دکن کی مہمیں جاری رہیں ۔ کچھ مزید علاقے سلطنت میں شامل ہوئے ۔ جہانگیر کے بیٹوں نے بھی باپ کے خلاف بغاوتیں کیں ۔ سلطان خسرو فوت ہو گیا ۔ شاہزادہ خرم کی بغاوت کامیاب رہی ۔ جہانگیر جب بیمار ہو کر کمزور ہو گیا تو مہابت خاں نے کامیابی سے بغاوت کی اور جہانگیر کو بے بس کر دیا ۔ جہانگیر نے ۱۰۳۷ھ (۱۶۲۷ء) میں وفات پائی اور شاہزادہ خرم شاہجہان کے لقب سے تخت پر قابض ہوا ۔

شاعر :

جہانگیر نے شعر کا بہت اچھا ذوق پایا تھا ۔ وہ علم عروض کو سمجھتا تھا ۔ اُسے سخن فہمی اور سخن شناسی سے بھی بہرۂ وافی ملا تھا ۔ اپنی توزک میں اس نے جابجا ایسے واقعات کا ذکر کیا ہے اور موقع و محل کے مطابق اشعار لکھے ہیں جن سے اس کے حسنِ ذوق کا پتا چلتا ہے ۔ دوسرے شعرا پر اس کا تبصرہ اور انتقاد بھی عالمانہ ہے ۔ یہ واقعہ ہے کہ کسی کم بضاعت شاعر کی مجال نہیں تھی جو اس کے سامنے شعر پڑھنے کی جرأت کر سکتا ۔ ایک دفعہ ایک شاعر نے اس کی مدح

میں قصیدہ پیش کیا ۔ مطلع یوں تھا :

ای تاج دولت بر سرت از ابتدا تا انتہا

جہانگیر نے پوچھا : ''عروض جانتے ہو؟'' اس نے کہا : ''حضور نہیں ۔'' جہانگیر نے کہا ''اچھا ہوا ورنہ تمھارے قتل کا حکم دیتا ۔'' اس پر مصرع کی تقطیع کر کے بتایا کہ دوسرا رکن یوں آتا ہے ''لت بر سرت'' اور یہ سخت بے ادبی ہے ۔

تذکرۂ سرخوش میں لکھا ہے کہ کلالوں میں مئی تخلص کا ایک شاعر شعر گوئی کا دم بھرتا تھا ۔ اس نے نورجہاں کے توسط سے جہانگیر کے دربار میں رسائی کی کوشش کی ۔ جہانگیر نے کہا : ''کلالوں کا پیشہ چاؤشی اور دربانی ہے ، ان کو شاعری سے کیا نسبت'' لیکن نورجہاں کے اصرار پر اس کو شعر پڑھنے کی اجازت دے دی ۔ مئی نے یہ شعر پڑھا :

مئی بگریہ سری دارد ای نصیحت گر
کنارہ گیر کہ امروز روز طوفان است

جہانگیر نے فوراً اعتراض کیا : ''دیکھا اپنے پیشے کی رعایت رکھ لی ۔'' دوسرے موقع پر نورجہاں کی فرمائش پر مئی نے پھر قصیدہ پیش کیا اور مطلع پڑھا :

من می روم و برق زنان شعلۂ آهم
ای ہم نفسان دور شوید از سرِ راهم

جہانگیر مسکرا دیا اور اس نے کہا : ''اپنے پیشے کا اثر کہاں جا سکتا ہے ؟'' جہانگیر کو انسان کے تحت الشعور تک رسائی تھی اور وہ گویا انسانی نفسیات کو سمجھتا تھا ۔

جہانگیر خود بھی شعر کہتا تھا اور اچھے برجستہ مطلب خیز شعر نکال لیتا تھا ۔ اسے فی البدیہہ اشعار کہنے کا بھی ملکہ تھا ۔ 'توزک' میں مختلف موقعوں پر جو اس نے اشعار کہے ہیں ، اس کی شگفتہ طبعی پر دلالت کرتے ہیں ۔ اس کی پوری غزل ایک ہی دستیاب ہوئی ہے جو پرانے تنقیدی نقطۂ نظر کے مطابق سلیس و ہموار ہے ۔ اس کے متفرق اشعار مختلف ذرائع سے تلاش کر کے ہم نے محفوظ کر لیے ہیں اور وہ یہ ہیں :

من چون کنم کہ تیر غمت بر جگر رسد
تا چشم نارسیدہ دگر بر دگر رسد

مستانہ می خرامی و مست تو عالمی
اسپند میکنم کہ مبادا نظر رسد

در وصلِ دوست مستم و در ہجر بیقرار
داد از چنین غمی کہ مرا سربسر رسد

مدهوش گشتہ ام کہ بپویم رہِ وصال
فریاد زان زمان کہ مرا این خبر رسد

وقتِ نیاز و عجز جہانگیر ہر سحر
امید آنکہ شعلۂ نورِ اثر رسد

(توزک جہانگیری)[۱]

ایک مرتبہ امیرالامرا کا یہ شعر اس کے سامنے پڑھا گیا:

بگذر مسیح از سرِ ما کشتگانِ عشق
یک زندہ کردنِ تو بصد خون برابر است

جہانگیر نے فوراً یہ شعر موزوں کیا:

از من متاب رخ کہ نیم بی تو یک نفس
یک خم شکستنِ تو بصد خون برابر است

(توزک، ص ۱۱۲)

خواجہ ہاشم ماوراء النہری کو ایک ہزار مُہر بھیجی اور ساتھ ہی یہ رباعی بھی لکھی:

ای آنکہ مرا مہر تو بیش از پیش است
از دولت یاد بودت ای درویش است (؟)
چندانکہ ز مژده ات دلم شاد شود
شادیم ز آنکہ لطفت از حد بیش است

(توزک جہانگیری، ص ۱۵۰)

۱۰۳۹ھ میں شاہزادہ خرم کے دباؤ سے عادل خاں نے اطاعت قبول کرلی۔ جہانگیر نے اس کے نام فرمان جاری کیا اور اس میں اپنا یہ شعر لکھا:

شدی از التماس شاہ خرّم بفرزندیِ ما مشہور عالم

(توزک، ص ۱۹۳)

۱۔ تمام حوالے توزک جہانگیری مطبوعہ نول کشور سے دیے گئے ہیں۔

ایک جگہ لوح سنگ بنوا کر اس پر اپنا یہ شعر کندہ کروایا :

نشیمن گاہ شاہ ہفت کشور
جہانگیر ابن شاہنشاہ اکبر

(توزک ، ص ۲۴۳)

نظام الملک کو اپنی تصویر بھیجی اور ساتھ ہی اپنے دستخط سے یہ رباعی بھی لکھی :

ای سوی تو دایم نظر رحمتِ ما
آسودہ نشین بسایۂ دولتِ ما
سوی تو شبیہ خویش کردیم روان
تا معنی ما بینی از صورتِ ما

(توزک ، ص ۲۴۶)

مولانا جامی کی ایک غزل کا یہ مصرع جہانگیر کو بہت پسند آیا ۔ عبدالرحیم خانخاناں نے اس پر غزل لکھی :

بہر یک گل زحمتِ صد خار می باید کشید

جہانگیر نے فی البدیہہ یہ شعر کہا :

ساغرِ می بر رخِ گلزار می باید کشید
ابر بسیار است می بسیار می باید کشید

(توزک ، ص ۲۳۵)

خان عالم ، شاہ عباس صفوی کے پاس سفیر بن کر گیا تھا ۔ جب واپس آیا اور کلانور کے قریب پہنچا ، جہاں جہانگیر مقیم تھا ، تو جہانگیر نے اسے عطر بھیجا اور ساتھ ہی یہ شعر لکھا :

بسویت فرستادہ ام بوی خویش
کہ آرم ترا زود تر سوی خویش

(توزک ، ص ۲۸۷)

جہانگیر نے فی البدیہہ مصرعے تو بارہا کہے ہوں گے ۔ ان میں سے دو تین درج ذیل ہیں ۔ بعض اور مثالیں اشعارِ نورجہاں کے ذیل میں آئیں گی ۔

جہانگیر نے کہا :

چیتۂ بادشاہ زد کالہ

طالب آملی نے کہا :

گشت صحرا ز خونِ او لالہ

جہانگیر :

کاسہ نازک بود و آب آرام نتوانست کرد

قاسم خاں نے گرہ لگائی :

دید حالم را و چشمش ضبط اشک خود نکرد
کاسہ نازک بود و آب آرام نتوانست کرد

نورجہاں نے ایک گلدستۂ نرگس تیار کر کے بادشاہ کی خدمت میں بھیجا اور ساتھ ہی یہ مصرع لگایا :

نیست نرگس چشمِ قدرت کرد شوق روی تو

جہانگیر نے جواباً لکھا :

کاش باشد نور ہم در نرگس دلجوی تو

دوسرے تذکروں سے منتخب اشعار :

ما نامہ بہ برگ گل نوشتیم شاید کہ صبا باو رساند

رباعی :

ہر کس بضمیر خود صفا خواہد داد
آئینۂ خویش را جلا خواہد داد
ہر چہ کہ شکستہ بود دستش گیر
بشنو کہ ہمین کاسہ صدا خواہد داد

رباعی :

ای آنکہ غم زمانہ پاکت خوردہ
اندوہ دل وسوسہ ناکت خوردہ
مانند قطرہ ہای باران بزمین
جا گرم نکردہ ای کہ خاکت خوردہ

(مخزن الغرائب ـ کلمات الشعراء ، ص ۲۲ ، ۲۳)

بادۂ گل رنگ در گلزار می باید کشید
ابر بسیار است می بسیار می باید کشید

رسمِ ادب از اشک بیاموز که بی جُرم
از چشمِ من اُفتاده و در پای من اُفتد

بدامنت برسد دست کسی که جلوهٔ ناز
ترا ببامِ فلک برد و نردبان برداشت

چنان بدست رضا داده ام عنان
که غیرِ من همه کس اختیار من دارد

برتر شود ز کشته شدن قدر و قیمتش
عشاق را طبیعتِ سیماب داده اند

پرهیز کن ز زخمِ نگاه من ای رقیب
کین دشنه را بخون جگر آب داده اند

(خلاصة المضامین ، مؤلفه ۱۰۴۰ھ ، روٹو گراف پنجاب یونیورسٹی لائبریری ، ص ۳۵۷)

چندان خلید سوزن الماس در جگر
کز آه و ناله دوخت دهان و لب مرا

رفتی ای قاصد و نمی آئی
مگرت پای در حنا بستند

(ریاض الشعرا ، ص ۷۰)

دل بد مکن که عمر نماند بهیچ کس
این یک نفس که خوش گذرد بس غنیمت است

(شمع انجمن)

خوبرویان بہر قتلم چہرہ گلگون کردہ اند
حیرتی دارم کہ آتش را بمو چون بستہ اند
(بیاض مجموعہ شیرانی ، شمارہ ۲۲۷۹)

تر نگردد کام من گر ہفت دریا در کشم
شربتِ دیدار باید تشنہٴ دیدار را
(نتائج الافکار ، ص ۱۵۸)

جہانگیر کو اپنا ایک شعر بہت پسند تھا ۔ وہ لکھتا ہے کہ "بہ چراغچیان و قصہ خوانان فرمودم کہ در وقتِ سلام و صلٰوۃ فرستادن و قصہ گزرانیدن در آمد باین بیت کنند :

بود بر آسمان تا مہر را نور
مبادا عکس او از چتر شہ دور[1]

مربیٴ علم و ادب :

اپنے باپ اکبر کی طرح جہانگیر بھی علم و ادب کا مربی" رہا ۔ وہ علماء اور مشائخ کا بڑا قدردان تھا ۔ اقبال نامہٴ جہانگیری میں عہدِ جہانگیری کے جن علماء کا ذکر ہے ، ان میں کچھ غیر ملکی ہیں ۔ پاکستان و ہند کے علماء میں سے "ملا" عبدالحکیم سیالکوٹی ، خواجہ عثمان حصاری ، "ملا" محمد جونپوری ، شیخ عبدالحق دہلوی اور شیخ احمد سرہندی کے نام سرِ فہرست ہیں ۔

چونکہ جہانگیر خود شعر شناس تھا اس لیے شعرا کی قدردانی اور سرپرستی کرتا تھا ۔ طالب آملی ، عرفی ، نظیری ، شکیبی ، حیاتی ، علی احمد نشانی ، شیدا اور عارف ایگی اس کے دامنِ دولت سے وابستہ رہے اور انعام و اکرام پاتے رہے ۔ سعیدای زرگر باشی نے امیر معزی کے تتبع میں ایک قصیدہ لکھا جس کا مطلع یہ ہے :

ای نہ فلک نمونہ ای از آستانِ تو
دورانِ پیر گشتہ جوان در زمانِ تو

جہانگیر نے خوش ہو کر اس کو سونے میں تلوایا[2] ۔ نظیری کو ایک قصیدے

۱- توزک جہانگیری (نولکشور) ، ص ۹۹ ۔

۲- ایضاً ، ص ۲۴۲ ۔

کے صلے میں ایک ہزار روپیہ ، گھوڑا اور خلعت عطا کیا ۔[۱]

امرا میں سے اعتماد الدولہ ، آصف خاں ، عبدالرحیم خانخاناں ، میرزا غازی خاں خود شاعر تھے اور شہنشاہ کی تقلید میں شعرا کے قدردان بھی تھے ۔

مصنّف :

جہانگیر نے اپنی تخت نشینی کے بعد اپنی زندگی اور حکومت کے طور اطوار کے متعلق یادداشتیں لکھنا شروع کیں ۔ یہ ایک قسم کی ڈائری تھی ۔ جہانگیر کے سامنے اپنے پردادا شاہنشاہ بابر کی توزک کا نمونہ موجود تھا ۔ اس لیے عام طور پر ان یادداشتوں کو بھی ''توزک جہانگیری'' کا نام دیا جاتا ہے ۔ لیکن ایک متعین نام نہ ہونے کی وجہ سے اس کو تاریخ سلیم شاہی ، کارنامۂ جہانگیری ، واقعاتِ جہانگیری ، بیاض جہانگیری ، اقبال نامۂ جہانگیری ، جہانگیر نامہ اور مقالات جہانگیری بھی کہا جاتا رہا ہے ۔

جہانگیر نے پہلے بارہ سالوں کے احوال و کوائف لکھ کر ان کو مجلّد کیا اور امراء اور عہدیداروں میں تقسیم کردیا ۔ سب سے پہلا نسخہ شاہزادہ خرّم (شاہجہان) کو عطا ہوا ۔ تخت نشینی کے سترھویں سال تک ضبطِ احوال و وقائع کا یہ سلسلہ چلتا رہا ۔ اسی سال جہانگیر بیمار ہو کر کمزور ہو گیا ، اس لیے تاریخ نویسی کا یہ سلسلہ معتمد خاں نے جاری رکھا اور وہ انیسویں سال کے آغاز تک واقعات کو قلمبند کرتا رہا ۔

تاریخی نقطۂ نظر سے توزک جہانگیری نہایت اہم دستاویز ہے ۔ جہانگیر کی زندگی ، شخصیت اور اس کے عہد کے متعلق اس سے بڑھ کر مصدقہ تاریخ کا اور کون سا مأخذ ہو سکتا ہے کہ بادشاہ نے خود ہی تمام حالات لکھ دیے ہوں ۔ اس کتاب میں عہدِ جہانگیری کی تمام جنگوں ، بغاوتوں اور فتوحات کا ذکر موجود ہے ۔ نئے قوانین و ضوابط و فرامین کے متن ملتے ہیں اور مشہور و معروف منصب‌داروں کی ترقیاں اور معزولیاں مندرج ہیں ۔ اس نے اُن اعجوبۂ روزگار اشیا کا حال بھی قلمبند کر دیا ہے جن کا ذکر اس تک پہنچا یا جو اس نے خود دیکھیں ۔ شرقاً غرباً یا

۱۔ توزک جہانگیری (نولکشور) ، ص ۹۲ ۔

شمالاً جنوباً جب اس نے سفر کیا تو تاریخ وار اپنے سفر کے حالات لکھے۔ دورانِ سفر میں شہروں، قصبوں اور دیہاتوں کی تاریخی و جغرافیائی خصوصیات پر روشنی ڈالی۔ وہاں کے جمادات، نباتات اور حیوانات کا حال ایک ماہر فن کی طرح تمام خصوصیات کے ساتھ بیان کیا۔ اس نے ایک بے لاگ اور غیر متعصب مؤرخ کی طرح اپنی شراب نوشی اور قتلِ ابوالفضل جیسے جرم کا اخفا بھی نہیں کیا۔

'توزک جہانگیری' کا اسلوبِ بیان واضح، صریح اور قطعی ہے۔ جہاں بھی اس نے کسی جنگ کی کیفیت، بزمِ عیش و نشاط، شکار، مناظرِ قدرت کا حال لکھا ہے، ہوبہو آنکھوں کے سامنے نقشہ آ گیا ہے۔ اس کے بیان میں قطعیت ہے۔ وہ مسائلِ فلسفہ کو بھی نہایت صراحت سے بیان کرتا ہے۔ جذبات و احساسات کے بیان کرنے میں بھی اس کا اخلاص جھلکتا ہے۔ اس کی نثر کا ایک نمونہ دیکھیے: خسرو کی ماں اس کی نافرمانیوں کی وجہ سے خودکشی کر لیتی ہے۔ جہانگیر اس کی وفات پر اپنے تاثرات یوں لکھتا ہے:

> ''از خوبی ہا و نیکذاتی ہای او چہ نویسم، عقلی بکمال داشت و اخلاص او بمن در درجہ بود کہ ہزار پسر و برادر را قربان یک موی من میکرد۔ مکرر بہ خسرو مقدمات نوشت و اورا دلالت بہ اخلاص و محبت من میکرد۔ چون دید کہ ہیچ فائدہ ندارد، از غیرتی کہ لازمۂ طبیعت راجپوتانی است، خاطر بر مرگ خود قرار دادہ روز بیست و ششم ذی الحجہ ۱۰۱۳ھ افیون بسیار در عین سوزش دماغ خوردہ در اندک زمانی درگذشت۔ از فوت او بنا بر تعلقی کہ داشتم، ایامی بر من گذشتہ کہ از حیات و زندگانی خود ہیچ گونہ لذتی نداشتم۔ چہار شبانہ روز کہ سی و دوپہر باشد، از غایت کلفت و اندوہ چیزی از ماکول و مشروب واردِ طبیعت نگشت۔''

رائل ایشیاٹک سوسائٹی لندن میں ''توزک جہانگیری'' کا ایک جعلی نسخہ مکتوبہ ۱۰۴۰ھ موجود تھا۔ ۱۸۲۹ء میں میجر ڈیوڈ پرائس نے انگریزی میں اس کا ترجمہ شائع کیا۔ اس پر بہت سے تبصرے اور تنقیدیں ہوئیں۔ آخر یہ طے پایا کہ ''توزک جہانگیری'' کا اصلی نسخہ وہ ہے جو سر سید احمد خاں نے غازی پور اور علی گڑھ میں ۱۸۶۴ء میں شائع کیا تھا۔ راجرز نے اس کا انگریزی میں ترجمہ کیا۔ بعد میں ہنری بیورج نے اس پر نظرثانی کرکے تصحیح کی۔ خدا بخش اورینٹل پبلک

لائبریری میں 'توزک' کا ایک قدیم ترین نسخہ موجود ہے جو شاہزادہ محمد سلطان پسر اورنگ زیب نے گولکنڈا کے بادشاہ قطب شاہ کی لائبریری سے ۱۶۵۶ء میں حاصل کیا تھا۔

محمد شاہ کے عہد سلطنت میں (۱۱۳۱—۱۱۶۱ھ) محمد ہادی نے توزک کو دوبارہ مرتب کیا اور احوال و واقعات کو اختتام عہد جہانگیری تک لکھا اور دیباچے میں سال پیدائش سے لے کر تخت نشینی تک جہانگیر کی زندگی کے حالات مختصراً بیان کیے۔

☆ ☆ ☆

نورجہان

نورجہاں تاریخ ہند کی نامور خاتون اور جہانگیر کی چہیتی بیگم تھی جو پہلے نور محل بنی، پھر نورجہاں کہلائی۔ سکّے میں بادشاہ کے ساتھ اس کا نام بھی شامل ہوا۔ اس کا اصل نام مہر النساء تھا۔ اس کے دادا، شاہ طہماسپ کے عہد میں وزیر یزد تھے۔ اس کی وفات پر خاندان کی خوش حالی ختم ہو گئی۔ اس کا بیٹا مرزا غیاث الدین محمد اپنے دو بیٹوں، ایک بیٹی اور حاملہ بیوی کے ہمراہ ملک چھوڑنے پر مجبور ہو گیا۔ وہ ایک قافلے کی معیت میں سخت دشواریوں کے بعد ہندوستان میں پہنچے۔ قندھار میں ۱۵۷۷ء میں ایک لڑکی پیدا ہوئی جس کا نام مہر النساء رکھا گیا۔ مرزا غیاث بیگ علم و فضیلت کے ساتھ ساتھ تہذیب و شائستگی سے بھی آراستہ تھے، اس لیے جب ایک دوست و محسن ملک مسعود کے توسط سے دربار اکبری میں ملازم ہوئے تو انھوں نے اپنے لیے ایک محبوب مقام بنا لیا۔ ۱۵۹۵ء میں وہ تین سو کا منصب رکھتے تھے اور دیوان کابل مقرر ہوئے تھے۔

مہر النساء جب سترہ سال کی ہوئی تو اس کی شادی ایک ایرانی طالع آزما علی قلی استاجلو سے ہوئی۔ ۱۵۹۹ء میں میواڑ کی مہم میں وہ شہزادہ سلیم کے

ہمراہ تھا ۔ اس نے اپنی بہادری کی وجہ سے شیر افگن کا لقب پایا ۔ جب شاہزادہ سلیم نے اکبر کے خلاف بغاوت کی تو اس نے بھی شاہزادے کا ساتھ دیا لیکن بعد میں وہ اکبر سے جا ملا ۔ سلیم جب تخت نشین ہوا تو اس نے شیر افگن کے قصور سے درگذر کیا اور بردوان میں اسے جاگیر عطا کی ۔

۱۶۰۶ع میں راجا مان سنگھ کے بجائے جہانگیر کے رضاعی بھائی قطب الدین بنگال کے گورنر ہوئے ۔ اس زمانے میں بنگال افغانوں کی شورش و بغاوت کی آماجگاہ بنا ہوا تھا ۔ علی قلی پر بھی شبہہ تھا ۔ جب قطب الدین نے اسے اپنے پاس بلایا تو باتوں باتوں میں تلواریں نکل آئیں ۔ چنانچہ قطب‌الدین شیر افگن کے ہاتھوں مارے گئے اور شیر افگن دوسرے افسروں کے ہاتھوں مارا گیا ۔ اس کی بیوی اور بیٹی کو دربار میں بھیج دیا گیا ۔ مہر النساء سلطان سلیمہ بیگم کی خدمت‌گزار مقرر ہوئی ۔ ۱۶۱۱ع میں نوروز کے موقع پر جہانگیر نے مینا بازار میں اسے دیکھ لیا اور فریفتہ ہو کر اُس سے شادی کر لی ۔ مہر النساء اپنی لیاقت ، حسن ، ہنرمندی اور دل جوئی سے بادشاہ کے دل و دماغ پر قابض ہو گئی ۔ میرزا غیاث اعتمادوالدولہ ہوگئے ۔ بڑے بھائی آصف خاں کی بیٹی شاہزادہ خرم کے ساتھ بیاہی گئی اور ممتاز محل بن گئی ۔ ۱۶۱۲ع سے ۱۶۲۲ع تک کا زمانہ نورجہاں کے عروج کا زمانہ تھا ۔ ۱۶۲۱ع میں نورجہاں کی ماں وفات پا گئی ۔ ۱۶۲۲ع میں باپ اعتمادوالدولہ چل بسے ۔ جہانگیر بیمار رہنے لگے تھے ۔ جانشینی کے لیے ریشہ دوانیاں شروع ہو چکی تھیں ۔ آصف خاں اپنے داماد شاہزادہ خرم کے حق میں تھا ۔ نورجہاں پہلے تو اسی کی حمایت میں تھی لیکن بعد میں جب اس نے اپنی بیٹی لاڈلی بیگم شاہزادہ شہریار سے بیاہ دی تو اس کے لیے کوشش کرنے لگی ، اس لیے آصف خاں بھی اس کا دشمن ہو گیا ۔ مہابت خاں کی بغاوت نے رہاسہا وقار بھی کم کر دیا ۔ ۱۶۲۷ع میں جہانگیر چل بسے ۔ شاہزادہ خرم (شاہجہاں) نے تخت سنبھالا ۔ نورجہاں سیاسی سرگرمیوں سے دست بردار ہوگئی ۔ دو لاکھ سالانہ پنشن لے کر لاہور میں آ مقیم ہوئی ۔ اپنے شوہر کی وفات کے بعد اٹھارہ سال تک زندہ رہی ۔ ۱۶۴۵ع میں وفات پا کر اپنے ہی بنائے ہوئے مقبرے میں مدفون ہوئی ۔

نورجہاں جیسے زور اور دبدبے کی ملکہ شاید ہی کوئی گزری ہو جو کمال حسن کے ساتھ ساتھ کمالِ سلیقہ اور کمالِ فن سے بھی مالا مال ہو ۔ اس نے اپنی سلیقہ‌مندی اور جدت طراز طبیعت کی بدولت زیبائش و آرائش کے ایسے زاویے پیدا

کہیے کہ لباس اور زیورات کو نئے نمونوں سے نیا رنگ و روپ بخشا۔ وہ سیاست داں، فوجی کمانڈر اور بہادر عورت تھی ۔ اس کے ساتھ ہی فیاض و رحم دل بھی تھی ۔ یتیم لڑکیوں کی شادیاں کراتی اور جہیز دیتی تھی ۔

شاعر :

نورجہاں حسنِ ذوق سے بہرہ ور تھی، شعر فہمی کے ساتھ اسے شعر گوئی کا ملکہ بھی حاصل تھا۔

اس کا مرتّب و مربوط کلام موجود نہیں ۔ کہیں کہیں تذکروں اور تاریخوں میں اس کے اشعار ملتے ہیں جو اس کی شگفتہ طبعی، سلیقۂ سخن اور حاضر جوابی پر دلالت کرتے ہیں ۔ بعض دوسرے شعرا کے اشعار بھی اس سے منسوب کر دیے گئے ہیں ۔ اس کی حاضر جوابی اور فی البدیہہ اشعار کہنے کی بعض مثالیں یہ ہیں :

عید کا چاند دیکھ کر جہانگیر نے کہا : ع

ہلالِ عید بر اوجِ فلک ہویدا شد

نورجہاں نے گرہ لگائی :

کلیدِ میکدہ گم گشتہ بود پیدا شد

(مخزن الغرایب، کلمات الشعراء، ص ۳۳ ۔ خلاصۃ التواریخ، ص ۹۴۴)

محل شاہی کی چار خواتین کو دیکھ کر جہانگیر نے کہا : ع

ہر چار عناصرِ گرامی ہستند

نورجہاں نے دوسرا مصرع لگایا :

شہ جانِ ہمہ، ہمہ زشہ سرمستند

جہانگیر نے قبا میں لعل کے بٹن لگائے تو نور جہاں نے اسے دیکھ کر یہ شعر کہا :

ترا نہ تکمۂ لعل است در قبای حریر
شد است قطرۂ خونِ منت گریبان گیر

(کلمات الشعراء، منتخب اللباب، ص ۲۷۰ ۔ مآثر الامرا، ج ۱، ص ۱۳۴)

نورجہاں نے ایک گلدستۂ نرگس تیار کر کے بادشاہ کی خدمت میں بھیجا اور ساتھ ہی یہ مصرع بھی لکھا :

نیست نرگس چشم قدرت کرد شوق روی تو

جہانگیر نے جواباً لکھا:

کاش باشد نور ہم در نرگسِ دلجوی تو

نورجہاں نے اس کے جواب میں لکھا:

نور را در چشم از روزِ ازل جا دادہ اند
بینم اندر پردہ ہا پنہان جمال روی تو

متفرق اشعار:

رباعی:

دل بصورت ندہم نا شدہ سیرت معلوم
بندۂ عشقم و ہفتاد و دو ملت معلوم
زاہدا! ہول قیامت مفگن در دلِ من
ہول ہجران گذراندیم و قیامت معلوم

(منتخب اللباب، ص ۲۷۰ - ۲۷۱ - مآثرالامرا، ج ۱، ص ۱۳۴)

دُمدار ستارہ دیکھ کر:

ستارہ نیست بدین طول سر برآوردہ
فلک بشاطری شاہ پر برآوردہ

(خلاصۃ التواریخ، ص ۴۴۹)

رباعی:

کشادِ غنچہ اگر از نسیم گلزار است
کلیدِ قفلِ دل ما، تبسم یار است
نہ گل شناسد و نی رنگ و بو نہ عارض و زلف
دلِ کسی کہ بحسن و ادا گرفتار است

بلبل از گل بگذرد گر در چمن بیند مرا
بت پرستی کی کند گر برہمن بیند مرا

(شمعِ انجمن، ص ۴۶۷)

مفتاح التواریخ - حیاتِ نورجہاں از عماد نواز جنگ - حیات نور جہاں و جہانگیر از محمد الدین فوق - سوانح نورجہاں بیگم از عاشق حسین سیاب میں نورجہاں سے منسوب اور بھی اشعار درج ہیں لیکن قدیم تذکروں سے ان کی تصدیق نہیں ہوسکی۔

صاحبِ تذکرۂ نتائج الافکار نے مندرجہ ذیل اشعار نقل کیے ہیں جو انہوں نے ایک ثقہ شخص کی بیاض میں دیکھے تھے - (ص ۱۵۸ ، بمبئی ، ۱۳۳۶ ھش) -

از پنجۂ من چاکِ گریبان گلہ دارد
وز گریۂ من گوشۂ داماں گلہ دارد

دامانِ نگہ تنگ گلِ حسن تو بسیار
گلچین بہارِ تو ز داماں گلہ دارد

سنبل بچمن ، نافہ بچین ، مشک بہ تاتار
از نکہت آن زلف پریشان گلہ دارد

گہ بت شکنم گاہ بمسجد زنم آتش
از مذہبِ من گبر و مسلماں گلہ دارد

در بزمِ وصالِ تو بہ ہنگام تماشا
نظارہ ز جنبیدن مژگاں گلہ دارد

☆ ☆ ☆

شاہ ابوالمعالی

شاہ ابوالمعالی نے اپنے نام کے متعلّق خود لکھا ہے:

پیر نامم ابوالمعالی کرد

معاصر تذکروں یعنی "اخبار الاخیار" مؤلفہ عبدالحق محدث دہلوی اور "منتخب التواریخ" مؤلفہ عبدالقادر بدایونی میں بھی یہی نام لکھا ہے - متاخرین تذکرہ نگاروں مثلاً غلام سرور مؤلف "حدیقۃ الاولیا" نے خیر الدین ابوالمعالی لکھا ہے -

متاخرین ان کو کرمانی لکھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ وہ کرمان کے صحیح النسب سادات میں سے تھے - لیکن عبدالقادر بدایونی نے لکھا ہے کہ ان کے آبا و اجداد عرب سے آئے تھے - یہ صحیح ہے لیکن وہ عرب چھوڑ کر سیدھے ہندوستان نہیں آ گئے تھے بلکہ کرمان میں مقیم ہوگئے تھے اور بعد میں ۹۰۰ ہجری کے آغاز میں ان میں سے میر فیض اللہ باقی اور سید مبارک اُچ کے قریب قصبہ داؤد جال میں مکان بنا کر رہنے لگے[1]- بقولِ بدایونی وہ نواحی ملتان کے قصبہ سیت پور میں آباد ہوگئے - بعض سوانح نگاروں نے سیت پور کو غلط پڑھ کر بیبت پور لکھا ہے - شاہ ابوالمعالی کے والد کا نام سید رحمت اللہ تھا - ان کے دو چچا تھے ؛ سید داؤد اور سید جلال الدین - ان میں سے سید داؤد اپنی صلاحیت ، ریاضت اور توفیقِ خداوندی سے اپنے وقت کے عالی مرتبہ اور صاحبِ کشف و کرامات بزرگ شمار ہوئے - سید داؤد کے والد سید فتح اللہ[2] ان کی پیدائش سے پہلے ہی وفات پا گئے تھے اور ان کے بڑے بھائی سید رحمت اللہ یعنی ابوالمعالی کے والد نے ان کی پرورش و تربیت کی تھی - یہ لوگ سیت پور سے چونی یا چونیاں ضلع لاہور میں اٹھ آئے[3] - پھر دیپال پور کے قریب قصبہ شیر گڑھ میں جا بسے - مقاماتِ داؤدی میں ذکر ہے کہ سید فتح اللہ داؤد جال سے اٹھ کر ستگرہ (ضلع منٹگمری) میں آ گئے - سید داؤد کا مزار شیر گڑھ میں ہے اور زیارت گاہ خاص و عام ہے - تذکروں میں سید داؤد کو جھنی وال لکھا ہے - اصل میں یہ چُھنی وال ہے یعنی چونی والے - بعض سوانح نگاروں نے چونی وال کو ہی ایک جگہ سمجھ لیا ہے -

شاہ ابوالمعالی شیر گڑھ میں ۹۶۰ھ میں پیدا ہوئے - بدایونی نے ''ابوالمعالی حق پرست'' اور ''گدای شیخ داؤد'' سے تاریخِ ولادت نکالی ہے - بادشاہ نامہ عبدالحمید لاہوری مطبوعہ کلکتہ ، ج اول ، حصہ دوم ، ص ۳۳۶ - ۳۳۷ پر

۱- مقاماتِ داؤدی ، عبدالباقی ، روٹوگراف پنجاب یونیورسٹی لائبریری ، ص ۱۴ -

۲- گلزار ابرار ، مؤلفہ محمد غوثی (مرتبہ ۱۰۱۴-۱۰۲۰ھ) میں سید داؤد کے والد کا نام شیخ فیض اللہ لکھا ہے جو غلط ہے - (اذکارالابرار ، ترجمۂ گلزار ابرار ، ص ۲۰۷) -

۳- منتخب التواریخ ، کلکتہ ، ج ۳ ، ص ۳۰ -

شاہ ابوالمعالی کے متعلق لکھا ہے کہ ''مولد و منشاء از قصبہ بھیرہ است از پرگنات دارالسلطنت لاہور۔ در خدمت میاں میر ترک و تجرید اختیار نمودہ''۔ سید عبداللطیف مصنف ''تاریخ لاہور'' نے اسی تاریخ کے حوالے سے شاہ ابوالمعالی کی جائے ولادت بھیرہ لکھی ہے جو غلط ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ یہ کوئی اور ابوالمعالی ہوں گے کیونکہ عبدالحمید لاہوری ۱۰۶۷ھ میں وفات پا گئے اور انھوں نے شاہ ابوالمعالی کے متعلق لکھا ہے کہ:

''از اہل و عیال گسیختہ اکنون بشغلی کہ ازان راہ نوردی بیدای یقین فرا گرفتہ، مشغول است۔''

گویا تالیفِ بادشاہ نامہ کے وقت یہ ابوالمعالی زندہ تھے۔ حالانکہ شاہ ابوالمعالی ۱۰۲۴ھ میں وفات پا چکے تھے۔

پانچویں پشت تک شاہ ابوالمعالی کا نسب نامہ یوں ہے:

سید تقی الدین احمد (عرب سے کرمان آئے)

صفی الدین آدم

میر فیض اللہ باقی[۱] — کاظم علی — سہ دختر

سید محمد مبارک[۱] (پسر میر فیض اللہ باقی) — ابوالحسن و محمد رشید[۱] (پسران کاظم علی)

سید فتح اللہ — سید محمد ہارون — سید الہ داد — سعد اللہ

فاطمہ — سید رحمت اللہ — سید داؤد — سید جلال الدین — خوند بی بی

شاہ ابوالمعالی (پسر سید رحمت اللہ)

۱۔ پاکستان قدیم میں آئے اور نواحی اُچ قصبہ داؤد جال میں رہنے لگے۔

شاہ ابوالمعالی نے شیر گڑھ میں ہی اپنے والد اور چچا سے تعلیم و تربیت حاصل کی اور اپنے چچا سید داؤد کے زیر ہدایت روحانیت کے مقامات طے کیے۔ انھوں نے شاہ ابوالمعالی کو اپنے ایک مرید خاص شیخ عبدالوہاب کے سپرد بھی کیا تاکہ وہ ان کو صوفیہ کے آداب سلوک و طریقت سکھائیں[1]۔ انھوں نے خوب ریاضت کی۔ وہ صوم وصال صحرا میں گزارتے۔ نیلوفر کے سبز پتے کھولا کر روزہ افطار کرتے اور اکثر روزہ 'طی اربعین' تک پہنچاتے[2]۔ اس طرح وہ مرشد کی نظر میں مقبول ہوئے اور ۹۸۲ھ میں ان کی وفات پر ان کے خلیفہ نامزد ہوئے۔ تحفۂ معالیہ میں لکھا ہے[3] کہ وہ ۲۹ سال تک وہیں رہے۔ پھر اپنے پیر کے روحانی ارشاد پر خلافت ان کے بیٹے شیخ عبداللہ کے حوالے کی اور خود ۱۰۱۱ھ یعنی ۵۱ سال کی عمر میں لاہور روانہ ہوئے اور ۱۰۲۴ھ میں یعنی سال وفات تک لاہور میں مقیم رہے۔ مقامات داؤدی مؤلفہ ۱۰۵۶ھ میں لکھا ہے کہ انھوں نے ۱۰۱۵ھ سے لاہور میں مستقل سکونت اختیار کر لی، لیکن اس تاریخ سے پہلے بھی لاہور میں ان کی موجودگی کی اطلاع ملتی ہے۔ انھوں نے شیخ مبارک کی وفات پر فیضی کو تعزیت نامہ لکھا اور اپنی معذوری کا عذر کرکے اپنے بیٹے محمد صادق کو فاتحہ کے لیے بھیجا۔ وہ خط یہ ہے:

''بسی در خور و لایق بود کہ بدل افگار و چشم اشکبار اظہار ہم پائی در اندوہ خرقہ جدائی بسرعت و اضطراب بجا آوردہ میشد و از جہت عذری کہ بود از دریافت سعادت حضور ماند۔ العذر عند الکریم معذور و مقبول و مامول است و فرزند ارجمند محمد صادق از برای ابلاغ فاتحہ مفتح الابواب قربت و دعای مزید حیات بوانی بحضرت متوجہ گشت تا بشرف ملازمت انشراف یافتہ دربن حادثہ خون انگیز و واقعہ درد آمیز بملازمان ہم رنگی و ہم آہنگی فقراء باز نماید۔''[4]

خزینۃ الاصفیاء میں لکھا ہے کہ جب وہ شیرگڑھ سے لاہور آ رہے تھے تو انھوں نے راستے میں کئی مقامات پر کنویں، تالاب اور باغ بنائے جو شاہ ابوالمعالی

۱۔ مقامات داؤدی، پنجاب یونیورسٹی روٹوگراف، ص ۲۲۳۔

۲۔ ایضاً، ص ۲۶۶۔

۳۔ تحفۂ معالیہ، ص ۱۴۔

۴۔ مقامات داؤدی، ص ۲۸۶۔

کی جھوک مشہور ہوئے[1] - معاصر اور قریب العصر تاریخوں میں ان عمارات کا کہیں ذکر نہیں - کنوئیں ، باغ اور تالاب بنانے میں کافی وقت ، محنت اور دولت چاہیے - ایک درویش بے نوا سے کہاں توقع رکھی جا سکتی ہے - اور پھر کنوئیں ، تالاب اور باغ کو جھوک کیسے کہا جا سکتا ہے - جھوک ، گاؤں یا ڈیرہ کو کہتے ہیں - چنانچہ ضلع ملتان میں اب بھی کئی گاؤں جھوک کے نام سے معروف ہیں مثلاً جھوک حاجی ، جھوک صالح -[2]

شیر گڑھ چھوڑنے سے پہلے وہ ایک مرتبہ دہلی گئے تھے - وہ ایک مرتبہ ٹھٹھہ بھی گئے تھے جہاں بابا نیازی شاعر سے ان کی ملاقات ہوئی تھی -[3]

ہشت محفل یعنی ملفوظات (شاہ) ابوالمعالی مرتّبہ سید محمد باقر کے بیانات سے منکشف ہوتا ہے کہ شاہ صاحب کی فقیری ، درویشی اور پاک بینی اور دیدہ وری کے بہت چرچے ہوئے ، چنانچہ لوگ دور دراز سے فیض پانے کے لیے ان کی خدمت میں حاضر ہوتے اور ان کے مرید بنتے -

شیخ عبد الحق اور شاہ ابوالمعالی :

شیخ عبدالحق دہلوی جو خود عالم ، مفسر ، محدث ، شاعر اور صوفی تھے ، شاہ ابوالمعالی سے والہانہ عقیدت رکھتے تھے - انھوں نے ایک جگہ ان کے متعلق لکھا ہے :

''اسد الدین شاہ ابوالمعالی کہ شیر بیشۂ جلالت و سرہنگ ایوانِ قدرت و از والہان آگاہ و عاشقان درگاہ قادریہ است -''[4]

اخبار الاخیار میں لکھتے ہیں :

''ابوالمعالی بغایت مناسبت عالی و قدر متعالی دارد و ریاضت و مجاہدہ میکشد و قبولی تمام یافتہ و حسن مقال ضمیمہ صحت حال ساختہ - اشتیاق ملازمت او بسیار است - انشاءاللہ میسر گردد -''[5]

۱- خزینۃ الاصفیاء ، غلام سرور ، ج ۱ ، ص ۱۴۹ - ۱۵۰ -
۲- ڈسٹرکٹ سنسس رپورٹ ۱۹۶۰ع ، ملتان ۸۴ - V -
۳- مقامات داؤدی ، ص ۲۸۰ -
۴- شرح فتوح الغیب ، نولکشور ، ص ۴۲۴ - ۴۲۵ -
۵- اخبارالاخیار ، دہلی ، ص ۲۳۸ -

انھوں نے شاہ ابوالمعالی کی خدمت میں جو منظوم رقعہ لکھا ہے ، اس سے ان کی عقیدت و شیفتگی کا علم ہوتا ہے ۔ یہ نظم بھی محفوظ رکھنے کے قابل ہے :

''رقعہ حضرت شیخ عبدالحق دہلوی قدس سرہ بجناب ہدایت و ارشاد مآب زبدۃ الواصلین ، قدوۃ الراسخین ، حضرت شاہ ابوالمعالی قدس سرہ العزیز اینست''[1] :

ای بادِ صبا بہ نیک فالی
رو بر درِ شاہ ابوالمعالی

آن شاہِ سریرِ علم و عرفان
سرِ حلقۂ اہلِ ذوق و وجدان

ہر جادۂ عارفان آگاہ
مقبولِ ازلِ عزیزِ درگاہ

گر زانکہ رہِ مجال یابی
رہ در حرمِ وصال یابی

از بندہ بوی دعا رسانی
با ہر ادبی کہ میتوانی

ثم ازو حدیثِ اشتیاقی
مِن بعد شکایتِ الفراقی

گو شوقِ تو از حد فزون است
از حیطۂ گفت و گو برون است

مشتاقِ جمالِ تست حقی
جویانِ جمالِ تست حقی

عمریست کہ با تو ای یگانہ
می بازم عشقِ غائبانہ

ہموارہ در انتظار آنم
تا قصۂ ذوق بر تو خوانم

ور بخت مدد کند بیایم
چشمم بجمالِ تو کشایم

۱۔ مقامات داؤدی مخطوطہ ، ص ۱۳۷ ب ، ۱۳۸۔

تن گرچه از خدمتِ تو دور است
جان . . . که همیشه در حضور است

این نسبتِ ما که هست جانی
سررشته کجاست هم تو دانی

تشنهٔ لبانِ یک زلالیم
نظار گیانِ یک جمالیم

ما ره روانِ یک دیاریم
دلدادهٔ عشقِ یک نگاریم

افتاده بخاکِ یک جنابیم
سر مست ز بوی یک شرابیم

آشفته ز ذوقِ یک نوائیم
هر چند تو شاه ما گدائیم

خمیازه کشانِ یک خماریم
دل سوختگانِ یک شراریم

هیهات من گدا که باشم
لاف زنم که خواجه تاشم

با تو که بجای خواجه باشی
چون لاف زنم ز خواجه تاشی

یک خواجه و صد هزار بنده
یک شاه و هزار سر فگنده

یک شاهد و صد هزار مفتون
یک لیلیٰ و صد هزار مجنون

یک حسن ، نظارگی ز حد بیش
از تیرِ نگاه ، هر یکی ریش

هر سوی دل ز دست داده
از راهِ شکستگی فتاده

تا سوی که چشم بر کشاید
بر روی مراد در کشاید

هرچند بلند و ما فروئیم
هر طور که هستیم ازانِ اوئیم

نظارگیِ جمال پیریم
ہرچند بدستِ نفس اسیریم
آلوده ز پای تا بفرقیم
در بحرِ ولای دوست غرقیم

از خم شکنانِ بادهٔ عشق
وز راه روانِ جادهٔ عشق
داریم امید آنکہ گاہی
بہر جانب ما فتد نگاہی

یک جرعہ بخاک ما بریزد
بر ما بستیزه برنخیزد
من بندهٔ این درست کیشان
جان و دلِ من فدای ایشان

انھوں نے اپنے بیٹے کے نام ایک خط میں اپنے لاہور جانے اور شاہ ابوالمعالی سے ملاقات کرنے کا حال لکھا ہے اور ان کے متعلق اپنے تأثرات قلمبند کیے ہیں۔[۱]

ایک دفعہ شاہ صاحب بیمار ہو گئے اور شیخ صاحب ان کی ملاقات کے لیے بے تاب ہوئے ، لیکن چونکہ ان کو حکم تھا کہ وہ :

"نجنبد و از زاویۂ انزوا پای برون نہ نہد و از درویش و توانگر و خویش و بیگانہ و مرده و زنده ہیچکس را نہ بیند و از جای بجای نرود ۔"

اس لیے مجبور تھے ۔ صحت کی بحالی پر ان کو لکھتے ہیں :

"الحمد للہ کہ بخیر گذشت ۔ حق جل و علا سایۂ عنایت و محبت ایشان بر فقرای این سلسلہ پاینده دارد کہ وسیلۂ حل بسی از مشکلات و سبب آسانی دشواریہاست ۔"

شیخ صاحب اس حبس و قید سے سخت قلق و اضطراب میں تھے اور ان کا دل ریب و تشکک کی آماجگاہ بنا ہوا تھا ، اس لیے ایک مرتبہ شاہ صاحب

۱۔ کتاب المکاتیب والرسائل در باب الکمال والفضایل ، دہلی ، ص ۲۲۳ - ۲۲۷ ، ۳۰۲ - ۳۰۶ ۔

نے انہیں لکھا :

"ہمہ خیر است و خوب خواہد بود ۔ عنایت غوث الاعظم بیشمار است ۔ ہیچ غم و اندیشہ را بخود راہ ندہند ۔"

ایک مرتبہ شیخ صاحب دردِ غم و فراق سے نڈھال ہوئے جا رہے تھے ۔ بے بس ہو کر ان کو لکھتے ہیں :

"اندوہ و تنگ دلی از حد گذشتہ ۔ وقت امداد و اعانت است ۔ فریاد رسی می باید کرد و ردای اغاثہ کبری کہ منتہی بجناب حضرت غوث الاعظم است میباید پوشید و زرہ داؤدی در بر کرد و در غالب حقیقت عظمیٰ غوثیہ در آمد و تصرف کرد :

دل میرود ز دستم صاحبدلان خدا را
دردا کہ رازِ پنہان خواہد شد آشکارا

فریاد دل غم زدہ را گر نکنی گوش
پس پیش کہ از دست تو فریاد توان کرد"

آخر شیخ عبدالحق اپنی مشکل کشائی کے لیے لاہور پہنچ گئے ۔ شاہ ابوالمعالی ان دنوں کہیں لاہور سے باہر گئے ہوئے تھے ۔ شیخ صاحب نے ان کی واپسی سے پہلے بزرگوں کے مزارات پر حاضری دی ۔ جب شاہ صاحب واپس آئے تو فرمایا کہ ہمیں کچھ دیر باہر رہنا تھا لیکن ہمارے دل میں ایک جذب و کشش پیدا ہوئی ، شاید جذبۂ عشق تھا جو ہمیں کشاں کشاں لے آیا ۔ پہلے تو بہت خفا ہوئے کہ آپ دہلی چھوڑ کر کیوں چلے آئے ۔ آپ کے لیے حکم ہے کہ وہیں ٹھہریے ۔ شیخ صاحب نے کہا کہ میں حضرت شیخ موسیٰ قدس سرہ کی زیارت کو جانا چاہتا تھا اور شیر گڑھ میں حضرت مرشد کے آستانۂ متبرکہ پر حاضر ہونا چاہتا تھا اور اُچ میں مخدوم زادوں ، پیر زادوں اور حضرت غوث اعظم کی اولاد کی زیارت سے مشرف ہونا چاہتا تھا ۔ لیکن حضرت ابوالمعالی نے فرمایا ، وہاں جانے کی ضرورت نہیں : "ہمہ با شما اند و از شما جدا نیستند" ، بس تم دہلی جاؤ ۔ حضرت غوث الاعظم نے تمھارے متعلق یہ جملہ فرمایا ہے : "حقت حقانیت حقی حقت فردانیت حقی" ۔

پھر فرمایا :

"از تصنیفاتِ شما فایدۂ دین و دنیا حاصل کردہ ایم ۔ حق تعالیٰ شما را

بآن منتفع گرداند ۔ اگرچہ سخنان مردم بسیار خوانده ایم و خوانده میشود اما سخنانِ شما را در فقر گوارائی است کہ سخنانِ مردم دیگر را نیست ۔"

شیخ صاحب اپنے بیٹے کو لکھتے ہیں کہ آنحضرت لاہور سے فوراً دہلی چلے جانے پر مصر تھے مگر میرے نفسِ بے ثبات میں تردد و تزلزل تھا ۔ لیکن جب ان کی طرف سے تاکید و تائید اور تسلی و تثبیت ہو رہی تھی اور پھر جب ایسا باکمال شخص محض محبت و اخلاص سے بے غرض و بے عوض اتنا کچھ میرے لیے چاہتا ہو ، تو کون ایسا سنگدل ہوگا جو نرم نہ ہو جائے ۔ ان کی صحبت کا اثر ، جو میرے ظاہر و باطن پر چھایا ہوا ہے ، وہ احاطۂ تحریر میں نہیں سما سکتا ۔

وداع ہوتے وقت حضرت شاہ صاحب نے پھر فرمایا :

"توجہِ خود بجانب حضرت غوث اعظم درست دارید و از ہمہ کس قطع کنید . . . ہمہ چیز خواہد شد ۔"

پھر فرمایا کہ شرحِ مشکٰوۃ کو مکمل کیجیے ، انشاء اللہ ایسی کتاب ہوگی کہ اہلِ عالم اس سے مستفید ہوں گے ۔ شرحِ مشکٰوۃ ۱۰۱۹ھ سے ۱۰۲۵ھ کے درمیان پایۂ تکمیل کو پہنچی ۔ اس سے قیاس ہوتا ہے کہ شاہ ابوالمعالی سے ان کی ملاقات ۱۰۲۳ھ میں ، یعنی سالِ وفات سے ایک دو سال پہلے ہوئی ہوگی ۔

شاہ ابوالمعالی نے ہی ان کو حکم دیا کہ "فتوح الغیب (مصنّفہٗ غوث اعظم) را ترجمہ باید کرد و شرح باید نوشت و ہمہ کارہا را گذاشتہ این کار باید کرد ۔"[۱]

شاہ ابوالمعالی اور عبدالقادر بدایونی :

عبدالقادر بدایونی کو بھی سید ابوالمعالی سے گہری عقیدت تھی ۔ وہ ان کے متعلق لکھتے ہیں :

"در چابک روی یگانۂ زمانہ و در حالات و مقامات فقر و فنا نشانہ ۔ اگر ذکر موافقان رود ، نامِ او اوفق ۔ اگر نام سابقان درمیان آید ، ذکرِ او اسبق ۔"

۱۔ شرحِ فتوح الغیب ، نولکشور ، ص ۴۲۵ ۔

شاہ ابوالمعالی نے ان کو ایک خط لکھا تھا جس کو انھوں نے اپنی تاریخ میں نقل کیا - ہم بھی تبرکاً اسے محفوظ کر لیتے ہیں :

''زدت اشتیاقا والفواد بحسرة
و فی طیّ احشائی توقّد جمرة
متی یرجع الغیاب من طول سفرة

"عزیزی در این زمان فترت فرقت از ہر آشنا و بیگانہ خبر خیریت پرسان ، ہر کسی را قاصدی و رسولی پنداشتہ ، سلامی و پیامی چشم میداشت کہ ناگاہ رقیمۂ مودت تمیمہ نسخۂ صحت مزاج سودا زدگان ہجریہ گردیدہ ، شوق بر شوق و محبت بر محبت افزودہ - الآن بابیات حضرت قادریہ کہ بتلاطم امواج جانرا سراسیمہ و سرگردان میدارد ، دردِ دل بیرون میدہد ، معذور خواہند داشت :

ایہ بکم[1] عجبا من سایر الوری
فلم أر من سکری امامی ولا ورا
و ما فی الحشا واللہ غیر ھواکم
یشاھدکم قلبی کانیّ بکم اری
و فی قاع قبری قیّلوا نجواھم
فھم قبلتی ما دمت حیّا و فی ثری
اذا ما اتانی منکر و نکیرہ
أجیب نکیراً حین یاتی و منکرا
اقول اسئلوا غیری فانی محبّھم
و عھدی بھم فی حبھم ما تغیرا

ہمہ بہمہ دعا میرسانند - کتبہ الفقیر ابوالمعالی -

در رقعۂ دیگر نوشتہ کہ :

آن عزیزی کہ ہمہ شب بدل من گردد
خرم آنروز کہ در دیدۂ روشن گردد

سلامِ شوقیہ مرام رفیع الاعلام داؤدیہ قادریہ نظام تبلیغ نمود - آنکہ محبت

۱- مسودے میں اسی طرح درج ہے - (ادارہ)

شعاری مولانا عبدالغفور و شیخ عمر را مہمی ضروریست کہ بہ نیم التفاتِ عالی برآمدی دارد - اگر وقت آنعزیز گنجائش آن داشتہ باشد کہ وقوع یابد الحق بسیار مثمر خیر کثیر خواہد بود ، والدعا -“[۱]

شاہ ابوالمعالی اور ملک الشعراء فیضی :

ملک الشعرا فیضی کو ان سے بڑی عقیدت تھی - وہ ان کی درویشی کا چرچا سنا کرتے تھے اور ان کے اشعار آبدار پسند کرتے تھے اس لیے ان سے ملاقات کے آرزومند تھے - انھوں نے شاہ ابوالمعالی کو جو خط لکھا اور انھوں نے خط کا جو جواب لکھا ، ان کی نقلیں ’مقاماتِ داؤدی‘ میں محفوظ ہیں - ایک مرتبہ شاہ صاحب ، فیضی کا کتب خانہ بھی دیکھنے گئے اور تین دن تک ایسے انہاک سے دیکھتے رہے کہ کھانے پینے کا خیال تک نہ کیا - یہ واقعہ بھی ۱۰۰۱ھ سے پہلے کا ہوگا کیونکہ دوستانہ مراسم قائم ہو چکے تھے ، اسی لیے انھوں نے فیضی کے والد شیخ مبارک کی وفات پر (۱۰۰۱ھ) تعزیت نامہ بھیجا - متذکرۂ صدر دونوں خط بھی ہم نے تبرکاً یادگار کے طور پر محفوظ کر لیے ہیں :

نامۂ فیضی بنام شاہ ابوالمعالی :

”ای دل برآر شہپر شوق و گذار خط
کفر محبت است نوشتن بہ یار خط

نیست قدم کہ سرکنم بادیۂ فراق را (؟)
نامہ ببال بستہ ام طائر اشتیاق را

سلام اللہ منشور الاسالی علی الشیخ الصفی ابی المعالی

عمریست کہ از دیباچۂ مکارم و معالی ایشان سامعہ التذاذ میکرد - در وقت رفتن و آمدن بر آن شدہ بود کہ محبت نامہ فرستادہ رفع حجاب نماید - چون در خاطر قرار نبود ، برآن قرار نگرفت و ازان باز کہ درین شہر کرامت و قرب جوار بہمرسیدہ میخواست کہ استمزاج وقت ایشان نماید - امروز بفردا می افتاد تا دیگر امروز بی اختیار شد و صد ملامت بر جاذبۂ شوق خود نمودہ این صحیفۂ اشتیاق را بدر تکلیف روانہ ساخت - تکلف بر طرف ، نفسی

۱- منتخب التواریخ ، کلکتہ ، ج ۳ ، ص ۱۰۲ - ۱۰۴ -

چند با دوستان جانی بسر بردن بہ ہیچ چیز این نشاء فانی برابر نمی توان کرد کہ از عبوری گذر نخواہد بود ۔ بیت

بزمِ نشاط بادہ کشانرا غنیمت است
ساقی بیا کہ صحبت یاران غنیمت است"

جوابِ نامۂ فیضی از شاہ ابوالمعالی :

"سلام الرحمن نحو جنابکم لان سلامی لایلیق ببابکم

اسلمہ متحابہ و ادعیہ مستجابہ کہ از زوایای قبای اشواق دقیقہ حقیقہ حصول یافت ، ابراز می نماید کہ چون ہمای ذی ہوای اقبال بر فرق فقرای شکستہ بال سایۂ شہبال سعادت اظلال گستردہ ، سرور اینحال اینانرا چنان از خود ربودہ کہ ہر چند میخواستند کہ در ادای شکر این دولت حرفی ادا نمایند ، نتوانستند ۔ لاجرم بمجرد دعا اکتفا نمودہ شد ۔ ہمیشہ بفیض اکبر اجدر باشند ۔ و آنکہ فقیر خود را بشرف صحبت سامی اشارت فرمودند ، عزیزا ! اسفیدار تن از وصول وی بسی افسردہ بود ۔ نیت دارد کہ باین انسیت اگر بہارِ نسیم یابد ، از ہرچہ زود تر بمشیت اللہ تعالیٰ برسد ۔ انہ علی ذالک قدیر بالاجابت جدیر ۔ والسلام ۔"[۱]

شاہ ابوالمعالی اور سید داؤد :

شاہ ابو المعالی کو اپنے پیر سے عشق تھا ۔ ان کی دعا تھی :

ای خدای من ! مرا انجام کار زندہ و مردہ بعشق پیر دار

اور وہ کہا کرتے تھے :

"ہیچ کاری و ہیچ حرکت و سکنت نمی کنم الا باشارت شیخ خود کہ شیخ داؤد اند ، قدس سرہ العزیز ۔"[۲] شیخ داؤد کی مدح میں انھوں نے جو اشعار کہے ہیں ، ان سے ان کا جوشِ عقیدت واضح ہے :

ہستم از جامِ محبت ہمہ دم والہ و مست
این و آن را چہ شناسم منِ داؤد پرست

۱۔ مقاماتِ داؤدی ، مخطوطہ پنجاب یونیورسٹی لائبریری ، شمارہ PPC IV, 29 ، ص ۱۴۰ب ، ۱۴۱ ۔ روٹو گراف مقاماتِ داؤدی ، ص ۲۸۵ ۔

۲۔ کتاب المکاتیب والرسائل ، دہلی ، ص ۳۰۳ ۔

دلِ افسردہ کی یابد بگفتِ ہر کسی گرمی
دلِ داؤد می باید کہ آہن را دہد نرمی

بتختِ فقر بنشینم چو حاصل گشتہ مقصودم
سلیمانی کنم کز جان غلام شاہ داؤدم

رباعی :
یارب نظری ز عین مقصودم بخش
آزادگی ز بود و نابودم بخش
ہر چند نیم درخور این دولت خاص
یک ذرہ ز عشق شیخ داؤدم بخش

شاہ ابوالمعالی اور شیخ عبدالقادر جیلانی :

چونکہ شیخ داؤد سلسلۂ قادریہ سے منسلک تھے ، اس لیے شاہ ابوالمعالی بھی اپنے پیر کی بیعت میں قادری ہوئے ۔ اس سلسلے کے بانی غوث اعظم شیخ عبدالقادر جیلانی سے ان کو والہانہ عقیدت تھی ۔ انھوں نے اپنے اس مرشد کی مدح و ستایش میں غلو و اغراق سے کام لیا ہے ۔ ہم نے "تحفۃ القادریہ" کے تجزیہ و تنقید میں ان اشعار کو نقل کیا ہے جو انھوں نے پیر مشائخ کی تعریف میں کہے ہیں ۔ بعض اشعار کا مفہوم بظاہر شرک کی حدوں کو چھو رہا ہے ۔ مثلاً ہم یہاں صرف ایک شعر نقل کرتے ہیں :

پادشاہی و جہان را قادری غیر تو کس را نزیبد قادری

شاہ ابوالمعالی کے متعلق مشہور تھا کہ انھیں غوث اعظم کے ساتھ ایسا توسّل و تقرّب ہے کہ وہ خواب میں آ کر ان کی رہنمائی فرماتے ہیں اور ان کی مشکلات کو حل کرتے ہیں ۔ اس ضمن میں دارا شکوہ نے ان کے متعلق ایک واقعہ نقل کیا ہے ۔ اگرچہ بہت سی کرامات پیروں سے منسوب ہو جاتی ہیں اور آج کل کی عقلی و سائنسی دنیا میں ایسی خلافِ عادت باتوں پر یقین کرنا دشوار ہوتا ہے ، لیکن بعض عصری ثقہ شہادتوں کی بنا پر اس قسم کی محیّر العقول

۱۔ تحفۃ القادریہ ، قلمی ، پنجاب یونیورسٹی لائبریری ، ص ۳۴ ب ۔

باتوں پر یقین کر لینا بعید از عقل نہیں ۔ دارا شکوہ لکھتے ہیں کہ ان سے اخوند "ملا" نعمت اللہ نے بیان کیا (یہ "ملا" حضرت میاں میر کے مرید اور دارا شکوہ کے مرشد حضرت "ملا" شاہ کے دوست اور پیر بھائی تھے) : ایک دن میرے دل میں آیا کہ مجھے غوث الثقلین سے عقیدت ہے ، کیا انھیں بھی اس بات کی خبر ہے کہ نہیں ؟ میں نے خواب میں دیکھا کہ کسی مقام پر میں عاجز و بے بس ہو گیا ہوں ، میرا سر ننگا ہے ، اُس وقت غوث الثقلین حاضر ہوئے اور مجھے سفید پگڑی عنایت کی اور فرمایا : "ملا نعمت اللہ ! ہم ایسے موقعوں پر آپ سے باخبر رہتے ہیں ۔" اس سے اگلے دن شاہ ابو المعالی نے مجھے بلایا اور سفید پگڑی عنایت کی اور کہا کہ یہ وہی پگڑی ہے ۔[۱]

شاہ ابو المعالی کو کشفِ باطن یعنی کشفِ قلوب کا ملکہ حاصل تھا ۔ "ہشت محفل" میں بھی چند واقعات مندرج ہیں ۔ لیکن سب سے مصدقہ شہادت دارا شکوہ کی ہے جنھوں نے اپنے پیر و مرشد کی زبانی بیان کیا ہے کہ :

"ایک دن میں "ملا" نعمت اللہ کے ہمراہ آپ کی زیارت کو گیا ۔ ایک شخص ان کے لیے ایک تسبیح لایا ۔ میرے دل میں خیال آیا کہ اگر شاہ صاحب صاحبِ کرامات ہیں تو یہ تسبیح مجھے مرحمت فرمائیں ۔ جب میں رخصت ہونے لگا تو انھوں نے مجھے بلایا اور وہ تسبیح مجھے عنایت فرمائی اور کہا جب یہ تسبیح تمھارے ہاتھ میں آئے تو سو مرتبہ صلوات پڑھو ۔"[۲]

شاہ ابوالمعالی کی اصل شہرت تو ان کی درویشی اور کمالاتِ معنوی کی وجہ سے ہے لیکن شاعر ہونے کی حیثیت سے بھی ان کا رتبہ کچھ کم نہیں لیکن اس کی طرف انھوں نے کم توجہ دی ہے ۔ ان کا ایک مرتّب دیوان بھی موجود ہے ۔ دوسری کتابوں میں بھی بعض جگہ ان کے منتخب اشعار نظر آتے ہیں ۔

انھیں تالیف و تصنیف کا بھی شوق تھا ۔ ان کی دیگر تالیفات حسب ذیل ہیں :

۱۔ تحفۃ القادریہ ۔
۲۔ رسالۂ شوقیہ ۔

۱۔ سفینۃ الاولیاء ، نولکشور ، ص ۱۹٦ ۔
۲۔ سفینۃ الاولیاء ، نولکشور ، ص ۱۹٦ ۔

۳- مونسِ جان -
۴- زعفران زار -
۵- گلدستۂ باغِ ارم -
۶- ہشت محفل ، یعنی ملفوظات ، مرتبہ سید محمد باقر -

اکثر معاصر اور متأخر مؤرخوں اور تذکرہ نگاروں نے 'تحفۃ القادریہ' کا ذکر کیا ہے - 'مقاماتِ داؤدی' میں 'مونسِ جان' کا بھی ذکر موجود ہے - 'رسالۂ شوقیہ' کے متعلق کہیں ذکر موجود نہیں - 'ہشت محفل' کا حال ابھی منکشف ہوا ہے - اب ہم تفصیل سے ان تالیفات کے متعلق گفتگو کرتے ہیں -

تحفۃ القادریہ :

یہ شاہ ابوالمعالی کی تصنیف ہے - اس میں انہوں نے شیخ عبدالقادر جیلانی کے سوانح زندگی مرتب کیے ہیں - اس کتاب کے قلمی نسخے اکثر کتب خانوں میں موجود ہیں - پنجاب یونیورسٹی لائبریری کا نسخہ ۱۱۰ اوراق پر مشتمل ہے - ہر صفحے میں ۱۵ سطریں اور ہر سطر میں ۱۵ الفاظ ہیں - یہ کتاب شائع نہیں ہوئی - البتہ اس کا اُردو ترجمہ ملک چنن دین تاجر کتب کشمیری بازار لاہور نے شائع کیا ہے جو بڑی تقطیع کے ۹۶ صفحات پر مشتمل ہے -

کتاب اکیس ابواب پر مشتمل ہے جن میں سے سات ابواب میں حضرت شیخ صاحب کی زندگی کے واقعات پر روشنی پڑتی ہے - ان کا نسب نامہ بیان کیا ہے اور ولادت ، تعلیم ، سیاحت ، ریاضت ، عبادت ، حلیہ ، لباس ، اولاد و احفاد اور وفات کے متعلق تفاصیل مہیا کی ہیں - چند ابواب میں ان کے اخلاق و صفات ، مجد و کرم اور دیگر مشائخ و اولیاء پر ان کی فضیلت کا ذکر کیا ہے - باقی ابواب میں اُن کے روحانی کمالات ، کشف و کرامات اور جنّوں ، انسانوں اور حیوانوں پر ان کے تصرّف کے متعلق واقعات بیان کیے ہیں -

مصنّف نے اس کتاب کے مرتّب کرنے میں بہجۃ الاسرار ، خلاصۃ المفاخر اور تفاح الاخلاص[1] سے استفادہ کیا ہے اور اپنے پیر و مرشد کے بیٹوں ، پوتوں اور بعض معاصر کے اقوال بھی نقل کیے ہیں -

---

۱- مسودے میں اسی طرح درج ہے - (ادارہ)

رسالۂ شوقیہ :

شاہ ابوالمعالی اس رسالے کی وجہِ تالیف یوں بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ عرس خواجگانِ چشت کے موقع پر طالبانِ حق کی محفل آراستہ تھی اور حاضرین ذوق و شوق اور آہ و نالہ میں اس قدر منہمک تھے کہ ایک کو دوسرے کی خبر نہ تھی - ایک بے دانش نے اعتراض کیا کہ حالتِ قرب و وصال میں گریہ و زاری کیسی ؟ فریاد و فغاں تو بُعد و جدائی کے موقع پر ہوتی ہے - اس نافہم کو سمجھانے کے لیے ہمیں یہ چند سطور لکھنی پڑیں -

اس تمہید کے بعد مصنّف نے بتایا ہے کہ گریہ پانچ قسموں پر مشتمل ہو سکتا ہے ، یعنی پانچ قسم کے اشخاص پر گریہ وارد ہو سکتا ہے : اول وہ شخص جو دردمند و صالح ہے ، سماع کے موقع پر جزا و سزا اور عذاب و عقاب کا تصور کرکے روتا ہے - اسے مجاز و حقیقت کی کوئی خبر نہیں ، خدا نے اسے رقیق القلب بنایا ہے - دوسرا مبتدی صوفی ہے جو فراقِ محبوب میں آہ و نالہ کرتا ہے ، وہ اس سوز و اضطراب کی حقیقت سے آگاہ نہیں - وہ دستِ مرتعش کی طرح بے اختیار ہوتا ہے - یہ صوفی اسرار الٰہی سے بے خبر ہے - تیسرا شخص صوفیِ سالک ہے جو چشمِ باطن سے جمالِ محبوب دیکھ کر وجد و کیف میں آ کر آہ و نالہ کرتا ہے - چوتھا شخص ایسا صوفیِ سالک ہے جس کے دل پر جمال و جلالِ الٰہی کی تجلیات نازل ہوتی ہیں - وہ اس ڈر سے کہ کہیں محو و نابود نہ ہو جائے ، گریہ و نالہ کرتا ہے - اس کی خواہش ہوتی ہے کہ وہ ہوش میں رہے اور جمالِ محبوب کا مشاہدہ کرکے لذت اندوز ہو - پانچواں صوفی سالکِ اہلِ حقیقت ہے - اس پر ایسی محویت و استغراق کی حالت طاری ہوتی ہے کہ وہ محوِ ذاتِ مطلق ہوتا ہے - ایسی حالت میں دل و جان کی اسے کچھ خبر نہیں ہوتی اور وہ لذتِ گریہ کو بیان نہیں کر سکتا لیکن عاشق کو ہمیشہ یہ حالت میسر نہیں رہتی - محبوب ہر دم نئی شان میں آتا ہے - عاشق کو اپنے محبوب کے ساتھ مستقل اتحاد و یگانگی حاصل نہیں ہوتی ، اس لیے وہ کمالِ حضوری کی حسرت میں بے اختیار روتا ہے اور آہ و نالہ کرتا ہے - آدم کی آدمیت وصالِ خداوندی کی راہ میں حائل ہے - بندہ بندہ ہے خدا خدا - رسولِ خداؐ کو قاب قوسین او ادنیٰ کا قرب حاصل ہوا ، پھر بھی حقیقتِ محمدیت حقیقتِ احدیت سے ہم کنار نہ ہو سکی - وہ عبدہ و رسولہ رہے اور ذاتِ خداوندی کے ساتھ مدغم نہ ہو سکے -

مندرجہ بالا پانچ قسم کے اشخاص بیان کرنے کے بعد مصنّف تبصرہ فرماتے ہیں کہ اصل یہ ہے کہ دردِ فراق کی جو لذت ہے وہ بیان نہیں کی جا سکتی :

''ہرچند فراق بسیار ، عشق بسیار - ہر چند عشق بسیار ، عاشق بیقرار - ہرچند عاشق بیقرار ، معشوق درکنار ، و ہرچند معشوق درکنار ، عاشق دل افگار - ہر چند عاشق دل افگار ، عشق آبدار -''

آخر میں معترض کے جواب میں مصنّف فرماتے ہیں کہ یہ ضروری نہیں کہ درد فراق ہی میں گریہ ہو ، وصال میں بھی گریہ ہو سکتا ہے - چنانچہ آدم[۴] فراقِ حوا میں روتے رہے اور جب توبہ قبول ہوئی تو بعد از وصال بھی روتے رہے - جو شخص اس کا قائل نہیں ، وہ کم عقل اور بے خبر ہے اور اس نے بحر عشق میں کبھی غوطہ نہیں لگایا -

مصنّف نے اپنے بیان کی تقویت اور زور استدلال کے لیے حافظ ، رومی اور دیگر صوفیہ کے اشعار نقل کیے ہیں اور موقع و محل کے مطابق استعمال کی وجہ سے بیان میں لذت آ گئی ہے - فارسی اشعار کے ساتھ ہندی دوہے بھی لکھے ہیں جن سے ہندو فلسفے میں بھی روحانیت و عشق کے میلانات کی تصدیق ہوتی ہے - ایک جگہ حسّان بن ثابت کے اشعار بھی نقل کیے ہیں -

رسالے کا طرزِ بیان جوش اور اخلاص سے بھرپور ہے - رنگ واعظانہ ہے اور تخاطب کا اسلوب لیے ہوئے ہے - ابوالمعالی لذتِ عشق سے آشنا ہونے کے باوجود اپنے عجز و انکسار کا اعتراف کرتے ہیں کہ وہ گریہ کی اصل کیفیت تفصیل سے بیان نہیں کر سکے - رسالے کی عبارت رواں ہے اور کیف و آگہی کا سماں لیے ہوئے ہے -

تذکرہ نگاروں نے شاہ ابو المعالی کی اس تصنیف کا کہیں ذکر نہیں کیا - اس کا ایک مخطوطہ پنجاب یونیورسٹی لائبریری کے مجموعۂ شیرانی میں اور ایک قلمی نسخہ انڈیا آفس لائبریری میں موجود ہے - (فہرست مخطوطات ، شمارہ ۱۹۲۳) -

ہشت محفل :

یہ رسالہ شاہ ابوالمعالی کی زندگی کے آٹھ دنوں یا آٹھ محفلوں کی روئداد ہے جو ان کے بیٹے سید محمد باقر نے مرتّب کیا ہے - پنجاب یونیورسٹی لائبریری مجموعہ شیرانی کے مخطوطات میں شمارہ ۲۲۳ پر اس کا ایک نسخہ موجود ہے - اس کے پہلے ایک دو ورق کم ہیں اس لیے یہ متعین نہیں ہو سکا کہ اس میں کس سال کے

رمضان کی آٹھ محفلوں کا ذکر ہے ۔ مذکورہ نسخہ ۱۰۸۸ھ کا لکھا ہوا ہے اور کافی کیرم خوردہ ہے ۔ خط رواں تعلیق ہے ، بعض جگہ کتابت کی غلطیاں بھی ہیں ۔ کل ۲۲ اوراق ہیں ، ہر صفحے میں ۱۷ سطریں اور ہر سطر میں تقریباً ۸ لفظ ۔

اس کتابچے کی یادداشتوں کو 'ملفوظاتِ ابوالمعالی' کا نام بھی دیا جا سکتا ہے ۔ یادداشتوں کے مرتّب ان کے فرزند محمد باقر ہیں جو شاہ صاحب کو بہت عزیز تھے ۔ چنانچہ انھی ملفوظات میں ان کے بارے میں یہ شعر ملتا ہے :

بود معمورِ فیضِ لا یزالی   محمد باقر ابن بوالمعالی

شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے بھی اس بات کی تصدیق کی ہے ۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں :

"سید محمد باقر فرزند مقبول ایشانست و رعایتی خاص بر وی دارند ۔"[1]

ان کی طرز نگارش سے معلوم ہوتا ہے کہ ان میں استعداد موجود تھی ، تبھی تو وہ اپنے والد محترم کی محفلوں میں حاضر رہتے تھے اور ان کے ارشادات سے فیضیاب ہوتے تھے ۔

ان ملفوظات سے شاہ ابوالمعالی کے علم و فضل ، ذوقِ شعر اور کمالاتِ معنوی پر روشنی پڑتی ہے ۔ وہ اکثر مصاحبین اور شرکائے محفل کے سامنے اپنے مرشد عالی حضرت غوث الثقلین عبدالقادر جیلانی کی تعلیمات کا ذکر کرتے ہیں اور ان کے فرمودات پر عمل پیرا ہونے کی تلقین کرتے ہیں ۔ کتاب کے شروع میں ان کے یہ اقوال نقل کیے گئے ہیں :

"قرآن بخوان ، امر و نہی نگاہدار و ہر درویش و مسافری کہ برسد ، سفرہ طعام ہرچہ باشد ، پیش آر ، و در غیب و حضور راست باش و از نفاق حذر کن و دایم وضو لازم گیر و با قضا و قدر راضی شو ۔"[2]

حضرت غوث اعظم نے اپنی وفات کے قریب اپنے فرزند ارجمند سید عبدالوہاب کو جو نصیحت کی وہ توحید و توکل اور استعانت باللہ کے بلند مقام کی طرف

۱۔ کتاب المکاتیب والرسائل ، دہلی ، ص ۳۰۵ ۔
۲۔ ہشت محفل ، نسخۂ خطی ، پنجاب یونیورسٹی لائبریری (مجموعۂ شیرانی) ص ۱ ۔

راہنمائی کرتی ہے - مرتّب نے عربی کی عبارت نقل کر کے اس کا ترجمہ بھی دیا ہے - الفاظ یہ ہیں :

"علیک بتقوی اللہ ولا تخف احدا ولا ترج احداً سوی اللہ و کل الحوایج الی اللہ و لاتعتمد الا علیہ واطلبہا جمیعاً منہ و لا تثق باحدٍ غیراللہ - التوحید، التوحید اجماع الکل -"

"یعنی پرہیزگاری کنی خدا را و از ہیچ کس بیم نداری جز خدا و امید نداری ہیچ یکی را جز خدا و بسپاری ہمہ کار خود را بخدا و تکیہ نکنی مگر بر لطف خدا و بخواہ ہمہ حاجات را از خدا و استوار مدار ہیچ یکی را جز خدا و لازم گیر توحید را کہ اتفاق ہمہ است -"

لیکن اس تعلیم کے برعکس محفلِ ششم کے آغاز میں یہ عبارت موجود ہے - مؤلف لکھتے ہیں کہ میں نے حضرت والد سے پوچھا کہ توسّل بحضرت غوث الثقلین در حاجات چگونہ باید کرد" - انھوں نے فرمایا کہ دو رکعتیں پڑھے جن میں سورۂ فاتحہ، سورۂ اخلاص، سورۂ کافرون پڑھے، اس کے بعد قبر کی طرف توجہ کر کے گیارہ قدم چلے اور ہر قدم پر "باحضور تمام بگوید : یا شیخ عبد القادر شیئاً للہ و حاجت عرض دارد" - اس کے بعد ایک ہزار ایک مرتبہ اسم اعظم پڑھے - اس سے ظاہر ہے کہ ان کے نزدیک حاجت روائی کے لیے اپنے پیر کو پکارنا جائز ہے - لیکن یہ تو ان کے مرشد کی متذکرۂ صدر تعلیم کے متضاد و منافی ہے کیونکہ وہاں انھوں نے تاکیداً فرمایا ہے کہ اپنی حاجات کے لیے کسی پر بھروسہ کرنا خلافِ توحید ہے -

جو لوگ اولیاء اللہ کے مزاروں پر جا کر قبروں کو بوسہ دیتے ہیں اور ان کے ساتھ سہارا لگا کر بیٹھتے ہیں، ان کے لیے حضرت غوث اعظم کی ایک نصیحت سننے اور عمل کرنے کے لائق ہے - وہ فرماتے ہیں :

"زیارتِ قبور کنید، بوسہ ندہید و تکیہ بر قبر نہ کنید کہ این عادتِ یہود است -"

مولف کا بیان ہے کہ شاہ صاحب اپنے نورِ باطن سے حاضر و مخاطب کے دل کی بات معلوم کر لیتے تھے - وہ مستجاب الدعوات بھی تھے - کتاب میں مذکورہ واقعات سے ظاہر ہوتا ہے کہ اگر انھوں نے کسی کے حق میں دعا کی تو وہ مقبول ہوئی - ان کی پیش گوئیاں بھی سچی ثابت ہوتی تھیں -

ان ملفوظات کا علمی پہلو بھی اہم ہے - مؤلف نے معرفت و حقیقت کے بعض نکات پر بھی روشنی ڈالی ہے - ایک جگہ سلسلۂ قادریہ میں مرید ہونے کے آداب بیان کیے ہیں اور ساتھ ہی مرید بنانے کے سلسلے میں مرشد پر جو ذمہ داری عائد ہوتی ہے ، اس کی طرف توجہ دلائی ہے -

بعض اولیاء اللہ کے متعلق کتابوں میں مذکور ہے کہ انھیں ہمہ جائی اور ہمہ گیری کا ایسا مقام ملتا ہے کہ ایک ہی وقت میں کئی جگہ موجود نظر آتے ہیں - مولانا روم اور سید علی ہمدانی کے متعلق یہ بیان کیا گیا ہے کہ وہ بیک وقت کئی مکانوں میں گئے اور ہر مکان میں ایک ایک غزل لکھ کر چھوڑ آئے - اس سے ظاہر ہوا کہ وہ ایک ہی رات میں ایک ہی وقت کئی محفلوں میں شریک رہے - اسی کتاب کی محفلِ ہشتم میں عبداللہ تستری کے متعلق بھی ایسا ہی واقعہ بیان کیا گیا ہے - شاہ ابوالمعالی کے متعلق بھی اسی قسم کا واقعہ نقل کیا گیا ہے کہ ایک شخص نے آ کر حیرت کا اظہار کیا اور بتایا کہ حضرتِ ایشاں تو رات کو ان کے ساتھ دریا کی سیر کر رہے تھے - دوسرے نے کہا وہ تو رات بھر 'حسین گھر' میں موجود تھے - جب شاہ صاحب سے اس حقیقت کا راز دریافت کیا گیا تو انھوں نے فرمایا :

''از قدرتِ حق ازینہا چہ عجب - آفتاب یکیست ، ہمہ کس ہمہ جا دانند کہ بر ماست - اگر خدای عزّوجلّ یک بندہ را ہمچنیں نماید ، ہیچ غریب و عجیب نیست -''

شاہ ابوالمعالی کا ذوقِ شعر خوب ہے - وہ گفتگو کے دوران میں موقع و محل کے مطابق اچھے اچھے اشعار استعمال کرتے ہیں -

گلدستۂ باغِ ارم :

یہ ایک مختصر سا رسالہ ہے جو لطایف و ظرایف اور نکات و حکم پر مشتمل ہے - مؤلف نے چند لفظوں کی تمہید میں بتایا ہے کہ روحانی قبض کی حالت میں لطائف اکثر بسط انگیز ہوا کرتے ہیں ، اس لیے دوستوں کے التماس پر ان کو یکجا کر دیا گیا ہے - یہ گلدستہ چار طرازوں پر مشتمل ہے :

طرازِ اول : در بیان اخبار خواجۂ کائنات -

طرازِ دوم : در لطائفِ اولیاء -

طرازِ سوم : در اقوال حکماء بزبانِ بیزبانان ـ

طرازِ چہارم : در نصایح ـ

طرازِ اول میں دو حدیثیں نقل کی گئی ہیں ؛ پہلی یہ ہے : 'جس نے گلاب کا پھول سونگھ کر مجھ پر درود نہ بھیجا ، اس نے مجھ پر ظلم کیا ـ' اس حدیث کی تائید کے لیے مزید ایک قولِ رسولؐ نقل کیا گیا ہے اور وہ یہ ہے : 'گلاب کا پھول آنحضرتؐ کے پسینے سے پیدا ہوا ہے' ـ دوسری حدیث یہ ہے کہ ہندوستان کی زمین خربوزے کی طرح آپؐ کے قدموں کے نیچے سے گزاری گئی ہے ـ چنانچہ ہندوستان میں بزرگ اولیاء پیدا ہوئے ہیں اور اودھ میں حضرت شیثؑ اور حضرت ایوبؑ کی قبریں ہیں ـ یہ احادیث شک و گمان سے پاک نہیں ـ پہلی میں ظلم کا لفظ اور دوسری میں فوق الفطرت واقعے کا ذکر ان کے موضوع ہونے کی طرف اشارہ کرتا ہے ـ اسی طراز کی تیسری روایت میں وہ سات فارسی الفاظ نقل کیے گئے ہیں جو رسول اکرم صلعم نے مختلف موقعوں پر اپنی زندگی میں استعمال کیے تھے ـ اور لکھا ہے کہ یہ ملفوظات جلالی سے منقول ہیں ـ یہ روایت ہماری نظر سے گزری ہے اور سراج الہدایہ یعنی مجموعۂ ملفوظات مخدوم جلال الدین جہانیاں جہانگشت ، مرتّبہ احمد برنی ، مخطوطہ پنجاب یونیورسٹی لائبریری کے ورق ۷۰ الف اور ۷۱ پر موجود ہے ـ

طرازِ دوم میں وہ لطائف مندرج ہیں جو مولانا عبدالرحمٰن جامی اور دوسرے اشخاص سے منسوب ہیں ـ ان میں سے اکثر و بیشتر 'لطائف الطوائف' مؤلفہ علی بن حسین واعظ کاشفی سے منقول ہیں ـ لیکن مؤلف نے اپنے مأخذ کا ذکر نہیں کیا ـ طرازِ سوم میں باز ، کچھوے اور لومڑی کی پانچ چھوٹی چھوٹی حکایات بیان کر کے حکمت کی باتیں درج کی ہیں ـ طرازِ چہارم میں آٹھ نو اشعار لکھے ہیں جن سے پند و موعظت مقصود ہے ـ ان میں سے دو رباعیاں یہ ہیں :

بیش طلبی ز ہیچکس بیش مباش
چون مرہم موم باش و چون نیش مباش
خواہی کہ ز ہیچ کس بتو بد نرسد
بد گوی و بد آموز و بد اندیش مباش

جہد کن تا شاخ و بیخ دشمنی
از درونِ باغ جانت بر کنی
لیک باشی محو دلبر آنچنان
یاد ناید دوستی و دشمنی

یہ گلدستہ ۹۹۰ھ میں تمام ہوا۔ مؤلف نے خود لکھا ہے:

المنۃ للہ کہ شد از لطفِ لطیف
در نہصد و تسعین بہ شب عید تمام

زعفران زار:

یہ رسالہ بھی شاہ ابوالمعالی کی تالیف ہے۔ انھوں نے دیباچے میں اس کی وجہِ تالیف بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ میری خواہش تھی کہ میں رسولؐ خدا کے لطایف و ظرایف جمع کرکے ایک رسالہ تالیف کروں جو پراگندہ خاطر اشخاص کے لیے دل جمعی کا باعث ہو۔ اس کی تائید میں ایک حدیث بھی نقل کی ہے: ''من سرّ مؤمنا فقد سرّ اللہ'' یعنی جس نے مومن کو خوش کیا اس نے خدا کو خوش کیا۔ وجہِ تسمیہ یہ بیان کی ہے: کیونکہ یہ کتاب غم دور کرنے اور فرحت بخشنے میں زعفران کی خاصیت رکھتی ہے، اس لیے ''زعفران زار ساختم نامش'' کتاب کو اپنے پیر زادہ کے نام منسوب کیا ہے۔

اس کتاب کے چار چمن ہیں:

۱- چمنِ اول: نبی اکرمؐ کے اپنے مطائبات۔
۲- چمنِ دوم: صحابہ کے وہ لطایف جو رسولِ خداؐ کے روبرو ہوئے۔
۳- چمنِ سوم: وہ لطایف جو اصحاب و احباب کے درمیان واقع ہوئے۔
۴- چمنِ چہارم: برمحل اشعار۔

ہر لطیفہ، واقعہ یا حکایت کو 'رائحہ' کہا ہے۔ چمن اول میں ۲۰، چمن دوم میں ۱۰، چمن سوم میں ۵ اور چمن چہارم میں ۸ روائح ہیں۔ ان ۴۳ روائح میں سے دس پندرہ ایسے نکلیں گے جو مؤلف کے اپنے بیان کے مطابق نشاط بخش اور روح پرور ہوں گے۔ رسولِ خداؐ کے لطایف میں مزاح و لطافت موجود ہے۔

ان کے تین چار لطایف تو مشہور و معروف ہیں ۔ مثلاً :

۱۔ کیا تیرا وہ شوہر نہیں جس کی آنکھ میں سفیدی ہے ۔

۲۔ بوڑھی عورتیں جنت میں نہیں جائیں گی ۔

۳۔ تجھے اونٹنی کا بچہ کیوں نہ دوں ۔

صحابہ کے لطایف میں دو تین خوب ہیں ۔ مثلاً :

۱۔ یا علی انت فینا کالنون فی ''لنا'' ۔

۲۔ صہیب کی آنکھ میں درد تھا ۔ وہ کھجوریں کھا رہا تھا ۔ حضورؐ نے فرمایا : ''آشوبِ چشم کے لیے کھجوریں کھانا مضر ہے ۔'' صہیب نے عرض کی : ''میری ایک آنکھ میں درد ہے ، میں دوسری آنکھ کے لیے کھجوریں کھا رہا ہوں ۔''

چمنِ چہارم میں تین چار فارسی اشعار ہیں اور تین جگہ عربی اشعار ہیں ۔ دو جگہ حضرت عائشہؓ کی زبانی رسولِ خداؐ کی تعریف میں اشعار ہیں اور ایک جگہ سوسمار کی زبانی قصیدے کے چند اشعار ہیں ۔ مصنف نے دو جگہ عربی اشعار کا آزاد ترجمہ بھی کیا ہے جو نہایت موزوں ہے ۔ ایک مثال یہ ہے :

فلو سمعوا فی مصر اوصاف خده
(نمیکردند ہرگز میلِ یوسف)

لما بذلوا فی الیوم یوسف من نقدی
(اگر در مصر وصف او شنیدند)

[1]لو فی زلیخا لو رأین حبیبی
(حبیبم گر زنان مصر دیدند)

لاثرن بالقطع القلوب علی ایدی
(بجای دست دلہا می بریدند)

بعض روایح میں صرف واقعات یا روایات کا ذکر ہے ۔ ان میں لطیفہ ، بذلہ یا مزاح و ظرافت کی بات نہیں ۔ مثلاً چمن دوم میں رایحہ نمبر ۹ میں ذکر ہے کہ زخم کی وجہ سے قتادہ بن نعمان کی آنکھ حلقے سے باہر نکل آئی ۔ رسولِ خداؐ نے

۱۔ مسودے میں اسی طرح درج ہے ۔ (ادارہ)

آنکھ حلقے میں رکھ دی اور لعابِ دہن لگایا اور وہ صحیح و سالم ہوگئی -

مونسِ جان :

شاہ ابوالمعالی کا یہ رسالہ 'مونسِ جان' کہلانے کا مستحق ہے - اس کی حکایات راحت دل کا باعث ہو سکتی ہیں - مؤلف نے دیباچے میں لکھا ہے کہ اس میں لطایف و ظرایف بھی ہیں جو خوش طبع جوانوں اور لطیف نازنینوں کے لیے نشاط انگیز ہوں گے - لیکن مطالعے کے بعد معلوم ہوا کہ اس میں گلدستہ باغِ ارم اور زعفران زار کی طرح لطایف و ظرایف نہیں - البتہ اس کی بعض حکایات حکمت آموز اور بصیرت افروز ضرور ہیں - یہ کتاب چار مقالات پر مشتمل ہے؛ مقالہ اول در حقایق ، مقالہ دوم در احادیث و کلماتِ مشایخ ، مقالہ سوم در محبت ، مقالہ چہارم در ذکر شعرا -

مقالہ اول میں انچاس حکایات ہیں - ان میں کچھ تو رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال ہیں اور کچھ اولیاء اللہ کے ارشادات ہیں - حکایات کے بعض حقائق و نکات کا اندازہ لگانے کے لیے ہم چند ایک یہاں نقل کرتے ہیں :

۱- بادشاہ نے درویش سے کہا : ''بارگاہِ خداوندی میں مجھے یاد کرنا" - درویش نے کہا : ''وہاں تو میں اپنے آپ کو بھی بھول جاتا ہوں ، کسی کو کیا یاد کروں -''

۲- درویش نے کہا : ''اگر مل جاتا ہے تو شکر کرتے ہیں ، نہیں ملتا تو صبر -'' پیر بسطام نے فرمایا : ''درویش کو چاہیے کہ مل جائے تو صبر کرے اور نہ ملے تو شکر کرے - یعنی مل جائے تو خدا کی راہ میں دے دے اور شور برپا کرنے والے نفس کو صبر دے اور اگر نہ ملے تو شکر کرے تا کہ نہ کتّا دیکھے اور نہ بھونکے -

۳ - حاتم طائی نے سخاوت کرنے کے لیے چار دروازے کھول رکھے تھے - ایک شخص ہر دروازے پر گیا لیکن اس نے اس کو خالی نہ بھیجا اور نہ ہی خود رنجیدہ ہوا - حضرت علیؓ نے فرمایا : ''یہ سخاوت سہل ہے - سخاوت یہ ہے کہ ایک ہی دروازے پر اتنا دے کہ دوسرے دروازے پر جانے کی حاجت نہ ہو -''

۴- ایک جوان نے کہا : ''میں شادی نہیں کر سکتا - کہیے تو اپنے آپ کو خصّی کرلوں ؟'' - رسولِ خداؐ نے فرمایا : ''بہادری یہ ہے کہ اپنے

آپ کو مجرّد بھی رکھو اور یاد الٰہی سے بھی غافل نہ رہو۔"

اکثر حکایات کے آخر یا بیان کے دوران میں مؤلف نے اپنے اشعار نقل کیے ہیں جن سے بیان کو تقویت ہوتی ہے اور دلچسپی بڑھتی ہے۔ اکثر حکایات کے مآخذ تذکرۃ الاولیا اور نفحات الانس ہیں۔ رابعہ، حسن بصری، بایزید بسطامی، منصور حلاج، جنید و شبلی، نجم الدین رازی اور سنائی وغیرہ کے متعلق حکایات انھی کتابوں سے لی گئی ہیں۔

مقالۂ دوم میں نبیِ اکرمؐ کی پانچ احادیث، حضرت علیؓ کے سات ارشادات اور دوسرے اولیاء اللہ کے اقوال و اشعار مندرج ہیں اور یہ سب تکوینِ سیرت کے لیے مفید ہیں۔

مقالۂ سوم میں عشق مجازی کے متعلق اکتیس حکایات ہیں۔ ان میں سے پانچ چھ مؤلف کی اپنی زندگی سے متعلق ہیں۔

مقالۂ چہارم میں تئیس مرد اور سات خواتین شعرا کا مختصر ذکر ہے۔ مشہورِ عالم شعرا کے علاوہ مُلّا نیازی بخاری، میر ہاشمی، مُلّا ہلالی، بیہقی، آصفی، بنائی، بساطی، سیمی، کاہی اور کاتبی جیسے کم معروف شعرا کا بھی ذکر ہے۔ ہر شاعر سے متعلق چند تعارفی اور تعریفی جملوں کے بعد چند اشعار نقل کیے گئے ہیں۔ متذکرۂ صدر شعرا میں سے بساطی، سیمی اور ہاشمی کے علاوہ باقی سب کی بہت تعریف کی ہے۔

اس مختصر تذکرے میں مؤلف چند غلط باتیں بھی لکھ گئے ہیں۔ مثلاً:

۱۔ رودکی پہلا شخص ہے جس نے فارسی زبان میں شعر کہا۔

۲۔ فردوسی نے 'شاہنامہ' محمود غزنوی کے حکم سے لکھا۔

۳۔ نظامی کا دیوان مسجّع و مرصّع ہے۔

۴۔ خواجہ خسرو بلخ کے رہنے والے تھے۔ جوانی کے وقت سعدی کے ہم نشیں رہے۔

۵۔ خسرو خاں نے جامی کے بعد مُلّا بنائی کو ملک الشعرا بنایا۔

خواتین میں بی بی ہدیہ، نہانی رنڈی، سلیمی بیگم، سلطان مخفی اور بنفشہ نئی شاعرات ہیں جن کا تعارف کرایا گیا ہے۔ تذکرۂ شعرائے خواتین یعنی 'جواہر العجائب' مؤلفہ حبیب فخری میں بھی ان کا ذکر نہیں۔

غربتی :

شاہ ابوالمعالی شاعر بھی تھے اور غربتی تخلص کرتے تھے - لقب بھی یہی تھا :

پیر نامم ابوالمعالی کرد غربتی مسلمی بود لقبم

انھوں نے غربتی نام رکھنے کی ایک وجہ یوں بیان کی ہے :

ازان شد غربتی نامِ منِ سرگشتہ و حیران
کہ ہر ساعت بسیرِ ملکِ عشقش غربتی دارم

ان کا دیوان پنجاب یونیورسٹی لائبریری کے مجموعۂ آذر میں موجود ہے - ۱۱۱ اوراق ہیں - ۹۶ الف تک غزلیات ، ۹۷ سے ۱۰۰ تک قطعات و رباعیات ، ۱۰۱ سے ۱۰۵ تک معمّے ، ۱۰۵ سے ۱۰۸ تک مطالع ، شیخ محی الدین عبد القادر کی مدح میں دو قصاید اور آخر میں قصیدہ 'مفرح الاتراح' ہے جس کے متعلق 'تحفۃ القادریہ' میں لکھا ہے کہ اگر کوئی شخص مغرب اور عشا کے درمیان عراق کی طرف منہ کرکے پڑھے یا اگر پڑھنا نہ جانتا ہو تو لکھا ہوا ہاتھ میں لے کر کھڑا رہے تو رحمتِ الٰہی کے آثار نمایاں ہوں گے -

غزلیات عموماً چھوٹی بحروں میں ہیں - سہل و سادہ ، سوزِ عشق سے مالا مال ، مجازی بھی اور حقیقی بھی - لیکن وہ اپنے اشعار کو فنی لحاظ سے کچھ وقعت نہیں دیتے - مثلاً وہ کہتے ہیں :

دیوان غربتی ہمہ سوز است و عاشقی
دیوانہ ایست درپیٔ تزئین نمی شود

مگو از شعر قصدِ غربتی اظہارِ فضل آمد
تو از من این سخن را جانِ من نشنیدہای گاہی
غربتی بگذر ز تشبیہ و مجاز و قرض شعر
ترک من خوش میکند اشعار سہل و سادہ را

میکنم اشعار از اسرار حق
بی ردیف و قافیہ اشعار ماست

مجو از غربتی شعر و معمّا
کہ پیش لعلِ خوشگویتو لال است

ابوالمعالی اس بات کے قائل ہیں کہ عشق کے بغیر انسان کامل نہیں ہوتا ۔ عشق نہ ہو تو کلام میں سوز و اخلاص کہاں ۔ اقبال نے سوزِ عاشقی کا دوسرا نام 'خون جگر' رکھا ہے ۔ انھی کا قول ہے : ع

نقش ہیں سب نا تمام خونِ جگر کے بغیر

غربتی لکھتے ہیں :

غربتی سان ہر کہ می سوزد بعشق
در کلامش سوز و ساز دیگر است

تازگی دارد دگر این بار شعر غربتی
زان کہ میلش با جوانِ تازہ ای نوخیز بود

انھوں نے تو یہاں تک کہہ دیا ہے کہ وہ انسان ہی نہیں جسے عشق نہیں :

گر مرا عشقِ آن پریست چہ باک
ہر کرا عشق نیست آدم نیست

ابوالمعالی اکثر صوفیہ کی طرح عشق مجازی کو عشقِ حقیقت کا پُل سمجھتے تھے ۔ وہ کہتے ہیں :

میتوانی در حقیقت عشق باخت
در مجاز این شیوہ گر ورزیدہ ای

اور شاید ان کے پیر کا فرمان بھی یہی ہو :

گر کند ارشاد پیر ما بعشق امردان
بندۂ مخلص ہوا دارم بجان باشم مرید

ان کے اشعار سے معلوم ہوتا ہے کہ انھیں ایک نوجوان سید محمد سے پیار تھا ۔ ان کے متعلق لکھا ہے :

دلربا سید[1] محمد کہ بصد زیبائی
متشکل شدہ سر تا بقدم نور خداست

۱۔ "سید" میں یای مشدّد نہیں بلکہ ساکن ہے ۔

غربتی دوستیِ آل نبی دینِ من است
گر شدی عاشقِ آن سیّدِ پاکیزه رواست

شاید سید محمد اور مرزا محمد ایک ہی شخص تھے - ان کے متعلق لکھا ہے :

گرچہ بود از روی بخت بد پریشانی مرا
شد رخِ مرزا محمد راحتِ جانی مرا

نہالِ باغِ جان مرزا محمد
ز عمرِ خویش برخوردار بادا

اُن کے ایک اور محبوب کا نام عبدالرشید تھا :

چون خدا در حسن و خوبی مثل او کم آفرید
از خدا خواہم کہ باشم بندۂ عبدالرشید

ان کے ایک محبوب دہلوی تھے اور دوسرے بلوچ - چنانچہ بہ ایں الفاظ ان کی تعریف کی ہے :

آن دلبرِ دہلوی کہ رشک حور است
چون مہ ز سر تا بقدم پُر نور است
گفتم بجہالت برسد ماہ دو ہفت ؟
گفتا ز کجا ، ہنوز دہلی دور است

نگار من چو بلوچست رخ چو مہ دارد
بسحرہای بلوچی مرا تبہ دارد
بہ ہیچ روز سر خونِ من نمیگذرد
بلی ز جہلِ بلوچی خدا نگہدارد

یہ تو یقینی ہے کہ ان کا عشق پاک تھا - اس بات کی تصدیق بھی انھوں نے خود کردی ہے :

چون بہ آن ماہ عشق من پاک است
از رقیبان او چہ باک مرا

ان کے اشعار میں عورت کی تعریف بھی ملتی ہے - جیسا کہ مندرجہ ذیل

اشعار سے واضح ہے :

شلوار سرخ و مقنعہ زرد آن نگار
ساقی بہار ماست بیا جامِ می بیار

روی گلرنگ تو خود راحت و آرام دلست
گر کنی زیب بگلگونہ زہی نور بنور

قشقۂ سرخ ای بتِ ہندی
بر جبین تو برگِ گلنار است

انھوں نے محبوب کے ساتھ راز و نیاز ، بات چیت اور نوک جھونک کو بھی پیارے انداز سے نظم کیا ہے ۔ مثلاً :

غربتی دوش برش قصۂ سلمٰی می گفت
گفت : موجود غنیمت شمر ، افسانہ مگو
غربتی دوش برش نام بتی می گفتم
تند شد گفت : برو عشق دگر ورز باو

آمد آن مہ ، چون دمی ، از من توقف دید و گفت
قدر دولت آنزمان دانی کہ دولت میرود

آمدی پیش دیدہ وقت نماز
چیست ؟ فرما ، نماز بگذاریم

چو گفتم : ای پسر ! رحمی ، بمن گفت
برو بابا کہ اینہا کارِ من نیست

بعض اشعار سے ظاہر ہے کہ غربتی بھی نظیری کی طرح تمثیل سے کام لیتے ہیں ۔ پہلے ایک مصرع میں ایک بات بیان کرتے ہیں ، دوسرے مصرع میں اس قول کی تائید و توثیق کے لیے منطقی استدلال کے طور پر ایک مثال لاتے ہیں ۔ مثلاً :

سخنِ عشق بدل در نہ و لب را مکشا
سر آن شیشہ فروبند کہ بادی نخورد

غربتی زلفِ تو بگرفت و نیاشفت رقیب
کہ شبِ قدر نیاید ز سگان آوازی

از سخنهای ما چہ میرنجی سخن مست معتبر نبود

دل و جانم بر آن چاه ذقن ہردم ہوادار است
برای خاطرِ یاران توان افتاد در چاہی

غربتی صوفی منش تھے ۔ خوب ریاضتیں کیں ، سفر کیے ، اہل اللہ کے ساتھ زندگی بسر کی ، تکلف چھوڑا ، غیر اللہ سے منہ موڑا ، روحانی مراتب حاصل کیے ، قاب قوسین تک پہنچنے کی تمنا کی ، منصور کی طرح ''اناالحق'' پکارنے کا دم خم ظاہر کیا ۔ وہ عشقِ الٰہی میں کشف و کرامت کے اظہار کو وقعت نہیں دیتے ۔ وہ سوزِ دروں کو ہی اصل مدعا سمجھتے ہیں ۔ انھوں نے اپنے آپ کو نہنگِ قلزمِ توحید لکھا ہے ۔ ان کو اپنے مرشد شیخ محی الدین عبدالقادر جیلانی سے والہانہ عشق تھا ۔ وہ ان کو بعض موقعوں پر اس طرح مخاطب کرتے ہیں جیسے خدا کو پکارتے ہوں ۔ ان کے دیوان میں تصوف و سلوک اور جذب و معرفت کے مضامین جابجا ملتے ہیں ۔ نمونے کے طور پر چند اشعار پیشِ خدمت ہیں :

تا رسی بر سرِّ ''الا اللہ'' خوش
غیر برہم زن بہ تیغِ ''لا الٰہ''

غربتی ہر چہ بجز دوست بود دور انداز
مذہبِ اہلِ دلانست سبکساریہا

ہزاران رحمت و صد آفرین بر غربتی بادا
کہ صرفِ راه جویان کرد پیری و جوانی را

قاب قوسین ار چہ آمد منزلم
غربتیِ برِ بامِ اوِ ادنٰیِ بر آ

ملک و ملک بیک ھو زدہ ناچیز کنیم
ما کہ در قلزم توحید نہنگ آمدہ ایم

دیدہ ام دید است بیچون را بچون
خلق می گوید بگو چون دیدہ ای

بعض غزلیات میں خدا کو یا مرشد کو محبوب قرار دے کر مجازی اصطلاحات میں مضامین پیدا کیے ہیں لیکن اکثر پر حقیقت کا ہی گمان ہوتا ہے ۔ غزلیں عموماً پانچ پانچ چھ چھ اشعار پر مشتمل ہیں ۔ بیان واضح و صریح ہے اور تخاطب کا انداز لیے ہوئے ہے ۔ ان کی چند ایک نمایندہ غزلیں ہم یہاں درج کیے دیتے ہیں تاکہ ان کے زبان و بیان کا اندازہ ہو سکے :

دیدن روی او صفا بخشد — شہدِ لعلِ لبش شفا بخشد
ہر شبی عکس شمع رخسارت — حرم دیدہ را ضیاء بخشد
نیست در ہیچ نازنین مہری — لولیانرا وفا خدا بخشد
دل غمش را بجان کجا بدہد — بگدا لقمہ کی گدا بخشد

غربتی ہر کہ مست شد در عشق
نقدِ دل را بہ دلربا بخشد

عاشقان را چہ برگ و ساز بود — مایۂ عاشقی نیاز بود
صبح بکشود چشم مست ازخواب — درِ رحمت بصبح باز بود
ہر کہ دید آن دو چشم وگیسو گفت — رسنِ ظالمان دراز بود
غربتی اوست عاقبت محمود — کہ بجان بندۂ ایاز بود

دلم از آتشِ رخسارِ بتان می‌سوزد
اللہ اللہ چہ توان کرد کہ جان می سوزد
دل و جان سوخت چون پروانہ بشمعِ رخِ تو
گر کشم آہ ازین حال ، زبان می سوزد
ز آتش لعل تو جان و دل ما سوخت اگر
آتش اینست بیک ذرہ جہان می سوزد

شمع می سوخت کہ یعنی برخت مانندم
ہمہ گفتند کہ نادان بگمان می سوزد

شاہ غزنین چہ عجب گر نگران در گور است
کہ دل و دید ایازش طرفِ لاہور است
گر باین دولت و خوبی سوی ما کم نگری
گلہ ای از تو نداریم کہ دولت کور است
نیست در زاہدِ مسکین ہوسِ سبز خطان
سبزہ کم روید آنجا کہ زمین شور است
غربتی صومعہ بگذار و سوی میکدہ آی
زاہد ماست کہ او زندہ کنون در گور است

☆ ☆ ☆

منیر لاہوری[1]

منیر لاہوری بدھ کے روز ۱۲ رمضان ۱۰۱۹ھ کو لاہور میں پیدا ہوئے - ابوالبرکات نام رکھا گیا - منیر کے والد عبدالجلیل[2] بن حافظ ابو اسحاق لاہوری تھے، جو اُس وقت کے ہندوستان میں فنِ خطاطی میں مشہور تھے اور شہنشاہ اکبر کے زمرۂ خطاطاں میں شامل تھے - ابوالفضل کی خدمت میں بیٹھ کر 'اکبر نامہ' کے پہلے مسودے سے کتابت کرتے تھے - زندگی کے آخری دنوں میں لاہور واپس آ کر گوشہ نشین ہو گئے - انھیں مشکل اشعار حل کرنے کا خوب ملکہ تھا - منیر کے

۱- بہارِ سخن، محمد صالح، مخطوطہ پنجاب یونیورسٹی لائبریری، ص ۲۰۷ - ۲۱۰؛
اوریئنٹل کالج میگزین، مئی ۱۹۲۷ع -
۲- اکثر تذکرہ نگاروں نے ان کے والد کا نام عبدالمجید ملتانی لکھا ہے -

علاوہ ان کے دو اور بیٹے تھے ؛ ایک کا نام ابو الفیض تھا - وہ فیضا کے نام سے مشہور تھے اور فیضا ہی تخلص کرتے تھے ، وہ خط نستعلیق خوب لکھتے تھے - بڑے شعر فہم اور شعر شناس تھے - وہ بہت آزاد منش اور آزادی پسند تھے - امرا کی مجالس سے متنفّر تھے - درویشانہ زندگی گزار کر ۱۰۷۰ھ کو لاہور میں انتقال کر گئے - دوسرے بیٹے کا نام ابوالفتح تھا ، ضمیر تخلص کرتے تھے - تنگ قافیوں اور سخت زمینوں میں خوب شعر نکالتے تھے - جوانی میں بنگال گئے اور وہیں کے ہو رہے - منیر نے ان کے مجموعۂ اشعار پر دیباچہ لکھا تھا -

منیر پانچ سال کی عمر میں مکتب بھیجے گئے - لکھنا پڑھنا سیکھا ، گلستان سعدی پڑھی ، اس کے بہت سے اشعار حفظ کیے جن کو وہ ماہر فن کی طرح سناتے تھے - بچپن ہی میں کبھی کبھی موزوں مصرعے نکال لیتے - چودہ سال کی عمر کو پہنچے تو فلکی ، سنائی اور انوری کے تتبّع میں اشعار کہنے لگے - منیر تخلص اختیار کیا - آہستہ آہستہ ان کے کلام کا معیار بلند ہونا شروع ہوا - ابتدائی عمر کے کلام میں ان کو خود خامکاری کے آثار معلوم ہوئے - بعض معاصر بھی ان کی خام طبعی پر اعتراض کرتے تھے ، اس لیے انھوں نے اپنے دیوان میں سے پندرہ ہزار اشعار نکال دیے - باقی پچاس ہزار اشعار کو دیوان میں شامل رکھا - اگرچہ ان میں سے بھی بعض اشعار ان کے بلند معیار پر پورے نہیں اترتے تھے لیکن چونکہ ان کا نام مشہور ہو چکا تھا اور ان کو اپنا کلام عزیز بھی تھا ، اس لیے انھوں نے نقطہ چینیوں کی پروا نہ کی اور ان کو دیوان سے خارج نہ کیا -

مولانا منیر ، جیسا کہ محمد صالح ان کو مخاطب کرتے ہیں ، ۱۰۴۵ھ کو اکبر آباد یعنی آگرہ میں جا کر سیف خاں کے ملازمین میں شامل ہوگئے - یہ سیف خاں کون تھے ؟ ان کی شخصیت سے واقف ہونا ضروری ہے تاکہ مولانا کے مربیّ اور ممدوح کا کچھ حال معلوم ہو جائے -

سیف خاں[۱] کا اصلی نام مرزا صفی تھا ، باپ کا نام امانت خاں تھا - آصف خاں کی بڑی بیٹی ملکہ بانو یعنی ممتاز محل کی بہن اس کے عقد میں تھی - جہانگیر کے عہد سلطنت میں اس قرابت کی بنا پر وہ گجرات کا دیوان مقرر ہوا - راجا بکرماجیت گجرات کا حاکم تھا - جب شاہزادہ خرّم جہانگیر سے ناراض ہوا تو مانڈو سے

۱- مآثر الامراء ، ج ۲ ، ۴۱۶ تا ۴۲۱ -

فوج لے کر دہلی اور آگرہ کی طرف روانہ ہوا - راجا بکرماجیت بادشاہ کے حکم سے اپنے بھائی کو احمد آباد میں چھوڑ کر شاہی فوج سے آ ملا اور مخالف فوج سے لڑتا لڑتا دہلی کے قرب و جوار میں مارا گیا - شاہزادہ نے عبداللہ خاں کو گجرات کا حاکم مقرر کیا - یہ وہی شخص تھا جو بادشاہی ہراول کو چھوڑ کر شاہزادے سے آ ملا تھا - یہ گویا اس کی وفاداری کا انعام تھا - عبداللہ خاں نے اپنے ایک خواجہ سرا کو چند مقرّبین کے ہمراہ احمد آباد میں چھوڑا - مرزا صفی بادشاہ کی حمایت پر قائم رہا - اس نے احمد آباد سے باہر نکل کر محمود آباد کی طرف رخ کیا تاکہ بظاہر یہ معلوم ہو کہ وہ شاہزادے کی طرف جا رہا ہے لیکن باطن میں وہ دوسرے خیر خواہوں سے راہ و رسم بڑھا کر موقع کی تلاش میں رہا - محمد صالح فوجدار اس کے دل کی بات بھانپ گیا - وہ احمد آباد سے دس لاکھ روپیہ اور ایک پردۂ مرصّع لے کر شاہزادے کی خدمت میں روانہ ہوا - مرزا صفی نے احمد آباد پر قبضہ کر لیا - متعینہ حاکم خواجہ سرا بھاگ گیا - مرزا نے تخت کو توڑ پھوڑ دیا - سونا فوجیوں میں تقسیم کیا اور جواہر پر خود تصرّف جما لیا - عبداللہ خاں کو خبر ملی تو وہ فوج لے کر مقابلے میں آیا لیکن ناگہاں اس کے ہراول کا ہاتھی بدک پڑا جس نے اپنی ہی فوج کو درہم برہم کر دیا - عبداللہ خاں کو شکست ہوئی - جہانگیر نے مرزا صفی کو سیف خاں کا خطاب دیا اور سہ ہزاری منصب - سیف خاں نے احمد آباد میں فتح کے مقام پر ایک باغ بنوایا جس کا نام جنت باڑی رکھا - جب شاہجہاں تخت پر بیٹھا تو اس نے ناہر خاں کو حکم دیا کہ سیف خاں کو نظر بند کرے - لیکن ملکہ ممتاز محل کی سفارش پر اس کی جاں بخشی ہوئی - تخت نشینی کے موقع پر اس کو چار ہزاری منصب ملا اور بہار کی صوبیداری عطا ہوئی - اس نے پٹنہ میں عالیشان عمارتیں بنوائیں - ۱۰۴۲ھ میں وہ الہ آباد کا حاکم نامزد ہوا - ۱۰۴۵ھ میں گجرات کا ناظم بنایا گیا - ۱۰۴۹ھ میں جب بنگالہ شاہزادہ شجاع کی تحویل میں دیا گیا تو چونکہ شاہزادہ اس وقت کابل میں تھا اس لیے سیف خاں کو حکم ہوا کہ شاہزادے کے پہنچنے تک اس صوبے کا انتظام سنبھالے اور شاہزادہ کے آنے پر بھی اس کی خدمت میں حاضر رہے - اس نے ۱۰۴۹ھ میں بنگال میں وفات پائی -

سیف خاں کی معیت میں منیر کا جتنا وقت بھی گزرا ، وہ بڑی خوش باشی اور خوش حالی کا زمانہ تھا - دو سو بیس روپے تنخواہ ملتی تھی - انعام و اکرام اس

کے علاوہ تھا - ایک دفعہ تلوار حاصل کرنے کی بھی فرمایش کی تھی[1] - سیف خاں بھی ان کی تعظیم و تکریم کرتا رہا - منیر بھی دل کھول کر اس کی مدح و ستایش کرتے رہے - اس کے علاوہ منیر کی خوشی کا سامان یہ بھی تھا کہ نواب سیف خاں کی مجلس میں چند ایک مخلص فضلا و شعرا کا اجتماع ہو گیا تھا جن کی صحبتوں میں ان کا دل لگا رہا - انھوں نے اپنے ایک مکتوب میں چند شخصیتوں کا ذکر کیا ہے[2] - لکھتے ہیں : ''پہلے مولانا نسیمی ہیں جو روح سخن سے آشنا ہیں اور معنی آفرینی کے ساتھ ساتھ دوستی اور جاں سپاری کا حق بھی پہچانتے ہیں - صاحبِ قلم ہونے کے ساتھ صاحبِ سیف بھی ہیں - دوسرے مولانا جلال اہل فضل و دانش ہیں - وہ تازہ گوئی میں ماہر ہیں - بڑے نرم گفتار اور شیریں کلام ہیں - تیسرے مولانا کلامی بڑے لطیفہ گو اور نکتہ سنج ہیں جن کی نمکینیِ کلام کی شہرت ہر جگہ پھیلی ہوئی ہے - چوتھے مولانا بدیہی ہیں جو بذلہ گوئی اور بدیہہ طرازی میں مشہور ہیں - ہزل پر اتر آئیں تو ان پر گرفت نہیں ہو سکتی -

جب سیف خاں بنگال گیا تو منیر بھی اس کے ہمراہ گئے - ممدوح کی وفات پر ان کا دل بڑا غمناک ہوا - بنگال کی آب و ہوا ان کے لیے سازگار نہیں تھی - اپنی مثنوی 'در صفتِ بنگالہ' میں انھوں نے اس سرزمین کی ہجو بھی کہی ہے - اپنے مکتوب نمبر ۲۷ میں لکھا ہے کہ شہزادہ شجاع بن شاہجہان ان کو اپنے پاس ملازم رکھنا چاہتا تھا لیکن وہ اس جگہ رہنے کے لیے رضامند نہ ہوئے - بنگال سے واپس ہو کر الہ آباد پہنچے - خواجہ ابوالبقا کے نام اپنے ایک خط میں اپنے سفر کا حال یوں لکھا ہے[3] : ''بنگالہ سے میں پٹنہ آیا ، وہاں میں نے چند روز قیام کیا - شائستہ خاں کے ہم مجلسوں نے ان کے ہاں ٹھہرنے کی طرف توجہ دلائی لیکن میں نے ان کا کہا نہ مانا - وہاں سے الہ آباد پہنچا - اگرچہ میری بے نوائی کا تقاضا تھا کہ میں شجاعت خاں کے لطف و کرم سے استفادہ کروں لیکن میرا دل یہاں کے ساتھیوں سے اچاٹ ہے اور جون پور کی طرف مائل ہے - اگر نواب اعتقاد خاں خود بلا بھیجیں تو پروانہ وار آ پہنچوں گا - اپنا کلام بھی بھیج رہا ہوں تاکہ آپ ان کی خدمت میں پیش کریں -''

۱- انشائے منیر ، مکتوب نمبر ۱۸ -
۲- ایضاً ، مکتوب نمبر ۳۵ -
۳- ایضاً ، مکتوب نمبر ۳۰ -

اعتقاد خاں ، اعتماد الدولہ کا بیٹا اور آصف خاں کا بھائی تھا - بڑا نفاست پسند ، مرغوب خور اور خوش لباس تھا - جہانگیری عہد کے سترھویں سال کشمیر کا صوبیدار مقرر ہوا - اس کے دورِ قیام میں 'برنج مکتّود' اور 'پان کنگیری' اس کے لیے برہان پور سے آتے تھے - شاہجہان کے عہد میں پانچویں سال (۱۰۴۲ھ) کشمیر کی صوبیداری سے معزول ہوا - ۱۰۴۳ھ میں تحائف گراں بہا لے کر بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہوا - ۱۰۴۴ھ میں صوبہ دہلی اس کو ملا - ۱۰۵۳ھ میں وہ شائستہ خاں کے بجائے بہار کا صوبیدار مقرر ہوا - جب شاہزادہ شجاع کو بنگال سے بلا لیا گیا تو وہ صوبہ بھی اس کے انتظام میں داخل ہوا - جب شاہزادہ شجاع دوبارہ صوبہ بنگالہ کے لیے نامزد ہوا تو اعتقاد خاں دارالسلطنت کی طرف لوٹا لیکن راستے میں ہی صوبیداریِ اودھ کا حکم نامہ ملا - ۱۰۶۰ھ میں وہ اکبرآباد میں پہنچا - وہاں اس نے شاندار حویلیاں بنوائیں - ایک مرتبہ شاہجہاں نے ایک حویلی کو دیکھ کر بہت پسند کیا - اعتقاد خاں نے اسی وقت شہنشاہ کی خدمت میں پیش کر دی - بعد میں وہی حویلی بادشاہ نے علی مردان خاں امیرالامراء کو انعام کے طور پر عطا کردی -

خواجہ ابوالبقا کی سفارش سے اعتقاد خاں نے منیر کے نام پروانۂ طلب بھیجا ، چنانچہ وہ فوراً جونپور پہنچ گئے - ایک سو بیس روپے تنخواہ مقرر ہوئی جو بعد میں ایک سو پانچ کر دی گئی - وہ بھی ماہ بماہ نہیں ملتی تھی - حسابداروں اور منشیوں کے پاس بار بار تقاضے کے لیے جانا پڑتا تھا - اس کے متعلق اعتقاد خاں کو خط لکھا اور کہا :

وجہِ ما بندہ ، حیرانم ، چرا
گشت کم ، چون سالِ عمرِ دشمنت

کچھ عرصے کے بعد وہاں سے بیزار ہو کر آگرہ چلے آئے اور ان کی دیرینہ خواہش یعنی ظلِ الٰہی کی ملازمت حاصل کرنے کی آرزو پوری ہوگئی اور شاہجہاں کے درباری شعرا میں ان کا شمار ہونے لگا - ۳۶ سال کی عمر میں ۷ رجب ۱۰۵۴ھ کو آگرہ میں انتقال کیا - ان کی نعش لاہور لائی گئی -[۱]

مولانا منیر بڑی خوبیوں کے آدمی تھے - نیک نفسی ان کا شعار تھا - وہ حتی المقدور دوسروں کے کام آتے تھے - 'انشائے منیر' میں کئی خطوط موجود

۱- عملِ صالح ، ج ۳ ، ص ۴۱۱ -

ہیں جو انھوں نے دوسروں کی سفارش کے لیے لکھے ہیں ۔ وہ بڑے خوددار تھے ۔ دو تین خطوں کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ افلاس اور بے نوائی نے انھیں گھیرا ہوا تھا ، پھر بھی اپنا سر بلند رکھنا چاہتے تھے ۔ وہ لکھتے ہیں : "کام از دونان نمی توانم جست[1] ۔" مکتوب نمبر ١٧ میں لکھتے ہیں : "آبروی خود گوہریست کہ بہر نان نمیریزم و گوہر مانند بآب خشک قناعت میکنم ۔" تذکرۂ شعرا کے دیباچے سے ظاہر ہے کہ مولانا ماہ رمضان میں شب بیداری کے عادی تھے اور مجاہدہ و ریاضت سے نورِ باطن حاصل کیا کرتے تھے ۔

تصانیف

(١) ١٠٥٠ھ میں منیر جب بنگال سے جونپور پہنچے تو انھوں نے اپنی کلیات مرتّب کی اور اس کا نام "کلیاتِ اولیٰ" رکھا ۔ اس میں ستائیس سال کی عمر تک کی نثر و نظم کا انتخاب شامل کیا ۔ اور امید ظاہر کی کہ اس کے بعد دوسری کلیات مرتّب کریں گے جس میں ستائیس اور تیس سال کے درمیانی عرصے کا کلام شامل ہوگا اور اس کا نام 'کلیات اُخریٰ' رکھیں گے اور اس میں 'ہفت اختر'، 'بیت الصنم' اور 'کارنامہ' بھی شامل کریں گے ۔ 'کلیاتِ اولیٰ' کا ایک قلمی نسخہ اورینٹل پبلک لائبریری بانکی پور میں موجود ہے ۔ اس کے مندرجات کی تفصیل یہ ہے[2] :

حصۂ نظم :

١۔ قصائد	...	ص ١٠
٢۔ مقطّعات	...	ص ٣٩
٣۔ ترجیعات	...	ص ٤٧ ب
٤۔ مسدّس یا ترکیب بند	...	ص ٤٩ ب
٥۔ غزلیات	...	ص ٥٠ ب
٦۔ مفردات	...	ص ٨٢
٧۔ رباعیات	...	ص ٨٤

١۔ انشائے منیر ، مکتوب نمبر ١٦ ۔

٢۔ فہرست مخطوطات ، مرتّبہ عبدالمقتدر ، سپلیمنٹ ج ١ ، شمارہ ١٨٩٦ ۔

مثنویات :

حصہ نثر :

(۲) ہفت اختر کے نام سے سات مثنویوں کا الگ مجموعہ بھی موجود ہے۔ بانکی پور لائبریری میں 'مجمع الافکار' کے نام سے جو مجموعہ موجود ہے اس میں 'ہفت اختر' کی یہ تفصیل مندرج ہے[1] :

۱- آب و رنگ : آن در ستایش مرز و بوم اکبر آباد است و صفت آب جون کہ در پای آن شہر روان است و ثنای چمنستان آن شہر و مدح خدیو سلیمان شکوہ ـ

۲- بخت بلند : آن در مدح صاحبقران والا اختر است و صفت صیدگاہ او و بیان ظفر یافتن آن شیر خورشید پنجہ بر خصم روباہ بار و مالا مال شدن زمین از گنج و مال ـ

۱- فہرستِ مخطوطات ، جلد نہم ، مخطوطہ شمارہ ۸۷۲ -

۳- مرآة الخیال : آن در نمایش صورت حال آینہ و صفت قصر آینہ نگار نواب سیف خان و مدح آن صاحب السیف کہ از آئینۂ تیغش صورت ظفر نمودار است -

۴- ساز و برگ : آن مشتمل است بر اوصاف تیل و پان و تنباکو کہ ہر یکی ساز و برگ حریفان و ظریفان است -

۵- میخانہ : آن در صفت شراب است و بیان حالت مستی و کیفیت حسن ساقی -

۶- درد و الم : و آن در بیان سوزش دل و گدازش جان و نشاء حسن و ذوق محبت و چاشنی عشق است -

۷- بیت المعمور : و آن در ستایش مسجدی است کہ خان فیض رسان وزیر خان تعمیر فرمودہ -

(۳) منیر نے ۲۴ ذیقعدہ ۱۰۴۹ھ کو جہانگیر نگر میں ''گلدستہ'' کے نام سے اپنے کلام کا انتخاب مرتّب کیا تھا - اس کا قلمی نسخہ پشاور یونیورسٹی لائبریری میں شمارہ ۶۱۹ پر موجود ہے - قصاید میں 'قصیدہ لازم مو' بھی شامل ہے جس کے ہر شعر میں کلمہ 'مو' لانے کا التزام کیا گیا ہے - مثنویات میں 'در وصف صفدران مصاف ، در وصف دولت خانہ ، در وصف بنگالہ ، در وصف حمام ، در وصف باغ ، در وصف فوارہ ، در وصف گرما ، در وصف بادکش ، در وصف کشتی ، در طلب اسپ ، در وصف آینہ شامل ہیں - نسخہ مکتوبہ 1115ھ -

(۴) منیر نے ۱۷ ماہ محرم ۱۰۵۴ھ کو اکبر آباد میں 'دستنبو' کے نام سے اپنے کلام کا ایک اور انتخاب مرتّب کیا جس میں قصاید ، مقطعات ، غزلیات ، رباعیات اور مثنویات شامل ہیں - مثنویات میں سے شکوۂ اسپ ، صفت مرقع ، صفت روضۂ محمد محبوب عالم ، صفت قلم ، صفت برگ پان ، مذمت خنجر ، مناظرۂ بنگ و کوکنار ، صفت تیل ، صفت قصر ، صفت آبشار ، صفت گرما ، صفت کشتی ، صفت اسب اور در طلب گربہ منتخب کی ہیں - دستنبو کا قلمی نسخہ پشاور یونیورسٹی لائبریری میں شمارہ ۶۱۹ پر موجود ہے اور 'گلدستہ' کے ساتھ ایک ہی مجلّد میں محفوظ ہے - نسخہ مکتوبہ ۱۱۱۲ھ -

(۵) مثنوی رمز و ایما : (تذکرہ روز روشن میں اس کا ذکر موجود ہے) -

(۶) آئینۂ راز : نسخۂ خطی ، شمارہ ۴۴۷ ، فہرست مخطوطات فارسی ، ایشیاٹک سوسائٹی بنگال ، کلکتہ -

(۷) منیر کی نثری تصانیف یہ ہیں :

۱- کارستان - ۲- انشای منیر - ۳- نوباوہ - ۴- رقعات منیر - ۵- تذکرۂ شعراء - ۶- شرح قصاید عرفی - ۷- کارنامہ -

(۸) دیگر متفرق تحریریں :

(۱) محمد صالح کنبو کی کتاب 'بہارِ سخن' پر دیباچہ -

(۲) مولانا صمد کی کتاب حساب 'توحید' پر دیباچہ -

(۳) دیباچۂ دستنبو -

(۴) عنایت اللہ کی کتاب 'گلشنِ عنایت' پر دیباچہ -

(۵) دیباچۂ گلدستہ -

(۶) دیباچۂ نشاء حال -

(۷) دیباچۂ اشعار محمد ضمیر -

(۸) دیباچۂ ہنس رس (؟)

(۹) شرح حال شیدا و تعریف سلیقہ و سبک شعری او -[۱]

(۹) معاصر شعرا اور اہلِ قلم نے "ملا" منیر کی تصانیف پر دیباچے لکھے :

دیوان "ملا" منیر پر مرزا جلال کا دیباچہ -

سوادِ اعظم پر عنایت اللہ کا دیباچہ -

شرح قصایدِ عرفی پر محمد صالح کنبوہ کا دیباچہ -

تذکرۂ شعرا :

مولانا منیر کی عادت تھی کہ ماہ رمضان کی راتوں میں جاگا کرتے تھے - ۱۰۵۲ھ کے رمضان میں انھوں نے ہندوستان کے شعرا کے حالات جمع کیے - چونکہ تیس راتوں میں یہ کام پورا کیا تھا ، اس لیے وہ اس کی تحریر سے مطمئن نہیں تھے - ایک سال تک وہ اس پر نظرثانی نہ کر سکے - ان کے دوستوں نے اس تذکرے کو دیکھا تھا اور اس کی تعریف کی تھی - بعض احباب غائبانہ طور پر اس سے متعارف تھے اور اس کے متعلق دریافت کرتے رہتے تھے -

---

۱- نمبر ۳ سے ۹ تک مذکورہ تحریریں ، کلیاتِ جلالای طباطبائی ، نسخۂ خطی کتاب خانہ مرکزی دانش گاہ تہران ، شمارہ ۴۴۲۹ ، میں موجود ہیں -

آخر ۱۰۵۴ھ کے رمضان میں انھوں نے اس پر تجدیدِ نظر کی اور جرح و تعدیل کے بعد اس کو آراستہ پیراستہ کیا ۔ ان کا خیال تھا کہ اس میں دیباچے کا اضافہ کریں لیکن رجب ۱۰۵۵ھ میں وہ انتقال فرما گئے اور اس یادگار تالیف کو گوشۂ انزوا میں چھوڑ گئے ۔ آخر محمد صالح نے ۱۰۶۵ھ میں اس پر ایک طویل دیباچہ لکھا جو بڑی تقطیع کے اٹھائیس صفحوں پر مشتمل ہے ۔ تذکرے کا وجود تو کہیں نہیں ملتا ، البتہ دیباچہ ، "بہارِ سخن" کے مخطوطے میں موجود ہے ۔

محمد صالح نے لکھا ہے کہ اگرچہ یہ تذکرہ دو ماہ کی قلیل مدت میں تالیف ہوا مگر اس میں کئی ہزار رنگین اشعار موجود ہیں اور متقدمین و متأخرین کے حالات درج ہیں ۔ اگرچہ معاصر شعرا کے متعلق بے لاگ رائے دینا اور کلام پر تبصرہ کرنا بڑا دشوار کام ہوتا ہے اور مصنف شاعر کے منصب ، دولت ، دوستی اور غیروں کے تعصب اور مخالفت سے مرعوب ہو سکتا ہے ۔ لیکن محمد صالح نے بتایا ہے کہ اس تذکرے اور دوسرے تذکروں میں یہی فرق ہے کہ مصنّف نے ان موانع سے بچ کر صرف شاعر اور اس کی شاعری کے متعلق اپنی رائے کا اظہار کیا ہے ۔ [محمد صالح نے اس تذکرے کے دیباچے میں پہلے سخن یا کلام کی تعریف کی ہے ، پھر قدیم ترین شعر کے متعلق بحث کرکے مختلف ادوار میں شعرا کے نام لیے ہیں ۔ ہندوستان میں بعض شعرا کی آمد کا بھی ذکر کیا ہے ۔ اس کے بعد منیر کے معنوی کمالات کا ذکر کرکے ان کی شاعری پر تبصرہ کیا ہے ۔ پھر ان کی زندگی کے حالات بتا کر تذکرے کی تالیف و تکمیل کا حال لکھا ہے اور اس پر اپنی رائے کا اظہار کرنے کے بعد بحور و قوافی اور صنایع و بدایع کی خصوصیات بیان کی ہیں] ۔

انشاے منیر :

مطبوعہ کتاب ۵۵ مکاتیب پر مشتمل ہے ۔ مصنّف نے چند سطروں کی تمہید میں خود ہی بتایا ہے کہ وہ ان خطوط کو ، جو اس نے نواب سیف خاں کی طرف سے دوسرے امرا کو لکھے تھے ، شائع کرنا چاہتا ہے تاکہ وہ ضائع نہ ہو جائیں ۔ ان مکاتیب میں سے صرف پندرہ خط وہ ہیں جو سیف خاں کی جانب سے لکھے گئے ہیں ، باقی مصنّف کے اپنے نجی خطوط ہیں جو اپنے احباب کو لکھے ہیں ۔ ان میں سے چند وہ ہیں جو سیف خاں اور اعتقاد خاں کو لکھے ہیں ۔ اکثر خطوط کے آخر میں نہ تاریخِ تحریر درج ہے ، نہ مقامِ تحریر کا ذکر ہے ۔ اکثر کے آغاز میں مکتوب الیہ کا

نام بھی نہیں لکھا - بعض کے متن سے نام کا پتا چلتا ہے -

تاریخی نقطۂ نظر سے ان خطوط کی خاص اہمیت نہیں - البتہ بعض شخصیتوں کے متعلق کچھ معلومات حاصل ہوتی ہیں - مصنّف کی اپنی زندگی پر مختصر سی روشنی پڑتی ہے - خواجہ ابوالبقا اور اعتقاد خاں کو جو خطوط لکھے ہیں، ان میں سیف خاں کی وفات پر بنگال سے واپسی اور اعتقاد خاں کے پاس جونپور میں ملازمت حاصل کرنے کا حال بیان کیا ہے - بعض چھوٹے چھوٹے رقعے ہیں جن میں اپنے جاننے والوں کے پاس دوسروں کی سفارش کی ہے - تین چار خطوں میں مکتوب الیہ کو اپنا کلام بھیجا ہے اور اصلاح کی درخواست کی ہے - جہاں کہیں اس کی نجی زندگی کے متعلق بلا واسطہ معلومات حاصل ہو سکی ہیں ان سے ہم نے ان کے سوانح حیات مرتّب کرنے میں مدد لی ہے -

پنجاب یونیورسٹی لائبریری میں 'انشائے منیر' کا جو مخطوطہ موجود ہے اس میں مطبوعہ مکاتیب کے علاوہ اس کی اور نگارشات بھی محفوظ ہیں، مثلاً اپنے دیوان پر دیباچہ - مناظرۂ چہار طبع (اربعہ عناصر)، مناظرۂ تیغ و قلم، مناظرۂ روز و شب وغیرہ - ایک طویل مضمون در 'صفت سخن' ہے - باقی تحریریں شاہجہاں، نواب امین الدین، صمصام الدولہ خان دوران، نواب اعتماد خاں اور نصرت خاں کے نام عیدین، اضافۂ منصب اور دوسرے شادی و مسرت کے مواقع پر رقعات مبارکباد ہیں - آخر میں 'در ماتم محمد شریف' کے عنوان سے ایک تحریر موجود ہے -

'انشائے منیر' کا اسلوبِ بیان شگفتہ و رواں ہے، مشکل اور پیچیدہ نہیں - ان کو الفاظ پر قدرت ہے - جو خط امراء و خوانین کو لکھے ہیں اور جن میں مدح و ستائش کے کلمات لکھنے مقصود ہیں، وہاں مقفٰی اور مسجّع عبارات لانے کا التزام کیا ہے - منیر کو ابوالفضل کا اسلوبِ نگارش بہت پسند تھا - وہ 'اکبر نامہ' کو "شگرف نامہ اور کارنامہ جادو رقم" لکھتے ہیں[1] - انھوں نے عبارات میں ابوالفضل کی تقلید کی ہے لیکن کلمات کے دروبست میں اس جیسی متانت اور جزالت نہیں - مثلاً اس کے چند مرکبات ملاحظہ کیجیے -

شمع افروزِ فانوسِ خیال، دیباچہ نویسِ دیوانِ کمال، سیّاحِ مراحلِ اصناف،

۱- انشائے منیر، مکتوب نمبر ۲۳ -

کشاف غوامض اکناف، شناسای مرآت صعود و نزول، دانای مطالب نفوس و عقول، وغیرہ۔ اکثر جگہ تجانیس، مراعاتِ لفظی اور محاورات کے برجستہ استعمال سے عبارت آراستہ کی ہے اور شاعرانہ نکات پیدا کیے ہیں۔ الفاظ کی شعبدہ بازی سے تکلف تو پیدا ہوتا ہے لیکن شعرا و فضلا کی نگاہ میں انشا پرداز کی قوتِ انشا کا مظاہرہ ہو جاتا ہے۔ مثلاً مولانا عینی کو ایک خط لکھا ہے جس میں عین کی مناسبت سے نظر، چشم، بصر، دیدہ، روشنائی، بینائی وغیرہ جیسے الفاظ کو ایک مختصر سے رقعے میں استعمال کرکے قدرت کلام کا ثبوت مہیا کیا ہے۔ رقعہ یہ ہے:

''ناظر حقیقی، انسان‌العین اعیان اولی‌الابصار مولانای عینی را 'علیہ عین اللہ' منظور انظار خویش داراد۔ یک چشم زدن بی یاد آن مردم دیدۂ بینش نمی‌گذرد۔ چشم از مردمی آن دیدہ ور آن است کہ نگاہداشت دوستی را مطمح نظر داشتہ گاہ گاہی بعین عنایت نامہ ای کہ سوادش چون سواد دیدہ سرمۂ بینائی باشد، بفرستند و منّت بر چشم رہی گذارند۔''

اب 'قلم' کا مختلف النوع استعمال ملاحظہ کیجیے:

''من شکستہ ہرچہ داشتم، یک قلم صرف شدہ و بغیر قلم ہیچ در دستم نماندہ۔ اکنون سرآمد قلمرو بی نوائی گردیدہ ام و قلم مانند ہیچ در گرہ ندارم۔''

محمد صالح کنبوہ نے منیر کے فنِ انشا پردازی کے متعلق لکھا ہے:

''ریاحین الفاظش بتازہ روئی حسن ادا و سرخوشی معنی دست بتاراج ہوش اہلِ نظر برآوردہ۔ بی شائبہ تکلف و مبالغہ سخن سازی، در حسن صنعت انشا طرازی ضرب المثل نکتہ وران زمان است۔''

نوباوہ:

پنجاب یونیورسٹی لائبریری لاہور کے مجموعۂ آذر میں 'نوباوہ' کے عنوان سے 'انشائے منیر' کا ایک مجموعہ موجود ہے۔ مصنّف نے دیباچے میں لکھا ہے کہ اس نے 'نوباوہ' کے نام سے کلیاتِ نظم کا بھی انتخاب کیا تھا۔ اب اس نے اسی نہج پر نثر کا انتخاب کیا ہے۔ یہ مجموعہ جونپور میں ۱۰۵۱ھ میں مرتّب ہوا۔

۱- بہارِ سخن، مخطوطہ پنجاب یونیورسٹی لاہور، ورق ۱۵۰۔

اس مجموعے میں خطوط و رقعات کے علاوہ مناظرۂ شمع و چراغ ، سببِ تالیف منتخب از اشعار بعنوان دستنبو اور نثر کے مزید نئے نمونے موجود ہیں ۔ متذکرہ نسخہ ۵۸ اوراق پر مشتمل ہے ۔ تقطیع ۸" × ۱۲ء۴" ہے ۔ ہر صفحے میں تیرہ سطریں اور ہر سطر میں گیارہ بارہ الفاظ ہیں ۔

رقعاتِ منیر :

یہ منیر کے مکاتبات اور نگارشات کا ایک اور انتخاب ہے جو مصنّف نے اپنے ایک خادم اور معنوی فرزند لال کے لیے مرتّب کیا تھا ۔ لال نے گزارش کی تھی کہ اس کے لیے بھی ایک مجموعہ تیار کیا جائے تاکہ اس کا نام بھی صحیفۂ روزگار پر قائم رہے ۔ اس مجموعے میں بھی تقریباً وہی خطوط انتخاب کیے گئے ہیں جو مطبوعہ یا قلمی 'انشائے منیر' میں موجود ہیں ۔ پنجاب یونیورسٹی لائبریری کے مجموعۂ آذر میں اس کا ایک قلمی نسخہ موجود ہے جو ۷۳ اوراق پر مشتمل ہے ۔ تقطیع ۴ء۷" × ۴ء۴" ہے ۔ ہر صفحے میں ۱۶ سطریں ہیں ۔

شرحِ قصایدِ عرفی :

محمد صالح نے بتایا ہے[۱] کہ ایک مرتبہ مولانا منیر کی مجلس میں انوری ، خاقانی اور فلکی کے دقیق اشعار کا ذکر ہوا ۔ ایک شخص نے عرفی کے گہرے مطالب کے متعلق اشارہ کیا اور مثال کے طور پر تشریح و توضیح کے لیے مشکل اشعار پیش کیے ۔ مجلس میں مولانا منیر کے سوا کوئی اور شخص اشعار کے باریک نکات تک نہ پہنچ سکا ۔ مولانا نے معانی کی تہوں کو اس خوبی سے کھولا کہ اہلِ مجلس عش عش کر اٹھے ۔ اکثر نے اصرار کیا کہ مولانا شاعر کے فیض کو عام کرنے کے لیے اور طالب علموں کی سہولت کے لیے قصایدِ عرفی کی شرح لکھیں ۔ پہلے تو انھوں نے اس کام کو اپنی معانی خیز طبیعت کے منافی سمجھا اور خیال کیا کہ وہ خود ایجاد و اختراعِ مضامین کے بجائے دوسرے اہلِ فکر کے اشعار کی تشریح میں وقت کیوں صرف کریں ، لیکن بعد میں وہ دوستوں کے اصرار پر شرح لکھنے پر راضی ہوگئے ۔ لیکن ابھی یہ کام پایۂ تکمیل تک نہیں پہنچا تھا کہ اجل نے آ لیا ۔ اس

۱۔ بہارِ سخن ، مخطوطہ پنجاب یونیورسٹی لائبریری ، ص ۲۱۶ تا ۲۱۹ ۔

کتاب کا مسودہ نہ جانے کہاں پڑا رہا - منیر کے رشتہ داروں نے بھی ان کے کاغذات اکٹھے کرنے کی کوئی کوشش نہ کی - محمد صالح نے لکھا ہے کہ رمضان ۱۰۷۵ھ میں ایک خادم نے برہانپور سے کاغذات لا کر ان کو دیے - انھی میں شرحِ قصایدِ عرفی کا مسودہ بھی تھا - مطالب سے معلوم ہوتا ہے کہ کہیں کہیں آرایشِ عبارات سے کام لیا ہے اور اصل معنی کی تشریح الفاظ میں گم ہو کر رہ گئی ہے - محمد صالح نے دیباچے میں اشارۃً ذکر کیا ہے کہ کہیں نا انصاف لوگ اس بات کو موردِ طعن بنا کر اصل خوبیوں کو نظرانداز نہ کردیں -

مثنوی مظہرِ گُل :

۱۰۴۹ھ مثنوی کا سالِ تحریر ہے - منیر نے یہ مثنوی صرف چودہ دن میں مکمل کی اور اسے سیف خاں کے نام منسوب کیا - رواج کے مطابق مناجات، نعتِ رسولؐ اور مدحِ سیف خاں کے بعد اصل مضمون کی طرف رجوع کیا ہے - دریاے گنگا کا حال بیان کرکے سفرِ کشتی، متّواج پانی اور اپنے ہراس و اضطراب کا ذکر کیا ہے - اس کے بعد بنگال کا حال شروع ہو جاتا ہے - زمین، چشمہ اور سبزے کا ذکر کرکے پھولوں کی صفات لکھی ہیں - عام مشہور پھولوں کے علاوہ چند اجنبی پھولوں کا ذکر بھی کیا ہے - مثلاً گلِ عجائب، گلِ قدم، گلِ جہانگیری، گلِ ہندی، گلِ فرنگی، گلِ دوپہری، گلِ لیلٰی مجنوں وغیرہ - اس کے بعد ثمردار درخت، مثلاً بڑھل، کٹھل، انناس، ہرپاریوڑی وغیرہ کی صفات بیان کی ہیں - پھلوں کے بعد بنگال کی آب و ہوا اور خاص طور پر پانی، آگ اور طوفان کی کیفیت بیان کی ہے - جانوروں اور پرندوں میں سے چیونٹی، ہاتھی، طوطا، مینا کا ذکر کیا ہے - آخر میں مثنوی کا اختتامیہ ہے - یہ تمام مثنوی گویا بنگال کے اوصاف سے لبریز ہے - اسی لیے شاید ادارۂ مطبوعاتِ پاکستان کراچی نے اس کو ''مثنوی در صفت بنگالہ'' کے عنوان سے شائع کیا ہے - اس سے پہلے بھی یہ مثنوی لکھنؤ سے ۱۸۸۹ع میں شائع ہو چکی ہے -

مثنوی کے شروع شروع کے اشعار سے محسوس ہوتا ہے کہ ابھی شاعر کی طبیعت رواں نہیں ہوئی - وہ کہیں محاورے کو کھپانا چاہتا ہے، کہیں نیا مضمون پیدا کرنے کی کوشش کرتا ہے اور الفاظ کی بندش اس کا ساتھ نہیں دیتی - اس لیے

کہیں کہیں معانی مبہم ہو گئے ہیں - مثلاً یہ اشعار دیکھیے :

نہ کردہ روی در خط ہمت او
کتاب از شرم در خط رفتہ زین رو

ع : ہمہ خاکِ رہِ او سجدہ ناکاں

سخنور را شود در تن بہ ناگاہ
چو قرعہ استخوان از غیب آگاہ
تواند قدرت او خانہ برباد
بسان خانۂ زین کردن آباد
پریدہ مرغِ آبی بر تنِ مار
حریرِ آب با مقراضِ منقار
بہ نوعے کردہ دلہا گردناکی
کہ گشتہ تیرِ کشتی تیر خاکی

یہ مثنوی بیانیہ ہے - اگرچہ اس میں پھولوں ، پھلوں ، جانوروں اور مناظرِ فطرت کا بیان ہے لیکن ان کے اوصاف ایک حیوان شناس یا گیاہ شناس کے نقطۂ نظر سے بیان نہیں ہوئے بلکہ ان کی ظاہری شکل و صورت اور معنوی خوبیوں کو شاعرانہ رنگینی سے بیان کیا گیا ہے - بیان میں نازک خیالی اور لطافت کارفرما ہے - شاعر نے جا بجا نادر تشبیہوں سے مضمون کو آراستہ کیا ہے - مثلاً :

ز سحر نامیہ در بزم گلشن چراغِ گل شدہ از آب روشن
بہ گلشن تیز رفتاری صبا داشت مگر از لالہ آتش زیر پا داشت

انبہ کی تعریف : ز وصفش ریشۂ کلک ہنر بین
بسانِ ریشۂ او گشت شیرین

اننناس : دلش با سخت جانی گشتہ خوگر
ازان دارد ہزاران ارّہ بر سر

آنبہ : ہمین یک نکتہ بس در مدحتِ او
کہ خوش رنگست و خوش طعم ست و خوشبو

بڑھل : بود بکری ز جامِ حسن سر مست
ولے صد بچہ او را در شکم ہست

ہاتھی : سیاہی ، خوش خرامی ، پُر عتابی
که نبود شوخی او را حسابی
ز خرطومش به حیرانیم کار ست
که ہم مار ست و ہم سوراخِ مارست
مینا : ہانا گشته نفیِ ہستیش فن
که در ہندی زبان گوید نیم من

اس مثنوی میں صرف بنگال کی تعریف ہی نہیں بلکہ ہجو بھی ہے لیکن ہجو میں بھی شعری لطافتیں موجود ہیں ۔ مثلاً :

چیونٹیوں کے بیان میں : ز مور از بس به رنجِ بی قیاسم
ز خال روی خوبان می ہراسم
مور : چو طاؤسی به بینم سر کنم شور
که نامِ اوست در ہندی زبان مور
بتان را چون میان مانند مور ست
دلم از صحبتِ ایشان نفور است
طوفانِ بنگاله : که این ملک از سه عنصر گشته آباد
نه بینی غیر آب و آتش و باد
ہمین خاک ست کاینجا ناپدید ست
زمین در خواب کس ہرگز ندید ست
آب و ہوائے بنگاله : ہوایش مایهٔ تپ لرزه دارد
ازان سردی و گرمی باہم آرد
درین جا ساقِ مردم از سترگی
چو ساقِ عرش گردد از بزرگی
باد : سلیمان را به فرمان نیست این باد
ز بیمش خلق ازان ہستند ناشاد

کارستان :

منیر نے یہ کتاب جہانگیر نگر (ڈھاکہ) میں لکھی تھی ۔ پھر ترمیم و اصلاح کے لیے ایک سال تک اس کو روکے رکھا ۔ جب مصنّف ۱۰۵۰ھ میں جونپور میں مقیم ہوئے تو دو ہفتوں میں اس کو نظرِ ثانی سے آراستہ و پیراستہ کیا ۔

'کارستان' کی وجہِ تسمیہ خود مصنّف نے یوں بیان کی ہے کہ 'میری رنگینی بیان کا یہ کارنامہ ہے - میں اپنے حجلۂ فکر سے یہ شاہد بنکر باہر لایا ہوں -' مضمون کے اعتبار سے بھی چونکہ اس کتاب میں بادشاہوں اور جنگوں کا ذکر ہے ، اس لیے اس کو جنگی کارناموں کا بیان بھی کہا جا سکتا ہے - یہ کسی خاص بادشاہ کی تاریخ نہیں جس سے ہم آشنا ہوں - بادشاہوں اور راجاؤں کے فرضی نام ہیں - 'کارستان' لکھنے کا مقصد خود مصنّف کی زبان سے سنیے :

''این کارنامہ کہ نامش کارستان است ، بتائید ایزد کارساز بروی کار آمد ، کارشناسان میدانند کہ از آغازِ کار تا انجام کار کار کردہ ام و چندین مضمونِ تازہ کار کہ در دلہا کار کند ، بکار بردہ ام :

این چنین نکتہ طرازی کردن نیست کار ہمہ کس کار من است

بنامِ ایزد تا نظر کار میکند ، معانی پُرکار است و در ہیچ معانی جای گرفت نیست - اگر حسود ہرزہ کار را از حیرانی دست از کار بماند و کار از دست رود ، جای شگفت نیست :

در طرز سخن طرازی اندیشۂ من
دریاب کہ کردہ است کارستانی

در کارگاہ سخن وری قماش سخنم را پشت کار بہ از روی کار است و حرف گیران را برکار ہر دست بستہ ام - فرد :

ہست در کارخانۂ سخنم ہرچہ جان را بکار می‌آید

اس عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ مصنف نے اپنی صنّاعی کے کیسے کیسے نمونے پیش کیے ہوں گے -

'کارستان' کا قصہ یوں ہے کہ ہرمز کی سرزمین میں ایک بادشاہ تھا ، جس کا نام گیتی افروز تھا - اس کے تین بیٹے تھے : والا اختر ، جمشید فر اور مہر پرور - بادشاہ نے وفات پائی تو بڑا بیٹا والا اختر تخت نشین ہوا - کچھ عرصے کے بعد والا اختر جنگ جوئی اور جہانگیری کے ارادے سے باہر نکلا اور چھوٹے بھائی مہر پرور کو اپنا جانشین کیا اور جمشید فر کو ہمراہ لیا - لشکر سمیت شہر گردونیہ میں پہنچے جس کے حکمران کا نام رائے مکند تھا - راجا نے اس کے استقبال کے لیے ایک سو ہاتھی بھیجے لیکن جب اس کو معلوم ہوا کہ بادشاہ کا آنا محض

سیر و سیاحت کے لیے نہیں بلکہ اس کی ریاست پر نظر ہے تو اس نے چال چلنے کا ارادہ کیا - چنانچہ اس نے اپنے ایک مصاحب تارا چند کو بادشاہ کے پاس بھیجا تاکہ وہ اس کی ضیافت قبول کرے - سازش یہ تھی کہ قلعے کے اندر داخل کرکے اس کا کام تمام کردیا جائے - راجا کے ایک سردار نے بادشاہ کے کان میں یہ راز فاش کر دیا - بادشاہ وضو کے بہانے مجلس سے اٹھ آیا - باہر دیکھا کہ سخت پہرہ ہے اور دروازے بند ہیں - بادشاہ نے راجا کے طویلے سے تیز رفتار گھوڑا لیا اور پہرہ داروں کو قتل کرکے قلعے سے باہر کود کر اپنے بھائی جمشید فر کے پاس پہنچا اور اسے ماجرا سنایا - آخر یہ طے پایا کہ راجا سے جنگ لڑنے کے لیے تمام لشکر کو اسمِ اعظم یاد کرانا چاہیے اور زرہِ داؤدی پہننی چاہیے - جب لشکر تیار ہوکر باہر نکلا تو ادھر سے راجا بھی قلعے سے باہر آیا - اول وہ اپنے سردار تاج کو قتل کیا چاہتا تھا کیونکہ وہ اسے افشائے راز کا مجرم سمجھتا تھا لیکن اس نے چالاکی سے اپنے آپ کو بے خطا ثابت کیا - راجا ہاتھی پر سوار تھا - تاج نے مشورہ دیا کہ اس حالت میں راجا تیروں کی زد میں ہے - بہتر ہے کہ وہ عماری سے نیچے اُتر آئے - ابھی اس نے رکاب میں پاؤں ڈالا ہی تھا کہ تاج نے تلوار سے اس کا سر قلم کیا اور بادشاہ کو اس کی خبردی - بادشاہ آیا اور اس نے تاج کو انعام و اکرام کی بشارت دی - بیرونی فوج نے شکست کھائی لیکن ابھی قلعہ کشائی باقی تھی - تاج نے بتایا کہ جب راجا قلعے سے باہر آیا تھا تو اس نے پہرہ داروں سے کہا تھا کہ ہم مسلمانوں کو ہندی تلوار سے مسخّر کرکے عورتوں کی طرح اسیر بنا کر جب رام رام کرتے ہوئے قلعے میں داخل ہوں گے تو پھر دروازہ کھولنا - چونکہ قلعہ نشین راجا کے قتل سے آگاہ نہیں ہیں اور پھر وہ اسے پہچانتے بھی نہیں اس لیے اگر آپ راجا کی قرار داد پر عمل کرتے ہوئے داخل ہوں گے تو دروازہ کھول دیا جائے گا، ورنہ اس بلند و بالا سنگین قلعے کو فتح کرنا بہت دشوار ہے - چنانچہ اس تدبیر سے مسلمان قلعے کے اندر داخل ہوئے اور ہندو مطیع ہوگئے - شہر کے بت خانے سے ایک من سونا حاصل ہوا -

گردونیہ حصار میں کچھ مدت ٹھہرنے کے بعد بادشاہ نے فیصلہ کیا کہ اس قلعے میں زیادہ دیر تک ٹھہرنا مصلحت نہیں - امیر مہاراج کو والئ حصار بنایا اور خود لشکر لے کر سرزمین 'سبز بہار' کی طرف روانہ ہوا - گاڑیوں پر توپیں بھی رکھ لیں - چلتے چلتے 'نوآئین دژ' کے پاس پہنچے - سب نے مسرت

و شادمانی سے استقبال کیا ۔ بادشاہ نے بخشش کے دریا بہادیے ۔ حاسد یہ حال دیکھ کر دنگ رہ گئے ۔ سرزمینِ مشرق کا دارالسلطنت 'خطہ' روزبہر' تھا جہاں خورشید شکوہ بادشاہ حکمران تھا ۔ اس نے 'سبز بہار' کا علاقہ رائے رایان کے تحت کر رکھا تھا ۔ رائے رایان کا بیٹا مہراج مسلّح افواج کے ساتھ اس مستحکم قلعے میں مقیم تھا ۔ سپاہی برجوں سے آگ پھینک رہے تھے ۔ شاہِ والا اختر نے ایک سال تک محاصرہ کیا ۔ قلعے کے مقابل میں ایک بلند و بالا پہاڑ تھا ۔ ایک دن بادشاہ شکار کرتے کرتے اس پہاڑ پر گیا ۔ دیکھا کہ وہاں پتھر تراش کر انسانی اور حیوانی مجسمے بنائے گئے ہیں ۔ اس پہاڑ پر اپنی فوج کو لے جا کر ساکنین کو بے دریغ مال و دولت سے مالا مال کیا اور ان سے ہزاروں منجنیقیں تیار کروائیں اور وہاں سے قلعے پر اتنے پتھر پھنکوائے کہ دیوار میں شگاف پیدا ہو گیا اور قلعے کی چھتیں پھٹ گئیں ۔ قلعہ نشینوں کی جان پر بن آئی اور بہت سی جانیں تلف ہوگئیں ۔ کچھ عرصے کے بعد آب و دانہ کا وہ قحط ہوا کہ سردار قلعہ عاجز آ گیا اور جان کی امان مانگی ۔ بادشاہ قلعے کے اندر داخل ہوا ۔ اس کے ساتھیوں کو بے شمار زر و جواہر ہاتھ آئے ۔

کچھ عرصے کے بعد بادشاہ نے شہر نگاہہ کی طرف رخ کیا ۔ وہاں کا حاکم نین رائے مقابلے میں آیا لیکن اس نے بری طرح شکست کھائی ۔ بادشاہ حصار نگاہہ میں داخل ہوا اور ہر چھوٹے بڑے کے ساتھ لطف و کرم سے پیش آیا ۔ کچھ وقت گزرا ہوگا کہ امیر مہراج کے دل میں پھر فتنہ اٹھا ۔ اس نے اپنے ہمرائیوں کو جنگ کے لیے اُکسایا اور بادشاہ والا اختر کے مقابلے کے لیے آن موجود ہوا ، لیکن وہ بادشاہِ تیغ زن کی تاب نہ لا سکا اور شکست کھا کر بھاگ گیا ۔ کچھ عرصے کے بعد بادشاہ نے اپنے ایک سردار نبرد گزیں کو شہر فرخشار فتح کرنے کے لیے روانہ کیا ۔ وہاں بھی مہراج کو شکست ہوئی ۔ مہراج نے اپنے باپ رائے رایان کو اپنی شکست کے بارے میں خط لکھا جو حصار بارنامہ میں مقیم تھا ۔ رائے رایان نے فوراً ایک خط اپنے بادشاہ خورشید شکوہ کو لکھا اور جنگ آزما ہونے کی اجازت مانگی اور امداد چاہی ۔ بادشاہ سے اجازت پا کر حصار بارنامہ سے نوے ہزار فوج لے کر میدان میں اتر آیا ۔ مہراج بھی اپنے باپ کی خدمت میں جا پہنچا ۔ شاہ والا اختر نے شاد بہر پر قبضہ کرکے عدل و انصاف پھیلانے کی کوشش کی ۔ ہر شہر میں حاکم اور

ہر گاؤں میں عامل مقرر کرکے بے نواؤں کی داد رسی کی - بہار کا موسم تھا کہ سبز بہار کی سرزمین میں ایک زمیندار نے سرکشی کی - بادشاہ نے اپنے ایک وفادار غلام خواجہ سنبل کو اس کی سرکوبی کے لیے بھیجا جس نے اس کا کام تمام کیا - اس کامرانی کے بعد بادشاہ سیر و تفریح میں مشغول ہوا - اس موقع پر مصنّف نے محفلِ شراب ، مجلسِ طرب و نغمہ ، بزمِ ضیافت ، لہو و لعب ، سیرِ دریا ، شکار ، چوگان بازی ، سیرِ گلشن و بہار کے مناظر پیش کیے ہیں - اس کے بعد پھر قصے کا آغاز ہوتا ہے - رائے رایان اپنے بیٹے کی شکست و گرفتاری سے پریشان و مضطرب تھا - وہ ننانوے ہزار تازہ دم سواروں کی فوج تیار کرکے فرخ شار پر حملہ کرنے کے لیے آگے بڑھا - نبرد گزیں والیٔ فرخ شار کو خبر ہوئی تو اس نے شاہ والا اختر کو اطلاع بھیجی - بادشاہ فوراً ہاتھی پر سوار ہو کر فرخ شار پہنچا - فوج کی گنتی ہوئی تو چوبیس ہزار سوار ، ۹ سو ہاتھی ، تیئیس ہزار گھوڑے شہار میں آئے - مشیروں نے بادشاہ کو اپنے عزم و ثبات کا یقین دلایا - یہ باتیں کر رہے تھے کہ ایک بدمست ہاتھی نے ہودہ توڑ مروڑ دیا اور ستونِ بارگاہ کو ٹکر مار کر گرا دیا - ستون گر جانے کو بادشاہ نے اپنے لیے بد شگون جانا - وہ خطہ شادبھر سے روانہ ہو کر قصبہ آسانہ میں پہنچا - وہیں نبرد گزین بھی آیا اور رائے رایان کے غلبہ و تسلط کو بیان کیا - رائے رایان نے اپنا قاصد بھیجا اور دھمکی دی کہ خاکی نہاد ہو کر سر اونچا نہ کرو - کہیں زمین پر نہ آ پڑو - بادشاہ غضب ناک ہوا اور کہا : ”قرآن مجید ہمارا محافظ ہے اور سورۂ فتح ہماری شان میں نازل ہوئی ہے - اسلام کا جھنڈا بلند ہو کے رہے گا -“ ادھر رائے رایان تیاریاں کر رہا تھا - اس کے منجّموں نے مشورہ دیا کہ تین دن بھاری ہیں ، ان میں جنگ نہ لڑی جائے - وہ خود حصار خاکی میں جا بیٹھا اور فوج کو حکم دیا کہ تین دن تک تلوار نہ اٹھاؤ - شاہ والا اختر اپنی فوجیں لے کر آگے بڑھا - دیکھا کہ مقابلے میں کوئی نہیں آیا - اس نے کہا غافل دشمن پر حملہ کرنا شجاعت نہیں اس لیے جنگ کا ارادہ ترک کیا - دوسرے دن بھی ایسا ہوا - تیسرے دن تیر اندازوں نے تیر چلائے ، رائے رایان کا ہاتھی زخمی ہو کر مر گیا - پھر بھی ان کی طرف سے کسی نے مقابلے کے لیے ہاتھ نہ اٹھایا -

مشیروں نے سمجھایا کہ حصار خاکی میں دشمن کو آسانی سے خاک میں ملایا جا سکتا ہے لیکن بادشاہ نے کہا کہ دشمن ہمارے سامنے عاجز آ چکا ہے ، مردوں پر تلوار چلانا بہادری نہیں - چوتھے دن جب مبارک ساعت آن پہنچی تو

راے رایان مرتّب لشکر کے ساتھ ٹوٹ پڑا اور بادشاہ کے سپہ سالار نبرد گزین کو بری طرح شکست دی ۔ اگلے دن اتوار تھا ، بادشاہ اپنے طریق کے مطابق اس روز جنگ نہیں کیا کرتا تھا ۔ وہ دن بھی بزمِ عیش میں گزار دیا ۔ اگلے دن آمنا سامنا ہوا ۔ بادشاہ کا ہاتھی دشمن کی فوجوں کو لتاڑ رہا تھا کہ اچانک ایک گولہ اس کی پیشانی پر لگا اور وہ زخمی ہوکر اپنی ہی فوج پر پلٹا اور روندتا ہوا گزر گیا ۔ ایک بھگدڑ مچ گئی ۔ بادشاہ نے بہتیرا حوصلہ دلایا لیکن سب نے ہمت ہار دی ۔ بادشاہ نے گھوڑے کے پاؤں میں زنجیریں ڈلوا دیں تاکہ بھاگنے کا خیال نہ پیدا ہو ، لیکن ساتھیوں نے مجبور کیا کہ اس وقت استقامت کا وقت نہیں ، آخر زبردستی زنجیریں کھول دیں اور بادشاہ ہاتھی پر سوار ہو کر پچھلے پاؤں بھاگ نکلا ۔ راے رایان کے ہاتھ گھوڑے ، ہاتھی ، زر و جواہر اور بے شمار مالِ غنیمت آیا ۔ بادشاہ اپنے آبائی ملک ہرمز میں پہنچا ۔ چھوٹے بھائی مہر پرور نے استقبال کیا ۔

اسی اثنا میں سرزمین روز بہر کا بادشاہ خورشید شکوہ وفات پا گیا ۔ اس کے بجائے خسرو ماہ آئین تخت نشین ہوا ۔ راے رایان نئے بادشاہ کی دست بوسی کے لیے حاضر ہوا ، لیکن اچانک بیمار ہوکر مر گیا ۔ بادشاہ نے خطۂ شادبہر کی فرمانروائی کے لیے اپنے ایک سردار تیغ گزار کو نامزد کیا جس نے وہاں پہنچ کر عدل و انصاف کیا ۔

ایک مرتبہ خسرو ماہ آئین کی مجلس میں والا اختر کے حملے کا ذکر ہوا اور مہراج کی شکست اور خطۂ شب فروز کی تسخیر کا واقعہ بیان ہوا ۔ بادشاہ غصے سے بھڑک اٹھا اور اس سے انتقام لینا چاہا ۔ اپنے ایک بہادر سپہ سالار بہرام کو نامزد کیا جو دلاوروں کی فوج لے کر دو ماہ بعد سرزمینِ شادبہر میں تیغ گزار کے پاس پہنچا ۔ پھر لشکر کے ہمراہ ملک ہرمز کی سرحد پر دریاے آشنارو پر پہنچا ۔ ایک حاجب کو بھیجا جس نے شاہ والا اختر سے خراج مانگا ۔ بادشاہ نے چیں بہ جبیں ہو کر انکار کیا تو حاجب نے درشت کلامی کی ۔ بادشاہ چاہتا تھا کہ اس گستاخ کی گردن اڑا دے ۔ بہرام کو تیز و تند پیغام بھیجا اور لڑائی کی دعوت دی ۔ دونوں لشکر مقابلے پر آئے ۔ چھ دن تک معرکہ گرم رہا ۔ چھٹے دن شاہ والا اختر کو ہاتھی پر بیٹھے ایسا گولا لگا کہ وہیں جان دے دی ۔ لشکر میں صفِ ماتم بچھ گئی ، بادشاہ کو دفن کر دیا گیا ۔ بہرام جو مقابلے کی تاب نہ لا کر پیچھے ہٹ گیا تھا ، بادشاہ کی خبرِ وفات پر پھر سرگرم ہوا ۔ بکھری ہوئی جمعیت کو اکٹھا کیا اور غم زدہ فوج پر چڑھ آیا ۔ شاہ والا اختر کی قبر

کھود کر اس کا سر تن سے جدا کیا اور اسے خسرو ماہ آئین کے پاس بھیج دیا۔ شاہ والا اختر کی ملکہ نے کافور کھا کر اپنے آپ کو ہلاک کر لیا۔ چھوٹے بھائی نے بہرام کے پاس پناہ لی، اس کو گرفتار کر لیا گیا اور تمام ہاتھی، گھوڑے، زر و جواہر کو اپنے قبضے میں کیا۔ بہرام اور اس کے ساتھی اونٹوں پر سوار ہو کر اپنے بادشاہ کی طرف چل پڑے۔ خطۂ شب فروز میں پہنچے۔ وہاں ایک مہینہ قیام کیا۔ پھر ہاتھیوں پر سوار ہو کر چل دیے۔ اچانک ایک ہاتھی بدمست ہوا اور بہرام کے ہاتھی سے ٹکرا گیا۔ بہرام گر پڑا، اس کی ٹانگ ٹوٹ گئی اور وہ اسی صدمے سے جاں بحق ہوا۔

مندرجہ بالا بیان سے ظاہر ہے کہ مصنّف کا مقصد تاریخ لکھنا نہیں۔ شروع شروع میں معلوم ہوتا ہے کہ وہ کفار پر مسلمانوں کی فتح دکھانا چاہتا ہے کیونکہ اس کی عبارت اور بیان سے جانب داری جھلکتی ہے، لیکن آخر میں بادشاہ والا اختر کی شکست اور ذلّت دکھاتا ہے۔ اگر یہ مقصد تھا کہ وہ بادشاہ سیر و تفریح، نغمہ و طرب، لہو و لعب کی محفلوں میں غرق ہو گیا اور اس نے دشمن کی توہم پرستی سے فائدہ نہیں اٹھایا اس لیے اس کو شکست ہوئی، تو یہ مطلب بیانِ واقعات سے نمایاں نہیں ہوتا کیونکہ صرف حادثے کی بنا پر بادشاہ کی موت واقع ہوئی ہے۔ وہ خود ثابت قدمی اور جانبازی سے لڑنا چاہتا تھا لیکن اس کے ساتھیوں نے عزم و استقامت سے کام نہ لیا۔ اگر یہ فرضی داستان ہے اور مصنّف شاہ والا اختر کا دردناک انجام بتا کر ہمیں غمناک کرنا چاہتا تھا تو یہ کوشش بھی کچھ زیادہ کامیاب نہیں ہوئی۔ حزنیہ داستان ہونے کی وجہ سے بادشاہ کے ساتھ نمایاں غم اور ہمدردی پیدا نہیں ہوتی۔ ہاں اگر شاہ والا اختر کی پہلی شکست کے بعد اپنے پایۂ تخت پہنچ کر اپنے بھائیوں کے ہمراہ دشمن کے خلاف اس کا ثبات و قیام دکھایا جاتا اور نقصانات کے بعد اس کی فتح بتائی جاتی تو پھر دونوں مقصد بروئے کار آ جاتے؛ یعنی ثبات کے وقت اللہ کی طرف سے فتح اور کاہلی اور غفلت کے وقت شکست۔ اگر بڑا بھائی حادثے سے مر بھی گیا تھا تو چھوٹا بھائی مقابلہ کرتا۔ اس کے کردار کے شایان شان نہیں تھا کہ وہ ذلیل ہو کر کافر دشمن کے پاس خود ہی پناہ گزیں ہوتا۔ اس لیے ان متضاد کیفیتوں کی بنا پر یہ داستان پلاٹ نہیں رکھتی۔ ہاں اگر یہ واقعی تاریخ کی سچی داستان ہوتی تو پھر فتح و شکست، موت و حیات، قضا و قدر کے ہاتھوں سمجھ کر ہم کچھ اور نتائج اخذ کر سکتے۔

ہماری رائے یہ ہے کہ مصنّف کے پیش نظر نہ افسانہ لکھنا تھا اور نہ تاریخ ، صرف فرضی واقعات کی آڑ لے کر اپنا زورِ بیان دکھانا مقصود تھا ۔ اس نے مختلف مواقع پیدا کر کے میدان جنگ ، ہاتھی ، گھوڑے ، تلوار اور تیر کا بیان ، لڑائی کے مناظر ، قلعے کا حال ، قحط کا بیان ، بہار کا نقشہ ، محفل شراب ، مجلس نغمہ و طرب ، دعوتِ خور و نوش ، سیرِ دریا ، صفتِ شکار ، چوگان بازی اور سیرِ باغ و بہار کے مناظر بیان کیے ہیں اور لفظی و معنوی صنعتوں سے کام لے کر بیان کو رنگین بنا دیا ہے اور لطیف نکات پیدا کیے ہیں ۔ جا بجا موقع کے مطابق اپنے اشعار شامل کر کے انشا کو تقویت دی ہے ۔ کنایہ ، مجاز ، ایہام ، تشبیہ ، تضاد ، مراعاتِ لفظی ، تجنیسات اور محاورے کا رنگین استعمال جابجا نظر آتا ہے جس سے عبارت میں حسن ، نکھار اور شگفتگی پیدا ہوتی ہے ۔ مثالیں دیکھیے :

مراعاتِ لفظی : تا دشمنانِ خاکسار بی آب شوند و باد بکف و آتش بدل بر گردند ۔

تجنیسات و ایہام : بعد از فراغ حملہ ہر یکی را ازان کہ محالی بحلیہ ظفر بود ، محلی داد و محل داری فرمود کہ لامحالہ دران محل باشد زیرا کہ : بتائید محوّل احوال محال نیست کہ خصم محیل بہیچ حال مجال محل نیابد ۔

تضاد : کیسہای لاغر فربہ شد و عیشہای مردہ زندہ شد ۔

کنایہ و ایہام : عود خود را از خجالت در آتش انداخت ۔

تضاد و محاورہ : ہر جا زرِ صامت میدیدند از حیرت خاموش میماندند و ہر جا زرِ ناطق می شنیدند ، مضمون گنجنامہ بر زبان می آوردند ۔

مصنّف نے خود بھی اپنے ان کمالات پر اظہارِ تفاخر کیا ہے :

خیالم کردہ از معنی نگاری عروسِ فیض را آئینہ داری
منم پیرایہ سنج حجلۂ فکر گواہِ من بس است این شاہد بکر

کارنامہ :

'تذکرۂ نشترِ عشق' کے مصنّف نے لکھا ہے کہ منیر لاہوری کا ایک رسالہ 'کارنامہ' کے نام سے بھی ہے جس میں اس نے عرفی ، ظہوری ، زلالی اور طالب آملی

پر اعتراضات کیے ہیں - اتفاق سے پنجاب یونیورسٹی لائبریری کے مجموعہ' آذر میں نگارشات منیر لاہوری کے عنوان سے ایک مجموعہ موجود ہے جس میں یہ رسالہ بھی شامل ہے - اس رسالے میں منیر نے ایک مجلس کا ذکر کیا ہے جس میں معاصر شعرا اظہار خیال فرما رہے تھے کہ متقدمین کی اب کوئی قدر و منزلت نہیں - اب متأخرین کا بول بالا ہے - وہ عرفی کو سخن طراز صاحب طرز تازہ سمجھتے تھے اور طالب کو تازہ گفتار کہتے تھے جس نے کلام میں جان تازہ پیدا کی - زلالی کی تعریف کر رہے تھے کہ اس نے 'پنج گنج' کے مقابل 'سبعہ شداد' کھڑا کیا اور شعر کو روانی اور طراوت بخشی - ظہوری کے متعلق کہا کہ اس نے معانی آفرینی میں ید بیضا دکھایا اور سب کو نیچا دکھایا - منیر یہ باتیں سن کر رنجیدہ ہوا - اس نے اس رسالے میں متذکرہ بالا جلیل القدر شعرا کے تقریباً پچاس اشعار دے کر ایک ایک کا عیب نکالا ہے اور لفظی و معنوی تعقیدات کی نشاندہی کر کے ان کی شاعری کا خاکہ اڑایا ہے اور ان کو حقیر و کم مایہ شمار کیا ہے -

اس تحلیل و تجزیہ کے بعد منیر نے اپنے زمانے کے رجحانات پر تبصرہ کیا ہے اور بتایا ہے کہ اس کے عہد میں وہی شاعر نام آور ہو سکتا ہے جس میں چار صفات موجود ہوں : یا وہ دولت مند ہو ، یا بوڑھا ہو ، یا ایرانی ہو ، یا مشہور ہو - پھر اپنے متعلق لکھا ہے کہ میں ہندی نژاد گمنام ، مفلس اور جوان ہوں ، مجھے کوئی درخور اعتنا کیوں سمجھے - لیکن بعد میں اپنی صفات گنوا کر یہ ثابت کیا ہے کہ یہ معیار قطعاً درست نہیں - ہندی نژادوں میں مسعود سعد سلمان ، ابوالفرج رونی ، خسرو ، حسن اور فیضی ایسے با کمال شعرا گزرے ہیں جو ایرانی نژاد شعرا کے مقابلے میں کسی طرح کم نہیں - اور جوان ہونا بھی کوئی عیب نہیں - اس کے بعد اپنی صفات گنوائی ہیں اور اپنے متعلق یوں لکھا ہے :

''من مہ پرست کہ چون بدر منیر از بلدۂ لاہور طلوع کردہ ام و از فیض خورشید ازل طبع درست و رای روشن یافتہ ام ، کوکبہ' مغنی را باسمان رسانیدہ ام و در درجہ شناسی سخن دقیقہ فرو نگذاشتہ ام - صد ہزار بیت کہ ہر یک بیت الشرف کوا کب معانیست باوج ظہور آوردہ ام و از فروغ معانی مطلع سخن را چون مطلع خورشید نورانی ساختہ ام -''

یہ رسالہ چھوٹی تقطیع کے تیس صفحات پر مشتمل ہے -

محاکمہ :

ملک الشعرا قدسی نے امام علی رضاؑ کی مدح میں ایک قصیدہ لکھا ۔ ملا شیدا نے اسی بحر میں اور اسی قافیہ و ردیف کے ساتھ اشعار میں قدسی کے اشعار پر اعتراضات کیے تھے ۔ ابوالبرکات منیر لاہوری نے دونوں کے اشعار کو سامنے رکھ کر اشعار ہی میں محاکمہ لکھا ہے ۔ ایک مثال سے یہ سلسلۂ سخن واضح ہو جائے گا ۔

قدسی کا شعر ہے :

عالم از نالۂ من بیتو چنان تنگ فضاست
کہ سپند از سرِ آتش نتواند برخاست

شیدا نے اعتراض کیا :

نالہ در سینہ ہوائیست کہ پیچانست ز درد[1]
چون ز لب گشت ہوا گیرہم از جنس ہواست
عالم از وی نشود تنگ و لیکن ز ملال
اہلِ عالم گر ازو تنگ نشینند رواست
خود گرفتم کہ جہان تنگ شد از نالۂ تو
کہ ز تنگی نظر از چشم نیارد برخاست
نیست ترتیب دو مصراع بہم ربط پذیر
کہ سیاقِ سخن ہر دو باندیشہ جداست
تنگی عالم ازین نالہ بکیفیت اوست
کہ جہاں تنگ ز اندوہ شدہ بر دلہاست
بر نخیزد چو سپند از سر آتش بقیاس
سبب او بکمیت ہمہ از تنگی جاست
تنگی جا ز کجا تنگیِ اندوہ کجا
بیشتر از تن و جان تفرقہ ہم پیداست

ابوالبرکات منیر نے محاکمہ کیا :

ای سخن سنج کم از کیف و کم ارگیری بہ
کین مقولات ز ارباب سخن نازیباست

۱۔ تمام اشعار اصل کے مطابق ہیں ۔

اندرین بیت نیفتاد سخنور را به
سخنت گرچه موافق بمذاقِ حکماست
شیوهٔ شعر دگر، پیشہ حکمت دگر است
سخنت نیست درین معنی و اندیشہ گواست
ہر کہ دانستہ مزاجِ سخن از نبضِ قلم
کی بقانون سخندانی و محتاج شفاست
لطف این شعر نمی فهمی و قهر از پی چیست
این نہ آئینِ حریفانِ معانی پیراست
فی المثل گوید اگر شاعر رنگین سخنی
مخمل از نالہ ام از خواب تواند برخاست

سراج الدین علی خاں آرزو نے مندرجہ بالا تینوں بیانات سامنے رکھ کر علمی و ادبی نقطہ نظر سے تجزیہ کر کے نثر میں اپنی رائے کا اظہار کیا اور ایک رسالہ 'دادِ سخن' کے نام سے مرتّب کیا تھا ۔ 'دادِ سخن' کے تین قلمی نسخے پنجاب یونیورسٹی لائبریری میں موجود ہیں ۔ منیر لاہوری کا اپنا محاکمہ الگ کتابی صورت میں ابھی تک دستیاب نہیں ہو سکا ۔ اس لیے ہم نے 'دادِ سخن' سے اس کے اشعار الگ محفوظ کر لیے ہیں ۔ مذکورہ نسخے اغلاط سے پُر ہیں اس لیے بعض اشعار صحیح نہیں پڑھے جا سکے ۔ منیر کے مندرجہ اشعار سے واضح ہے کہ اس کو "مُلا" شیدا سے کد ہے ۔ وہ اُس کے ہر اعتراض کو جھٹلانے کے درپے ہے اور قدسی کے ہر بیان کی تائید کرنے پر تُلا ہوا ہے ۔ آرزو نے منیر کے بعض طنز آمیز جملوں کو محض تعصّب بتایا ہے اور دو تین جگہ ثابت کیا ہے کہ منیر قدسی کے اشعار کا مطلب ہی نہیں سمجھا ۔ قدسی کا قصیدہ سبک ہندی میں ہے اور تعقید و ایہام و ابہام لیے ہوئے ہے ۔ اس لیے معانی و مطالب کی دریافت میں غلطی کا امکان ہے ۔ اس مباحثہ و مشاعرہ سے اتنا واضح ہے کہ منیر قادر الکلام شاعر ہے اور بڑی جرأت و جسارت سے ایرانی شعرا تک کے کان کترتا ہے ۔ ہم اس رسالے کو بعینہٖ محفوظ کر لیتے ہیں :

قدسی : ہر کہ نازِ تو چشید است نمیرد ہرگز
زہرِ چشمت مگر آمیختہ با آب بقاست

شیدا : معنیٔ 'ناز چشیدن' ز که باید 'پرسید
زهرِ کاری است که آمیخته با آب بقاست
زهرِ چشم ار چه نگاهِ غضب آلود بود
که شده کارگر اندر جگرِ اهلِ وفاست
باز آن آبِ بقا را بچه آمیخته ای
که نشانش همه چون آبِ بقا ناپیداست

منیر : در سخن 'ناز چشیدن' چو ندارد مزه ای
ناگوارا بمذاقِ خردِ نادره زاست
زهر چشم ار چه کشید است ز تلخیِ عتاب
لیک چون سرزده از نوش لبان روح افزاست
بود با اینهمه نیکو اگر آنرا گفتی
کز شکر خنده در آمیخته با آب بقاست

قدسی : از درون سوی خیالت ز برون محو تو ام
عینکم چشم مرا چشم دگر رو بقفاست

شیدا : از درون سوی خیالت سخنی نیست تمام
محو بیرون شدنش گر بتکلف برخاست
عینک از پیش چو خود بهره ندارد بنظر
نکند سود دو صد چشمش اگر سوی قفاست

منیر : چشم عینک که ز اهلِ نظر آید بر سر
بی نگاه است ولی دیده ازو نور رباست
نیست در مدّ نظر دقتِ معنی چو ترا
سخت چشمیِ تو مانندهٔ عینک برجاست

قدسی : اینکه گویم که دل از عشق برآید غلط ست
موج بر سو که نهد روی بساحل دریاست

شیدا : عشق در دل بود آخر نه دل اندر عشق است
بنگر این تفرقه آخر ز کجا تا بکجاست
موج و دریا بدل و عشق ندارد نسبت
زانکه آن بر دو یکی باشد و این بر دو جداست

دل بی عشق بسی ہست و تواند بودن
موج را ہیچکسی دیده کہ او بے دریاست ؟

منیر : دل بعشق آمده و عشق بدل ہردو یکیست
اندرین ہر دو سخن تفرقہ آخر ز کجاست
جامہ در بر نبود ، بر بود اندر جامہ
لیک گویند اگر جامہ ببر باشد راست

قدسی : بخت ِ بد چون سوی من کج نگرد شاد شوم
راحت ِ جان ِ ہدف در قدم ِ تیر خطاست

شیدا : راحت ِ جان ِ ہدف کس نتواند گفتن
جز حریفی کہ نظر بر قدم ِ تیر خطاست
گفتگوئیست عجب نادر و رنگین و بدیع
لیک تیرش ز خطا جانب چپ رفتہ ز راست

منیر : استعارات چو در فنّ ِ معانیست روا
'راحت ِ جان ِ ہدف' را نتوان گفت خطاست
گر چہ اینہا نبود لازم و واجب بسخن
لیک نزدیک کسی ، کش نظر اوج گراست
استعاره چو بہ تشبیہ بہم آمیزد
نمک مائدۂ شعر بود بی کم و کاست

قدسی : صرف من ساز تغافل کہ نمیداند غیر
ذوق آن لطف نمایان کہ بنام استغناست

شیدا : ہرکرا ہست مذاق ِ سخن او میداند
ذوق داند نبود در خور و این حرف کجاست

منیر : غلط ِ محض مگو گفتہ اگر داند ذوق
علم بر ہرچہ کہ اطلاق توان کرد رواست
لیکن این حرف چو بیگانہ فتاده ز مذاق
ذوق بایست ز حرف تو کسی کو داناست

قدسی : روی شعر از سخن ِ عشق نگردد ہرگز
جز سوی مدح خداوند کہ رسم ِ شعراست

شیدا : شاعر از روی چنین شعر ز رخ باختہ رنگ
کہ ز برگشتگیٔ بخت ہمہ رو بقفاست
اینچہ شعراست و چہ لطف است بگو آخر چیست
در گریزی کہ پیٔ مدحِ امامِ دوسراست

منیر : معنی از لطف گریزد چون درین بیت گریز
نہد انگشت ضمیرِ تو کہ اندیشہ گراست
ہست بیوجہ درین حسن تخلص سخنت
کجیِ دخل تو بر نکتہ شناسان پیداست

قدسی : آنکہ از روشنیٔ خامۂ رایش پس ازین[1]
بر فلک شکلِ مہِ نو چو الف گردد راست

شیدا : خامہ با روشنیِ رای چہ نسبت دارد ؟
خامی و تیرہ دلیہا چو ز خامہ پیداست
بار از روشنیِ او نہ بہ تعظیم و نہ رشک
بر فلک شکلِ مہ نو ز چہ برخیزد راست

منیر : نیست دخلِ تو پسندیدہ درین بیتِ بلند
کہ چو مصراع مہ نو شدہ انگشت نماست
لیک در خاستن ماہ نو اندر شعرت
ہست تعظیم بجا رشک نمی آید راست
ماہ نو را نرسد خاستن از رشک بچرخ
گر بگویند کہ نوخیزد ازین رشک بجاست

قدسی : زیورِ شاہدِ ایمان علی بن موسیٰ[۴]
آنکہ بی دوستیش صورتِ دین نازیباست

۱- کلیاتِ قدسی (نسخۂ خطی پنجاب یونیورسٹی لائبریری) میں یہ مصرع یوں ہے :

آنکہ از راستی خامۂ عدلش پس ازین

شیدا : زیور آخر به عرض باشد و شاهد جوهر
اصل را فرع چو گویند نه از مدح و ثناست
زیور شاهد اگر یاره و خلخال بود
کان یکی درخور دست آمد و این لایق پاست
طوق گردن بود آن زیور و یا حلقهٔ گوش
هر چه سنجند باندیشه همه نازیباست
شاهد آنست که آن درخور بوس است و کنار
زیورش مایهٔ انگیزش و آلائش هاست
از تو بیجا زده سر حرف و ز من بیجا تر
ای خوش آن مرد که دانندهٔ بیجا و بجاست

منیر : زیور از یاره و خلخال بود نیست عرض
جوهری داری و دریاب که معنی بکجاست
هست زیور بصفت موجبِ آرایشِ حسن
زانکه در دیدهٔ اربابِ نظر حسن آراست
زیور شاهد دین باشد و آرایش حسن
فکر تو در گرو یاره و خلخال چراست
نیست چون یاره و خلخال مراد از زیور
دست و پای ز پی بحث زدن محض خطاست
شاهد آنست که صبر از دل پاکان ببرد
هم برین نکته که گفتیم خدا شاهد ماست
نبود حسن چو از زیور عصمت محروم
نتوان گفت که سرمایهٔ آلائش هاست
شاهد پاکدلان پاک بود ز آلایش
شاهد تست که آن باعثِ آلائش هاست

قدسی : مهر و مه را نبود بی مددِ رای تو نور
بنگاه دگری دیدهٔ عینک بیناست

شیدا : عینک آخر چو بچشم دگران بینا نیست
بلکه چشم دگران از مددِ آن بیناست

چشم ازو کسبِ ضیا کرده ، نه او از چشم
سخنِ چشم خیالی است که بی نور و ضیاست

منیر : دیده و عینک چون هر دو مددگار هم اند
چشم اگر پوشی ازین معنی آخر نه رواست
روشنست اینکه بود دیدهٔ عینک بی نور
گر نه او را بمثل دیدهٔ بینا بقفاست

قدسی : شین شمشیر تو بـّرنده تر از تیغِ اجل
قاف این قبضه فزون نقطه ای از فای فناست

شیدا : قاف این قبضه بتخصیص چه می افزاید
قاف چون عام بیک نقطه فزون تر ز فناست

منیر : ناخن کلک تو در معنی این بیت نکو
گر شود بند باندازهٔ یک نقطه بجاست

قدسی : نو عروسی است که هرگاه کنی گرم عنان
عرقش ظاهر و پنهان ز نظر همچو حیاست

شیدا : نو عروسیش چو گفتی چکنی گرم عنان
گرمش از جلوه گری ساز گرت فهم و ذکاست
حالتی هست حیا در تنِ مردم پنهان
که هزاران اثر از حالش رو داده بماست
چون حیا حالتِ چشمست که بچشمت نیکوست
چو نهانست حیا و عرقش چون پیداست

منیر : فکر را پس ز پی گرم عنانی عروس
گر عنان گیر شود طبع رسای تو بجاست
لیک این نکته گرفتن که چرا توسن را
از عرق ریزی تشبیه نموده بحیاست
هست دور از تو و از طبع سخن پرور تو
گر عرقناک شود روی تو از شرم بجاست

قدسی : تیز گامی که چو آید بسماع از قدمش
کرهٔ خاک چو سیماب جهد از چپ و راست

شیدا : تیزیِ گام بدین وصف ستودن ستم است
صفتِ صدمهٔ سُم گر کنی آخر برجاست

منیر : چون سُم افگنده درین بیت سمند سخنش
نکته گیری ضمیر تو بمعنی زیباست

قدسی : آنکه وی زهر در انگور تو میکرد امروز
بعذابِ ابدی کام دلش زهر آلاست

شیدا : زهر آلا چو باندیشه نه زهر آلود است
با تو گفتن که چنین نیست بگو زهر کراست

منیر : زهر آلا چو بمعنی نبود زهر آلود
ز اعتراض تو مذاق خردش تلخ چراست

قدسی : گنبدت را نه کتابه است بزر گشته رقم
حکم آمرزش خلق دوجهان را طغراست

شیدا : چیست خلق دو جهان خلق دو عالم چو یکیست
این جهان بهر عمل دان دگر از بهرجزاست
حکم هر چند بمعنی بود آخر فرمان
نیست فرمان که طرازنده بمهر و طغراست

منیر : اهلِ ملک و ملکوتند چو خلقِ دو جهان
خود ده انصاف تفاوت ز کجا تا بکجاست
عالمِ غیب دگر ملک شهادت دگر است
خلق آن هر دو جهان نیست اگر بینی راست
معنی و روح یکی صورت و جسمست دگر
آگه از تفرقهٔ هر دو ضمیر داناست
خرد از حکم درین بیت دو انداز بلند
این ز معنی است عیان وان ز عبارت پیداست

لیک افتاده یک انداز بدانگونه بلند
که بخوبی شده منشور سخن را طغراست

قدسی : مهر بر قبهٔ گردون بود و روضهٔ تو
آسمانیست که در قبهٔ خورشیدش جاست

شیدا : وصف آن روضه بدین‌گونه نشاید گفتن
نه فلک حلقهٔ آن در چو بعزست و علاست
آسمان جای خود از قبهٔ خورشید کند
خود فراخیش ز خورشید بسی تنگ فضاست

منیر : چون تو از بیت نخستیش نداری خبری
اعتراضِ تو برین بیت بسی نازیباست
هر دو بیت از اثر حسن معانی باهم
همچو ابرو و خطِ لعل بتان جلوه نماست
زر نگاریست نه وسعت عرضش زین معنی
کاسمان نیست که در قبهٔ خورشیدش جاست

قدسی : نیست ناکام بعهدِ تو کسی حیرانم
کز برای چه زبان قلم از کام جداست

شیدا : چون قلم هست زبانی که ندارد کامی
کام چون نیست بگو تا بچه از کام جداست
باز آن کام که ناکامی ازو میخواهی
هم بکامی که زبان راست نمی آید راست

منیر : کام و ناکام نباید بسخن پیچیدن
چه شد ار طبع تو در ملک سخن کام رواست
حسن این معنیِ نازک که نه ای آگه ازو
باد سنجی همه ایهام شده جلوه نماست

قدسی : کرده تحریر مگر نکتهٔ سیراب مرا
کز رطوبت قلمِ سوخته در نشو و نماست
شیدا : قلمِ سوخته یا رب چه تواند بودن
که ز سیرابی حرفت شده در نشو و نماست
منیر : از قلم دود برون آمده از سوختگی
سخنت در قلمِ سوخته از خامی‌هاست

قدسی : همت مدح تو مرا جایزهٔ مدح تو بس
پیشِ من قیمت کالا ز عزیزی کالاست
شیدا : در شرایط که دعا خواسته ای از همت
رفته از کار زبان تو بهنگام دعاست
زانکه هنگام دعا وقت خشوعست و خضوع
خاصه آنرا که بدل درد طلب شوق افزاست
منیر : سخن جائزه در وقت دعائیست بگو
زان سخن کردنت اینجا همه از حسن اداست
عرق آلوده شده جبههٔ همت از شرم
کز رخِ حسن طلب دست سخن پرده کشاست

قدسی : در عنا باد و مبیناد غنا دشمن تو
تا عنا بر ورقِ صفحهٔ ایام عناست
شیدا : ورق صفحه بگو صفحه چو روی ورقست
پای کف هیچکسی گفته بجای کف پاست
این تکلف همه بر طبع پسندیدن چیست
چون بگوئی که غنا تا شده تصحیف عناست
منیر : مصرعِ ثانیِ این بیت بدین منوال است
تا عنا بر ورقِ دهر بیک نقطه غناست
خود غلط خوانی و آنگاه خود انگشت نهی
چین در ابرو مفگن گویم ازین شیوه خطاست

اگر آن مرد چنین گفتہ کہ تو میخوانی
سخنی کز تو پذیرای بیان گشتہ بجاست

شاعری :

منیر بڑے ذہین تھے اور دراک طبیعت پائی تھی ۔ قوت حافظہ بھی تیز تھی ۔ خدا نے شعر موزوں کرنے کا ایسا ملکہ عنایت کیا تھا کہ ڈھلے ڈھلائے اشعار کہتے چلے جاتے تھے ۔ پینتیس سال کی کل عمر میں اگر بیس بائیس سال شاعری کی عمر شمار کریں تو ان کے ایک لاکھ اشعار کا انبار ان کی مواج طبیعت پر شاہد ہے ۔ ان کو اپنی شاعری پر ناز بھی تھا اس لیے وہ بڑے بڑوں کے عیوب شعر گنوانے سے بھی نہیں چوکتے تھے ۔ ان کو احساس تھا کہ وہ ہندی نژاد ہیں ، ایرانی نہیں ۔ دولت مند نہیں اور بڑے دربار میں ان کی رسائی بھی نہیں وگرنہ ان کا کلام کسی دوسرے سے کمتر نہیں ۔ انھوں نے اپنی شاعری اور نثر نگاری کے متعلق جس رائے کا اظہار کیا ہے ، اسی سے ان کے کلام پر رائے قائم کرنے اور ان کی ادبی شخصیت کو جانچنے میں مدد ملے گی ۔ انھوں نے لکھا ہے :

"من بی خان و مان کہ در قلمرو سخن گردیدہ ام و سواد خطۂ معانی را سراسر گردیدہ ام ، صد ہزار بیت بلند کہ ہر یک را بیت المعمور معنی توان خواند ، در زمین نظم باطرحہای دلنشین بنیاد نہادہ ام و از دو مصراع بیت در دو لختی بر روی معانیہای آبدار برکشادہ ام ۔ معنی کدہ ابیات را قوی اساس گردانیدہ ام و بنای آنرا بہ بحر شعر بآب رسانیدہ ام ۔ عمری در تعمیر سخن بسر بردہ ام و اندازۂ گونیا برشتۂ مسطر سپردہ ام و از قافیہ سنجی نشست خانۂ بیت را کرسی وار ساختہ ام و از بحر نظم در زمین بہ تخمیر آب و گل پرداختہ ام ۔ چندین خشت کتاب در تعمیر سخن بروی ہم چیدہ ام و اساس معنی را متین گردانیدہ ام و از بیت ہای بلند در دشت بیاض شگرف خطہ آباد ساختہ ام و از سخنان رنگین ہزار گلشن بہار پیرای جاوید دران خطہ طرح انداختہ ام :

نگر بمعنی من صورتم چہ می بینی
منم خراب ولیکن دلم بود آباد[1]"

۱۔ انشاے منیر ، ص ۵۶ - ۵۷ ۔

محمد صالح کنبوہ (مصنّف و مؤرخ) جو منیر کے دوست اور معاصر تھے، انھوں نے منیر کی شاعری اور شخصیت کے متعلق جو رائے قائم کی ہے، اس سے ان کے عہد میں ان کی عزت، شہرت اور ادبی مقام پر روشنی پڑتی ہے۔ اس کی رائے کو بھی ان کے ہی الفاظ میں محفوظ رکھنا چاہیے:

''سرآمدِ سخنورانِ ہندوستان، طوطیِ شیرین نوای این بوستان، سر دفتر صبح نفسانِ روشن ضمیر، جواہر نمای فیض نا متناہی مولانا منیر کہ آفاق را از نور ضمیر خویش نور آگین ساختہ و فروغ سخنش قصیدۂ مرصع کہکشانرا از پایۂ اعتبار انداختہ، از شمع کلکش فانوس خیال روشن است و سخن دلپزیرش بیدار دلانرا چراغِ انجمن۔ نظمش باعث نظام امور سخندانی، و نثرش شایستہ نثار معنی نگشتہ۔ بی مبالغہ در شیوۂ نکتہ دانی ہیچ سخنوری چون او نادرۂ فن نبود و در زبان دانی او ہیچ سخنوری را سخن نہ۔''[1]

''نیرنگیِ الہامات و شگرفیِ تشبیہات و سوزناکیِ الفاظ و رنگینیِ معانی مخصوصِ غزلیاتِ و قصایدِ اوست و جزالتِ مضامین و نزاکتِ استعارات و متانتِ عبارات و طراوتِ معانی خاصہ مثنویات او بی مبالغہ کلک در سلکش بچہرہ پردازی صور معانی بوقلمون کہ مثل آن ممتنع المثل است، دست تازہ نگاران صحیفہ سخندانی را بر چوب بستہ۔''[2]

سراج الدین علی خاں آرزو جو خود بھی شاعر، ناقد اور زبان دان تھے اور آسانی سے کسی کی عظمت کو تسلیم نہیں کرتے تھے، منیر کو ''مسلّم الثبوت اہلِ ہند و ایران'' تو مانتے ہیں لیکن اُن کے اشعار میں ایک کمی اور خامی کی طرف اشارہ بھی کرتے ہیں۔ وہ لکھتے ہیں:

''اینقدر است کہ طبعش بسبب ایہام و تشبیہہ ذائقہ نمک استعارہ ندارد با آنکہ مکرر مرتکب این معنی گردیدہ است۔''[3]

۱۔ بہارِ سخن، مخطوطہ پنجاب یونیورسٹی لائبریری، مجموعۂ شیرانی، ص ۳۹۹ - ۴۰۰۔

۲۔ ایضاً، ص ۳۸۵۔

۳۔ مجمع النفائس، مخطوطہ پنجاب یونیورسٹی لائبریری، ص ۳۶۱۔

منیر نے اشعار میں بھی اپنی معنی خیز طبیعت کا ذکر کیا ہے ، لفظ و معنی کی متانت و جزالت کی تعریف کی ہے اور خاص طور پر اپنے مطالب کی تری و تازگی کی طرف جا بجا اشارہ کیا ہے ۔ اپنے اشعار کی خود تعریف کرنے میں کچھ فخر و تعلی بھی شامل ہے ۔ مثلاً یہ اشعار دیکھیے :

منم آنکہ کوس دانش ز شکوہِ نکتہ دانی
زدہ خسروِ ضمیرم بہ قلمروِ معانی
چو نسیم نوبہاری چو ہوای صبحگاہی
سخنم بتازہ روئی نفسم بگل فشانی
ز متانت و جزالت ہمہ لفظ و معنیِ من
چون خرد بکہنہ سالی چو ہوس بنوجوانی

آشنا گشتم بطرز تازہ چون عرفی منیر
فیضِ اشعارِ ترم لاہور را شیراز کرد

خوشم منیر کہ شعر ترت چو شبنم گل
بروی شاہدِ طبعم گلاب میریزد

سبکرو چو نسیم صبح گشتہ توسن فکرم
بجولانگاہ معنی ترکتازی کردہ ام[1]

مستیم منیر از میٔ میخانۂ معنی
داریم بکف نسخۂ اشعار دگر ہیچ

منیر کا دل سوزِ محبت سے آشنا تھا ۔ وہ پاک طبیعت اور سادہ دل تھے ، اس لیے ان کی شاعری میں اخلاص جھلکتا ہے ۔ انھوں نے اپنی ان خصوصیات کو خود بھی کہیں کہیں بیان کیا ہے ۔ مثلاً :

ما برنگ شیشہ صاحب مشرب و آزادہ ایم
تازہ رو مانند ساغر ، صاف دل چون بادہ ایم

---

۱ - کذا ۔

یک نفس از سینہ ام سوز محبت دور نیست
از دلم سردی مجو این شمع از کافور نیست

نظیری نے کہا تھا :

بغیرِ دل ہمہ نقش و نگار بی معنیست

منیر کہتے ہیں :

مخور فریب ز صورت ، نظر بمعنی کن
کہ ہرچہ نقش دلت نیست ، نقش دیوار است

غزل میں تمثیلی اشعار لانے کا دور شروع ہو چکا تھا اس لیے منیر نے بھی کہیں کہیں بڑے حقیقت کشا مضامین باندھے ہیں ۔ مثلاً :

خورند لطمہ ز دستِ قضا تنک ظرفان
ز موجِ بحر چہا بر سرِ حباب گذشت

از موج گریہ پردۂ چشمم ز ہم گسست
گویی نصیبِ کشتیِ من بادبان نبود

کس ایمنی از آفتِ ہمسایہ ندارد
ہر شعلہ کہ برخاست ز دل در جگر افتاد

ندرتِ معانی اور صراحتِ بیان کی دو مثالیں بھی دیکھ لیجیے :

بناز گفت کہ آیم شبی بخواب تو من
درین خیال ہمہ عمر من بخواب گذشت

داد سربازی دہم از سوزِ دل مانند شمع
گر ز ہر تار گریبانم سری پیدا شود

منیر کا جمالیاتی احساس بھی خاصا تیز تھا ۔ وہ مناظرِ فطرت سے لطف اندوز ہونا چاہتے ہیں اور فطری نظاروں کو اپنے جذبات سے ہم آہنگ دیکھنا چاہتے ہیں ۔ قصاید کی بہاریہ تشبیبوں میں یا مثنویوں میں منظر کشی کے جو نمونے ملتے ہیں ، ان سے منیر کی حسّاس اور پُرجوش طبیعت کا اندازہ ہوتا ہے ۔ مثلاً ایک تشبیب ملاحظہ کیجیے :

باز وقت آمد کہ از کیفیت فیض ہوا
ابر گردد تر دماغ و گل شود رنگین ادا

مسطرش از رشتهٔ باران کند ابرِ بہار
چون نگار وصف گل بر کاغذ ابری ہوا
از تماشای چمن نظارہ رنگین می‌شود
می توان بستن کنون بر پنجهٔ مژگان حنا

منیر نے ایک مثنوی میں رات کی تاریکی کا ذکر کیا ہے اور نیا سے نیا خیال پیدا کرنے کی کوشش کی ہے - معلوم ہوتا ہے کہ نظامی نے 'خسرو شیریں' میں شب کی تاریکی کے متعلق جو منظر پیش کیا تھا ، منیر کے سامنے اس کا نمونہ موجود تھا - منیر نے اپنی دقیق فکر سے اس سے آگے بڑھنے کا عزم دکھایا ہے - پہلے نظامی کے اشعار ملاحظہ کیجیے - بعد میں منیر کی کاوش دیکھیے :

شبی ناخوش تر از سوگ عزیزان
وزو خونین دل بیمار خیزان

گرفته آسمان شب را در آغوش
شده خورشید را مشرق فراموش

ز تاریکی جهان را بند بر جای
فلک چون قطب حیران مانده بر پای

جہان زان آفرینش بیخبر بود
جہان را شب مگر جای دگر بود

چه شب بود آنکه با صد دیو چو قیر
خروسی را نبود آواز تکبیر

منیر :

شبی از دود دلہا آفریده — قضا نافش بروز غم بریده
شبی کز ظلمتش خورشید از دور — گریزان گشته چون خفاش از نور
شبی تاریکی او میل در میل — فگنده جامهٔ خورشید در نیل
چنان تاریک گشته چشمِ مردم — که کرده اشک راه آستین گم
ز بس تاریکی آن شب گشته حائل — خیالِ دوست گم کرده رہِ دل

☆ ☆ ☆

چندربھان برہمن لاہوری

چندربھان نام تھا ، برہمن تخلص کرتے تھے - برہمَن بھی لکھتے اور برہمَن بھی - لاہور میں پیدا ہوئے - جن تذکرہ نگاروں نے ان کا شہرِ ولادت آگرہ بتایا ہے ، ان کی نظر سے چندربھان کا خودنوشت سوانحی خاکہ نہیں گزرا ، جہاں انھوں نے لاہور کو اپنا مولد و منشا لکھا ہے[۱]- بھگونت رائے بہار سنامی مرتّبِ کلیاتِ برہمن نے 'امرائے ہنود' کے حوالے سے تاریخ پیدائش ۹۸۲ھ لکھی ہے[۲]- مگر 'امرائے ہنود' مؤلفہ محمد سعید میں تاریخِ ولادت کا ذکر ہی نہیں[۳]- معلوم ہوتا ہے کہ بہار سنامی کو مغالطہ ہوا ہے کیونکہ ۹۸۲ھ سالِ ولادت صحیح نہیں - برہمن نے ''زبدۂ وزرای زمان فاضل خان'' کے نام ایک خط لکھا ہے - اس میں روضۂ مقدسہ (مقبرۂ جہانگیر) کی خدمت بجا لانے کا ذکر ہے - یہ خط ذیقعدہ ۱۰۷۳ھ میں لکھا گیا ہوگا کیونکہ اسی ماہ و سال میں فاضل خاں دیوانِ کل کے عہدے پر فائز ہوئے تھے - اسی خط میں برہمن نے لکھا ہے کہ اب میری عمر پچاس سال ہوچکی ہے[۴] - اس سے نتیجہ نکالا جا سکتا ہے کہ وہ ۱۰۲۳ھ کے آگے پیچھے پیدا ہوئے ہوں گے -

ان کے والد دھرم داس ایک تجربہ کار انشا پرداز تھے - کچھ عرصہ حکومت کی ملازمت میں رہے - آخر دنیا کی بے ثباتی ایسی نقش ہوئی کہ ملازمت سے استعفا دے دیا اور گوشہ نشینی اختیار کر لی - چندربھان کے دو بھائی اور تھے ؛ رائے بھان اور اودھے بھان - رائے بھان کو آزادی مرغوب تھی - ترکِ علائق کر کے عزلت گزین ہو گئے اور عمر بھر دنیا کو منہ نہ لگایا - اودھے بھان میں

۱- چہار چمن ، چمن دوم ، مخطوطہ پنجاب یونیورسٹی لائبریری ، مجموعۂ آذر ، ورق ۳۰-۳۵ -

۲- کلیاتِ برہمن ، مرتّبہ بھگونت رائے بہار سنامی ، دہلی ، ص ۲۶-۲۷ -

۳- امرائے ہنود ، محمد سعید مارہروی ، اورنگ آباد ، ۱۹۳۲ع ، ص ۲۶۴-۲۷۲ -

۴- منشآت برہمن ، نولکشور ، ۱۸۸۵ع ، ص ۱۹ -

علمی استعداد تھی ، اس نے شاہجہانی منصبدار عاقل خاں[1] کی ملازمت اختیار کر لی - عاقل خاں جوانی میں چل بسے جس سے اودھے بھان کو ایسا دھکا لگا کہ نشۂ محبتِ الٰہی سے سرشار ہو کر دنیا سے بیگانہ ہوگئے -

چندربھان نے ضروری متداول علوم کی تکمیل "ملا" عبدالکریم لاہوری[2] سے کی - عربی ، فارسی اور سنسکرت میں مہارت حاصل کی ، شعر و انشاء کے دقائق سے آشنا ہوئے اور نثر و نظم میں متقدمین و متأخرین کی تصانیف کا مطالعہ کیا - تحصیلِ علم سے فراغت کے بعد میر عبدالکریم داروغۂ عمارات دولت خانۂ دارالسلطنت کی خدمت میں ملازم ہوگئے - بعد میں علامۂ دوران افضل خاں دیوان کل[3] سے وابستہ ہو گئے اور جلد ہی اپنی نرمی ، اخلاص اور نیک دلی سے افضل خاں کے خاص مصاحبوں میں شمار ہونے لگے - خود برہمن نے لکھا ہے کہ میں دولت آباد میں ان کی خدمت میں حاضر ہوا - اس نے قدردانی کی اور ہاتھی پر سوار کیا[4] -

افضل خاں کے ہاں ان کو علما و شعرا کی مجالس میں شریک ہونے کا موقع ملتا رہا - مسودۂ فرامین کی تحریر ان کے ذمے تھی اور وہ نہایت عمدہ شکستہ نویس تھے - افضل خاں نے ۱۰۴۸ھ یعنی ۱۲ جلوس شاہجہانی میں وفات پائی - ان کی وفات کے بعد عاقل خاں نے مرحوم کے منشیوں اور دوسرے متعلقین کو شاہجہاں کے حضور میں پیش کیا - اس موقع پر چندربھان نے مندرجہ ذیل رباعی پیش کی :

شاہی کہ مطیع او دو عالم گردد
ہرجا کہ سریست بر دوش خم گردد

۱- عاقل خاں کے حالات کے لیے دیکھیے 'مآثرالامرء' کلکتہ ، ج ۲ ، ص ۷۹۰-۷۹۲ -

۲- حضرت حاجی شیخ عبدالکریم چشتی لاہوری پسر مخدوم الملک عبداللہ انصاری - وفات ۱۰۴۵ھ - دیکھیے تذکرۂ علمائے ہند ، محمد اختر ، ج ۲ ، ص ۹۶ - خزینۃ الاصفیاء ، ص ۴۷۰ - ۴۷۱ - چہار چمن ، مرتبہ محمد رفیق ، نسخۂ پنجاب یونیورسٹی لائبریری ، ص ۱۰۹ -

۳- تفصیلی حالات کے لیے دیکھیے مآثر الامراء ، ج ۱ ، ص ۱۴۵-۱۵۰ -

۴- منشآت برہمن ، ص ۵۴ -

از بسکہ بدرش آدمی یافت شرف
خواہد کہ فرشتہ نیز آدم گردد

بادشاہ نے خط پسند فرمایا اور برہمن کو 'واقعہ نویسانِ حضور' میں شامل کرلیا اور خاص طور پر ان کو شاہی نسخے کی تحریر پر مامور کیا ۔ چنانچہ وہ کابل و کشمیر جاتے ہوئے سفر کی تمام کیفیات ، آب و ہوا اور دوسری خصوصیات کو قلمبند کرکے بادشاہ کے حضور پیش کیا کرتے تھے ۔ شاہجہان ، چندربھان کو ہندوی فارسی دان کہہ کر پکارتے تھے ۔ جشنوں اور دوسرے متبرک تیوہاروں کے موقعوں پر شعرا اشعار پیش کرتے تو چندربھان بھی رباعیاں لکھ کر حضور میں لاتے اور انعام پاتے ۔ انھوں نے کابل کے سفر میں بخشی الممالک معتمد خاں کی وساطت سے غزل پیش کی جس کا یہ شعر بہت پسند کیا گیا :

از ہیبت تو آب شود آتشِ ستم
خوش کردہ چشمِ فتنہ بدور تو خواب را

قوّال ، چندربھان کی یہ رباعی اکثر گا کر سنایا کرتے تھے :

تا مہر منیر را نشان خواہد بود
تا ماہ بر اوجِ آسمان خواہد بود
تا دور زمان درمیان خواہد بود
تا ہست جہان شاہ جہان خواہد بود

۱۳ جلوس شاہجہانی (۱۰۵۰ھ) میں جب اسلام خاں[۱] بنگالے سے لاہور بلائے گئے اور دیوانِ کُل کے عہدے پر سرفراز ہوئے تو بادشاہ نے چندربھان کو اسلام خاں کے ساتھ وابستہ کر دیا ۔ چنانچہ دارالانشاء کی خدمات کے علاوہ تمام ممالکِ محروسہ کی تقسیم و موازنہ کا کام ان کے سپرد ہوا ۔ جب اسلام خاں صوبیداریِ دکن پر مامور ہوئے تو بادشاہ نے چندر بھان کی خدمات دستورِ اعظم سعد اللہ خاں[۲] کے سپرد کردیں اور اس طرح ان کو ایک اور جلیل القدر

۱۔ اسلام خاں متوفی ۱۰۵۷ھ ۔ مفصّل حالات کے لیے دیکھیے 'مآثر الامراء' ، ج ۱ ، ص ۱۶۲—۱۶۷ ۔

۲۔ علامی سعداللہ خاں ۔ تفصیل کے لیے دیکھیے مآثر الامراء ، ج ۲ ، ص ۴۴۱ ۔

شخصیت کے ساتھ کام کرنے کا موقع ملا ۔ ۲۰ جلوس شاہجہانی (۱۰۵۷ھ) میں جب خان سعد اللہ خاں فتحِ بلخ و بدخشاں کے لیے روانہ ہوئے تو چندربھان بھی ان کے ہمراہ گیا تاکہ ان کے عرایض بھی لکھے اور احوال و واقعات کو بھی قلمبند کرے ۔ سعد اللہ خاں کی وفات کے بعد (۱۰۶۶ھ) راے رگھناتھ[1] کو راے رایاں کا خطاب ملا اور وہ مقدماتِ وزارت انجام دینے کے لیے مقرر ہوا ۔ چندربھان بھی رائے[2] کے خطاب سے نوازا گیا اور فرامینِ شاہی کے مسودات لکھنے پر مامور ہوا ۔

برہمن کی علمی فضیلت اور طبعی میلانات کو دیکھ کر شہزادہ دارا شکوہ نے بادشاہ سے اس کی خدمات اپنے لیے مانگ لی تھیں اور اپنے دفتر کا میر منشی مقرر کیا تھا ۔ ۱۰۶۳ھ میں تسخیرِ قندھار کی مہم میں وہ دارا شکوہ کے ہمراہ تھا ۔ صاحبِ 'لطایف الاخبار' نے لکھا ہے کہ شاہزادے نے چندربھان سے کہا کہ وہ ایسی جگہ منتخب کرے جہاں سے وہ عسکرِ شاہی کا دلیرانہ حملہ دیکھ سکے ۔ چندربھان نے پہاڑ کی ڈھلوان پر 'چہل دختران' نام کا ایک مکان انتخاب کیا[3] ۔

رانا اودے پور نے معاہدے کے خلاف جب چتوڑ کا قلعہ از سر نو تعمیر کرا لیا تو ۲۸ جلوس شاہجہانی (۱۰۶۵ھ) کو خطرے کے پیشِ نظر شاہجہاں خود

۱- رگھناتھ ، متوفی ۱۰۷۳ھ ، حالات کے لیے دیکھیے مآثر الامراء ج ۲ ، ص ۲۸۲ ۔

۲- منتخب اللباب ، از خافی خاں ، ص ۷۰۴ ۔ بہار سنامی مرتّب کلیاتِ برہمن نے سیر المتأخرین ج ۱ ، ص ۳۰۳ سے مندرجہ ذیل عبارت نقل کرکے سمجھا ہے کہ راے رایان سے مراد چندربھان برہمن ہے ۔ چنانچہ انھوں نے سب جگہ چندر بھان کو راے رایاں ہی لکھا ہے ، حالانکہ یہاں راے رایاں سے مراد راے رگھناتھ ہے :

"راے رایان کہ سرِ دفترِ اہلِ دیوان و زمرۂ اہلِ قلم و اربابِ محاسبہ جبہہ سای عتبۂ عالیہ گشتہ بانتظام انواع اختلال و فتور کہ در امور ملک و دولت در این اوان راہ یافتہ بود ، مامور گردید ۔"

(کلیاتِ برہمن ، ص ۷۲)

۳- Dara Shukoh, Qanungo, Calcutta, f. n. p. 77 ۔

فوجیں لے کر اجمیر میں آ بیٹھے ۔ دارا شکوہ کی تجویز پر چندربھان کو رانا کے پاس قائدِ سفارت بنا کر بھیجا گیا ۔ پنڈت نے کامیابی سے رانا کو اطاعت پر مجبور کیا ۔ شاہی افواج قلعے کو مسمار کرکے واپس آگئیں اور رانا نے اپنا بیٹا اظہارِ عقیدت کے طور پر دربار میں بھیجا ۔ اِس کامیاب سفارت سے برہمن کی بڑی قدر و منزلت ہوئی ۔ اس سلسلے میں چندربھان نے بادشاہ کو جو عرضداشتیں بھیجی ہیں ، وہ اس کے 'منشآت' میں محفوظ ہیں ۔[۱]

جب شاہجہاں قید ہوئے اور ۱۰۶۸ھ میں دارا شکوہ نے پہلی شکست کھائی اور اورنگ زیب نے عنانِ حکومت سنبھالی تو امرا و وزرا نے مجبور و معذور ہو کر حلف وفاداری اٹھایا ۔ اگرچہ چندربھان کو اس تغیّرِ مملکت اور آقا کے انتقال پر صدمہ تو ضرور ہوا ہوگا لیکن معلوم ہوتا ہے کہ اُس نے بظاہر خوشی سے نئے آقا کی اطاعت قبول کر لی ۔ 'منشآت' صفحہ ۱۰-۱۱ پر اُس کا ایک خط موجود ہے جس میں اس نے عالمگیر کو اُس کی تخت نشینی پر مبارک باد دی ہے ۔ خط کے آخر میں یہ دعائیہ رباعی بھی ہے :

شاها عالم مطیعِ فرمانِ تو باد
لبریز ادای شکر احسان تو باد
چون ذاتِ تو خلق را نگهبان باشد
هرجا باشی خدا نگهبانِ تو باد

کچھ عرصے کے بعد چندربھان نے بڑھاپے کا عذر کر کے دربار کی خدمات سے استعفا دے دیا ۔ وہ لکھتے ہیں :

''شباب بہ شیب رسید و آن حالی در حواسِ خمسہ نماندہ و قوت و قدرت تردد دربار فلک آثار درخور کمتر یافت ، لہٰذا استعفای خدمت حضور پُر نور نمودہ ۔''[۲]

معلوم ہوتا ہے کہ اس کا عذر قبول ہوا اور وہ اپنے وطن میں مقبرۂ جہانگیر اور اس کے اوقاف کی نگہداشت و نگرانی پر مامور ہوا ۔ وہ لکھتا ہے :

''بہ خاکروبیِ روضۂ منورہ مقدسہ کہ فیض رسانِ دنیا و آخرت واقع شدہ

۱۔ منشآتِ برہمن ، نولکشور ، ۱۸۸۵ع ، ص ۳—۱۰ ۔
۲۔ منشآت برہمن ، ص ۱۱ ۔

کسبِ سعادتِ دارین میکند و بخدماتی کہ مأمور است از روی دیانت و بے غرضی و معاملہ فہمی . . . سرگرم می باشد ۔"[1]

اس مقبرے میں وہ ایک مجلسِ مولود کے متعلق بادشاہ کو اطلاع دیتا ہے جو ۱۷ ذیقعدہ سنہ ۶ جلوس کو منعقد ہوئی[2] ۔ مندرجہ بالا خود نوشت عرض داشت سے تو معلوم ہوتا ہے کہ وہ ۶ جلوس عالمگیری یعنی ۱۰۷۴ - ۱۰۷۵ھ تک ضرور زندہ تھا ۔ 'مرآۃ الخیال' میں سالِ وفات ۱۰۷۳ھ دیا ہے[3] ۔ بعد کے سب تذکرہ نگاروں نے بھی یہی تاریخ لکھی ہے ۔ 'مرآۃ جہاں نما' میں سالِ وفات ۱۰۶۸ھ دیا ہے جو غلط ہے[4] ۔ 'مرآۃ الخیال' کے مطابق اس نے بنارس میں وفات پائی ۔ مگر وہ ۱۰۷۴ھ تک تو لاہور میں موجود تھا ۔

چندربھان کے متعلق تذکروں میں ایک ایسا واقعہ بھی ملتا ہے جس سے اس کی تخفیف اور توہین کا پہلو نکلتا ہے ۔ سب سے پہلے اس کا ذکر سرخوش نے 'کلمات الشعرا' مرتّبہ ۱۰۹۳ھ میں کیا ہے ۔ چنانچہ لکھا ہے کہ ایک دن بادشاہ کے حضور اسے شعرخوانی کا حکم ہوا ۔ اس نے اپنا یہ تازہ شعر پڑھا :

مرا دلیست بکفر آشنا کہ چندین بار
بکعبہ بردم و بازش برہمن آوردم

شاہجہاں سن کر بھڑک اٹھے اور فرمایا کہ یہ بدبخت کافر و مرتد ہے ، اسے قتل کرنا چاہیے ۔ افضل خاں نے عرض کیا کہ سعدی کا یہ شعر اس کے حسبِ حال ہے :

خرِ عیسیٰ اگر بمکّہ رود   چون بیاید ھنوز خر باشد

بادشاہ مسکرا دیا اور دوسرے کاموں میں مشغول ہوگیا اور برہمن کو دیوانِ خاص سے باہر نکال دیا[5] ۔

'کلمات الشعرا' کے بعد 'مرآۃ الخیال' مرتّبہ ۱۱۰۲ھ میں یہ واقعہ بڑھا چڑھا

۱- منشاتِ برہمن ، ص ۱۱ ۔
۲- منشات برہمن ، ص ۱۲ ۔
۳- مرآۃ الخیال ، ص ۱۹۰ ۔
۴- فہرست مخطوطات موزۂ بریطانی ، ص ۱۰۸۷ ۔
۵- کلمات الشعرا ، لاہور ، ص ۱۸ ۔

کر ڈرامائی انداز میں پیش کیا گیا ہے ۔ چنانچہ اس میں اس بات کا اضافہ ہے کہ دارا شکوہ نے چندربھان کو شاہجہان کے حضور میں پیش کیا تھا ۔ 'مرآۃ الخیال' کی اصل عبارت یہ ہے :

''گویند نوبتی داراشکوہ را یکی از ابیاتش بغایت مطبوع افتاد ۔ روزی در غسل خانہ کہ مجمع مستعدانِ ہفت اقلیم بود ، بعرض صاحبقران رسانیدند کہ درین ولا طُرفہ شعری از چندر بھان برہمن سر زدہ است ۔ اگر حکم شود بحضور آمدہ بخواند ۔ و درین معنی شاہزادہ را اظہار استعداد و ترقیٔ وی ملحوظ نظر بود ۔ بادشاہ باحضارش حکمِ خاص نمود ۔ چون حاضر شد ، فرمود کہ درین ایام شعری کہ بابا از تو پسند کردہ است ، بخوان ۔ چندربھان این بیت بخواند :

مرا دلیست بکفر آشنا کہ چندین بار
بکعبہ بُردم و بازش برہمن آوردم

بادشاہ متشرّع دیندار از استماع آن برآشفت ۔ آستین ہا برمالید و گفت : کسی میتواند کہ جوابِ این کافر برساند ؟ از امرای عظام افضل خان کہ بحاضر جوابی موصوف بود ، پیش آمدہ گفت : اگر حکم شود از شعر استاد جواب رسانم ۔ بادشاہ اشارہ کرد ۔ افضل خان این بیت حضرت شیخ را کہ از غیب دانی ہای چہار صد سال در ردِ آن مردود گفتہ بود ، بخواند :

خرِ عیسیٰ اگر بمکّہ رود　　　چون بیاید ہنوز خر باشد

خاطرِ مبارکِ پادشاہ بشگفت و شکر بجا آورد و گفت : در تصرّفات دینِ مہدی بود کہ این قسم جواب رسید ورنہ من از غصہ ہلاک می شدم ۔ افضل خان را انعامہا فرمود و شہزادہ را منع کرد کہ بار دیگر ہمچنین مزخرفات را بحضور نیاورد و چندربھان را از غسل خانہ بیرون کردند ۔''[1]

'تذکرۂ حسینی' مرتّبہ ۱۱۶۳ھ میں بھی کم و بیش 'مرآۃ الخیال' کا خلاصہ

۱- مرآۃ الخیال ، ص ۱۸۹ - ۱۹۰ -

پیش کیا گیا ہے ۔۱

یہ واقعہ کئی وجوہ سے غلط معلوم ہوتا ہے؛ اغلب ہے کہ اول تو افضل خاں کے دورانِ ملازمت میں بادشاہ کے حضور چندربھان کی رسائی نہیں ہوئی ۔ شاید دور سے سلام و نیاز ہوا ہو ۔ چندربھان نے 'چہار چمن' (چمن سوم) میں خود لکھا ہے کہ افضل خاں کی وفات (یعنی ۱۰۴۸ھ) پر عاقل خاں نے اس کو بادشاہ کے حضور میں پیش کیا اور اس نے ایک رباعی پیش کی جس پر اسے 'واقعہ نویسانِ حضور' کا عہدہ عطا ہوا ۔ اگر مندرجہ بالا واقعہ پہلے پیش آ گیا ہوتا تو بادشاہ ایسے گستاخ اور مزاجِ خسروی سے نا آشنا شخص کو ملازمتِ شاہی میں ہرگز نہ لیتے ۔

دارا شکوہ کی معیّت اور موجودگی میں بھی یہ واقعہ نہیں ہوا ۔ اگر ایسا ہوتا تو بادشاہ ۱۰۶۴ھ میں اس کو رانا اودھے پور کے پاس اپنا معتمد سفیر بنا کر نہ بھیجتے اور پھر ۱۰۶۶ھ میں وزیر معظم سعد اللہ خاں کی وفات پر اس کو دارا شکوہ کے ہاں سے واپس بلا کر راجا رگھناتھ کے ساتھ وابستہ نہ کرتے ۔ اگر دارا شکوہ کو یہ شعر پسند تھا تو وہ خود ہی بادشاہ کو سنا سکتے تھے ۔ یہ کیا ضروری تھا کہ صرف ایک شعر سنانے کے لیے خاص طور پر چندربھان کو دعوت دی جاتی ۔ اگر محفلِ مشاعرہ میں یہ شعر سنایا گیا ہوتا تو یہ کسی غزل یا قصیدے وغیرہ کا شعر ہوتا ۔ مطبوعہ 'کلیات برہمن' میں یہ شعر موجود نہیں ہے ۔

تذکرۂ نشترِ عشق، مؤلفہ حسین قلی خاں میں ایک ایسا واقعہ درج ہے جس سے چندربھان کی تضحیک و توہین مقصود ہے :

''گویند دیوانِ خود را بخطِ خوش بلوح و جدولِ طلائی مزیّن نمودہ بدو سہ جزودانِ کمخواب چون بید و شاسترِ مذہبِ خود بر رحل ہر وقت رو بروی خود میداشت ۔ نوبتی دیوانِ خود را مطلّا کردہ بہ شعرای اصفہان فرستادہ نوشت کہ ہر چہ مطبوع باشد انتخاب آوردند ۔ ظرفا براہِ مطایبہ حاشیہ طلائی را از متن جدا نمودہ بمصرفِ خود آوردند و متن را پیشِ برہمن فرستادند و نگاشتند کہ از دیوانِ شما ہر چہ مطبوع و پاکیزہ

۱۔ تذکرۂ حسینی، از حسین دوست سنبھلی، ص ۷۳ - ۷۴ -

بود ، برداشتیم و باقی عطای شما بلقای شما ۔''[1]

اس بیان کی تردید میں چندربھان کا اپنا بیان کافی ہے ۔ شاہجہانی سفارت جاں نثار خاں کی قیادت میں جب ایران گئی تو اس کے ہمراہ 'ملا' محب علی اور محمد فاروق ایسے نکتہ دان بھی تھے ۔ ایک دفعہ وہاں اعتماد الدولہ کے مکان پر دعوت ہوئی ۔ برہمن 'تحفۃ الفصحا' میں لکھتا ہے :

''و ہمدران اثنا ذکرِ این برہمن فارسی دان بوسیلۂ شعر و خطِ شکستہ کہ علامی سعد اللہ خان و مقرب آنحضرت السلطانی . . . از ہندوستان بولایت ایران بمصحوب جان نثار خان ایلچی فرستادہ بودند ، بمیان آمد ۔ و این دو بیتِ فقیر در آن دیار مشہور است :

باید بہ داغ ہای نمک سود زیستن
بودن تمام آتش و بی دود زیستن

چشم تا برہم زدی انجام شد آغاز عمر
طی شد این رہ آنچنان کاواز پای برنخاست''[2]

برہمن خطِ شکستہ اور تعلیق آمیز شکستہ خوب لکھتے تھے ۔ خط شناس بھی تھے اور خوش نویسی کے قدردان بھی ۔ انھوں نے اپنے 'منشآت' میں جابجا اپنے عہد کے خوش نویسوں کی تعریف کی ہے ۔ انھیں خطاطوں کے لکھے ہوئے نمونے بھی جمع کرنے کا شوق تھا ۔ چنانچہ اپنے بھائی کو لکھتے ہیں :

''ہر جا کہ سر مشقی و خطی خوشنویسانِ روزگار یابد ، چہ بقیمت و چہ بہ منت ، بدست آوردہ بارسال آن منت تمام بر این برادر مشتاق گذارد ۔''[3]

چندربھان نے آقا عبدالرشید سے نستعلیق اور کفایت خاں سے خطِ شکستہ سیکھا : ''در ہر دو خط یکتا نوشتہ و قطعہ و کتابت تودہ تودہ از نظر گذشتہ ۔''[4]

۱۔ تذکرۂ نشترِ عشق ، از حسین قلی خاں ، مخطوطہ پنجاب یونیورسٹی لائبریری لاہور ، ص ۹۱ ۔

۲۔ کلیات برہمن ، مرتبہ بہار سنامی ، ص ۲۴۵ ۔

۳۔ منشآتِ برہمن ۔

۴۔ تذکرۂ خوش نویساں ، کلکتہ ، ص ۵۵ ۔

چندربھان نے آگرے میں ایک تالاب اور باغ تعمیر کرایا تھا۔ باغ میں ایک عمارت بھی تھی۔ ۱۸۵۷ع کی شورش میں یہ باغ ایک انگریز کے قبضے میں تھا۔ اس نے ایک ساہوکار سورج بھان کے ہاتھ اس شرط پر بیچ دیا کہ وہ پرانی عمارت میں کوئی ترمیم و تنسیخ نہیں کرے گا۔ یہ باغ سکندرہ کی سڑک پر آگرہ اور سکندرہ کے درمیان واقع ہے[1]۔

تصنیفات :

دیوان ، مثنوی ہفت بحر ، منشآت ، چہار چمن ، تحفۃ الانوار ، گلدستہ ، تحفۃ الفصحا ، مجمع الفقرا ، کارنامہ ، طغرای شاہجہان بادشاہ ، نادرالنکات ، رقعاتِ برہمن ، انشای ہفت گلشن۔

خمخانۂ جاوید ، مؤلفہ سری رام ، ج ۱ ، ص ۵۷۵ پر چندربھان کی ایک اُردو غزل بھی مندرج ہے :

خدا نے کسو شہر اندر ہمن کو لائے ڈالا ہے
نہ دلبر ہے ، نہ ساقی ہے ، نہ شیشہ ہے ، نہ پیالہ ہے
خوباں[2] کی باغ میں رونق ہوئے تو کس طرح یاراں
نہ دونا ہے ، نہ مروا ہے ، نہ سوسن ہے ، نہ لالہ ہے
پیا کے گاؤں کی سمرن کیا چاہوں کروں کیسیں
نہ تسبی ہے ، نہ سمرن ہے ، نہ کنٹھی ہے ، نہ مالا ہے
برہمن واسطے اشنان کے پھرتا ہے بگیا سیں
نہ گنگا ہے ، نہ جمنا ہے ، نہ ندی ہے ، نہ نالا ہے

برہمن کی شاعری :

برہمن کا شمار ہندوصوفی شعرا میں ہونا چاہیے۔ اس کے مختصر سے دیوان میں جستہ جستہ اُس تصوّف کا سراغ ملتا ہے جو عموماً مسلم صوفی شعرا کا مطمح نظر رہا ہے۔ برہمن اہلِ دل تھے اور جذبۂ درویشی انھیں ورثے میں ملا تھا۔ جوانی میں ان کے جوشِ جنوں نے سر اُٹھایا تھا اور آزادی کا ولولہ پیدا ہوا تھا لیکن

۱۔ امرائے ہنود ، محمد سعید ، ص ۱۸۴ ۔
۲۔ بر وزن ''جہاں'' ۔

فقرا کی صحبت میں انھیں سکون و آرام حاصل ہوا اور غلغلۂ درونی ٹھنڈا پڑ گیا۔ برہمن نے لکھا ہے کہ جب کبھی حوادثِ روزگار سے فرصت ملی میں درویشوں اور گوشہ نشینوں کی صحبت سے فیض یاب ہوا۔ وہ وحدت الوجود کا قائل تھا جیسا کہ اس کے اس شعر سے ظاہر ہے:

بانیِ خانہ و بت خانہ و میخانہ یکیست
خانہ بسیار ولی صاحبِ ہر خانہ یکیست

اس کے دیوان میں مراحلِ تصوّف و طریقت، بے ثباتیِ دنیا، زندگیٔ ناپائدار پر افسوس، شیوۂ رضا و تسلیم، ہوس بے جا سے پرہیز، ترکِ مدّعا اور صلح کل کے مضامین جابجا ملتے ہیں۔ صوفیا کے ایک گروہ کا عقیدہ ہے کہ صوفی عشقِ خداوندی میں تمام دنیاوی تعلقات سے الگ ہو کر محبوبِ حقیقی کی طرف متوجہ ہو جائے۔ لیکن بعض کا عقیدہ ہے کہ وہ دنیا کی قیود میں بھی رہے اور پھر اپنے دل کو ان بندھنوں سے آزاد رکھے۔ کثرت میں رہے لیکن خلوت کا ہم نشیں رہے۔ برہمن بھی اسی خیال کا مؤیّد ہے۔ اپنے بیٹے کو نصیحت کرتے ہوئے لکھتا ہے:

"سلسلۂ آفرینش منوط باسباب تعلق است۔ رہائی و نجات از آن مقدور بشر نہ۔ درین صورت دست با کار و دل با یار داشتن و در عین کثرت، خلوت نمودن . . . آئینِ پسندیدہ است۔"[۱]

اس خیال کو شعر میں یوں ظاہر کیا ہے:

خلوت آن باشد کہ در کثرت بدست افتد ترا
مردِ دانا درمیان عالمی تنہا نشست

چندربھان چونکہ برہمن زادہ تھا لہٰذا اسے ہندو عقاید کا حامل ہونا چاہیے تھا، لیکن مسلمان علما کی ہم نشینی اور فارسی ادبا و شعرا کے مطالعے نے اس کے دل و دماغ سے شرک و بت پرستی کے عقاید کو مٹا ڈالا تھا۔ ظاہر میں تو وہ زنّار پہنتا تھا لیکن باطن میں وہ توحید پرست تھا۔ وہ مسلمانوں کی طرح سوچتا ہے، تقدیر کا وہ قائل ہے، حشر و نشر پر ایمان رکھتا ہے، حسابِ قیامت سے وہ خائف ہے اور حسنِ عمل کے سوا اپنی نجات کا کوئی وسیلہ نہیں سمجھتا۔ ذیل

۱۔ منشآت برہمن، ص ۶۵۔

کے اشعار میں اس کی اپنی زبان سے اس کے دل کا حال سنیے :

مرد آزماست بادۂ توحید برہمن
نا آزمودہ مست بیک جام میشوی

ز قسمت ازلی بیش و کم نمی گردد
نصیب کرد ہُما را باستخوان محتاج

چون روز حشر برہمن حساب پیش آرند
بآب دیدہ بشویم نامۂ اعمال

برہمن از عمل نیک زاد راہ باید
بسوی ملک عدم بار بستن آسان نیست

اس کے ہم عصر محمد صالح کنبوہ لکھتے ہیں : ''اگرچہ بظاہر زنّاربند است امّا سر از کفر بر می تابد و ہرچند بصورت ہندو است امّا در معنی در اسلام می زند۔''[۱] اس قسم کے اسلامی افکار و احساسات کے باوجود وہ اپنے آپ کو برہمن زنّاردار کہتا ہے :

مرا برشتۂ زنّار اُلفتی خاص است
کہ یادگار من از برہمن همین دارم

برہمن کا دل عشق سے سرشار ہے ۔ وہ بلند پایہ عاشق ہے ۔ وہ چاہتا ہے کہ اس کا عشق جنون کی حدوں کو جا چھوئے ۔ لیکن عاشق سودائی کی روایتی ظاہر داری اسے پسند نہیں ۔ امیر خسرو نے کہا تھا :

ہر شب از شوق جامہ پارہ کنم
عاشقم عاشقم چہ چارہ کنم

برہمن کہتا ہے : ع

ننگ دارد عاشق از چاک گریبان داشتن

برہمن کے عشق میں سچائی اور خلوص ہے ۔ وہ آتش محبت میں تڑپتا ہے اور

۱۔ عمل صالح ، ج ۳ ، ص ۴۳۴ ۔

مزے لیتا ہے :

مرا دلیست کہ بر آتشِ محبّت او
چو بیشتر بطپد بیشتر بیاساید

باید بہ داغ ہای نمک سود زیستن
بودن تمام آتش و بی دود زیستن

اس کا دل درد آشنا ہے ۔ محمد صالح کنبوہ لکھتے ہیں :

''ہنگامِ خواندنِ اشعارِ روان آب از چشمہای او روان می شود ۔ سخن را بچشمِ تر آب می دہد و دایم مژہ تر می دارد و دم از درد طلب می زند۔''[1]

عشق نے اسے عالمگیر محبت عطا کی ہے ۔ وہ مخلوقِ خدا سے یکساں محبت کرتا ہے ۔ مختلف مذاہب کی تفرقہ پردازی کو وہ عشق کے منافی سمجھتا ہے :

عاشق آنست کہ سر را ز قدم نشناسد
بندۂ عشق شود دیر و حرم نشناسد

عشق نے اسے قوّوت دی ہے ، بلند فطرت عطا کی ہے ۔ فرشتہ صیدی اور یزداں گیری تو نہیں البتہ حلِ مشکلات اور اسرارِ مخفی کے انکشافات کا ملکہ ضرور بخشا ہے ۔ اس نقطۂ نظر سے ہندو شعرا میں برہمن کا درجہ بہت بلند ہے ، اور وہ ہندوؤں میں پہلا شاعر ہے جس کے قلم سے خودی اور بلندنگہی کے مضامین نکلے ہیں ۔ عشق نے ہی اسے دوربین نگاہ عطا کی ہے جس کے مقابلے میں کائنات کی وسعتیں ہیچ نظر آتی ہیں :

ما معتقدِ ہمّتِ صاحب نظرانیم
کونین بود مختصر اندر نظرِ ما

برہمن از نظرم رازِ چرخ مخفی نیست
کہ ہر چہ ہست در آئنۂ نگاہ من است

ذرا مشکل کشائی اور سربلندی بھی ملاحظہ کیجیے :

ما برہمن مشکلات روزگار آسان کنیم
ہر چہ مشکل تر بود آثارِ آسانی دروست

۱۔ عملِ صالح ، ج ۳ ، ص ۴۳۴ ۔

سرش بگنبدِ گردون فرو نمی آرد
کسی کہ از خس و خاشاکِ راہ بستر اوست

برہمن نے اپنی خاندانی ثقاہت ، درویش منشی اور تعلیم و تربیت کے اثر سے عشق مجازی کے ہیر پھیر نہیں دیکھے ۔ اگر جوانی میں کہیں غلط نظری سے کسی بتِ شوخ و شنگ سے واسطہ پڑا ہو اور تارہائے دل میں جنبش آئی ہو تو اشعار میں اس کا برملا اظہار نہیں ہوا ۔ البتہ روایتی طور پر کہیں کہیں کسی محبوب کے چہرے ، ابرو ، زلف اور کمر کی تعریف کی ہے لیکن عشقِ مجازی کے ان اوصاف کو عشقِ حقیقی کے معنی بھی پہنائے جا سکتے ہیں ۔

برہمن نے بادہ و ساغر کی باتیں بھی کی ہیں اور بڑے سلیقے سے کی ہیں ۔ اس کے انداز بیان سے تو یوں معلوم ہوتا ہے کہ وہ بھی اس کا رسیا تھا لیکن ایک شعر ایسا نظر پڑا جس میں اس نے بتایا ہے کہ میرے لب شراب سے تر نہیں ہوئے ۔

دو تین شعر دیکھیے ۔ کیسے اچھے انداز میں شراب مانگی ہے اور شراب کی داد دی ہے :

شب است و ساغر و ساقی و کشت مہتاب است
بیار می کہ ہنوز آفتاب در خواب است
چرا چو غنچہ شود تنگ دل درین بستان
کسی کہ ہمچو گلِ تازہ می بساغرِ اوست

مرا ساقی شرابِ ارغوانی میتوان دادن
بیک تہ جرعہ آبِ زندگانی میتوان دادن

لیکن تعجب ہے کہ ایسے دل پسند اشعار کے بعد برہمن کہتا ہے کہ میرے لب کبھی شراب سے آلودہ نہیں ہوئے :

برہمن بادۂ صافی دلان خونِ جگر باشد
بہ می ہرگز نشد آلودہ دامانِ ایاغِ من

دیوان میں اکثر غزلیات پانچ پانچ اشعار کی ہیں ۔ اس سے ظاہر ہے کہ برہمن نے دقّتِ نظر سے اپنا دیوان مرتّب کیا ہے اور بھرتی کے اشعار حذف کر دیے ہیں ۔ اشعار کا یہ محتاط انتخاب بتاتا ہے کہ جانچ پرکھ کر ان کو غزل میں جگہ دی گئی ہے ۔ بہار سنامی کے مرتّبہ کلیات کے مطابق برہمن کی شاعری کا کل سرمایہ

۳۰۲ غزلیات ، ۴۵ رباعیات ، ۳ قصاید ، ایک مثنوی ، ایک اُردو غزل اور متفرق مفردات پر مشتمل ہے - اس نے غزل سرائی میں کافی مشق کی ہے - وہ ہر روز تازہ غزل لکھ کر افضل خاں کے سامنے پیش کیا کرتا تھا اور ان سے اصلاح لیا کرتا تھا - جب سعد اللہ خاں وزیراعظم ہوئے تو بھی یہ سلسلہ جاری رہا - وہ ان کی خدمت میں بھی نثر و نظم کی بعض چیزیں اصلاح کے لیے بھیجا کرتا - جوانی میں وہ اور خواجہ فتح چند ، ظفر خاں کے ہمراہ بزم ہائے رنگیں میں شامل ہوتے تھے - ہفتے میں ایک مرتبہ طرحی غزل کہتے تھے - آگرے میں خواجہ محمد صادق کے مکان پر ہفتے میں دو مرتبہ محفلِ مشاعرہ جمتی تھی - مُلّا شیدا ، مُلّا ضمیر ، مُلّا جلالی ، عبدالرّحیم ، میر برہان ، مُلّا حسینی اور مُلّا عبداللطیف منشی وغیرہ جمع ہوتے تھے - چندربھان بھی ان محافل میں حاضر ہوتا اور اپنا کلام سنایا کرتا تھا -

اکثر غزلوں کی بحریں مختصر ہیں - زبان سادہ ، تخیّل واضح اور بیان صریح ہے - کلام سبکِ ہندی کی دقّت آفرینی اور پیچیدہ گوئی سے مبّرا ہے - سرخوش نے لکھا ہے کہ برہمن نے بڑا اچھا ذوق پایا تھا - قدما کے رنگ میں شستہ و صاف شعر کہتا تھا[1]- برہمن کے معاصر منیر لاہوری نے بھی اس کی خوب تعریف کی ہے - ایک خط میں اس کو مخاطب کر کے کہا ہے[2]:

نیست در خطۂ اندیشہ وری چون تو کسی
سخن اندیش و خرد پرور و معنی آرای

محمد صالح کنبوہ لکھتے ہیں :

''زبانِ قلمش بسیار خوش سخن است و طبعش بغایت ماہر درین فن -''[3]

برہمن کو اپنی نازک ادائی کا خود بھی خیال تھا - وہ کہتا ہے[4]:

برهمن دارد سخن نازکتر از طبعِ شہان
این همہ نازک ادائی از کجا دانستہ است

۱- کلمات الشعرا ، لاہور ، ص ۱۸ -
۲- انشاے منیر ، نولکشور ، ص ۱۵۰ -
۳- عملِ صالح ، ج ۳ ، ص ۴۳۴ -
۴- منشآت ، ص ۱۵ -

برہمن نے صنایع بدایع سے بہت کم کام لیا ہے ۔ کہیں کہیں تجنیس ، رعایتِ لفظی اور ایہام کا استعمال کیا ہے ۔ مثلاً :

هوشی و قراری و شکیبی ز دلم برد
آن ماه هلال ابروی ، خورشید جبینی

درین خیال چو مو گشتم و ز شوق هنوز
خیالِ موی میانِ تو از میان نرود

نسخهٔ اعجاز برگیرید از لعلِ بتان
ورنه حال ما ز قانون شفا خواهد گزشت

تشبیہ اور استعارہ کی شگفتگی اور بانکپن نہ ہو تو شعر نہیں چمکتا ۔ تمثیل بھی ایک طرح کی تشبیہ مرکّب ہے ۔ نظیری نے اس کو خوب اپنایا ہے ۔ پہلے مصرع میں ایک قول پیش کیا جاتا ہے اور دوسرے مصرع میں اس کی تائید میں مثال لائی جاتی ہے تاکہ بات سامع کے ذہن پر نقش ہو جائے ۔ برہمن نے بھی اسی روش سے کام لیا ہے اور بڑے اچھے شعر نکالے ہیں ۔ مثلاً :

پندِ ناصح نکند در دلِ عاشق اثری
مست را صحبتِ ہشیار نمی آید راست

وفای عهد تو از بوالهوس نمی آید
که حفظِ شعله ز دامانِ خس نمی آید

کنم ز ساده دلی بند دیده مژگان را
بمشتِ خس نتوان بست راهِ طوفان را

روی او شب بخواب می دیدم
تا سحر آفتاب می دیدم

برہمن نے سعدی اور حافظ کا خوب مطالعہ کیا ہے اور شاعری میں ان کا تتبع کیا ہے ۔ وہ دانستہ یا نادانستہ اپنے کلام میں ان کے جملے اور مرکبات استعمال کر جاتا ہے ۔ مثلاً برہمن کا یہ مصرع دیکھیے : ع

بده ساقی میٔ باقی کہ رنگ و رُو بگرداند

'بده ساقی میٔ باقی' کا ٹکڑا حافظ کے اِس مصرع سے ماخوذ ہے : ع

بده ساقی میٔ باقی کہ در جنّت نخواہی یافت

برہمن کا مصرع ہے : ع

غبارِ کوی تو کحلِ بصر توان کردن

اس میں 'کحلِ بصر توان کردن' کی ترکیب حافظ کے اس مصرع سے مستعار لی ہے : ع

کہ خاکِ میکده کحلِ بصر توانی کرد

برہمن کا مصرع ہے : ع

لطف کن لطف کہ امید فراوان دارم

'لطف کن لطف' کا جملہ سعدی کے مندرجہ ذیل مصرع سے ماخوذ ہے : ع

لطف کن لطف کہ بیگانہ شود حلقہ بگوش

برہمن کو اپنے کلام پر ناز تھا ۔ وہ اپنی سحر بیانی اور کلام کی الہامی خصوصیات کے سلسلے میں کہتا ہے :

یک نقطہ ای از مطلعِ دیوانم آفتاب
یک پرتوی ز شمعِ شبستانم آفتاب

گردند گرد برهمن از شوق قدسیان
گویا سخن ز عالمِ بالا نوشتہ است

در محبت حال می بارد ز قالِ برہمن
برهمن افسونگری جادو بیانی بوده است

برہمن لب فروبستم وگرنہ در سخن گوئی
ادای تازه و طرزِ سخن از من شود پیدا

برہمن کے اندازِ فکر اور طرزِ بیان سے مزید آشنا ہونے کے لیے ہم اس کی مندرجہ ذیل غزلیں پیش کرتے ہیں :

حدیثِ عشق ھان بہ کہ تا بیان نرسد
بدل همیشہ بود ثبت و بر زبان نرسد

تمام مغز بجوش آید از حرارتِ شوق
اگر خدنگ تو روزی باستخوان نرسد
غلام همتِ آزادگانِ بی قیدم
کہ گرد راہ تعلق بگرد شان نرسد
شوم بخون جگر شادمان و دم نزنم
کہ اهلِ حوصلہ را کار تا فغان نرسد
برهمن از همہ کس خوشنما ست صاف دلی
ولی کسی بصفای برهمنان نرسد

گرد وی گردم کہ یار مہربانی بودہ است
با زبان بے زبانی ہم زبانی بودہ است
ما زلیخا وار سرگردان بمصر بیکسی
یوسفِ ما در میان کاروانی بودہ است
کرد شبہای مرا چون زلف معشوقان دراز
داستان عاشقی خوش داستانی بودہ است
درمیانِ خاک و خون افتادہ بر راهش دلم
همچو مرغ نیم بسمل نیم جانی بودہ است
در محبت حال می بارد ز قال برهمن
برهمن افسون گری جادو بیانی بودہ است

مثنوی :

چندربھان برہمن نے ایک مثنوی بھی لکھی تھی جو نول کشور پریس نے ۱۸۸۵ع میں دوسرے رسائل کے ساتھ شائع کی۔ کتاب کا نام مجموعہٴ رسائل ہے۔ اس مثنوی کا کوئی نام نہیں رکھا گیا بلکہ اس پر صرف 'مثنوی راے چندربھان' کا عنوان دیا گیا ہے۔ مثنوی کا موضوع اخلاق و تصوّف ہے۔ اخلاق درویشانہ ہیں، اول قناعت و توکل کی زندگی، ہوا و ہوس سے پرہیز اور ترکِ علائقِ دنیوی کی ترغیب ہے۔ اس کے بعد ریاضتِ نفس شروع ہو جاتی ہے۔ تزکیہٴ نفس اور تصفیہٴ باطن کے لیے مجاہدہ کیا جاتا ہے۔ گناہوں سے توبہ، اشک باری، گریہ و زاری

اور شب بیداری شیوہ ٹھہرتا ہے - برہمن کہتا ہے :

ما و جگر کاوی ِ شبہای تار
ز اول ِ شب تا بہ سحر بے قرار

زاد ِ رہ ِ عشق بہ از درد نیست
غیر ِ دل ِ گرم و آہ ِ سرد نیست

برہمن نے بتایا ہے کہ فقیر کے لیے دنیا اور دنیا کی دلچسپیاں ہیچ ہیں - ان کے ہنگاموں کو حقیر جانو اور ان سے الگ رہو - دانا وہی ہے جو ان سے بچتا ہے :

بر ِ عاقل جہان باشد سرابی
بود معمورۂ عالم خرابی

چیست این جہان ُپر شر و شور
خانہ ٔ تنگ و تیرہ چون دل ِ مور

یہ سب کچھ کیوں ترک کیا جا رہا ہے ؟ اُس محبوب ِ حقیقی کی خاطر - اگر سب کچھ فنا کر کے اس کا وصال مل جائے تو سب کچھ مل گیا - اس فنا میں بقا ہے :

فنای مطلق ار خواہی فنا شو
اگر خواہی بقا ، از خود جدا شو

ان تمام ریاضتوں اور نفس کُشیوں کے بعد پاک دل میں تجلّیات الٰہی نور افگن ہوتی ہیں اور وہ صاحب ِ نظر اسرار ِ کائنات سے باخبر ہوتا ہے - من و تو کا امتیاز اٹھ جاتا ہے اور اس کی نگاہ میں غم و شادی کا احساس تک نہیں رہتا :

عارف از آئینہ ٔ صاف درون
شد بتماشای دو عالم برون

کثرت و وحدت بہ بر ِ او یکی
شادی و غم در نظر ِ او یکی

برہمن کا تصوّف فقیری ، بے نوائی اور محض خانقاہیت نہیں سکھاتا - اگرچہ صوفی کا ظاہر حقیر ہے لیکن باطن امیر ہے - جب اس کا دل نور ِ عرفان سے مالا مال ہوا تو گویا

دونوں جہان کی نعمتیں میسّر آ گئیں :

چو باشد گنج معنی در دلِ من
دو عالم سہل باشد حاصلِ من

سینہ باید بنورِ عرفان پاک
گر حقیریست ظاہرِ تو چہ باک

آخر میں اس ظاہری فقیر میں تسخیرِ کائنات کی قوتیں سمٹ آتی ہیں ۔ وہ اپنے محبوب میں ضم ہو کر زمین اور آسمان کی گردشوں پر حاکم ہو جاتا ہے ۔ برہمن کی غزلیات میں بھی یہ خیال اُبھر کر سامنے آیا ہے ۔ وہ عشق کے حاصل کو بڑے اعتماد سے پیش کرتا ہے ۔ فقیری میں امیری اور گدائی میں بادشاہت کا تصوّر بہت کم صوفی شعرا میں نکھر کر سامنے آیا ہے ۔ اکثر صوفی اپنی خودی کھو کر فنا فی المحبوب کو اپنا منتہاے کمال سمجھتے ہیں ۔ پھر ان کی کوئی آرزو نہیں رہتی ۔ اگرچہ محبوب کو پا کر انھیں سب کچھ مل جاتا ہے ، لیکن اس مرحلے کے بعد اللہ کا عاشق جن قوّتوں سے مسلّح ہو جاتا ہے ان کا ذکر بہت کم شعرا نے کیا ہے ۔ رومی اور حافظ کے ہاں یہ موجود ہے ۔ ہمارے زمانے میں بیداریِ خودی کا نام دے کر اقبال نے اس کو خوب اجاگر کیا ہے ۔ برہمن کے دو شعر سنیے :

تو بخنگِ فلک سوار شوی
سایہ افگن بہر دیار شوی

چرخ در دامن تو سرگردان
ماہ در پیشِ تابش تو نہان

برہمن کو احساس ہے کہ شعر کہنا بڑا مشکل کام ہے ۔ خون جگر پی کر ہی شعر نکلتا ہے ۔ وہ جانتے ہیں کہ جب ایک خیال ذہن میں آتا ہے تو اس کی صورت واضح نہیں ہوتی لیکن جب فکر فراواں سے الفاظ کی صورت میں کاغذ پر منتقل ہو جاتا ہے تو اس کے نقوش اجاگر ہو جاتے ہیں ۔ خود اس کی زبانی سنیے :

چیست سخن گوہرِ ناسفتہ ای
نکتہٴ ناگفتہ بہ از گفتہ ای

گر بہ سخن فکرِ فراوان بری
گوہرِ نایاب بدست آوری

غیر سخن نیست درون و برون
نکتہ ز خونِ جگر آید برون

یہی مثنوی 'ہفت بحر' کے نام سے بھگونت رائے بہار سنامی جامع و ناشر کلیاتِ برہمن کو جلوخانہ' دربار کپورتھلہ سے دستیاب ہوئی ۔ اس کے قلمی نسخے کے آخر میں یہ عبارت تحریر تھی : "تمام شد مثنوی ہفت بحر من تصنیف رائے چندر بھان درماہ رمضان المبارک ۱۰۹۳ھ" ۔ مطبوعہ کلیات میں $\frac{۱۸ \times ۲۲}{۸}$ کی تقطیع میں یہ مثنوی اڑتیس صفحوں پر مشتمل ہے ۔ مثنوی میں 'ہفت بحر' نام کی کوئی صراحت موجود نہیں ۔ موضوع میں کوئی تسلسل نہیں ۔ نہ کوئی کہانی ہے جس کے سات جزو ہوں اور نہ ایک موضوع ہے جس کو سات فصلوں میں تقسیم کیا گیا ہو ۔ البتہ سات مناجاتیں ہیں جو مختلف جگہوں پر ھُو ، ھوالرّحمٰن ، ھوالرّحیم ، ھوالمستعان ، ھوالغنی ، ھوالحفیظ تعالی شانہ اور ھوالفرد کے عنوانات سے لکھی گئی ہیں ۔ شاید اِس مناسبت سے 'ہفت بحر' نام رکھا ہو ۔ مثنوی کا آغاز دعا سے یوں ہوتا ہے :

خداوندا ! دلی دہ محرمِ راز کہ بر رویش درِ معنی بود باز

یہ مثنوی مختلف نظموں پر مشتمل ہے ۔ دو نظمیں آفتاب کو مخاطب کر کے لکھی ہیں ۔ دو طویل نظمیں شاہجہان کی مدح و ستایش میں ہیں ۔ تین ٹکڑے قلم و سخن کی تعریف میں ، دو قطعات عشق کی تعریف میں ، دو بہار و ماہتاب کی کیفیات میں ، ایک نفسِ امّارہ کے بیان میں ، ایک بے ثباتیِ روزگار پر اور ایک جوانی دیوانی کے احوال پر ہے ۔

اشعار سے مصنّف کے دل و دماغ کی کیفیات ، جذبِ درونی اور ولولہ' عشق ظاہر ہے ۔ وہ بڑی دل جمعی اور اعتماد سے بات کہتا ہے ۔ وہ سلوک و طریقت کے رموز کو جانتا ہے ، راہِ عشق اور اس کے مقامات سے آشنا ہے ، انسانی کوتاہیوں اور لغزشوں سے واقف ہے اور منزل کی دشواریوں اور رکاوٹوں سے آگاہ ہے ، اس لیے وہ اس راہ پر آنے والوں کو راہ و چاہ سے باخبر کرتا ہے ۔ خود اپنا دردِ دل بیان کرتا ہے ۔ وہ عشقِ شوریدہ سر کے ہاتھوں نالاں ہے اور خدا سے

ثبات و استقامت کی دعائیں مانگتا ہے ۔

مطبوعہ مثنوی (نول کشور ایڈیشن) اور اس 'ھفت بحر' کے تقابلی مطالعے سے ظاہر ہوا کہ شاہ جہاں کی مدح کا ایک ٹکڑا جو کلیات میں ''در صفتِ گوہر فشانی صحایف مدح و ثنائے ذات ملکی ملکات اعلیحضرت گوید'' کے عنوان سے شائع ہوا ہے ، نول کشور کے مطبوعہ نسخے میں موجود نہیں ۔ مطبوعہ نسخے میں مثنوی کے کسی حصے میں کوئی عنوان نہیں ۔

منشآت برہمن :

منشآت پانچ حصوں میں منقسم ہیں ۔ پہلے حصے میں چھ عرض‌داشتیں ہیں جن میں سے تین سفارتِ اودھے پور کے متعلق ہیں جو شاہ جہاں کی خدمت میں بھیجی گئیں اور تین اورنگ زیب عالم گیر کے نام ہیں ۔ دوسرے حصے میں وہ خطوط ہیں جو امرا و وزرا کی خدمت میں لکھے گئے ۔ تیسرے حصے میں وہ تحریریں ہیں جو اربابِ فقر و فضل اور شعرا کو ارسال کی گئیں ۔ چوتھے حصے میں وہ نگارشات ہیں جو ہندوستان کے راجوں مہاراجوں اور ان کے بیٹوں کی خدمت میں بھیجی گئیں ۔ پانچویں حصے میں وہ رقعات ہیں جو برہمن نے اپنے والدِ بزرگوار ، بھائیوں ، بیٹوں ، دوستوں اور شاگردوں کو لکھے ۔ ایک طویل تحریر میں اپنے بیٹے خواجہ تیج بھان کو نصیحت نامہ لکھا ہے ۔ آخری حصے میں بعض رقعات ایسے ہیں جن کے مخاطب نامعلوم ہیں ۔ چھوٹی بڑی سب تحریروں کی تعداد ۱۲۸ ہے ۔

ان سرکاری اور نجی تحریروں کے مطالعے سے مصنّف کے اخلاق و کردار کو سمجھنے میں کافی مدد ملتی ہے ۔ چندربھان نے اپنے آپ کو ہمیشہ ایک مخلص و بے ریا برہمن لکھا ہے ۔ اس کی تحریروں سے عجز و انکسار نمایاں ہے ۔ وہ بزرگوں کو بڑے احترام و اکرام اور ہمسروں اور اپنے سے کمتروں کو پیار سے مخاطب کرتا ہے ۔ باپ اور بھائیوں سے اس کو گہری عقیدت اور محبت ہے ۔ بیٹے کو مخاطب کرتے ہوئے چھ سطروں میں القاب لکھے ہیں ۔ بعض رقعات محض سفارشی چٹھیاں یعنی تعارف نامے ہیں ۔ ان سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ دوسروں کا دردمند اور غمگسار دوست تھا اور ان کی مدد کرنا اپنا فرض سمجھتا تھا ۔ انھی خطوط سے امرا ، وزرا اور راجاؤں سے اس کی دوستی اور تقرب کا بھی اندازہ ہوتا ہے ۔ شاہجہاں بھی اس کی قدر کرتا تھا ۔ اس نے اس کے باپ کی وفات

پر تسلی آمیز الفاظ کہے - بعض خطوط سے سوانحی جزئیات مرتّب کرنے میں بھی مدد ملتی ہے اور ہم نے ان سے استفادہ کیا ہے -

'منشآت' سے معلوم ہوتا ہے کہ برہمن اپنے دوستوں یا ممدوحین کو خط لکھتا تو اکثر اوقات اپنی تازہ غزلیں بھی ان کے مطالعے کے لیے بھیجتا - بعض غزلیں افضل خاں ، سعد اللہ خاں ، قدسی اور منیر کو اصلاح کے لیے اور داد و تحسین کے لیے بھیجی ہیں - 'منشآت' میں مندرجہ غزلیات کا جابجا قلمی دیوان سے مقابلہ کرنے سے معلوم ہوا کہ بارہ غزلیں ایسی ہیں جو دیوان میں شامل نہیں ہیں - بہار سناسی نے اپنے مرتّبہ کلیات میں ان کو شامل کر لیا ہے - کسی خط یا رقعے پر مقام تحریر یا تاریخ نگارش درج نہیں -

برہمن نے ذہنی طور پر اپنے آپ کو مسلمان فارسی شعرا اور ادبا کے کلام سے اس قدر ہم آہنگ کیا ہے اور اس کو ایسا اپنایا ہے کہ ان تحریروں سے جو شہنشاہ ، مسلمان امرا ، وزرا یا اہلِ علم و فضل کو لکھی گئی ہیں ، معلوم ہوتا ہے کہ کسی مسلمان ادیب کے قلم سے نکلی ہیں - کہیں کہیں وہ اپنے تخلص (برہمن) کا ذکر کر جاتا ہے یا ایک آدھ جگہ ہندوانہ تشبیہ مثلاً ''صندلِ غلامی بر جبیں اعتقاد دارد'' لکھ جاتا ہے تو خیال ہوتا ہے کہ اس کا لکھنے والا ہندو ہوگا - مندرجہ ذیل جملوں کو ملاحظہ فرمائیے - معلوم ہوتا ہے کہ کسی مؤمنِ پاک دل کے قلم سے نکلے ہیں :

''بدارالسلطنت لاہور کہ بہ مقتضای لطافت آب و ھوا دمِ مساوات بجنّت الماوی میزند ، رسیدہ سجدات شکر و سپاس بدرگاہِ واھب العطایا بجا آورد ، بدعای ازدیادِ عمر و دولت نواب خدایگانی پرداخت -''[۱]

''امید است کہ بکرمِ کریمِ کارساز این خدمت بوجہِ احسن بتقدیم رسد -'' (منشآت ، ص ۷)

''بہ ضمیر آئینہ نظیر آن دانای دقایق کونی و الٰہی ظاہر است -'' (ص ۱۹)

''این . . . خیر اندیش بجاکروبیِ روضۂ مقدسہ کہ مکانیست درمیان دنیا و آخرت ، سعادت دارین حاصل میکند'' - (ص ۲۱)

''ارادۂ خود را در رضای الٰہی محو ساختہ ، نظر بر کرمِ عمیمِ او نمودہ در

۱- منشآتِ برہمن ، نولکشور ، ص ۱۳ -

رضای حضرت پیر و مرشد کامل قبلۂ جہان و جہانیان واجب تر است ، پیش نہاد ساخت ۔''۱

برہمن کو فارسی اہل قلم کے ادبی سرمایے پر اس قدر عبور ہے اور اس کی طبیعت میں فارسی محاورہ اور روزمرہ اس قدر رچ گیا ہے کہ وہ اسی انداز میں لکھتا ہے ۔

برہمن کا اسلوبِ بیان واضح اور صریح ہے ۔ چونکہ وہ شاعر ہے اس لیے عبارت کا ادیبانہ ہو جانا تو ناگزیر ہے لیکن عبارت آرائی کی کوشش بہت کم ہے ۔ اپنے ہم عصر منیر لاہوری کی طرح اس کی تحریر میں رعایتِ لفظی ، تجانیس اور محاورات کا پُر تکلف استعمال نہیں ہے ۔ البتہ القاب میں مقفیٰ و مسجّع مرکبات کہیں کہیں نظر آتے ہیں ۔ مثلاً :

''لمعات مہر منیر سخنوری و رشحات ابر مطیر فلک گستری ، چراغ خانۂ زندگانی ، شمع بزم شادمانی ، قوّتِ ایامِ پیری ، عصای ہنگام پیری ، ذات شریف ، عنصر لطیف ، سر دفتر فضلای روزگار ، فہامہ نیکی شعار ۔''

عام انداز یہ ہے کہ طویل القاب کے بغیر اپنی بات شروع کر دیتا ہے ۔ بادشاہ کے حضور میں جو عرضداشتیں بھیجی ہیں ان کو یوں شروع کیا ہے : ''عرضداشت کمترین بندگان عقیدت نشان بعد از ادای لوازم بندگی و عبودیت بار یافتگان محفل بہشت آئین میرساند ۔'' خوانین و امرا کے لیے بھی دو ایک موزوں مرکّب القاب سے زیادہ استعمال نہیں کیے ۔ مثلاً :

نجابت خاں : خانِ جلیل القدر عظیم الشان ۔

ظفر خاں : استاد حقیقی سلامت ۔

اخلاص خاں : خاں سراپا اہلیت و فتوت سلامت ۔

داؤد خاں : خان والا شان مشفق مہربان سلامت ۔

اکثر خطوط میں یہ جملہ بار بار آتا ہے : ''معروض رای بیضا ضیاء میگرداند'' دو ایک جگہ 'معروض' کے بجائے 'مشہود' بھی آیا ہے ۔

اقران و امثال کے نام خطوں میں القاب اکثر مختصر ہیں ۔ مثلاً :

مُلاّ مقیما کاشی : مخدوم و مہربان قدردان ۔

میرزا جعفر : میرزای سخن سنج و سخندان سلامت ۔

۱۔ منشآت برہمن ، ص ۲۷ ۔

دوستوں اور عزیزوں کو کئی طرح سے مخاطب کیا ہے اور ہر ایک کے حسب مراتب القاب لکھے ہیں ۔ کہیں اشعار سے ہی خط شروع کیا ہے ۔ اکثر جگہ انداز پیارا ہے ، تحریر سے اخلاص کی بو آتی ہے ۔ الفاظ کے انتخاب میں محض تکلف سے کام نہیں لیا ۔ عبارتیں رواں ہیں ۔

برہمن کے فاضل معاصر محمد صالح کنبوہ نے اس کی انشا پردازی اور 'مدعا پردازی' کی خوب تعریف کی ہے ، لیکن ہمیں اس کی اس رائے سے اتفاق نہیں کہ برہمن ''در آئین نثر و انشاء پیروی پیشوای ارباب فضل شیخ ابوالفضل میکند ۔''[۱] انشائے ابوالفضل کا میں نے خصوصی مطالعہ کیا ہے اور ہر مطالعہ کرنے والا کہہ سکتا ہے کہ برہمن اور ابوالفضل کی انشاء میں بڑا فرق ہے ۔ 'رقعات ابوالفضل' سے تو شاید کچھ مناسبت ہو کیوں کہ اس میں ابوالفضل کے وہ نجی خطوط ہیں جو اس نے علما و مشائخ اور اپنے اعزہ کو لکھے ہیں اور ان میں زبان کا وہ رکھ رکھاؤ نہیں جو 'انشائے ابوالفضل' یا 'اکبر نامہ' کی پہلی دو جلدوں میں ہے ۔ ابوالفضل کا علم و فضل اور فہم و ادراک گویا اس کا متقاضی تھا کہ وہ آسان اور بے تکلف لکھ ہی نہیں سکتا تھا ۔ اس کا تخیّل پیچیدہ ہے ، اس کا بیان قطعاً صریح نہیں ۔ وہ جملہ در جملہ اور اضافت در اضافت مرکبات لکھتا چلا جاتا ہے ۔ اس کی عبارت یقیناً پر تکلف اور مصنوع ہے ۔ برہمن کی عبارتیں اکثر سادہ اور بے تکلف ہیں ۔ ڈاکٹر سید عبداللہ صاحب نے بھی اس تفاوت کی طرف اشارہ کیا ہے ۔[۲]

برہمن نے بعض خطوط میں ہندی الفاظ بھی استعمال کیے ہیں ۔ ہندوستان کا منشی ان الفاظ کے استعمال پر مجبور ہے ، کیوں کہ فارسی میں ان کے متبادل موجود نہیں ہیں ۔ اور اگر تلاش کر کے استعمال بھی کیے جاتے تو وہ عام فہم نہ ہوتے ۔ مثلاً درگجہ و پان ، پروہتان ، محصول منڈویات ، مہاجن ، بیوپاری وغیرہ ۔

برہمن کی نگارشات کا بیرون ملک بھی چرچا تھا ۔ چنانچہ اس نے خود لکھا ہے :

''رقایم و نوشتجات این نیازمند در ایران و توران شہرت یافتہ و باطراف و

۱۔ عمل صالح ، قلمی ، پنجاب پبلک لائبریری ، ص ۵۷۳ ۔

۲۔ ادبیات فارسی میں ہندوؤں کا حصہ ، دہلی ، ۱۹۴۲ع ، ص ۷۶ ۔

اکناف ہندوستان در ہر ملک و ناحیہ رسیدہ۔"[1]

چہار چمن :

پہلے چمن میں مصنف کی اپنی یادداشتیں ہیں جو اس نے موقع بہ موقع تحریر کی ہیں - شروع شروع میں کچھ جشنوں کا ذکر ہے ، دربار داری اور محفل آرائی کا بیان ہے ، وزنِ شمسی و قمری کی تقریبیں ہیں ۔ شعراء ان مواقع پر قصاید پڑھ کر سنایا کرتے تھے - برہمن نے بھی بادشاہ کے حضور میں وقتاً فوقتاً جو رباعیاں پیش کی ہیں ان کو اپنے بیان کے آخر میں قلمبند کیا ہے ۔ ان جشنوں کے ذکر کے بعد عہد شاہجہانی میں جو جو وزارتیں متشکل ہوئیں ، اُن کا بیان ہے ۔ اسی چمن کے آخری حصے میں فتح باخ و بدخشاں ، تسخیرِ قلعہ چتوڑ اور قلعۂ دولت آباد کا ذکر ہے ۔ تسخیر چتوڑ اور فتح بدخشاں کا بیان تاریخی نقطۂ نظر سے اس لیے بھی اہم ہے کہ مصنّف خود ان مہمّوں میں شریک تھا ۔ راجہ چتوڑ کے پاس تو وہ وکیل بن کر گیا تھا اور مصالحت پر راضی کر کے راجا کو اپنا بیٹا شاہی دربار میں بھیجنے پر آمادہ کیا تھا ۔ اس ضمن میں ایک طویل رپورٹ شاہجہان کو لکھی تھی جو منشآتِ برہمن میں مندرج ہے ۔ اس چمن میں دو خط یادگار حیثیت رکھتے ہیں جن کو مصنف نے نقل کر کے محفوظ کر دیا ہے ۔ ایک شاہ عباس والی ایران کا خط خانِ عالم سفیرِ ہندوستان کے نام اور دوسرا شاہجہان کا خط علی مردان خاں امیرالامراء فاتحِ بلخ و بدخشاں کے نام ۔

چمنِ دوم میں مصنف نے عہد شاہجہانی کے ان تمام مفتوحہ صوبوں اور ان کے مشہور شہروں کا ذکر کیا ہے لیکن بیان مختصر ہے ۔ لاہور ، دہلی اور اکبر آباد کے بارے میں کچھ تفاصیل زیادہ ہیں ۔ ان علاقوں میں جو جو صوبیدار متعین رہے ، اُن کے نام بھی لکھے ہیں ۔ ان مشہور بزرگوں اور عارفوں کا بھی ذکر کیا ہے جو ان شہروں میں آسودہ ہیں ۔ جزئی تفاصیل کہیں نہیں ، پھر بھی اگر مؤرخ لاہور ، اکبر آباد اور شاہجہان آباد کے احوال و کوائف لکھنا چاہے تو عہدِ شاہجہانی کے اس وقت کے جغرافیائی ، درباری اور شہری زندگی کے نقوش مرتّب کرنے میں مدد مل سکتی ہے ۔

۱- منشآتِ برہمن ، ص ۱۲ -

چمن سوم[1] میں مصنّف نے مختصراً اپنی زندگی کے احوال بیان کیے ہیں - اپنی ملازمتِ شاہی اور کارپردازی کی تفصیل بیان کی ہے - باقی حصے میں منشآتِ برہمن میں سے اُن خطوط کا انتخاب کیا ہے جو محمد جان قدسی ، منیر لاہوری ، اپنے والد اور بھائیوں کے نام لکھے ہیں - بیٹے کے نام نصیحت نامہ بھی اسی چمن میں شامل ہے -

چمنِ چہارم میں مختلف تحریریں ہیں - کچھ مشاہدات ہیں اور کچھ مواعظ ہیں - موضوعات اس قسم کے ہیں : حقیقتِ عالم ، خطاب بنفس ، تازیانۂ آگاہی ، دریافتن اصل حقیقت ، امراضِ غفلت ، تحصیلِ علم باعمل ، حال رہروان وادی طلب وغیرہ - ان نگارشات میں تصوف و طریقت کے نکات ہیں جو ایک پیر طریقت اپنے مریدوں سے خطاب کر کے بیان کرتا ہے - بعض بڑے معقول ، کارآمد اور حکیمانہ اقوال ہیں جن پر عمل پیرا ہونا ایک صوفی کے لیے ضروری ہے -

چہار چمن کے مندرجات سے واضح ہوتا ہے کہ تاریخی نقطۂ نظر سے دراصل تین ہی چمن ہیں - چوتھا چمن محض اضافی ہے - یہ تین چمن باقاعدہ تاریخ تو نہیں لیکن ایک معاصر کے چشم دید واقعات ہونے کی وجہ سے ان کی اہمیت مسلّم ہے - 'عمل صالح' اور 'پادشاہ نامہ'' عبدالحمید لاہوری کے بعض بیانات کے ساتھ مقابلہ کرنے سے ان کی صحت کی تصدیق کی جا سکتی ہے -

'چہار چمن' کا اسلوبِ بیان سلیس و رواں ہے - چمن اول میں القاب روایۃً مسجّع و مقفّیٰ لائے گئے ہیں - امور تاریخی کے بیان میں تکلف کم ہے - درگاہ آسمان جاہ ، رایات نصرت آیات ، دولت ابد پیوند جیسے مرکبات کا استعمال تو ناگزیر سمجھیے کیوں کہ سرکار کے ایک وفادار منشی کو روایۃً اس قسم کے مرکبات یاد رکھنے پڑتے ہوں گے - چمن چہارم میں اسلوب صریح اور قطعی ہو گیا ہے - ادبیت بھی موجود ہے کیوں کہ مصنف فاضل آدمی ہے - جملے چھوٹے چھوٹے اور محکم ہیں - مضمون میں منطقی استدلال نمایاں ہے -

ریو[2] نے لکھا ہے اور سٹوری[3] نے بھی نقل کیا ہے کہ 'چہار چمن' ۱۰۵۷ھ

۱- پنجاب یونیورسٹی لائبریری کے مجموعۂ آذر میں چہار چمن کا جو نسخہ موجود ہے اس میں چمن دوم مصنّف کے حالات پر مشتمل ہے -

۲- Rieu. ii, 838b.

۳- Storey, C. A., Persian Literature, Section II. Fascicule 3, p. 571

کے عین بعد لکھی گئی مگر یہ صریح غلط معلوم ہوتا ہے - چمن سوم میں سعداللہ خاں وزیر اعظم کی وفات کا ذکر ہے جو ۱۰۶۶ھ میں واقع ہوئی - اس سے تو نتیجہ نکلتا ہے کہ یہ کتاب اس تاریخ کے بعد مرتّب کی گئی -

تحفۃ الفصحا :

یہ ایک مختصر تذکرۂ شعرا ہے - بہار سناسی مرتّب کلیات برہمن نے اس کا ایک مخطوطہ پروفیسر آذر مرحوم کے کتب خانے میں دیکھا تھا - پروفیسر مرحوم کا مجموعۂ مخطوطات جو پنجاب یونیورسٹی لائبریری میں منتقل ہوا ہے ، اس میں یہ نسخہ موجود نہیں - بہار کے بیان کے مطابق یہ مخطوطہ بارہ اوراق پر مشتمل ہے اور اس میں ایک سو چالیس شعرا کا ذکر ہے - ایران ، توران اور ہندوستان کے معروف شعرا کا تعارف ایک ایک دو دو سطروں میں کرایا گیا ہے اور ہر شاعر کا ایک ایک شعر درج کیا ہے - برہمن کے مطبوعہ دیوان کے آخر میں مرتّب نے 'تحفۃ الفصحاء' کا انتخاب ایک صفحے پر شائع کیا ہے - برہمن نے شروع میں لکھا ہے :

''در کیفیتِ اربابِ سخن و اہلِ طبع کہ در ایران و توران و ہندوستان میدان سخن گوئی و سخندانی بلند آوازہ داشتند - نسخہا و بیاضہا است لیکن بطریق اجمال برخی از حال عزیزانِ صاحب سخن رقم پذیر سوانح خامۂ نیاز میگردد -''[۱]

طغرائے شاہجہان بادشاہ :

بہار سناسی مرتّب کلیات برہمن کو لاہور میں پروفیسر آذر مرحوم کے پاس چندربھان کی دیگر تصانیف کے ساتھ طغرای شاہجہان کا مخطوطہ بھی ملا - انھوں نے بیان کیا ہے کہ یہ نسخہ چھوٹی تقطیع کے ۲۴ اوراق پر مشتمل ہے - اس کے اختتام پر یہ عبارت مرقوم ہے :

''این نسخۂ طغرای شاہجہان تصنیف رای چندر بھان برہمن در حق و ملکیت لکھپت رائے ولد ملک روشن رائے قوم سہگل قانونگو پنجاب

۱- کلیاتِ برہمن ، بہار سناسی ، دہلی ، ضمیمہ تحفۃ الفصحا ، ص ۸ -

سیداں و شکرپورہ و نور دوآبہ بندۂ پادشاہی است ۔"[1]

بہارستانی نے اس مختصر تحریر کے سلسلے میں واضح طور پر کچھ نہیں لکھا ۔ صرف یہ کہا ہے کہ شاہجہانی عہد پر یہ بہترین کتاب ہے اور لاجواب ۔ اتنا کہہ کر اس کتاب کے آغاز سے چند جملے نقل کر دیے ہیں ۔ وہ جملے یہ ہیں :

"طلوع آفتاب جہان افروز سلطنت از مطلع دولت و اقبال ، یعنی جھروکۂ درشن مبارک بادشاہ کام بخش فیض رسان بعد از . . . نعمت خاصہ مطابق قاعدۂ قدیم دولت مطیر و خلافت کبریٰ جانب جھروکہ درشن مبارک در دارالخلافہ شاہجہان آباد و مستقر الخلافت اکبر آباد و دارالسلطنت لاہور مُشرف بر دریاست ۔"

آخر کی عبارت یہ ہے :

"ہمچنین ہنگامہ آتش بازی گرم می شود کہ شرارۂ آن ستارہ وار سر بآسمان میکشد و صدا در زمین و زمان می پیچد ۔"

گلدستہ :

سبحان اللہ اورینٹل لائبریری مسلم یونیورسٹی علی گڑھ میں چندربھان کا یہ رسالہ موجود ہے جو ۲۶ اوراق پر مشتمل ہے ۔

رقعاتِ برہمن :

اس مجموعے کا قلمی نسخہ پیر محمد شاہ لائبریری ، احمد آباد (بھارت) میں محفوظ ہے ۔[2]

انشاے ہفت گلشن :

اس کا ایک قلمی نسخہ گجرات ودیا سبھا لائبریری ، احمد آباد (بھارت) میں موجود ہے ۔

۱۔ کلیاتِ برہمن مذکور ، ص ۱۲۶ - ۱۲۷ ۔

۲۔ احوال و آثار چندربھان برہمن ، مرتبہ عبدالحمید فاروقی ، احمدآباد ، ۱۹۶۷ع ، مقدمۂ انگریزی ، ص ۸۱ - ۸۴ ۔

نادر النکات :

۱۰۶۳ھ میں کشمیر سے واپسی پر داراشکوہ لاہور میں ٹھہرا - گارسیں دتاسی کی تحقیق کے مطابق[1] چندربھان کے مکان پر ایک فلسفی جوگی بابا لال داس اور داراشکوہ کے درمیان نو دن تک مباحثہ و مذاکرہ ہوتا رہا - رائے جادو داس نے اس تمام گفتگو کو سوال و جواب کی صورت میں ہندی میں لکھا - پھر چندربھان نے 'نادرالنکات' کے نام سے اس کا فارسی میں ترجمہ کیا - اس بیان میں کچھ تشابہات رہ گئے ہیں - جوگی درویش کا نام کسی نے سری بابا لال ، کسی نے بابا لعل اور کسی نے لعل داس لکھا ہے - عجائب خانۂ پشاور کے مخطوطے میں لال دیال جیو سہائے لکھا ہے - اوریئنٹل پبلک لائبریری بانکی پور پٹنہ کا نسخہ خطی شمارہ ۱۴۵۴ جلد XVI ، برلین لائبریری کا نسخہ نمبر ۱۰۸۱ ، بوڈلین لائبریری کا نسخہ (کالم ۱۸۷) ، ہوارٹ اور مسی نو کا مطبوعہ نسخہ (یورنل اشیاتیک ، پیرس ، جلد CCIX, No. 2) یکساں ہیں - ان کی ابتدائی سطر یہ ہے :

''کوشت (؟) سری بابا لال و شاہزادہ داراشکوہ کہ درمیان ہر دو عزیزان مذکور شد -''

پہلا سوال یوں درج ہے :

''در ناد و بید چگونہ فرق توان کرد ؟''

انھی نسخوں سے ظاہر ہے کہ چندر بھان نے اس کو ہندی سے فارسی میں ترجمہ کیا - برلن کے نسخے میں یہ عبارت ہے :

''چندربھان از زبان ''ھندوی لسان (Sic) فارسی تصنیف نمود -''

عجائب خانۂ پشاور کے مخطوطے سے ظاہر ہے کہ اس رسالے کو جادو داس کھتری نے لکھا - اس کی عبارت یوں ہے :

''نادر نکات - رسالۂ جواب و سوال میان محمد داراشکوہ و لال دیال جیو سہای ، نوشتہ جادو داس کھتری عرف مہرہ متوطن اکبر آباد در باغ جعفر خاں صادق تہرانی -''

1- Histoire de la Literature Hindovie et Hindoustanie par M. Garcin de Tassy, IInd Edn. vol. I, p. 273 - 74.

اس بات کی تصدیق پنجاب یونیورسٹی لائبریری میں مجموعۂ شیرانی کے نسخۂ خطی نمبر ۱۴۶۱ سے ہوتی ہے جہاں مؤلف نے اپنا نام یوں لکھا ہے :

جادو داس کھتری سہرہ متوطن مستقر الخلافۂ اکبر آباد مُشرفِ غسل خانہ بود ۔''۱

یقیناً یہ مؤخّرالذکر نسخے ، مقدّم الذکر نسخوں سے مختلف ہیں ۔ ان میں کا پہلا سوال یوں شروع ہوتا ہے :

''سوال عزیز آنکہ اول و آخر فقر چیست؟ جواب کامل آنکہ اول فنا آخر فنا ۔''

پنجاب یونیورسٹی لائبریری کے مخطوطے سے یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ پانچ مجلسوں کا حال تو جادو داس نے لکھا لیکن آخری دو مجلسوں کی روداد چندر بھان نے مرتّب کی ۔ اصلی عبارت یوں ہے :

''کیفیت پنج مجلس را این بندہ قلمبند نمودہ ۔ دو مجلس آخر را عالی فطرت دقیقہ رس رای چندربھان برھمن کہ میر منشی بارگاہ سلطانی بود ، سر رشتۂ جواب و سوال شاہ و درویش نگاہداشتہ در بیاض خاصہ رقم نمود ۔'' (ص ۳)

جادو داس کے بیان کے مطابق یہ مجالس چندربھان کے مکان پر نہیں بلکہ نواب جعفر خاں صادق کے باغ میں منعقد ہوئیں اور تاریخ چہارم بہمن الٰہی سنہ بیست و یکم جلوس حضرت شاہجہانی تھی ۔

☆ ☆ ☆

مُلاّ شاہ

آپ کا نام شاہ محمد تھا ۔ حضرت میاں میر ، ان کے مرشد ، ان کو محمد شاہ کے نام سے پکارتے تھے لیکن بالآخر وہ مُلاّ شاہ کے نام سے مشہور و معرف ہوئے ۔ ان کا آبائی وطن چونکہ بدخشاں تھا اس لیے وہ مُلاّ شاہ بدخشی یا بدخشانی بھی کہلائے ۔ دوست احباب ان کو ''حضرت اخوند'' بھی کہتے تھے ۔ وہ اپنے آپ کو

"لسان اللہ" کے خطاب سے بھی سرفراز سمجھتے تھے - اس کے متعلق ان کی اپنی رباعی ہے[1] :

آنکس کہ ز راہ معرفت آگاہ است
"ملا" شاہ است عارف این راہ است
از تاثیر زبان او معلوم است
کامروز ملقب بلسان اللہ است

رسالۂ "نسبت"[2] میں انھوں نے اپنے خاندان ، اپنی جائے ولادت اور ابتدائی تعلیم کے متعلق تفصیلات بتائی ہیں - وہ موضع ارکسا بلدۂ روستاق میں پیدا ہوئے - روز جمعہ اور شب ، شبِ قدر تھی - تاریخ ولادت نہیں لکھی - جہاں آرا کے بیان[3] کے مطابق وہ لاہور میں آئے تو ان کی عمر اٹھائیس سال تھی - شاہجہان نامہ[4] کے مطابق انھوں نے ۱۰۲۳ھ میں ہندوستان کا سفر اختیار کیا اور لاہور پہنچے - اس حساب سے ان کی تاریخ ولادت ۹۹۵ھ ٹھہرتی ہے - اس کی تصدیق یوں بھی ہوتی ہے : ۱۰۵۲ھ میں دارا شکوہ لکھتے ہیں کہ اس سال حضرت "ملا" شاہ کی عمر ۵۷ یا ۵۸ سال ہے -[5] اس حساب سے بھی تاریخ ولادت ۹۹۵/۹۹۶ھ نکلتی ہے - فیلڈ[6] اور میکڈونلڈ[7] نے سال ولادت ۱۵۸۴ع/۹۹۲ھ لکھا ہے لیکن اپنے مآخذ کا ذکر نہیں کیا - ان کے والد مولانا عبد احمد بن مولانا سلطان علی بن قاضی فتح اللہ تھے - والدہ کا نام بی بی خاتون تھا - "ملا" شاہ کے دو بھائی تھے اور ایک بہن - ان کے بھائی "ملا" نیک محمد اور "ملا" سلطان علی روحانی تربیت کے لیے ہندوستان آئے تھے ، پھر حضرت کے ارشاد پر اپنے وطن واپس چلے گئے -

---

۱- کلیات "ملا" شاہ ، پنجاب یونیورسٹی لائبریری ، شمارہ ۸۷ ,Spi VI ، ص ۲۶۴ -
۲- مثنویات "ملا" شاہ ، مخطوطہ پنجاب یونیورسٹی لائبریری ، شمارہ ۱۵۸ ,Pi VI ، ص ۲۳۹ تا ۲۸۴ -
۳- صاحبیہ ، جہاں آرا ، ترجمہ مطبوعہ مضامین ڈار ، بمبئی ، ص ۶ -
۴- شاہجہان نامہ یا عمل صالح ، جلد سوم ، لاہور ، ۱۹۶۰ع ، ص ۳۶۵ -
۵- سکینۃ الاولیاء (اُردو ترجمہ) لاہور ، ص ۱۲۰ ، ۱۲۲ -
۶- Field, C, Mystical saints of Islam. London, 1910, p. 174 -
۷- Macdonold D. B., The religious attitude and life of Islam - Beyrouth, 1965, p. 195

انھوں نے ابتدائی تعلیم و تربیت اپنے وطن میں قریہ موسوارک کے "ملا" خواجہ علی سے حاصل کی[1] - شروع ہی سے روزہ رکھنے ، نماز ادا کرنے ، کم کھانے اور کم سونے کی عادت تھی - زہد و تقویٰ ان کی زندگی کا شعار تھا - وہ اکیس برس کی عمر میں علوم دینی کی تکمیل کے لیے بلخ تشریف لے گئے اور "ملا" حسین قبادیانی سے استفادہ کیا[2]- بلخ میں قیام کے بعد جستجوے حقیقت اور معرفت خداوندی کا جو شوق غالب آیا تو ہندوستان کا رخ کیا - اپنی تحصیلات کے متعلق رسالۂ نسبت میں لکھتے ہیں کہ انھوں نے صرف ، نحو ، منطق ، ہیئت ، کلام ، معانی ، بیان ، بدیع ، فقہ اور حدیث و تفسیر کی تعلیم حاصل کی - مدرسوں اور خانقاہوں میں بیٹھے لیکن اس محنت و کاوش کے بعد اس نتیجے پر پہنچے کہ یہ سب تعلیم بے نتیجہ اور وسوسہ انگیز ہے :

بگذشتم ز درس و مدرسہ ہا
مدرسہا و درس وسوسہا
ہیچ زیشان مرا گرہ نکشاد
گرہی چند بر گرہ افتاد
مکتب و درس و خانقاہ ای شاہ
جای طفلان و نامہ پر ز گناہ[3]

وہ سب سے پہلے ۱۰۲۳ھ میں کشمیر میں وارد ہوئے - وہاں انھوں نے تین سال تک طالب علم کی سی زندگی گزاری اور "ملا" جوہر نامی سے علوم ظاہری کی تکمیل کی -[4] پھر شیخ طریقت کی تلاش میں دہلی گئے - وہاں سے آگرہ پہنچے جہاں ایک صوفی منش کی زبانی میاں شیخ میر کے کمال معنوی کا ذکر سنا[5] تو لاہور آئے اور حضرت میاں میر کی خدمت میں حاضر ہوئے - ایک سال تک خدمت بجا لاتے رہے مگر حضرت نے استغنا سے کام لیا - لیکن جب ان کو "ملا" شاہ کے خلوص و طلب صادق کا یقین ہوگیا تو پھر توجہ و عنایت سے پیش آئے اور ان کو اپنے

---

۱ ، ۲ ، ۴ ، ۵- کلیات جلالای طباطبائی ، نسخۂ خطی کتابخانۂ مرکزی دانشگاہ تہران ، شمارہ ۲۹۴۴ ، ص ۱۰۸ - ۱۱۲ -

۳- رسالۂ نسبت ، مشمولہ مثنویات "ملا" شاہ ، شمارہ ۱۵۸ ، Pi VI, ص ۳۴۱ - ۳۴۴ -

حلقۂ ارادت میں لے لیا ۔ جہاں آرا دختر شاہجہاں حضرت "ملا" شاہ کی مرید باصفا تھیں ۔ وہ لکھتی ہیں کہ وہ اُنیس برس تک حضرت میاں میر کی خدمت میں رہے ۔ ان کا مزاج گرم تھا ۔ وہ اپنے پیر کی اجازت سے گرمیوں میں کشمیر چلے جاتے ۔ انھوں نے سخت ریاضت و محنت کی ۔ اُنیس برس یہ اور پانچ سال مرشد کی وفات کے بعد تک پہلو زمین پر نہ لگایا ۔[1] دارا شکوہ پسر شاہجہاں بھی ان کے مرید خاص تھے ۔ انھوں نے اپنی کتاب 'سکینۃ الاولیاء' میں اپنے مرشد کے احوال و اعمال پر روشنی ڈالی ہے ۔ وہ لکھتے ہیں : ''انھوں نے تیس سال سے اوپر مدت تک ایک لمحے کے لیے نیند نہیں کی ۔ انھوں نے فرمایا[2] : میری خواہش ہوتی ہے کہ کسی طرح نیند آجائے ، پر نیند نہیں آتی :

عجبا للمحب کیف ینام　　　کل نوم علی المحب حرام

انھوں نے سات سال تک عشا کی نماز سے صبح تک حبس نفس سے ذکر خفی کیا ۔ انھوں نے خود فرمایا ہے کہ کبھی کبھی میں دو سانس میں رات گزار دیتا تھا ۔ دو مرتبہ سردیوں میں ان کے روئیں روئیں سے پسینہ نکلا ۔ کشمیر میں تو ان کے جسم پر قطرے جم جاتے تھے ۔ لاہور میں وہ سردیوں میں بھی پنکھا کرتے تھے ۔ ذکر خفی اور حبس دم کے متعلق حضرت میاں میر نے فرمایا تھا ۔ یہ طریقہ حضرت غوث الثقلین نے رائج کیا تھا :

چشم بند و گوش بند و لب ببند
گر نہ بینی سرّ حق بر من بخند

جہاں آرا اپنے مرشد کے متعلق لکھتی ہیں[3] کہ وہ فرماتے تھے کہ کبھی ان کی نماز قضا نہیں ہوئی ۔ وہ کبھی بیمار نہیں ہوئے جس کی وجہ سے ان کی نماز فوت ہوئی ہو ۔ انھوں نے ہمیشہ وقت پر اور با جماعت نماز ادا کی ۔ اگر "ملا" محمد سعید ، ان کے مرید خاص ، حاضر ہوتے تو کسی دوسرے کو امامت کے لیے نہیں کہتے تھے ۔ اگر وہ نہ ہوتے تو خود امامت کے فرائض انجام دیتے تھے ۔ وہ سالک کے لیے شریعت و طریقت دونوں کو ضروری قرار دیتے تھے ۔

۱۔ صاحبیہ مذکور ، ص ۶ ۔
۲۔ سکینۃ الاولیاء ، اُردو ترجمہ ، ص ۱۲۰ - ۱۲۱ ۔
۳۔ صاحبیہ ، ترجمہ ، ص ۷ - ۸ ۔

وہ سلاطین و امرا سے نذر و نیاز قبول نہیں کرتے تھے - اپنے مریدوں سے معمولی نیاز مثلاً ایک دو روپے قبول فرما لیتے تھے اور یہ رقم غربا و مساکین پر صرف کر دیتے تھے - اپنے عقیدت مندوں کے علاوہ کبھی دوسرے سے گفتگو نہیں کرتے تھے - آپ کی محفل میں حقیقت و معرفت کی باتیں ہوتیں - آپ کی زبان میں بہت تاثیر تھی - کئی غیر مسلم حلقہ بگوشِ اسلام ہوئے اور اکثر شیعہ حضرات اپنی سابقہ روش چھوڑ کر اہلِ سنت میں شامل ہو گئے -

آپ کا معمول تھا کہ جب کوئی خدمت میں حاضر ہوتا تو اس کا نام اور جائے سکونت دریافت کرتے - اگر اتباعِ سنتِ رسولؐ میں کبھی ہنسی مزاح کی بات کرتے تو وہ بھی توحید و معرفت سے متعلق ہوتی - آپ کے چہرے پر کاہلی و کسالت کا نشان تک نہیں ہوتا تھا -[۱]

آپ کی قیام گاہ پر کچھ پکایا نہیں جاتا تھا - جو کچھ مرید لاتے، وہی آپ کھا لیتے - اگر کچھ نہ ملتا تو دو دو تین تین دن تک کھانے کے بغیر گزار دیتے تھے - چونکہ آپ کی طبیعت گرم تھی اس لیے آپ کو ٹھنڈی چیزیں زیادہ مرغوب تھیں -

شاہجہاں نے نواح کشمیر کے ایک پہاڑ کوہ ماران کے وسط میں ایک نہایت پُر تکلف باغ بنوایا - یہ کوہ سلیمان کے بالمقابل واقع ہے - باغ کا نام چشمۂ شاہی رکھا - وہاں ایک تہہ جوش چشمہ تھا جس کے اوپر سنگ سیاہ سے مثمّن حوض بنایا اور مسقّف کیا کہ سائے میں رہے - مُلاّ شاہ اسی باغ میں مقیم تھے - اس قیام گاہ کے متعلق ناطق نے لکھا ہے[۲] :

کوہ ماران بکمر لعل بدخشان دارد
اینچنین بخت کجا تخت سلیمان دارد

جب بادشاہ کے آنے کی خبر آتی تو عصا ہاتھ میں لیے ہوئے سیر میں مشغول ہو جاتے اور کھڑے کھڑے بادشاہ سے ملاقات کرتے - جب بادشاہ رخصت ہونے کو کھڑے ہوتے تو وہ بھی ان کے ہمراہ کھڑے ہو جاتے اور کچھ

۱- صاحبیہ ، ترجمہ ص ۷ - ۸ -
۲- دیوان ناطق کشمیری ، مرتبہ لبیبہ خانم ، نسخۂ خطی پنجاب یونیورسٹی لائبریری ، ص ۱۰۶ -

عرصے کے لیے سیر کرتے رہتے - اس طرح بظاہر ان سے بادشاہ کی تعظیم ظاہر نہ ہوتی - شیر خاں لودھی لکھتے ہیں[1] کہ شاہجہاں کہا کرتے تھے ، ہندوستان میں دو بادشاہ ہیں ؛ ایک شاہ جہاں اور دوسرے 'ملا' شاہ -

شاہ جہاں اور 'ملا' شاہ :

ویسے تو گزشتہ بادشاہ اور شہزادے فقرا اور عرفا کے ارادت مند رہے ہیں اور ان کی دعاؤں کے محتاج بھی لیکن شاہزادوں اور شاہزادیوں میں شاذ ہی کوئی ایسا ہو جس نے تصوف و عرفان کو درساً حاصل کیا ہو ، اسے سمجھا ہو اور پھر کسی عارف باللہ کے ہاتھ پر بیعت کی ہو - اس سلسلے میں شاہزادگانِ تیمور میں سے دارا شکوہ اور اس کی بہن جہاں آرا کا نام سرِ فہرست ہے - شاہ جہاں بھی حضرت 'ملا' شاہ کے ارادت مند تھے اور پیر کو بھی اپنے مرید کی دردمندی کا احساس تھا - چنانچہ شاہ جہاں کے متعلق لکھتے ہیں[2] :

ای شاہِ جہاں ! ز اهلِ دردی ، شاباش
در عهدِ خویش طاق و فردی ، شاباش
دل را بوصال زندہ کردی ، شاباش
شاباش درین زمانہ مردی ، شاباش

ربیع الاول ۱۰۵۵ھ شاہ جہاں کے جشنِ وزنِ قمری کے موقع پر انھوں نے ایک رباعی کہی[3] :

ای افضل بندہ فضل فضل تو بود
فضلت خوش باد فضل فضل تو بود
چیزی کہ برابری تواند کردن
در پلۂ میزان تو عدل تو بود

انھوں نے اپنے رسالے 'شاہیہ' کی تمہید میں ان تینوں ناموں یعنی شاہ جہاں ،

۱- مرآة الخیال ، شیر خاں لودھی ، بمبئی ، ۱۸۳۱م ، ص ۱۷۵ -
۲- رباعیات 'ملا' شاہ ، نسخۂ خطی پنجاب یونیورسٹی لائبریری ، شمارہ ۵۹ AP : VI, ، ص ۲۰۵ -
۳- پادشاہنامہ ، عبدالحمید لاہوری ، کلکتہ -

دارا شکوہ اور جہاں آرا کی رعایاتِ لفظی کو مد نظر رکھتے ہوئے اپنی عقیدت کا یوں اظہار کیا ہے[1] :

ای تو شاہِ جہان و تو دارا　　ای تو دارا و تو جہان آرا
بتو شاہ جہانیی قائم　　بتو دارائیی جہان دائم
ہمہ شاہ جہانیت دارا　　تو و دارای ہر جہان آرا

ریاض الشعرا کے مصنّف لکھتے ہیں کہ[2] ملاؔ شاہ نے یہ شعر کہا تھا :

پنجہ در پنجۂ خدا دارم　　من چہ پروای مصطفیٰؐ دارم

علمائے دہلی نے شاہ جہاں کے پاس ایک محضر لکھ کر بھیجا کہ ملاؔ شاہ نے رسول خداؐ کی اہانت کی ہے اور وہ واجب القتل ہے ۔ بادشاہ نے محضر اپنے پاس رکھ لیا ۔ جب وہ کشمیر گئے تو ملاؔ شاہ کے مکان پر ملاقات کرکے ان کو محضر دکھایا اور پوچھا ''کیا فی الحقیقت یہ شعر آپ کا ہے ؟'' ملاؔ نے فرمایا کہ اس سے شرک کی بو آتی ہے کیوں کہ اس شعر میں شاعر نے خود خدا اور مصطفیٰؐ میں تفریق کی ہے ، یہ میرے مذہب میں شرک ہے ۔ بادشاہ یہ بات سن کر اس کا معتقد ہوگیا ۔ کہتے ہیں بادشاہ کی واپسی پر کشمیر کے فضلا نے مشہور کر دیا کہ ملاؔ شاہ نے بادشاہ کو مسحور کر لیا ہے ۔ چونکہ اس نے خدائی کا دعویٰ کیا ہے اس لیے شریعت کی رو سے اس کا قتل واجب ہے ۔ بہت سے لوگ اس ارادے سے ان کے مکان پر گئے ۔ ان کے مریدوں نے ان کو روکنا چاہا لیکن انھوں نے منع کیا ۔ جو شخص مولانا کے حجرے میں داخل ہوتا ، وہ ان کو دیکھتے ہی اللہ کہہ کر سجدے میں گر پڑتا ۔ باقی لوگ حفظِ ایمان کی خاطر واپس چلے گئے :

مردانِ خدا خدا نباشند　　لیکن ز خدا جدا نباشند

دارا شکوہ اور ملاؔ شاہ :

دارا شکوہ دل و جان سے ملاؔ شاہ کے عقیدت مند تھے ۔ وہ ''سرِّ اکبر'' کے

۱- کلیات ملاؔ شاہ ، مخطوطہ شمارہ ۸۷ ,SP : VI ، ص ۱۵۸ -

۲- ریاض الشعرا ، قلمی ، مجموعۂ شیرانی ، پنجاب یونیورسٹی لائبریری ، ص ۱۹۰ -

دیباچے میں ان کو ''اکمل کاملان ، زبدۂ عارفان ، استاد استادان ، پیشوای پیشوایان ، موحّد حقائق آگاہ حضرت مُلاّ شاہ'' لکھتے ہیں ۔ انھوں نے اپنے مرشد کی زندگی ، تعلیم و تربیت ، کشف و کرامات کے متعلق اپنی تالیف 'سکینۃ الاولیاء' میں تفصیل سے لکھا ہے ۔ اس کتاب میں مُلاّ شاہ کی آٹھ غزلیں ، اٹھارہ رباعیاں اور تیرہ مکتوب بھی نقل کیے ہیں ۔ دارا لکھتے ہیں کہ میں نے پہلی مرتبہ پیر طریقت کی خدمت میں حاضر ہو کر یہ رباعی پیش کی[1] :

آن گم شده باللہ خدا آگاه است
افتاده یقین بدست مُلاّ شاه است
نرمک نرمک در آی و آہستہ بگوی
در گوش کسی کہ طالب اللہ است

حضرت مُلاّ شاہ نے جواب میں لکھا[2] :

آن کس کہ ز روی صدق دولت خواه است
آخر او را بسوی دولت راه است
دولت یعنی معرفت اللہ است
این دولت در خانۂ مُلاّ شاه است

دارا شکوہ نے انھیں قریب سے دیکھا ۔ وہ تصوف و عرفان کے مسائل میں اکثر ان سے رجوع کرتے اور ان سے ہدایت پاتے ۔ ان کا قول ہے کہ میرے پیر عارف و موحّد کا مرتبہ حاصل کر چکے تھے ، یعنی بی یبصر و بی یسمع و بی ینطق ۔ وہ کہتے تھے کہ دلوں کی گرہیں کھولنے ، مردہ جانوں کو زندہ کرنے اور زبان کی تاثیر میں ان جیسا کوئی بزرگ نہیں دیکھا گیا ۔ انھوں نے لکھا ہے کہ جب مرشد نے فرمایا کہ ہمارے نزدیک اس سے بڑھ کر کرامت ، درجہ ، مقام ، حالت اور کشف نہیں کہ مردہ دلوں کو زندہ کیا جائے ، بندھی ہوئی گرہیں کھولی جائیں ، نیز نہ خود غفلت میں زندگی بسر کریں اور نہ بسر

۱۔ رباعیات مُلاّ شاہ ، مخطوطہ پنجاب یونیورسٹی لائبریری ، ص ۵۷ ب ۔
۲۔ ایضاً ، ص ۶۴ ۔

کرنے دیں ۔" میں نے ان سے یہ حقائق سن کر ان کے قدموں پر سر رکھ دیا ۔[۱]

حضرت "ملا" شاہ نے بھی اپنے مرید کو دین و دنیا میں کامرانی کی بشارتیں دیں ۔ چنانچہ وہ اپنے مکتوب میں دارا شکوہ کو لکھتے ہیں : "رہا دنیا کا سفر سو اُس کے انجام ہونے میں کس کو کلام ہے ۔ جس کو وجود اعظم کا یقین حاصل ہوگا ، یقیناً اس کے اغیار کا لشکر بھی شکست کھائے گا ۔ فتح و نصرت عنقریب اللہ کی طرف سے حاصل ہوگی ۔ اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے مجازی کاموں میں بھی بامراد کرے گا ۔"[۲]

معلوم ہوتا ہے کہ بعض دنیا دار حضرت "ملا" شاہ کے مخالف اور ان کو نقصان پہنچانے کے درپے ہوں گے ، اس لیے وہ دارا شکوہ کو لکھتے ہیں :

"فقیر تو ایسے بدبخت شریروں کو تنبیہ نہیں کر سکتے لیکن تمھیں اس میں دسترس ہے ۔ تمھیں تو ضرور ان کو تنبیہ کرنی چاہیے ۔ تمھاری آشنائی سے ہمیں کیا فائدہ ہو سکتا ہے ۔"[۳]

اندازہ فرمائیے کہ جب گردشِ دوراں نے دیکھتے ہی دیکھتے شاہ جہاں کو تخت سے اٹھا کر قلعے میں مقیّد کر دیا اور تخت و تاج کے وارث دارا شکوہ کو پابندِ سلاسل کرکے تہ تیغ کر دیا گیا تو حضرت "ملا" شاہ کے دل پر کیا گزری ہوگی ۔ یہ واقعہ ہے کہ اس سیلِ تقدیر کے سامنے پیر کی دعائیں اور نیک تمنائیں بھی بند نہ باندھ سکیں ۔

جہاں آرا اور "ملا" شاہ :

جہاں آرا اپنے بھائی دارا شکوہ کی وساطت سے حضرت "ملا" شاہ کی مرید ہوئی تھیں ۔ وہ 'صاحبیہ' میں لکھتی ہیں[۴] کہ میں نے اخلاص و عقیدت سے بھرے ہوئے خطوط لکھے ۔ ایک مرتبہ اپنے ہاتھ سے روٹی اور ساگ پکا کر بھیجا ۔ ایک ماہ تک انھوں نے اعتنا نہ کیا اور فرماتے رہے کہ ہمیں دنیاداروں اور بادشاہوں

۱۔ سکینۃ الاولیاء ، اُردو ترجمہ ، ص ۱۴۴ ۔

۲۔ ایضاً ، ص ۱۴۴ ۔

۳۔ ایضاً ، ص ۱۴۲ ۔

۴۔ صاحبیہ (اُردو ترجمہ) مطبوعہ ، مضامینِ ڈار ، بمبئی ، ص ۱۳ - ۱۴ ۔

سے کیا کام - ایک دفعہ میں نے جسارت سے یہ شعر بھی درج کر دیا :

گر میسّر شود آن روی چو خورشید مرا
پادشاہی چہ کہ دعوای خدائی بکنم

آخر وہ میرے جذبۂ صادق کو جان کر خطوں کا جواب دینے لگے - ایک دفعہ میں نے ان کے گھر جا کر دور سے انہیں دیکھا اور آخر انہیں اپنا مرشد حقیقی بنا لیا -

جہاں آرا اپنے مرشد کے متعلق اپنی عقیدت کا اظہار کرتے ہوئے لکھتی ہیں : ''مجھے خیال آیا کہ میں تو سلسلۂ چشتیہ میں مرید ہوں اور اب مشربِ قادری میں شریک ہوئی ہوں ، مجھے کشائش ہوگی یا نہیں ؟ وہ فرماتی ہیں کہ اسی رات میں نے رسولِ خدا صلعم کی مجلس میں حضرتِ مرشد کو ان کے قدموں میں سر رکھے ہوئے دیکھا - آنحضرتؐ نے فرمایا : ''تو نے تیموری چراغ روشن کردیا -'' میرا دل باغ باغ ہوا - جب میں اپنی حالت پر آئی تو میری زبان پر یہ رباعی تھی :

شاہا توئی آنکہ می رساند ز صفا
فیض نظر تو طالبان را بخدا
ہر ھر کہ نظر کنی بمقصود رسد
نور نظر تو شد مگر نور خدا

وہ لکھتی ہیں کہ پیر دستگیر اور مرشد کامل کے فیض سے مجھے ایمان حقیقی حاصل ہوا - جس کسی کو ذاتِ مطلق سے عشق و محبت ہو وہ انسان کامل ہے ، اگرچہ وہ عورت ہو - شیخ عطار نے حضرتِ رابعہ کے حق میں لکھا تھا :

آن نہ یک زن بود بل صد مرد بود
پای تا سر جملہ غرق درد بود

جہاں آرا نے اپنے پیر و مرشد کے متعلق شوق و وجد کی حالت میں کسی فکر و تامل کے بغیر مندرجہ ذیل اشعار کہے تھے[1] :

شوق تو مرا در بر می گیرد و می مالد
ہر لحظہ و ہر لمحہ این ذوق تو می مالد

۱- صاحبیہ، مؤلفہ جہاں آرا (اُردو ترجمہ)، مطبوعہ مضامین ڈار، بمبئی، ص ۱۷ -

پیر من و خدای من ، دین من و پناہ من
نیست کسی بغیرِ تو شاہِ من و الٰہِ من
ای شاہ ز یک نظر بکردی کارم
شاباش بتو چہ خوش نمودی دارم
دریاب رہی کوچۂ آن "مُلا" شاہ
کو ہست خزینہ دارِ توحیدِ الٰہ

اورنگ زیب اور "مُلا" شاہ :

اورنگ زیب جب تخت نشیں ہوئے تو ان کو گمان گزرا ہوگا کہ "مُلا" شاہ ، دارا شکوہ اور جہاں آرا کے پیر تھے - ایسا نہ ہو کہ مرید اکٹھے ہو کر کوئی فتنہ کھڑا کریں ، اس لیے انھوں نے "مُلا" شاہ کو دربار میں حاضر ہونے کا حکم بھیجا - شیر خاں لکھتے ہیں کہ پہلے تو وہ کشمیر سے نہیں نکلنا چاہتے تھے لیکن وہاں کے صوبے دار نے ان کو زبردستی بھیجا - انھوں نے راستے میں ہی تاریخ جلوس پر رباعی کہہ کر دہلی میں بھجوائی :

صبحی دل من چون گل خورشید شگفت
حق ظاهر شد ، غبارِ باطل را رفت
تاریخِ جلوسِ شاہِ حق آگہ را
ظل الحق گفت این را حق گفت[1]

شیر خاں تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ سخنوری کے رمزشناسوں کے لیے "مُلا" شاہ کے فضل و بلاغت کی اس سے بڑھ کر دلیل نہیں ہو سکتی - اگر غور سے دیکھا جائے تو فی‌الحقیقت انھوں نے رباعی اپنی تعریف میں کہی ہے اور ضمناً بادشاہ کو بھی ممنون کر دیا ہے - جب اورنگ زیب نے رباعی پڑھی تو ان کی حاضری موقوف کر دی اور لاہور میں ٹھہرنے کا حکم دیا -[2]

شیر خاں جو معنی چاہیں پہنا لیں ، میں بھی کوئی حکم نہیں کہ ان کے اس فعل پر حکم لگاؤں ، لیکن اتنا ضرور ہے کہ انھوں نے بادشاہ کو "ظل الحق"

۱- مرآۃ الخیال ، ص ۱۷۵ - ۱۷۶ -
۲- مرآۃ الخیال ، ص ۱۷۶ -

کہہ کر شاعری اور فقیری کا حق تو ادا کر دیا ہے لیکن ایک مجاہد درویش کا حق ادا نہیں کیا ۔ اور اس شہزادے کے قتل پر ، جسے وہ کامیابا ، آفتابا ، جہانتابا ، حل مشکلا ، صاحبدلا ، عاقلا ، کاملا[1] کہا کرتے تھے ، اپنی خاموشی سے بادشاہ کے فعل پر صاد کر دیا ، اور یا خاموشی میں اپنی سلامتی سمجھی ۔ مکتوبات مولانا شاہ کے مجموعے میں ایک خط اورنگ زیب کے نام بھی ہے ۔ اس میں وہ شاہ اورنگ زیب کے لیے دست بدعا ہیں اور لکھتے ہیں :

''حق سبحانہ و تعالیٰ آن برگزیدۂ خالق و خلائق را کہ دستگیر ظاہر و باطن است ، بر طبق مراد الی یوم المیعاد داراد ۔''

اس کے بعد تخت نشینی پر مبارکباد پیش کرتے ہوئے دعا کی ہے کہ ظل آن ''ظل الحق ممدود الی الموعود ۔''[2] شاہ جہان اور جہاں آرا کو جب اپنے پیرِ طریقت کی اس رباعی اور اس خطِ مبارکباد کا علم ہوا ہوگا تو ان کے متعلق ان کے دل میں کس قسم کے تاثرات پیدا ہوئے ہوں گے ، ان کا ہمیں علم نہیں ۔

خافی خاں اس رباعی پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ اس کے الفاظ میں ''ابطال ارادت مرید کامل'' کا اشارہ ملتا ہے ، یعنی دارا شکوہ کی ارادت کو باطل قرار دیا گیا ہے ۔[3]

حضرت مُلّا شاہ لاہور میں وفات پا گئے اور اپنے مرشد کے قریب دفن ہوئے۔ عمل صالح ، ریاض الشعرا ، مرآۃ الخیال ، شاہجہاں نامہ مؤلفہ علاءالملک تونی اور تذکرۂ مُلّا قوشجی میں تاریخ وفات ۱۰۷۲ھ مندرج ہے ۔ خزینۃ الاصفیا[4] میں ۱۰۶۹ھ ہے جو صحیح نہیں ۔ تاریخ کشمیر اعظمی کے مصنّف لکھتے ہیں کہ مُلّا شاہ نے اپنی تاریخِ وفات خود اس مصرع سے نکالی تھی[5] : ع

داد در توحید مُلّا شاہ جان

۱۰۷۲ھ

۱۔ مکتوبات مُلّا شاہ ، مخطوطہ پنجاب یونیورسٹی لائبریری ، شمارہ ۳ Apc IV ۔

۲۔ ایضاً ، ص ۱۴ ۔

۳۔ منتخب اللباب ، خافی خاں ، کلکتہ ، ج ۲ ، ص ۷۸ - ۷۹ ۔

۴۔ خزینۃ الاصفیا ، غلام سرور ، ج ۱ ، ص ۱۷۴ ۔

۵۔ تاریخ کشمیر ، اعظمی ، لاہور ، ص ۱۶۲ ۔

توکل بیگ ، مُلاّ شاہ کے مریدِ خاص نے سال ۱۰۷۲ھ کے ساتھ ۱۵ صفر بھی لکھا ہے[1] :

مصنّف و عارف :

حضرت مُلاّ شاہ صوفی ، عارف اور پیر طریقت کے ساتھ ساتھ مصنّف اور شاعر بھی تھے - ان کے کلیات کا ایک مکمل نسخہ اورینٹل پبلک لائبریری بانکی پور میں موجود ہے - اس کی تفصیل یہ ہے[2] :

جلد اول : تفسیر سورۂ فاتحہ ، سورۂ بقرہ ، سورۂ آل عمران ، سورۂ یوسف -

جلد دوم : رسالۂ بسم اللہ ، رسالۂ حمد و نعت و منقبت ، یوسف و زلیخا ، رسالۂ دیوانہ ، رسالۂ مرشد ، رسالۂ ولولہ ، رسالۂ ہوش ، رسالۂ تعریفات خانہا و باغات و منازل کشمیر ، رسالۂ نسبت -

جلد سوم : رسالۂ شاہیہ ، دیوانِ اول ، دیوانِ دوم ، شرحِ رباعیات ، رقعات ، قصایدِ عربی -

صوفی عارف کی حیثیت سے انھوں نے اپنی تصانیف میں جابجا اپنے عقائد و خیالات بیان کیے ہیں - 'رسالۂ مرشد' اور رسالۂ 'شاہیہ' میں کچھ مربوط اور مسلسل طریق پر بھی خیالات کا اظہار کیا ہے - ہم نے ان رسائل کا خلاصہ پیش کرتے ہوئے ان خیالات کو واضح کیا ہے - انھی بیانات سے ان کی شخصیت ، سیرت اور مقامات معنوی پر بھی روشنی پڑتی ہے - دارا شکوہ نے سکینۃ الاولیا ، مجمع البحرین اور حسنات العارفین میں ان کی تعلیمات کو بیان کیا ہے - ان کے مماثل افکار و عقائد کو ہم نے ان کی مثنویات کے تعارف میں سمیٹ لیا ہے -

'سکینۃ الاولیا' میں دارا شکوہ نے اپنے مرشد کی تعلیم و ہدایت کے حوالے سے ایک سوال کا جواب دیا ہے - اس میں چند دقیق نکات کی وضاحت کی ہے - اس بیان سے مُلاّ شاہ کی عمیق اور دقیقہ رس نگاہ کا علم ہوتا ہے - اس کا

۱- احوال شاہی ، توکل بیگ ، بحوالہ مقالہ The life and teachings of Mulla Shah by M. Usman ، نسخۂ خطی پنجاب یونیورسٹی شعبہ تاریخ ، شمارہ T. H. 1963 -

۲- فہرستِ مخطوطات ، مرتّبہ عبدالمقتدر ، ج ۳ ، ص ۱۱۲ - ۱۱۶ -

خلاصہ یہ ہے ۔[۱]

دارا شکوہ لکھتے ہیں کہ مشائخِ سلف کا عقیدہ ہے کہ صوفی خواہ ہزار سال عمر کیوں نہ پائے ، وہ حالتِ ارتقا میں رہتا ہے ۔ وہ نبی کریمؐ کی حدیث نقل کرتے ہیں : ''من استوی یوما فھو مغبون ۔'' یعنی اگر سالک ایک روز ایک روش پر رہے تو وہ نقصان میں ہے ۔ جمہور کا بھی یہی نظریہ ہے ۔ لیکن اپنے مرشد غوث الآفاق ، استاد اہل اللہ ، عارف باللہ حضرت مولانا شاہ کی برکت سے مجھ پر یہ منکشف ہوا کہ صوفی کے مراتب کا کمال اور نہایت یہ ہے کہ وہ کمال پر پہنچ کر ترقی سے رک جاتا ہے ۔ بعض لوگ نبی اکرمؐ کا یہ قول نقل کرتے ہیں : ''لی مع اللہ وقت لایسعنی فیہ ملک مقرب ولا نبی مرسل'' اور یہ دلیل لاتے ہیں کہ اس میں تنزّلِ احوال کا ثبوت ملتا ہے ۔ پیغمبر کو ایک وقت میں ایک جیسی حالت اور ایک جیسی جمعیت حاصل نہیں رہتی ۔ دارا شکوہ فرماتے ہیں کہ اس حدیث میں کہیں یہ ظاہر نہیں کہ رسول خداؐ کو کبھی کبھی یہ حالت میسر آتی تھی ۔ ان کو تو کمال وحدت حاصل تھی اور تفرقہ نہیں ہوتا تھا ۔ 'نفحات الانس' میں مذکور ہے کہ بعض اولیاء اللہ بے نشان اور بے صفت ہوتے ہیں اور کمال حال یہی ہے : ع

آنرا کہ نشان نیست نشانش یابیم

اگر ذات خداوندی میں ترقی و تنزّل ، رنگ و بُو ، ظہور و بطون ، کمال و زوال میں ترقی نہیں ہے ، تو وہ صوفی موحّد جو مرتبۂ صرفیت و تجلّیت میں اس کا عین ہو چکا ہے ، اس میں تغیّر جائز نہیں ۔ جب موحّد حق سے مل کر حق ہوگیا تو پھر حق سے بڑھ کر اور کیا چیز ہوگی جس کی طرف وہ ترقی کرے ، یعنی سیاہی سے بڑھ کر اور کیا رنگ ہوگا ''الفقر اذا تمّ فھو اللہ'' ۔ جو شخص عین تجلی و متجلی نہیں ہوا وہ دوئی سے خلاص نہیں ہوا ، اس لیے کاملین کے نزدیک مشرک ہے ۔ دارا شکوہ نے 'حسنات العارفین' میں اپنے پیرِ طریقت کے فرمودات کو شطحیّات کہہ کر قلمبند کیا ہے ۔ ان میں سے بعض تو وہی ہیں جو ان کی تصانیف میں دوسرے

---

۱ ۔ سکینۃالاولیا ، اُردو ترجمہ ، لاہور ، ص ۱۴۱ ۔ فارسی متن کے لیے دیکھیے 'دبستان المذاہب' نولکشور ، ص ۳۸۶ ۔ ۳۸۹ ۔ یا اپانیشاد ، مترجمہ دارا شکوہ ، مرتّبہ تارا چند و جلالی ، تہران ، ۱۹۶۱ ۔

مقامات پر بھی مذکور ہیں - ہم ان میں سے مثال کے طور پر ایک یہاں نقل کرتے ہیں :

''ایمان عرفان است ، کافر کسی کہ بی ایمانست - مؤمن آنکافری کہ بحق رسیدہ و حق را دیدہ و شناختہ و کافر آن مؤمن کہ بحق نرسیدہ و نہ حق را دیدہ و نشناختہ - نزد خاصان حقیقت کفر و ایمان دیگر است ، مؤمن و کافر کسی دیگر بود -''[1]

مفسّر :

حضرت ''ملا'' شاہ نے بعض سورتوں کی تفسیر لکھی ہے ، اُس میں طریق تصوف کو پیش نظر رکھ کر معانی میں تاویل کی ہے - یقیناً یہ تعبیر نہ خدا کے پیش نظر تھی ، نہ رسول خداؐ نے بیان کی اور نہ کلام کے سیاق و سباق سے یہ معانی اخذ کیے جا سکتے ہیں - مگر جناب ''ملا'' شاہ کے ذہن دراک کی داد دینی چاہیے کہ انھوں نے عرفانی نقطۂ نظر سے ہر آیت کو تصوّف کے معنی پہنانے کی کوشش کی ہے - ہم صرف دو آیات کی تفسیر یہاں نقل کرتے ہیں :

ختم اللہ علی قلوبھم و علی سمعھم و علی ابصارھم غشاوۃ و لھم عذاب عظیم -

''ملا'' شاہ لکھتے ہیں :

''این آیۂ میباید در شان اولیاء اللہ باشد و معنیش چنان بود کہ ختم اللہ علی قلوبھم - مہر نہاد خدای تعالی بر دلہای اولیای خود تا ساحت آن فضای باصفا کہ بحکم قلب المؤمن عرش اللہ تعالی ہر یکی بارگاہ کبریاست از خس و خاشاک وساوس نفسانی و غبار کدورت ھواجس شیطانی پاک باشد و علی سمعھم و بر گوشہای آنہا کہ دریچہ ھای شھرستان قلوب اند تا از دخل کلمات لا طائل مسدود مانند و علی ابصارھم غشاوۃ و بر دید ھای ایشان پردہ ایست از سرادق عظمت و جلال و جلباب حسن لایزال کہ در تماشای آن بجمال ناسوت و ملکوت نظر نگمارند ولھم عذاب عظیم و مر ایشان راست شربتہای بزرگ در مزہ و حلاوت -''[1]

۱- تذکرۂ مرآۃ الخیال ، شیر خان لودھی ، بمبئی ۱۳۲۴ ، ص ۱۳۰ - ۱۳۱ -

دوسری آیت اور اس کی تفسیر یہ ہے :

''یا ایھا الذین امنوا لا تقربوا الصلٰوۃ و انتم سکاریٰ ۔ فرمود ای کسانیکہ ایمان حقیقی آوردہ اید ، نزدیک نماز نشوید وقتی کہ حالت سکر و مستی حق آید ۔ سکر حالتی است بلند تر از نماز گزاردن . . . اگر مستی مجازیست قرب نماز ممنوع است تا نماز ملون و ملوث نشود ۔ درین صورت عزت نماز است و اگر سکر حقیقی است باز ہم قرب نماز ممنوع است درین صورت عزت سکر از حق بگزرد ۔۱''

شاعر :

ملا'' شاہ صوفی پہلے تھے ، شاعر بعد میں ۔ چونکہ افکار و احساسات کی فراوانی تھی اس لیے شدتِ جذبات کی وجہ سے ان کی طبیعت موزوں ہوگئی تھی ۔ انھوں نے اساتذۂ متقدمین کا کلام پیش نظر نہیں رکھا اور نہ اُن کو نمونہ قرار دے کر طبع آزمائی کی ، جس سے شعری ریاضت کے بعد ان کے کلام میں پختگی آ جاتی ۔ ان کے کلام میں اکثر اوزان و قوافی کے سقم پائے جاتے ہیں اور تعقیدات لفظی کی مثالیں بھی ملتی ہیں ۔ اس خامی کا انھیں خود بھی احساس تھا ۔ چنانچہ وہ خود لکھتے ہیں :

اصلاح کن از فضیلت وافیہ — گر رفتہ ز دست وزن با قافیہ

لیکن اس کے باوجود انھیں اپنے کلام پر ناز ہے ۔ وہ کہتے ہیں کہ شعر میرے دل کی آواز ہیں اور بے اختیار میری زبان پر آ جاتے ہیں :

شعر من شعر اختیاری نیست
اختیاریست ناز کاری نیست
شعر من آن تبسّم شیرین
زخم دندان عقدۂ پروین
شعر من آورد چہ مضمون را
دل بدست است طبع موزون را

اپنے کلام کی خصوصیت بیان کرتے ہوئے وہ لکھتے ہیں کہ میرے کلام میں معانی

۱۔ حسنات العارفین ، مخطوطہ پنجاب یونیورسٹی لائبریری لاہور ، مجموعۂ شیرانی ، شمارہ ۱۹۷۴ ، ص ۳۱ - ۳۳ ۔

کو تلاش کیجیے - میں الفاظ کی دنیا سے نا آشنا ہوں - الفاظ میرے معانی کا ساتھ نہیں دیتے :[۱]

میزنم از رہ معانی دم
کہ بالفاظ نیستم محرم
مست مستور معنی سخنم
لفظ نامحرم است من چکنم
معنی ما بلفظ در ناید
در خور فیل خانہ میباید

اگرچہ ان کے کلیات میں مثنویات کا حصہ زیادہ ہے اور عرفانی و توصیفی اشعار لکھنے میں انھیں کافی مشق ہو جانی چاہیے تھی لیکن کلام میں زیادہ پختگی نہیں آئی ، اس لیے مثنوی مولانا روم یا 'حدیقۃ الحقیقت' سنائی یا 'گلشن راز' کے مقابلے میں ان کا کوئی مقام متعیّن نہیں کیا جا سکتا - رموز و حقائقِ تصوف کو نظم ضرور کیا ہے - علمی نقطۂ نظر سے ان کی اہمیت بھی ہے لیکن شعری اعتبار سے ان کا مرتبہ بلند نہیں - رباعیات کا بھی یہی حال ہے - ہم نے مثنویات اور رباعیات پر تبصرہ و تنقید پیش کرتے ہوئے ان کے اسلوب اور محاسن و معایبِ شعری کے متعلق بھی مختصر اشارات کیے ہیں -

اب ہم ان کی تصانیف کے متعلق الگ الگ تعارف پیش کرتے ہیں -

تصنیفات

رسالۂ مرشد :

یہ ایک مختصر سا رسالہ ہے - اس کا زیادہ حصہ نظم میں ہے - درمیان میں نثر بھی ہے ، پھر انھی نظریات کو نظم کیا ہے - ضمناً رباعیات بھی شامل کی ہیں - حمد و نعت کے بعد تصوف و سلوک کے متعلق بنیادی نظریات بیان کیے ہیں -

ذاتِ مطلق اپنی صفات کے ساتھ جمادات ، نباتات ، حیوانات اور انسان میں ظہور پذیر ہوتی ہے - انسان خاص طور پر تمام صفاتِ خداوندی کا حامل ہو سکتا ہے - اشیا کی صفات عارضی ہیں اور صفاتِ خداوندی دائم و قائم ہیں -

---

۱- رسالۂ نسبت ، مثنویات 'ملا' شاہ ، خطی ، شمارہ ۱۵۸ ,Pi VI ، ص ۲۹۰-۲۹۱ -

مصنّف نے نظریۂ افلاطون کی مخالفت کی ہے اور کہا ہے کہ یہ دنیا محض وہم نہیں ہے - جو لوگ عالم کو تعیّنِ محض یعنی وہم جانتے ہیں ، وہ حقیقت سے بے خبر ہیں -

مصنّف وحدتِ وجود کے قائل ہیں - مثال کے طور پر وہ کہتے ہیں کہ ہر ذرے میں خورشید ہے اور ہر قطرے میں دریا پوشیدہ ہے - قطرے کا دریا میں اور ذرے کا خورشید کے ساتھ ملنا ہی سب سے بڑی سعادت ہے ، یعنی فنا میں بقا ہے - انسان بھی تقیّدات اور تعیّنات سے بری ہو کر ذاتِ خداوندی سے متّصل ہو جاتا ہے اور رسول خداؐ کی طرح "لی مع اللہ وقت" سے سرفراز ہوتا ہے - ایک مقام پر یہ نکتہ بیان کیا ہے کہ عاشق معشوق سے نزدیک ہو کر جب دور ہوتا ہے تو بعد میں اس دوری میں بہت لذت ہوتی ہے -

حضرت مُلاّ شاہ اُن صوفیہ میں سے ہیں جو شرعِ ظاہری و باطنی کے قائل ہیں - اہلِ ظاہر کے لیے تو ظاہر کی پاکیزگی کافی ہے لیکن اہلِ باطن کے لیے دل کی پاکیزگی بھی ضروری ہے کیوں کہ کامل بننے کے لیے ظاہر و باطن دونوں کی پاکیزگی لازم ہے -

وہ معتقد ہیں کہ 'اناالحق' ، 'انت الحق' اور 'ھوالحق' کہنا درست ہے - صوفی علم مفرد و بسیط حاصل کر کے فانی فی اللہ اور باقی باللہ ہو جاتا ہے اور سیر فی ذات اللہ کر کے درجۂ کامل حاصل کرتا ہے - انھوں نے علم کی چار قسمیں بتائی ہیں ؛ علمِ مفرد ، علمِ مرکب ، جہلِ مفرد ، جہلِ مرکب - علمِ مرکب کے متعلق توضیح کی ہے کہ :

"خوانی و دانی و باید کہ بر سرِ او مانی و بدلِ خود نشانی" -

رسالے کے آخر میں "در مذمّت عزیزانِ ناکس و شیخانِ نارس" کے عنوان سے مریدانِ مخلص کو باخبر کیا ہے کہ نا اہل مرید ریا سے کام لے کر صرف مال خوری کرتے ہیں اور نالائق پیر غولِ بیابانی بن کر لوگوں کو گمراہ کرتے ہیں - ان سے بچنا چاہیے -

رسالے کی وجہِ تسمیہ بھی یہی معلوم ہوتی ہے کہ اس میں تصوف کی اساسی باتیں بیان کر کے صحیح پیر و مرشد کی ہدایت پر عمل کرنے کی تلقین کی گئی ہے -

رسالۂ شاہیہ :

اس رسالے کا نام یا تو اپنے نام کی مناسبت سے 'شاہیہ' رکھ لیا ہے یا پھر اپنے مریدان خاص شاہجہان ، دارا شکوہ اور جہاں آرا ، کی نسبت سے شاہیہ رکھا ہے کیوں کہ اس مثنوی کی تمہید میں جو حمدیہ اشعار لکھے ہیں ، ان میں ان تینوں کے نام لفظی رعایتوں کی مناسبت سے استعمال کیے ہیں ۔ ان اشعار سے 'ملا' شاہ کی اپنی بھی عقیدت ظاہر ہوتی ہے ۔ وہ اشعار یہ ہیں :[۱]

ای 'تو شاہ جہان و 'تو دارا   ای 'تو دارا و 'تو جہان آرا
بتو شاہِ جہانیِ قائم   بتو دارائیِ جہان دائم
ہمہ شاہ جہانیت دارا   تو و دارای ہر جہان آرا

اس مثنوی کا موضوع بھی تصوّف ہے ۔ اس میں بھی عارف اور اس کے مقامات کا ذکر ہے لیکن دوسرے رسائل کے مقابلے میں اس کے مطالب میں زیادہ تسلسل اور ربط ہے ۔ شروع میں توحید ، کثرت و وحدت ، تنزیہ و تشبیہ ، جلال و جمال وغیرہ خدا کی صفات بیان کی ہیں ۔ پھر حسن و عشق کا تقابلی مطالعہ پیش کیا ہے ۔ اس کے بعد وسائلِ معرفتِ خداوندی پر روشنی ڈالی ہے ۔ ان کے نقطۂ نظر سے علم کے بغیر نہ حقیقتِ خداوندی سمجھی جا سکتی ہے اور نہ کمالِ عشق نصیب ہو سکتا ہے :[۲]

علم اگر نیست حق ہویدا نیست   علم اگر نیست عین بینا نیست

علم کے وہی تین معروف درجے بتائے ہیں ؛ یعنی علم الیقین ، عین الیقین اور حق الیقین ۔ علم کے وسائل میں سے قدرت ، ارادت ، بصر ، سمع اور کلام کا ذکر کیا ہے ۔ آخر میں عارف کے قلب و ذہن کے تجلیہ و تزکیہ کے لیے ضروری عناصر کا ذکر کیا ہے ؛ یعنی ایمان ، اسلام ، تقویٰ ، ورع ، اخلاص ، طلب ، مجاہدہ و مشاہدہ ۔ اس کے بعد صوفی عارف کے مقامات بیان کیے ہیں ؛ محویت ، عینیت ، فنا ، بقا ، فنا بعد از بقا اور بقا بعد از فنا ۔ رسالے کو توحید سے شروع کیا گیا ہے اور

۱۔ کلیات 'ملا' شاہ ، مخطوطہ شمارہ ۸۷ ,SPi VI ، ص ۱۵۸ ۔
۲۔ ایضاً ، ص ۱۸۸ ب ۔

توحید پر ہی ختم کیا ہے - اور لفظ 'ختمیہ' سے تاریخِ تالیف نکلتی ہے ، یعنی ۱۰۵۵ھ -

پاکیزگیٔ قلب و نظر کے بغیر تو سالک ایک قدم آگے نہیں بڑھ سکتا لیکن مُلّا شاہ نے علم کی یزداں فہمی اور یزداں گیری کو نہایت اہم قرار دیا ہے - یہی ضروری نہیں کہ سالک درویش بنے ، خرقہ پہنے ، ریاضت و مجاہدہ کرے بلکہ وہ فہم و ادراک کے ساتھ حقیقی علم سے بھی بہرہ ور ہو - انھوں نے علم کے فضائل یوں بیان کیے ہیں[۱] :

علم راہِ وصال را بنمود
علم بنمود سرِّ غیب و شہود
علم از مرشدت وصال نماست
بخدا دیدۂ علم مرشد ماست
علم یعنی کہ آفتاب جہاں
سینہ را آفتاب ها ز خیال
علم یعنی خیال های بلند
کہ گرفت آفتاب ها بکمند
علم یعنی کہ عرش را پایہ
کہ بکرسیش گشتہ ہمسایہ

علم کی حیثیت بیان کرتے ہوئے مصنّف نے تکوینِ کائنات اور تخلیق و ارتقاے آدم کا بھی ذکر کیا ہے - مولانا روم نے اپنی مثنوی میں تکمیلِ آدم کے چار مراحل کا ذکر کیا تھا ؛ یعنی جماد و نبات و حیوان و انسان - مُلّا شاہ نے نبات و جماد کے درمیان ایک اور کڑی کا ذکر کیا ہے ؛ یعنی مرجان جو ان دونوں کے بین بین ہے - اسی طرح حیوان و انسان کے درمیان فیل و میمون کی برزخی حالت کا ذکر کیا ہے - ان کا یہ بیان چونکا دینے والا ہے - اس سے ظاہر ہے کہ ہمارے سائنسی دور میں صرف ڈارون کو ہی انسان کی پہلی ارتقائی صورت یعنی میمون کا خیال نہیں آیا -

یہ مثنوی بھی شعری محسنات کی حامل نہیں ہے - صرف افکار و خیالات کو نظم کردیا ہے - قوافی کی لغزشوں کے علاوہ تعقیداتِ لفظی کی مثالیں بھی نظر آتی ہیں -

---

۱- کلیات مُلّا شاہ ، مخطوطہ شمارہ ، 87 ، SPi VI ، ص ۱۵۸ ب -

مصنّف کو خود بھی ان کا احساس ہے - چنانچہ خاتمے پر لکھا ہے :

اصلاح کن از فضیلت وافیہ
گر رفتہ ز دست وزن با قافیہ

لیکن اس لفظی سقم کے باوجود انھیں اپنے حسنِ فکر پر ناز ہے - چنانچہ لکھتے ہیں[1] :

لفظ و معنی این کلام من
ہمہ حسن است جان من با تن
جان من بنگر این خیال مرا
من و جان بخش قیل و قال مرا
علم شامل بود کلامم را
خواجہ ہمراہ دان غلامم را

رسالۂ ولولہ :

اس مثنوی کا کوئی مستقل موضوع نہیں ہے - اس کا نام 'ولولہ' شاید یادداشت کے لیے رکھ لیا گیا ہے کیونکہ مثنوی کے پہلے شعر میں لفظ 'ولولہ' آتا ہے[2] :

از ولولہ وصال یارم　　بنگر دل آفتاب زارم

مثنوی کے اندر جابجا جو عنوانات دیے گئے ہیں ، وہ یہ ہیں :

''در تعریفِ آتش ، در تعریف حُقّہ ، در تعریفِ گوہر ، امانت ، جواب دادن فرزند آدم آسمان و زمین و کوہسار را ، در تعریفِ عشق ، در تعریفِ دل ، در تعریفِ نوروز ، نسبت بشب ، در تعریفِ بہار ، در تعریفِ کمان ، در تعریفِ پند ، در تعریفِ مرشدِ خود ، در تعریفِ دزد - در تعریفِ بخت ، در تعریفِ درد ، در تعریفِ ازل و ابد ، در تعریفِ نمک ، در تعریفِ عشق ، در تعریفِ نقطہ ، در تعریفِ آتش ، در تعریفِ صبر ، در تعریفِ قرار -

عشق اور آتش پر دو مرتبہ لکھا ہے ، حضرت مُلاّ شاہ کا اصل محیط فکر تو

۱- کلیات مُلاّ شاہ مذکور ، ص ۱۹۹ -

۲- مثنویات مُلاّ شاہ ، نسخۂ خطی ، شمارہ ۱۵۸ ,Pi VI ، ص ۱ -

تصوف و عرفان ہی ہے ، اس کے ساتھ ساتھ کائنات اور الٰہیات پر بھی باتیں آ جاتی ہیں ۔ عشق ، صبر ، قرار ، دل ، درد ، بخت ، ازل ، ابد ، نقطہ اور مرشد کی قسم کے عنوانات براہ راست عرفا و صوفیہ کے موضوعاتِ سخن ہیں ۔ البتہ نمک ، کان ، دزد ، نوروز وغیرہ موضاعات کچھ اجنبی معلوم ہوتے ہیں ۔ مگر ان سے یہ نہیں سمجھنا چاہیے کہ ان موضوعات کے متعلق کچھ وصفی یا توضیحی باتیں کہی ہوں گی ۔ اصل تان وہیں آ کر ٹوٹتی ہے کہ ایک صوفی کسی عنوان پر بات کیوں نہ کرے ، وہ اپنے دل و دماغ کی کیفیات و احساسات کو ضرور درمیان میں لے آتا ہے ، مثلاً دیکھیے ، عنوان ہے ''در تعریفِ نمک'' اور نمک کے متعلق خیالات کا بہاؤ کس طرف ہے[1] :

با بی نمکی چو زندگانیست
تلخت همه پیری و جوانیست
این نیست که در جهان نمک نیست
افتاده جهان جهان نمک نیست

از بی نمکی همه بجوشی
با کانِ نمک چرا نجوشی
باشی نمکین همه برفتار
از جلوه کنی جهان نمک سار

'در تعریفِ دزد' کے بھی چند شعر سن لیجیے :

یا ما دزدیم ازوست کالا
یا او دزدست و دست بالا
او برد متاعِ خانۂ ما
خالی کرد او خزانۂ ما
ای کاش که مالِ ما ببردی
لیکن ما را بما سپردی
ما را از ما ربود آن دزد
چیزی از ما نماند جان دزد

۱۔ مثنویات ملا شاہ ، خطی ، شمارہ ۱۵۸ ,Pi VI ، برگ ۳۹ ۔
۲۔ ایضاً ، برگ ۳۱ ۔

حضرت "ملا" شاہ کے عقاید و نظریات کا اظہار تو گویا ہر شعر میں ہے - جو شخص افکارِ تصوف کی دنیا سے آشنا ہے وہ ان کے مطالب کو سمجھتا ہے - افکارِ تصوف پختہ ہو کر اب اس مرحلے پر پہنچ چکے تھے کہ شاید ان میں نئے نظریات کی گنجائش نہیں تھی ، اس لیے صوفیِ عارف کے لیے کہنے اور سمجھانے کا اندازِ نیا ہو جاتا ہے اور اس کے ساتھ ساتھ عمقِ فکر اور شدتِ احساس اپنے اپنے ظرفِ کمال کے مطابق ظاہر ہوتے رہتے ہیں - جناب "ملا" شاہ کو اپنے عقاید کی حقانیت پر پختہ یقین ہے - مثلاً اپنے اشعار کے متعلق وہ لکھتے ہیں :

روی حق بین درین ورقہا　　حقّا حقّا و ثم حقّا　(ص ۵۲)

اکثر موقعوں پر ان کے روحانی مقامات و مدارج پر روشنی پڑتی ہے - مثلاً یہ اشعار ملاحظہ کیجیے :

شہ تا بقرار آشنا شد
از ہر طرفی خدا خدا شد　(ص ۵۲)
جمعیت خاطری کہ در ماست
برہم زنِ عقدۂ ثریّا ست　(ص ۳۴)

وہ اکثر اپنے بیانات کے ضمن میں مخاطب کو بھی اپنے خیالات میں شریک کرتے ہیں اور اسے بھی راہِ طریقت کی تلقین کرتے ہیں - مثلاً :

از ہستی وہم خویش بگذر
بگذر از خویش شو قلندر　(ص ۹ ا)
محروم ز تابِ آفتابی
باشد دل کافر کتابی　(ص ۴۴)

جناب "ملا" شاہ صوفی پہلے ہیں اور شاعر بعد میں - بعض مقامات پر تو اشعار رواں ، پختہ اور سہلِ ممتنع تک پہنچے ہوئے ہیں لیکن بعض موقعوں پر الفاظ نے خیال کا ساتھ نہیں دیا اور کلام میں ابہام اور تعقیدِ معنوی کی صورتیں پیدا ہوگئی ہیں - مثلاً :

ظالم با نفسِ خویش بودی
زین ظلم او را گرہ کشودی　(ص ۱۵ ا)
با شیرینی اگر زند کوس
سر خم کن و پای بیخ را بوس　(ص ۲۴ ا)

زن بر سرِ آسمان زمین را
بربا ز میان مہ یقین را (ص ۳۴)

رسالۂ ہوش :

عنوان کی کوئی موضوعی وضاحت نہیں کی جا سکتی ، کیوں کہ ساری مثنوی 'ہوش' کے موضوع پر مشتمل نہیں ، البتہ یوں معنی پہنائے جا سکتے ہیں کہ مثنوی کے تمام اشعار کی تاثیر ہوش کے قیام اور پرورش و تربیت میں معاون ہو سکتی ہے - آغازِ مثنوی کے دوسرے شعر میں یہ لفظ استعمال ہوا ہے اس لیے اس مثنوی کی شناخت میں اس سے مدد لی جا سکتی ہے - مثنوی کے پہلے دو شعر یوں ہیں :[1]

طرز خاموشی و طرح گفتن
ہمہ کس میداند غیر از من

منکہ از ہوش جدا می افتم
نیم خیزی نہ چہا می افتم

حضرت 'ملا' شاہ نے اس مثنوی میں ایسے موضوعات پر اظہارِ خیال فرمایا ہے کہ جن سے روحانی تربیت میں مدد ملتی ہے - بعض عنوان یہ ہیں :

در تعریفِ گوشِ شنوا ، در تعریفِ چشمِ بینا ، در تعریفِ زبان ، تعریفِ سخن و برکتِ علم ، در تعریفِ محقق ، در بیانِ گرسنگی و سیری -

یہ عنوانات ایسے ہیں جن سے براہ راست معلوم ہو سکتا ہے کہ ایک صوفیِ پاک باز اور مرشدِ طریقت اپنے مریدانِ باصفا کے لیے کیسے کیسے لطیف نکات بیان کرتا ہوگا - 'رسالۂ ولولہ' کی طرح اس میں بھی بعض اجنبی عنوان موجود ہیں - مثلاً دف ، نی ، پنج ستارہ ، دوازدہ برج - مثنوی کے آخر میں دلبر ، محبوب ، لباس ، اسب ، باز ، چوگان بازی اور شاطر محبوب کے متعلق بھی تعریفی و توصیفی اشعار لکھے گئے ہیں -

نَے کا نالۂ فراق مشہور ہے - مصنّف نے نَے کی مختلف صورتوں یعنی نَۓ قلم ، نَۓ تیر ، نَۓ بوریا ، نَۓ شکر ، نَۓ نیچہ تماکو کشاں وغیرہ پر بھی

۱- مثنویات 'ملا' شاہ ، خطی ، شمارہ ۱۵۸ ,Pi VI ، ص ۵۵ ب -

لکھا ہے ۔ مثلاً نای کے متعلق کہتے ہیں[1] :

از لب نای رسیدی سخنم
سینہ سوراخم و آتش بتنم

دھن تنگ چہ مشکل گوید
ہر چہ گوید ہمہ از دل گوید

جناب 'ملا' شاہ نے ایک موقع پر اپنے ایک بنیادی عقیدے کی توضیح نثر میں فرما دی ہے تاکہ ان کے افکار سمجھنے میں سہولت ہو ۔ وہ یوں رقم طراز ہیں :

"سخن در بزرگی انسان کہ آنچہ می بیند در خواب یا در مرگ از انسان و حیوان و زمین و آسمان و ستارھا و ماہ و آفتاب وغیر اینہا از ہر باب چہ بہشت و دوزخ ہمہ را در خود می بیند ۔ بیرون ازو چیزی نیست بلکہ خود ہمہ اینہمہ است و خود غافل از خود است و از وسعت باطن خود "و لقد کرمنا بنی آدم و لقد خلقنا الانسان فی احسن تقویم" ۔ یقین کہ حق تعالیٰ مظہر کل است و انسان تخم آن مظہر و آنچہ در تخم است بعد از تربیت اصل خود را کہ مندرج است دران تخم بظہور خواہد آورد ۔ اگر تخم ضایع شود ، ظہور کل را کہ مندرجات باشند ، ضایع کردہ باشد ۔ الانسان بنیان الرب ، من ھدمہا فقد ھدم الکعبۃ ۔"[2]

مثنوی کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ 'ملا' شاہ صرف نظری طور پر ان عقاید کی تلقین نہیں کرتے بلکہ انھوں نے اپنے دل کی تربیت کرکے واقعی اس کو کعبۂ خداوندی بنایا ہے ، اس لیے وہ دوسروں کو عرفان و آگہی دل کی طرف دعوت دیتے ہیں ۔ مثلاً[3] :

از تو ای خواجہ ہمیں خواہم
شوی آگہ ز دل آگاہم
ای کہ داری ز برونم خبری
ای برونی بدرونم نظری

۱۔ مثنویات 'ملا' شاہ ، مذکور ، ص ۶۰ ۔

۲۔ ایضاً ، ص ۱۱۰ - ۱۱۱ ۔

۳۔ ایضاً ، مذکور ، ص ۵۸ ب ، ۵۹ ب ۔

دل کہ ہر گاہ بقا باللہ شد
داند آنکس کہ ز دل آگاہ شد (ص ۸۲ ا)

اُنھوں نے خود اپنے دل کا حال بیان کیا ہے اور یہ بھی بتایا ہے کہ میرے دل کا حال کیسے معلوم ہو سکتا ہے :[۱]

دلِ من چیست یکی سیل تمام
سوختم در آتش میل کدام
شرح این میل کرا بر خوانم
کش در آتش نفسی بنشانم
او در آتش نفسی بنشیند
حال دایمی مرا بیند
ما و آتش چو بہم آغوشیم
چیست آغوش بہم در جوشیم
لکنی ذر آتش گر مسکن
سخنِ عشق نگردد روشن

اس قسم کے دلِ آگاہ اور دلِ تاباں سے جو باتیں نکلتی ہیں وہ اثر رکھتی ہیں ۔ چنانچہ وہ خود لکھتے ہیں :

ہر کہ از حرف شہ آگہ شد
بادشہ بود گدای شہ شد
شہ کہ از حرف کشاید لب خویش
روز ها خلق کند از شب خویش
چونکہ با پادشہان راہ نماست
شاہ گویش چہ شد ار شاہ گداست (ص ۵۸)

ان اشعار میں شاہ جہاں ، دارا شکوہ اور جہاں آرا کی عقیدت و ارادت کی طرف اشارہ ملتا ہے کہ وہ ان کے مریدِ صفاکیش تھے ۔

شاہ صاحب نے مندرجہ ذیل شعر میں اس بات کی طرف اشارہ کیا ہے کہ جو

۱۔ مثنویاتِ مُلاؔ شاہ مذکور ، ص ۳ ے ب ۔

عشقِ خداوندی میں کامیاب ہوا ، افلاک بھی اس کے آگے سر نگوں ہیں :

شاہ را هست چو مهر آن ماه
پای بر فرق فلک دارد شاه (صفحہ ۸۲ ا)

رسالۂ نسبت :

حضرت "ملا" شاہ کی یہ طویل ترین مثنوی ہے ۔ مثنوی کے نام کے متعلق پہلے مصرع میں اشارہ موجود ہے :

حمد را نسبتی است با تو درست

اس مثنوی کا کافی حصہ بے عنوان ہے ۔ پنجاب یونیورسٹی لائبریری کے مخطوطے میں یہ مثنوی ۱۴۳ سے ۳۴۵ صفحات تک درج ہے ۔ اس میں صفحہ ۱۷۸ پر حکایت چہار عنصر کا عنوان درج ہے ۔ اس کے بعد دعویٰ حشر اور جواب وجود مطلق ہے ۔ پھر عوام کے بارے میں گفتگو شروع ہو جاتی ہے اور صرف ، نحو ، منطق ، حکمت ، ہیئت ، کلام ، معرفتِ عالم ، حقائقِ اشیا ، معانی ، بیان ، بدیع ، طب ، فقہ اور حدیث کا ذکر ۱۹۸ صفحے تک جاری رہتا ہے ۔ ۱۹۹ سے ۲۲۰ تک بہاریات کا عنوان زیرِ بحث ہے ۔ اس میں معروف رنگا رنگ پھولوں کے علاوہ گلِ شفتالو ، گلِ سیب ، گلِ خریفی ، گلِ تاج خروس ، گلِ مخملی ، گلِ آفتاب پرست ، گلِ مجازی و گلِ حقیقی کا ذکر ہے ۔ صفحہ ۲۲۰ سے ۲۳۸ تک ساقی ، میخانہ ، شراب ، شیشہ ، خم و سبو وغیرہ کا بیان ہے ۔ صفحہ ۲۳۹ سے ۲۸۴ تک مصنّف نے اپنے حالاتِ زندگی کی تفصیلات فراہم کی ہیں ۔ ماں باپ کا نام ، تاریخِ پیدائش ، تعلیم و تربیت ، قرآن خوانی ، فاتحہ ، اخلاص ، معوّذتین اور دوسری سورتوں کی خصوصیات بیان کی ہیں ۔ اس کے بعد نماز ، روزہ ، حج ، زکٰوة اور کلمے کا بیان ہے ۔ صفحہ ۲۸۴ سے ۳۲۷ تک لیلیٰ و مجنوں کی داستانِ عشق بیان کی ہے ۔ ضمناً دل و دماغ اور شعر کا ذکر بھی ہے ۔ ۳۲۸ سے آخر تک دوبارہ سوانحی تفصیلات لکھی ہیں اور دوبارہ اُنھی متداولہ علوم کا ذکر کیا ہے جن سے اُنھوں نے استفادہ کیا ہے ۔

مندرجہ بالا مندرجات سے واضح ہے کہ مثنوی کا کوئی ایک مسلسل موضوع نہیں ۔ البتہ تین چار موضوع الگ اور واضح ہیں ۔ دل ، عشق ، نفس ، یقین ، صوفی و عارف کے متعلق جاں بخش اور عرفان انگیز اشعار موجود ہیں ۔ سوانحی تفاصیل

کی وجہ سے یہ مثنوی زیادہ اہم ہے -

حضرت "ملا" شاہ نے مثنوی میں مسلسل موضوع نہ ہونے کے متعلق خود بھی ذکر کیا ہے :

فصل و بابی نہ در کتاب من
عددی ہم نہ در حسابی من

باب در توبہ و توکّل نیست
فصل در صبر و در تحمّل نیست

(ص ۱٦۷)

اُنھوں نے خود ہی اس اعتراض کا جواب بھی دیا ہے کہ ان کے کلام میں تعقیدات لفظی و معنوی موجود ہیں - معانی کے لحاظ سے ان کا کلام بلند پایہ ہے لیکن لفظی کوتاہیاں بھی ہیں :

میزنم از رہ معانی دم
کہ بالفاظ نیستم محرم

مست مستور معنی سخنم
لفظ نامحرمست من چکنم

لفظ را جامۂ کتانی بود
پیش مہتاب معنیم فرسود

معنیٔ ما بلفظ در ناید
درخور فیل خانہ می باید

(ص ۱۹۰-۱۹۱)

"ملا" شاہ کو اس بات پر ناز ہے کہ ان کے اشعار ان کے دل کی آواز ہیں اور طبع موزوں کے سبب سے بے اختیار زبان پر آ جاتے ہیں :

شعر من شعر اختیاری نیست
اختیاریست ناز کاری نیست

شعر من آن تبسّم شیرین
زخم دندان عقدۂ پروین

شعر من آورد چو مضمون را
دل بدست است طبع موزون را

شعر من هست دلبر موزون
دلم آورد همرہِ مضمون
شعر من شعر نیست یک راز است
همہ مضمونش از دل ناز است
من باین شعر خود اگر نازم
جای دارد بلند پروازم
(ص ۲۹۰ ا)

ایک اور مقام پر فرماتے ہیں کہ یہ مضامین کسی دوسرے سے اخذ نہیں کیے گئے بلکہ :

هرچہ گفتم همہ ز خود گفتم
با تتبع نشد گہی جفتم (ص ۳۴۳)

اس مثنوی میں جابجا حضرت مُلاؔ شاہ کے کمالاتِ معنوی کا ذکر موجود ہے ، خصوصاً ان کے مقامِ فنا فی اللّٰہی اور دل کی عالی پایگی کا ذکر شنیدنی ہے :

دلِ من چیست من نمی‌گویم
او همہ من کہ من همہ اویم
ای پسر هرکہ پُرسد از دلِ شاہ
راست گو لا الٰہ الا اللہ (ص ۲۸۲ ا)

مست مدهوش لی مع اللّٰهی است
لی مع اللّٰهی مست اللّٰهی است
این شراب خودی کہ من گفتم
لی مع‌اللہ مانند من رفتم (ص ۲۲۳)

حضرت مُلاؔ شاہ کو آتش کی تشبیہ یا مثال بہت مرغوب ہے ۔ جذبات میں حدّت و شدّت اور دل کے درد و کرب اور سوز و گداز کو وہ آگ کی بھٹی میں جلنے کے مترادف سمجھتے ہیں ۔ 'رسالۂ ولولہ' میں بھی انھوں نے آگ کی تمثیل پیش کی ہے اور اپنے دل کو ایسے آہن سے مشابہ کہا ہے جو آگ میں جل جل کر آگ کی طرح روشن ہو کر مثیلِ آتش بن گیا ہو ۔ جو شخص عشق کا دم بھرتا ہے اس کو بھی وہ اِسی آگ میں جلنے کا مشورہ دیتے ہیں ۔ یہ باتیں انھی

کی زبانی سنیے :

من کہ در آتشی وطن دارم
چہ بگویم دلی کہ من دارم (ص ۱۷۱)

ہیچگہ فارغ از کشاکش نیست
ہر کہ او روبروی آتش نیست

چشم با آتشی نمی دوزی
ہمہ جا آتش و نمی سوزی

می گذارم من آتشی پیشت
بیش سازی تو آتش خویشت

آتش گل اگر نیفروزی
تا قیامت در آتشت سوزی (ص ۲۰۷)

بہاریات میں جناب "ملا" شاہ نے انواع و اقسام کے پھولوں پر جن تاثرات کا اظہار کیا ہے ، وہ قابلِ ملاحظہ ہیں - تاریخِ سخنوری میں اس زمانے تک شاید ہی کسی نے پھولوں کو موضوعِ سخن بنایا ہو اور پھر شعری روایت کے مطابق ان پھولوں کی خصوصیات بیان کر کے اپنے دل و دماغ کی کیفیات کو ان سے متاثر کیا ہو - گلِ لالہ اکثر شعرا کے نزدیک اپنی آزادی ، سرخی ، آتش ، داغ اور دوسری خصوصیات کے لیے علامت کے طور پر استعمال ہوتا رہا ہے - "ملا" شاہ اس کو دوسرے پھولوں پر فضیلت دیتے ہیں اور اس سے مختلف قسم کے تاثرات حاصل کرتے ہیں - ان اشعار کو دیکھ کر شاعر کی دقّتِ نظر اور عمقِ احساس کا اندازہ ہوتا ہے - مثال کے لیے ہم ان کے چند اشعار یہاں نقل کرتے ہیں :

شد شفق درمیانہ دلّالہ
او مرا ساخت محرمِ لالہ

نسترن داغ شو کہ عالم سوخت
آتشین روی لالہ زار افروخت

نسترن آن عامہ ات وا ساز
لالہ آمد بساز پا انداز

لالہ اوراق آتشین افروخت
در دہان دہ زبان سوسن سوخت

همہ گلہا و آتشی بجگر
آتشی از زمین کشیدہ سر
دوستان خو بآتشی سازید
خوش دلی را در آتش اندازید
ما کہ از حرف لالہ می‌سوزیم
همہ در آتشی شب و روزیم
دل کہ او داغ لالہ ای دارد
در کفِ خود پیالہ ای دارد
بمی سرخ دوخت چشم سیاہ
خون ما ریخت بغیر گناہ
بر سر داغ داغ بگذاریم
چونکہ از لالہ چشمہا داریم
لالہ را ضم کنم بنافرمان
بتماشائیان ببخشم جان
ہر دو بخشند جلوہ را نمکی
ہر دو اندر شگوفہ اند یکی
لالہ ہرچند یک رخ گل داشت
داشت پوشیدہ داغ بلبل داشت
لالہ افروخت روی باغ از گل
داغ از بلبل است و داغ از گل

(ص ۲۱۱ ب-۲۱۲)

رسالۂ حمد و نعت:

یہ مثنوی حمد و نعت و منقبت اور تعریفِ اولیا پر مشتمل ہے - آخر میں سلوک و معرفت کے نکات بیان کر کے خاتمۂ کتاب لکھا ہے - ساری مثنوی بندوں میں منقسم ہے - ہر بند میں سولہ اشعار ہیں - سولھواں شعر آیندہ بند کے لیے گریز کا کام دیتا ہے - حمد میں خداے عزّوجل کے ۱۰۵ نام عنوان بنا کر ہر ایک کے متعلق پندرہ پندرہ اشعار لکھے ہیں - نعت کے متعلق پندرہ بند تمہید کے ہیں - پھر

تیس بند انبیا کی نعت میں ہیں اور آخر میں تیس نعتیں رسول اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے متعلق ہیں ۔ تمہیدات کے پہلے شعر میں مخاطب کو ''ای بلبلان'' کہہ کر مخاطب کیا گیا ہے ۔ اس سے شاعر کی مراد عارفان خدا ، انبیا و اولیا ہیں ۔ بلبل کے ساتھ کلمۂ صفت خاص معنی کا حامل ہے ۔ مثلاً بلبلان نگاہ ، بلبلان یقین ، بلبلان وصال ، بلبلان ندیم ، بلبلان لقا وغیرہ ۔ نعت سرور کائناتؐ میں تاریخ و سیرت النبی پر اظہار خیال ہے ۔ ولادت ، بچپن ، بلوغت و تزویج ، واقعۂ غارِ حرا ، نزولِ وحی ، معراج ، تربیتِ امت اور شمایلِ نبوی کے متعلق سوانحی تفصیلات بیان کی ہیں ۔

منقبت میں پندرہ بند ہیں ۔ چار میں خلفائے راشدین اور گیارہ میں ائمہ کے متعلق اپنی گہری عقیدت و ارادت کا اظہار کیا ہے ۔ پندرہ اولیا یعنی بایزید طیفوری ، جنید ، شبلی ، منصور ، عطّار ، مجدالدین ، ابوبکر واسطی ، عبداللہ بلیانی ، علی دقاق ، بوسعید خراز ، مُلاّ روم ، عبدالقادر جیلانی ، محی الدین ابن عربی ، میاں محمد میر اور مولوی شاہ کے مخصوص عقاید بیان کیے ہیں اور ان کے ساتھ اپنی عقیدت و ارادت کا اظہار کیا ہے ۔

آخری پندرہ بندوں میں پانچ بند سلوکِ ظاہری یعنی توبہ ، توکّل ، تحمّل اور صبر و رضا کے متعلق ہیں ۔ پانچ بند سلوکِ باطنی یعنی عالمِ مثال ، عالمِ ملکوت ، عالمِ جبروت ، عالمِ لاهوت اور انسانِ کامل کے بارے میں ہیں ۔ آخری پانچ بندوں میں کمالِ زہد ، کمالِ طلب ، کمالِ سلوک اور کمالِ معرفت کی تشریح کی ہے ۔ پانچواں بند ختمِ کتاب پر مشتمل ہے ۔

یہ رسالہ بھی ۱۰۵۵ھ میں ختم ہوا ۔ 'ختمیہ' اس کی تاریخ ہے ۔

تعریفاتِ خانہ ها و باغات و منازلِ کشمیر :

مُلاّ شاہ نے عہدِ شاہ جہاں میں کشمیر کے پُر فضا مقامات خصوصاً باغات کی تعریف میں یہ مثنوی لکھی ہے ۔ ان باغات کی وضع و ساخت کی جزئیات تو بیان نہیں کیں ، البتہ ان کی تر و تازگی ، دلکشی اور روح افزائی کے نقوش اجاگر کیے ہیں ۔ سب سے پہلے اپنے گھر ، حمام اور باغ کی تعریف کی ہے ۔ یہ وہی نفیس ، پاکیزہ اور اعلٰی مکان تھا جو شاہ جہاں نے انہیں بنوا کر دیا تھا اور مُلاّ شاہ گرمیوں میں وہیں آ کر ٹھہرا کرتے تھے ۔ جامع مسجد ، آبِ ڈل اور کوہ پاک

کے علاوہ باغِ نشاط ، باغِ نسیم ، باغِ طرب افزا ، باغِ جہاں آرا ، باغِ مہدی ، باغِ عیش آباد ، باغِ بحر آرا ، باغِ شاہ جہاں ، باغِ سلطان دارا شکوہ ، باغِ شہ آباد ، اور نورباغ وغیرہ کی تعریف میں اشعار لکھے ہیں ۔ عمارات و باغات کی تعریف میں چونکہ خلوص و سرگرمی شامل ہے اس لیے 'ملا' شاہ بہ حیثیت شاعر و صوفی پوری رعنائی کے ساتھ جلوہ گر ہیں ۔ سلوک و معرفت کے بعض مسائل بیان کرتے ہوئے 'ملا' شاہ صرف ناظم رہ جاتے ہیں لیکن یہاں ان کے کلام میں شعریت بھی ہے ۔ باغ کی شگفتگی کے ساتھ ساتھ ان کے اشعار میں بھی شگفتگی ہے ۔ نمونے کے لیے باغِ نسیم کی تعریف میں ان کے چند اشعار یہاں درج کیے جاتے ہیں[۱] :

دو دلی را بکنم پارہ دو نیم
غنچہ و گل شوم از باغِ نسیم

هر سحر سیر کنم آهستہ
گل شود غنچہ و خندد پستہ

همچو دزدان همہ گردش کردم
کہ نسیمی نرسد باگردم

برسم بر در هر دروازہ
خلد بنشستہ بروی تازہ

ناز بر عرش بود از عرشش
خم شود عرش کہ گردد فرشش

دیدہ شد اینهمہ عالی طاقش
چشم هرگز نرسد با ساقش

رباعیات 'ملا' شاہ :

حضرت 'ملا' شاہ کی رباعیات کا ایک الگ مجموعہ موجود ہے ۔ پنجاب یونیورسٹی لائبریری کا نسخہ ۹۰۳ اوراق پر مشتمل ہے ۔ متن کا سائز "۷ × ۴" ہے[۲] ۔ باہر کے ورق پر کتاب کا نام "رباعیاتِ 'ملا' شاہ" لکھا ہے ، لیکن آخر میں "شرحِ رباعی تصنیف

۱۔ کلیات 'ملا' شاہ ، خطی ، شمارہ SPi VI, ۸۷ ، ص ۱۴۷ ب ۔
۲۔ رباعیاتِ 'ملا' شاہ ، شمارہ APi VI, ۵۹ ۔

عارف باللہ حضرت مولانا شاہ" مرقوم ہے ۔ اس مجموعے میں نہ صرف تمام رباعیات شامل ہیں بلکہ ہر رباعی کی شرح بھی ساتھ دی گئی ہے ۔ پہلے پینتیس اوراق میں رباعیات کے ساتھ ساتھ مسلسل نظم و نثر میں شرح دی گئی ہے لیکن بعد میں کہیں کہیں نثر میں شرح لکھی ہے ۔ عموماً ایک رباعی کے ساتھ دو اشعار میں شرح لکھی ہے ۔ تشریح کے یہ دو اشعار رباعیِ ماقبل کی کوئی خاص تشریح و توضیح نہیں کرتے ، بلکہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ رباعی سے الگ دوسرے موضوع کے حامل ہیں ۔ مثلاً دو نمونے دیکھیے :

رباعی : یک لولوی خوشاب من یافتہ ام
قلبِ پُر نور و تاب من یافتہ ام
میخواست خضر آبِ حیات از ظلمات
از خانہ آفتاب من یافتہ ام

شرح : آب حیوان ما پُر از جو شد — خضر ما را بما ازین رُو شد
ظلماتست شاہ را سینہ — مہر را می نماید از کینہ

(ص ۲۴۱ ب)

رباعی : آنہا کہ ندارند سر لطف بمن — در افعال من ہمہ دارند سخن
قائل بشریعتِ محمد ہستند — لیکن بطریقتِ محمد دشمن

شرح : غافلانِ طریقتِ احمد — ہمہ گویند فعلِ من را بد
چون ز فعل نبی نہ ہشیارند — غافلان از حقیقت کار اند

(ص ۲۵۱)

جناب "ملا" شاہ نے اپنے اس مجموعۂ رباعیات کے متعلق خود اپنی رائے بھی لکھی ہے ۔ وہ کہتے ہیں کہ میں نے عرفانیات کے وسیع و عمیق مضامین کو اختصار و ایجاز سے نظم کیا ہے :

یک چند بنظم و نثر پرداختہ ایم
یک مجموعۂ مختصر ساختہ ایم
بحریست درونِ کوزہ کردیمش جا
کالیست درونِ حقّہ انداختہ ایم

(ص ۲۴۰)

انھوں نے فرمایا ہے کہ مجھے شاعر بننے کی کوئی ہوس نہیں ہے ۔ عرفان خود شعر

کہلواتا ہے :

ہرگز ہوسِ شعر نبودم در سر
کین بار قید را بگیرم بر سر
کار عرفانست گناه من نیست
در تیز آتش دیگ زند دیگر سر

(ص ۱۸۳)

ان رباعیات کا موضوعِ سخن تصوف و طریقت ہے - بعض جگہ اپنے روحانی مقامات کا بھی ذکر کیا ہے - ہم یہ تو نہیں کہہ سکتے کہ ان میں شاعرانہ تعلّی کا شائبہ ہے ، البتہ انھوں نے اپنے عرفانی مرتبہ و مقام کا دعویٰ ضرور کیا ہے - فقیروں پر ایک مقام ایسا بھی آتا ہے کہ وہ اپنے فضائل کا اعلان کرنے میں کوئی برائی نہیں سمجھتے - اسی موضوع پر مندرجہ ذیل اشعار دیکھیے :

آنکس کہ ز راہ معرفت آگاہ است
مُلاّ شاہ است عارفِ درگاہ است
از تاثیر زبان او معلوم است
کامروز ملقّب بلسان اللہ است

(ص ۲٦۴)

لا مکانست در مکان من
زانست تاثیر در زبان من
غافلان را کہ می کنم هشیار
ممکن از واجب است خود سرشار

(ص ۲۴۴)

از دیدنِ جانان همہ جانم امروز
پیری همہ رفتہ و جوانم امروز
از آب و خاک و باد و آتش رستم
در رفعتِ قدر آسمانم امروز

(ص ۱۹۴ ا)

مصنّف نے اپنے افکار و احساسات کو سادگی کے ساتھ نظم کر دیا ہے۔ صنائع شعری سے کام نہیں لیا۔ تصوف کی دقیق اصطلاحات بھی بہت کم استعمال کی ہیں۔ جن رباعیوں میں تخاطب کا انداز ہے، وہاں شگفتگی اور جذبات کی حدّت محسوس ہوتی ہے۔ مندرجہ ذیل دو رباعیاں اس نقطۂ نظر سے بلند پایہ رکھتی ہیں:

داری هوس کباب دل ای خونریز
دل سوختگان را همه زانی بستیز
این آتشِ عشق آتشِ هیزم نیست
هرگز نپزد کباب در آتشِ تیز

(ص ۱۹۷

اندر پیٔ آن نگارِ شوخ سرمست
بودم که شوم ز لعل او مست الست
ناگاه یکی بجانبِ خود دیدم
در سینۂ خود یافتمش دست بدست

(ص ٦١ ب)

حضرت "ملا" شاہ نے ایک آدھ جگہ اپنی زندگی کے متعلق سوانحی معلومات بھی نظم کی ہیں۔ مثلاً:

ما بکشمیر از بدخشان آمدیم
باز خویشان از بدخشان آمدند
سال ما یک چل بجز ایشان گذشت
از پسِ چل سال ایشان آمدند

(ص ۱۷۸ الف)

شرح رباعی:

در هزار و شصت تاریخ تمام
گفته ام، بی بد خویشان آمدند

ایک رباعی میں شاہجہان کے ساتھ اپنی عقیدت کا اظہار کیا ہے:

ای شاهجهان ز اهلِ دردی شاباش
در عهدِ خویش طاق و فردی شاباش

دل را بوصال زندہ کردی شاباش
شاباش درین زمانہ مردی شاباش

(ص ۲۰۵)

دو تین رباعیوں میں تعمیرات کے متعلق تواریخ بھی لکھی ہیں ۔ چونکہ یہ ان کے اپنے مکان اور حوض سے متعلق ہیں اس لیے ہم ان کو یہاں درج کرتے ہیں :

سال بنای ہر دو را گفت مؤرخ خرد
خانۂ شہ محمد و چشمۂ شاہِ عارفان (ص ۲۵۸ ا)

گر تاریخِ خانہ می پُرسی
خانۂ عارفِ الٰہ بگو (ص ۲۶۸)

بہ تعمیر تاریخ او گفت شاہ
بگو چشمۂ صاف داراشکوہ (ص ۲۸۴ ا)

مکتوباتِ مولانا شاہ :

پنجاب یونیورسٹی لائبریری میں 'ملا' شاہ بدخشی کے رقعات کا ایک نسخہ شمارہ APC IV, 3 پر موجود ہے جس کا عنوان یہ ہے : "مکتوباتِ قطب الاقطاب غوث الآفاق عارف باللہ حضرت مولانا شاہ قدس اللہ سرہ"۔ کل ۱۲۷ اوراق ہیں ۔ بیرونی تقطیع "۳۶۲ × "۶۶۳ ہے ۔ مکتوبہ حصے کی تقطیع "۱۶۷ × "۵۶۴ ہے ۔ ہر صفحے میں گیارہ سطریں اور ہر سطر میں آٹھ نو الفاظ ہیں ، خط نیم شکستہ ہے ، کاتب کا نام اور تاریخِ کتابت موجود نہیں ۔ کل ۸۴ رقعات ہیں ۔

مکتوب الیہ کا نام کسی خط میں مذکور نہیں ۔ ہر خط کو 'دولت دیدار نصیب' کے دعائیہ جملے سے شروع کیا ہے ۔ دارا شکوہ نے سکینۃ الاولیاء میں اپنے مرشد جناب 'ملا' شاہ کے جو رقعات نقل کیے ہیں وہ بھی اسی جملے سے شروع ہوتے ہیں ۔ اس سے ظاہر ہے کہ ایک کے سوا یہ تمام رقعات داراشکوہ بن شاہجہان کے نام لکھے گئے ہیں ۔ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت 'ملا' شاہ کو اپنے یہ مرید بڑے عزیز ہیں ۔ وہ ان کو بڑے پیار اور احترام سے مخاطب کرتے ہیں ۔ ایک دو جگہ تو ان کو بادشاہِ ظاہر و باطن لکھا ہے ۔ ایک رقعہ مندرجہ ذیل

القاب سے شروع کیا ہے :

"خوشوقتا ، محظوظا ، محفوظا ، کامیابا ، آفتابا ، جہانتابا ، حل مشکلا ، صاحبدلا ، عاقلا ، کاملا ، سخن شنوا ، راہ روا ۔"

ایک خط اورنگ زیب کے نام بھی موجود ہے ۔ یہ خط تاریخی نقطہ نظر سے بڑا اہم ہے کیونکہ ہمیں معلوم ہے کہ 'ملا' شاہ شاہجہان اور دارا شکوہ کے منظورِ نظر تھے ۔ جب شاہجہان قید ہوئے اور دارا شکوہ قتل کیے گئے تو اورنگ زیب نے 'ملا' شاہ کو اپنے پاس بلا بھیجا ۔ وہ ان دنوں کشمیر میں تھے اور وہاں سے باہر نہیں آنا چاہتے تھے ، لیکن وہاں کے گورنر نے انھیں زبردستی بھیجا ۔ 'ملا' شاہ نے اثنائے راہ میں تاریخِ جلوس پر ایک رباعی لکھ کر دہلی بھیجی ۔ جب اورنگ زیب نے اس کو پڑھا تو حاضری موقوف کر دی اور لاہور میں ٹھہرنے کا حکم دیا ۔ وہ رباعی یہ ہے[1] :

صبحی دلِ من چون گلِ خورشید شگفت
حق ظاہر شد ، غبارِ باطل را رُفت
تاریخِ جلوسِ شاہِ اورنگ مرا
ظل الحق گفت وین را حق گفت

ان حالات کے پیشِ نظر اورنگ زیب کے نام یہ خط یادگار ہے اور دونوں کے تعلقات پر روشنی ڈالتا ہے ۔ ہم اسے یہاں نقل کیے لیتے ہیں :

(ص ۱۴ ا) "جہتِ اورنگ زیب نوشتہ ۔

دولت دیدار نصیب ! شاہنشہ را سلامِ درویش رسد ، چہ اول و آخر چہ پس و پیش رسد ۔ آن فانی را ہم سلام ، او ہم از تست ۔ باقی باشی ۔ سلامت از خویش رسد ۔ حق سبحانہ و تعالیٰ آن برگزیدۂ خالق و خلایق را برطبق مراد (ص ۱۵) الیٰ یوم المیعاد داراد ۔ آمین ! بسیار بسیار بیش از پیش این درویش خیر اندیش بجہت جلوس ذات آن رأس الرؤس در احسن اوقات :

رباعی

داعی بدعا دو دست بر می دارد
از بہر تو تا دست بروں می آرد

۱- مرآۃ الخیال ، اشاعت ۱۸۳۱ع ، ص ۱۷۵ -

از روی زمین مبارکی می روید
وز سوی سما مبارکی می بارد

حافظ وظیفۂ تو دعا گفتن است و بس
در بند آن مباش کہ نشنید یا شنید

ظلِ آن ظل الحق ممدود الی الموعود ۔"

ان رقعات میں عموماً سوالات کے جوابات دیے گئے ہیں اور سلوک و طریقت یا شناختِ حق کے بعض دقایق کی توضیح کی گئی ہے ۔ انھوں نے ایک دو مقامات پر خود اشارہ کیا ہے کہ وہ ان مسائل کی توضیح اپنے دوسرے رسائل میں کر چکے ہیں ۔ صفحہ ۳۰ پر ایک خط میں منکر و نکیر کے سوالات کے متعلق عارفانہ جوابات دیے ہیں ۔ ایک اور خط میں روح کے متعلق اپنے خیالات کا اظہار کیا ہے ۔ (ص ۳۳)

مُلّا شاہ اپنے روحانی کمالات کے باوجود شرعی قواعد و ضوابط کی پابندی کو ضروری سمجھتے ہیں ۔ انھوں نے لکھا ہے :

"ما فقیر بمطلب رسیدہ ہستیم ، از راہ شرع بیرون شدن نمیتوانیم ۔"
(ص ۷۴)

دارا شکوہ کو بھی یہی نصیحت کرتے ہیں :

"البتہ البتہ پاس شرع شریف میداشتہ باشید ۔" (ص ۷۵ ا)

ان کا اعتقاد تھا کہ خدا نے جن چیزوں میں جو خصوصیات رکھی ہیں وہ ضرور اپنا اثر دکھاتی ہیں ؛ مثلاً زہر ضرور اپنا اثر دکھاتی ہے ۔ ان کے الفاظ یہ ہیں :

"پس در ہر چہ حق سبحانہ خاصیت نہادہ است کار خود میکند ۔ آنکہ گفتہ باشند کہ عارف موحد را تیغ و زہر و سنگ اثر نمی کند غلط محض است ۔"
(ص ۱۷۳)

لیکن دوسری طرف وہ رسولؐ خدا میں غیر بشری صفات موجود سمجھتے ہیں ۔ مثلاً وہ لکھتے ہیں کہ پیغمبر کے جسم پر مکھی نہ بیٹھتی تھی ۔ ان کا سایہ زمین پر نہ پڑتا تھا ۔ وہ آسمان کو شق کر کے گزر گئے ۔ وہ ان روایات کی تائید و تصدیق کے لیے یہ دلیل پیش کرتے ہیں کہ ان کا جسم لطیف ہو کر روح اور ہوا بن چکا تھا اس لیے ہوا پر کیا مکھی بیٹھے اور ہوا کا سایہ کہاں اور ہوا کے لیے آسمان میں رکاوٹ کہاں ۔ (ص ۹۹ ا)

صوفیہ کی طرح "ملا" شاہ نے بھی سالک کے لیے تین منازل بتائی ہیں : شریعت ، طریقت ، حقیقت ۔ صوفی کو پانچ مختلف ناموں سے یاد کیا ہے : طالب ، سالک ، واصل ، عارف ، صرف یاب ۔ (ص ۱۸ - ۱۹)

ایک جگہ بتایا ہے کہ صاحبِ دل پانچ عوالم کا مجموعہ ہوتا ہے : عالمِ ناسوت ، عالمِ مثال ، عالمِ ملکوت ، عالمِ جبروت اور عالمِ لاہوت ۔

یہ تمام رقعات علمی اور توضیحی ہیں ۔ ان میں سیاسی و تاریخی احوال و واقعات کی طرف بہت کم اشارات ہیں ۔ البتہ داراشکوہ کی علمی و روحانی امور کے متعلق تحقیق و کاوش پر روشنی پڑتی ہے ۔

رقعات کی طرزِ نگارش سے مصنّف کا سوز و اخلاص عیاں ہے ۔ قدرتِ کلام جملوں کے درویست سے ظاہر ہے ۔ جملے عموماً مفرد اور چھوٹے ہیں ۔ کہیں کہیں مقفیٰ نثر لانے کی بھی کوشش کی گئی ہے ۔

مصنّف کا اندازِ بیان منطقی و استدلالی ہے ۔ نمونے کے لیے ہم چند سطریں یہاں نقل کرتے ہیں :

"نہایتِ طلب سلوک است ، نہایتِ سلوک معرفت و معرفت را نہایتی نیست ۔ دروازۂ معرفت ہمیشہ واست ۔ عارف را ہمیشہ عبور برآن در است ۔ تجلی غیر مکرر است و این سخن مقرر است ۔" (ص ۸۴ أ - ۸۵)

"خبردار شدن ازین حقیقت ضروریست ، واصل شدن با حقیقت چہ جای مہجوریست ۔ مہجور بودن شیوۂ عاقل نیست ، بے خبر خوش بودن بجز شیوۂ باطل نیست ۔" (ص ۶۵)

☆ ☆ ☆

سلطان باہو[۱]

حضرت سلطان باہو ۱۰۳۹ھ میں شورکوٹ میں پیدا ہوئے ۔ ان کے والد بازید محمد ایک عالم و متّقی بزرگ تھے ۔ ان کی والدہ مسماۃ راستی نیک اور پارسا

۱- مناقبِ سلطانی ، سلطان حامد ، مخطوطہ پنجاب یونیورسٹی لائبریری ، مجموعۂ شیرانی ، شمارہ ۲۴۷ ، ص ۶ ۔ تواریخ سلطان باہو ، مختصر مناقب سلطانی ، سلطان حامد ، مخطوطہ پنجاب پبلک لائبریری ، ص ۹ ۔

خاتون تھیں ۔ سلطان باہو ان کے متعلق لکھتے ہیں :

رحمت و غفران بود بر راستی   راستی از راستی آراستی[۱]

وہ اپنی تصانیف میں اپنا تعارف یوں کراتے ہیں :

"باھو ولد بازید عرف اعوان ساکن قرب جوار شورکوٹ ۔"[۲] (مفتاح العارفین)

اپنے نام کے متعلق خود وضاحت کی ہے :

"تو نمی‌دانی کہ باھو با خداست
ھرچہ خواھی طالب از باھو بیاب
اسم باھو چیست یعنی گج وھاب

انھوں نے علومِ ظاہری حاصل کرنے کی طرف کم توجہ کی ۔ ان کا اپنا بیان ہے :

"من و محمدؐ عربی ھر دو اُمّی ایم"[۳]

ایک جگہ فرمایا ہے :

"این فقیر را ظاھری علم چندان نبود امّا از واردات و فتوحاتِ علمِ باطنی چندان علوم کشاد کہ برای اظہار آن دفتر باید ۔"

حضرت سلطان باہو تیس سال تک مرشد کامل کی تلاش میں پھرتے رہے ۔ وہ اولیاء اللہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ان سے روحانی فیض حاصل کیا ۔ لاہور میں حبیب اللہ قادری اور دہلی میں سید عبدالرحمٰن کی خدمت میں وقت گزارا ۔ ملتان میں شیخ بہاء الدین زکریا کے مزار پر بھی حاضری دی لیکن وہ نورِ خداوندی کی تجلّی" دیکھنے کے لیے بےقرار تھے ۔ آخر رسول اکرمؐ کی ذات بابرکت میں انھیں سکون میسّر ہوا ۔ انھوں نے باطنی طور پر انھی کی بیعت کی اور وہ حضرت علی[۴] اور حضرت فاطمہ[۴] کے نوری فرزند بنائے گئے ۔ انھوں نے خود فرمایا ہے[۴] :

دست بیعت کرد ما را مصطفیٰؐ
فرزند خود خواند است ما را مجتبیٰ[۴] (کذا)

فرزندِ خود خوانده است ما را فاطمہ[۴]
معرفت فقر است بر من خاتمہ (کذا)

جب انھیں مجلسِ محمدی میں حضوری حاصل ہوئی تو رسول خداؐ نے سلطان باہو

---

۱ ، ۲ ، ۳۔ ایضاً ، کتابِ مذکور ۔

۴۔ حق نما ، اُردو ترجمہ نورالھدیٰ ، ڈیرہ اسمٰعیل خان ، چاپ سوم ، دیباچہ ص ۱۳ - ۱۴ ۔

کا ہاتھ سید عبدالقادر جیلانی کے ہاتھ میں دیا ۔ چنانچہ وہ حضرت رسول ؐ کی نسبت سے سروری اور شیخ عبدالقادر کی نسبت سے قادری کہلائے ۔

سلطان باہو ۱۱۰۲ھ میں وفات پا گئے اور قہرگان کے پرانے قلعے میں مدفون ہوئے ۔ دریائے چناب میں طغیانی کی وجہ سے ۱۱۸۰ھ میں صندوق میت اونچے مقام پر منتقل کیا گیا اور ۱۱۹۲ھ میں نیا مقبرہ تعمیر ہوا ۔ ۱۳۳۶ھ میں دریا میں طغیانی کے پیش ِ نظر نعش مبارک کو پھر نئی جگہ منتقل کرنا پڑا ۔ یہ جگہ موضع سلطان باہو کے نام سے معروف ہے جو جھنگ سے پچاس میل جنوب میں گڑھ مہاراجا کے قریب واقع ہے ۔

تصانیف

اگرچہ حضرت سلطان باہو خود کہتے ہیں کہ انھوں نے باقاعدہ کسی مکتب میں تعلیم حاصل نہیں کی لیکن یہ حقیقت ہے کہ وہ لکھنا پڑھنا جانتے تھے کیونکہ وہ اپنی تالیفات میں اپنے عقاید و افکار کی تائید و تصدیق کے لیے آیات ِ قرآنی اور احادیث ِ نبوی پیش کرتے ہیں ۔ لیکن ان کی نظر میں علوم ِ ظاہری کی کوئی وقعت نہیں ۔ وہ کہتے ہیں :

باہو علم ِ نحو و صرف داری یا علم خوانی اصول
این ھمہ جہل است و غفلت جز خدا کردن حصول[1] (کذا)

اگرچہ ان کی تالیفات میں تصوف و طریقت کے متعلق قدیم تصانیف کے حوالے موجود نہیں لیکن یہ ظاہر ہے کہ انھوں نے فقر و تصوف کے متعلق اصول و نظریات کا مطالعہ کیا ہے یا بزرگوں سے وہ اقوال سنے ہیں ۔ وہ اپنی کتابوں کے متعلق لکھتے ہیں :

''فقیر باہو گوید از ہر علم و نکتہ و حروف از ہیچ کتابی دزدی نکردہ ام بلکہ از حضوری خدا و رسول آوردہ ام ۔''[2]

---

۱ ۔ محبت الاسرار ، مخطوطہ پنجاب یونیورسٹی لائبریری ، شمارہ ۶۹ Pciv ، ص ۳۴ ۔

۲ ۔ نورالھدی ، مخطوطہ پنجاب یونیورسٹی لائبریری ، شمارہ ۶۵ Pciv ، ص ۳۸ ۔

"فقیر نے اس رسالے کو بحکمِ الٰہی و باجازتِ جناب سرور کائناتؐ لکھا ہے۔"[1]

ان کی تصانیف اور ان کے احوالِ زندگی کی تفصیلات کے متعلق سلطان حامد سے بڑھ کر اور کون معتبر ہو سکتا ہے جن کا نسب نامہ حضرت سلطان باہو تک یوں پہنچتا ہے: سلطان حامد بن سلطان غلام باہو بن سلطان حافظ محمد بن سلطان محمد حسین بن شیخ ولی محمد بن سلطان باہو۔ یہی سلطان حامد ہیں جنھوں نے اپنے آبا و اجداد کے متعلق 'مناقبِ سلطانی' کے نام سے کتاب تالیف کی ہے۔ ان کے پاس معلومات حاصل کرنے کے خاندانی وسائل ضرور ہوں گے۔ کتبی یا شفاہی جن کے توسط سے انھوں نے اپنی کتاب مرتّب کی، وہ سلطان باہو کی تصانیف کے متعلق لکھتے ہیں کہ ان کی تالیفات کی تعداد ایک سو چالیس سنی جاتی ہے لیکن ملک میں مندرجہ ذیل کتابیں متداول ہیں[2]:

۱۔ عین الفقر کبیر۔	۲۔ عین الفقر صغیر۔
۳۔ عین الفقر متوسط۔	۴۔ عقل بیدار کبیر۔
۵۔ عقل بیدار صغیر۔	۶۔ تلمیذالرحمٰن۔
۷۔ مجالستہ النبی۔	۸۔ محبت الاسرار۔
۹۔ اسرار القادری۔	۱۰۔ توفیق الھدایت۔
۱۱۔ تیغ برہنہ۔	۱۲۔ مجموعتہ الفضل۔
۱۳۔ محک الفقرالکبیر۔	۱۴۔ محک الفقر الصغیر۔
۱۵۔ فضل اللقا۔	۱۶۔ شمس العارفین۔
۱۷۔ دیوان باہو کبیر۔	۱۸۔ دیوان باہو صغیر۔
۱۹۔ رسالۂ روحی۔	۲۰۔ اورنگ شاہی۔
۲۱۔ امیرالکونین۔	۲۲۔ جامع الاسرار۔
۲۳۔ مفتاح العاشقین۔	۲۴۔ قرب دیدار۔
۲۵۔ نور الھدیٰ۔	۲۶۔ عین النباء قطب الاقطاب۔
۲۷۔ محکم الفقراء۔	۲۸۔ کشف الاسرار۔
۲۹۔ شمس العاشقین۔	

۱۔ کلید التوحید (اُردو ترجمہ)۔ لاہور، ص ۲۔ شمس العارفین (اُردو ترجمہ)، لاہور، ص ۴۔۵۔

۲۔ مناقبِ سلطانی، ص ۱۵۔

ان کے علاوہ اور بھی کتابیں موجود ہیں - ان میں سے مندرجہ ذیل چار کے تو اُردو میں ترجمے بھی شائع ہو چکے ہیں :

کلیدالتوحید ، حجت الاسرار ، اسرارِ طریقت ، مفتاح العارفین -

حضرت سلطان باہو کی تمام تصانیف میں فقر ، سلوک اور تصوف کی تمام بنیادی باتوں کا ذکر موجود ہے - اگرچہ مسلسل نہیں اور نہ ہی ان میں ابواب و فصول کا خیال رکھا گیا ہے - عقاید و افکار کی ہر جگہ تکرار ہے اور ہر کتاب میں تقریباً ایک جیسی آیات و احادیث مذکور ہیں - لیکن بین‌السطور میں ان کا خاص نقطہٴ نظر یہ ہے کہ وہ سمجھتے ہیں کہ :

۱- ذکر ، فکر ، مراقبہ ، مکاشفہ اور اوراد و وظائف سے کچھ حاصل نہیں ہوتا - بس ایک مرشدِ کامل ایک ہی نظرِ التفات سے طالب مرید کو مجلسِ مصطفوی میں حضوری دے کر اس کے دل کو نور تجلی سے روشن کرتا ہے - جو مرشد ایسا نہیں کر سکتا وہ مرشدی کے لائق نہیں - وہ ناقص و خام ہے -

۲- اولیاء اللہ مرتے نہیں ، وہ زندہ رہتے ہیں - اگر مریدِ خاص عقیدت سے انھیں بلائے تو وہ جسانی یا روحانی یا نورانی طور پر آ کر اس کی مدد کرتے ہیں -

ان نظریات کی تفصیل انھی کی زبان سے سنیے :

(الف) ”صحیح باطن مرشد وہ ہے جو طالب کو مجلسِ محمدؐ سے مشرّف کرے اور حضورِ الٰہی میں غرق کر دے تاکہ مجلس قرب دیکھ کر جنون ، خناس ، خرطوم ، شیطانی وسوسہ اور توہّم سب رفع ہو جائے -“[1]

”مرشد آنست کہ بی ذکر و فکر و ریاضت و مشقّت براہ تصور اسم اللہ ذات حضوری مجلس محمد رسول اللہ برد - بے شک ھر کہ شک آرد کافر گردد -“[2] ان کا شعر ہے :

طالب بیا ، طالب بیا ، طالب بیا
تا رسانم روزِ اوّل با خدا

۱- امیر الکونین ، ص ۳۰ -
۲- محبت الاسرار ، ص ۱۲ -

(ب) اولیاءاللہ جس طرح زندگی میں طالب و مرید کو تعلیم و تلقین کرتے ہیں ، اسی طرح ممات میں بھی ۔"[1]

اولیاء را قبر ہمچو جسم و جان
اولیاء را در قبر خفتہ بدان (کذا)
خفتگان را از قبر بیدار کن
ہم سخن ہم باکلامش یار کن (کذا)[2]

"ہر کہ حیات النبی را حیات نداند و ممات خواند سست دین و کذاب و بیدین است ۔"[3]

ان کے نزدیک جب اہلِ قبور زندہ ہیں تو ان سے مدد مانگنا بھی جائز ہے ۔ چنانچہ اُنھوں نے اپنے اس عقیدے کی تائید میں رسولؐ اللہ سے منسوب یہ حدیث پیش کی ہے : "اذا تحیرتم فی الامور فاستعینوا من اھل القبور ۔"[4] یہ حدیث یقیناً موضوع ہے ۔ ایک موحّد تو ہمیشہ اپنی مشکلات میں خدا سے مدد مانگتا ہے ۔

سلطان باہو اپنے آپ کو اہلِ سنت و الجماعۃ کہتے ہیں ۔ وہ ان صوفیہ میں سے ہیں جو طریقت کے ساتھ شریعت کی پابندی بھی لازم سمجھتے ہیں ۔ انھیں شیخ عبدالقادر جیلانی سے والہانہ عقیدت ہے ۔ وہ اپنے آپ کو قادری لکھتے ہیں ۔ ان کے نزدیک قادری بھی دو ہیں ۔ ایک قادری زاہدی اور دوسرے قادری سروری ۔ زاہدی وہ ہے جو محنت و ریاضت کے ساتھ مرشد سے فیض حاصل کرے ۔ سروری وہ ہے جو مرشد کی ایک ہی نظرِ التفات سے معرفتِ الٰہی حاصل کرے ۔[5] انھیں قادری طریقے پر کامل بھروسہ ہے ۔ وہ کہتے ہیں :

"قادری طریقے میں طالب مثل پھول کے ہے ۔ باقی طریقے ایسے ہیں جیسے پھول کے گرد کانٹے ، کیونکہ وہ محض نفس کی قید میں ذلیل ہیں ۔ قادری طالب با اعتبار ہوتا ہے کیونکہ وہ یک بارگی مشرّف بہ دیدار ہوتا ہے ۔

۱۔ امیر الکونین ، ص ۱۰۷ ۔
۲۔ محک الفقراء ، ص ۱۴۸ ۔
۳۔ مفتاح العارفین ، ص ۲۱ ۔
۴۔ شمس العارفین ، ص ٦٦ ۔ نور الہدیٰ ، ص ۸۴ ۔ مفتاح العارفین ، ص ۵۴ ۔
۵۔ مناقبِ سلطانی ، سلطان حامد مذکور ، ص ۴۹ ۔

اسے ذکر ، فکر اور مراقبے کی ضرورت نہیں ہوتی ۔[۱]

''طریقۂ حضرت شاہ عبدالقادر مثل تیغ برہنہ ذوالفقار است ۔ ہر کہ با این طائفہ سر خراشد ، سر از گردن جدا گردد ۔''[۲]

''آنجناب کا مرید خواجہ صالح ہو یا طالح ، بخدا و رسول ، آپ اس سے کسی حال یا قال میں روزِ قیامت تک جدا نہیں ہوتے بلکہ وہ ہر موقع پر آپ کی مدد کرتے ہیں ۔''[۳]

سلطان باہو نے اپنے روحانی مقام کا خود ہی ذکر کیا ہے ۔ وہ اپنے آپ کو فنا فی اللہ کے مقام پر سمجھتے ہیں ۔ مثلاً وہ کہتے ہیں :

باہو اندر ھو شدہ فی اللہ فنا
نام باہو متّصل شد با خدا[۴]
باہو از یک نقطۂ یاھو شود
وردِ باہو روز و شب یاھو بود[۵]

اپنے کمالات کے متعلق لکھتے ہیں :

''میں نے ہر علم کی تحقیق اپنی باطنی توفیق سے مکمل طور پر کی ہے ۔ میں لاف زن نہیں بلکہ کامل فقیر ہوں اور کونین کی ہر ایک چیز کُل و جزو ، مجھ پر اللہ کے فضل سے عیاں ہو گئی ہے ۔ مجھے ہر مجلس مصطفوی ؐ میں حضوری حاصل ہے ۔ کعبہ میرے دل میں ہے ۔ اسی کعبے میں ذاتی نور جلوہ گر ہے ۔ میں ہر وقت اللہ کے حضور میں حاضر رہ کر بقا اور دیدار کے مشاہدے میں غرق ہوں ۔''[۶]

۱۔ امیر الکونین (اُردو ترجمہ) ، لاہور ، ۱۹۵۶ع ، ص ۹۵ ۔
۲۔ فضل اللقا ، مخطوطۂ پنجاب یونیورسٹی لائبریری ، مجموعۂ شیرانی ، نمبر ۳۷۱۸ ، ص ۱۹ ۔
۳۔ عقلِ بیدار (اُردو ترجمہ) لاہور ، ص ۱۹ ۔
۴۔ امیر الکونین ، ص ۱۳ ۔
۵۔ مفتاح العارفین ، مخطوطۂ پنجاب یونیورسٹی لائبریری ، مجموعۂ شیرانی ، نمبر ۳۷۱۶ ، ص ۵۵ ۔
۶۔ نورالہدیٰ (ترجمہ) ، ص ۱۳۰ ۔

سلطان باہو نے اپنی تصانیف میں جابجا فقر و سلوک کے متعلق اصطلاحات کی بھی توضیح و تشریح کی ہے۔ علم اور اس کی قسمیں ، تصوّر اور اس کی اقسام ، نفس اور اس کی اقسام ، ذکر ، دم ، توجہ ، الہام ، دعوت ، شریعت ، طریقت ، حقیقت ، معرفت ، مراقبہ ، فنا فی الشیخ ، فنا فی الرسول ، فنا فی اللہ ۔ تجلیٓ اور اس کی اقسام ، کشف اور اس کی اقسام کے متعلق اپنے عقائد و افکار بیان کیے ہیں ۔ بعض جگہ تفصیل سے لکھا ہے اور مقامات عرفان حاصل کرنے کے طریقے بھی بتائے ہیں ۔ پڑھنے کے لیے دعائیں اور دعوت و تاثیر کے لیے نقش بھی بنائے ہیں ۔

ایک کتاب میں تصوّف کی بعض مشہور اصطلاحات کی اشعار میں تعریف و توصیف کی ہے ۔ ان کی جامعیت کی بنا پر ہم انہیں یہاں نقل کرتے ہیں[1] :

نفس دانی چیست دیو بس بزرگ
بر مسلمان تاختہ مانند گرگ

روح دانی چیست امر حق گذار
مطلع وی نیست جز آن کردگار

قلب دانی چیست گنج معرفت
از لطیفہ غیب شد در وی صفت

علم دانی چیست رہ دریافتن
بس بدان رہ سوی حق بشتافتن

عقل دانی چیست نور روشن است
تیرگی دل ازان روشن تر است

قال دانی چیست دائم ذکر دوست
مشتغل بودن درآن در فکر دوست

حال دانی چیست در حق گم شدن
سر خود یک بار زین عالم زدن

صحو دانی چیست رہ پیمودن است
ہر زمان با سالکان آسودن است

۱۔ محک الفقراء ، ص ۱۶۹ ۔

سُکر دانی چیست مرگ معنوی
ہر زمان سوی عدم دریا روی
انس دانی چیست استغنائے غیر
فارغ آید از سواد شر و خیر
کشف دانی چیست دیدن آن جمال
محو گشتن در جمالِ ذوالجلال
سُکر دانی چیست باشی مست وی
نیست گردی بعد ازان در ہست وی
ذوق دانی چیست خود را سوختن
شوق دانی چیست خود را در زدن
شکر دانی چیست عجز و شکر او
بر عطا ہای کہ بخشید است او
سّر دانی چیست بشنو یار من
بر سر کونین پشتِ پا زدن
جود دانی چیست جان دادن بدو
ترک غیری اوست اندر جستجو

حضرت باہو کے نزدیک منتہائے مقصودِ زندگی فقیر کامل بننا ہے ۔ فقیر مالکِ دنیا و عقبیٰ ہے ، وہ صاحبِ تصرّف ہے ، وہ عارف باللہ ہے ، اسے حقیقتِ حق کی معرفت بھی حاصل ہے اور اسے دنیاوی خزانوں کا تصرّف بھی حاصل ہے ۔[1] اگر فقیر چاہے تو ایک مفلس گدا کو تختِ شاہی عنایت کر دے ۔ اگر چاہے تو تمام ممالک کے بادشاہوں کو معزول کر دے ۔ فقیر کی زبان رحمان کی تلوار ہوتی ہے ۔[2] وہ کہتے ہیں کہ فقیر کے تصرّف کا یہ عالم ہے کہ اگر وہ خواب میں کسی کافر کا تصوّر کر کے اسے دوزخ کی آگ میں ڈال دے تو اسے دوزخ کی آگ کا عذاب ہو ۔ جب وہ خواب سے بیدار ہو تو بآواز بلند کلمہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ پڑھے اور کہہ دے کہ اسلام برحق ہے اور کفر باطل ہے ۔[3]

۱۔ امیرالکونین ، ص ۴۵ ۔
۲۔ ایضاً ، ص ۴۲ ۔
۳۔ ایضاً ، ص ۶۰ ۔

ایک فقیرِ کامل ہی مرشدِ کامل ہو سکتا ہے اور دوسروں کی رہنمائی کر سکتا ہے - ان کے نزدیک مرشدِ کامل کی یہ تعریف ہے :

وہ مقامِ شریعت ، طریقت ، حقیقت ، معرفت ، مقامِ نورالہدیٰ ، مقامِ فنا و بقا ، تصوّر حضور اور تصرّفِ قبور کو اس طرح واضح کر دیتا ہے کہ طالب کو حیات و ممات ، خوف و رجا اور دوزخ و بہشت بھی یاد نہیں رہتے -

سلطان باہو کی تعلیمات کا حقیقی محور فقر و درویشی ہے - باقی دیگر لوازم اس کے اردگرد گھومتے ہیں - انھوں نے اپنی تصانیف میں فقر و فقراء کے متعلق بزرگوں کے اقوال اور احادیث رسولؐ سے تائید حاصل کی ہے - مثلاً :

الفقر کنز من کنوز اللہ تعالیٰ -

الفقر فخری والفقر منّی (حدیث) -

حب الفقراء مفتاح الجنۃ ، حب الفقراء ضیاءالدین ، حب الفقراء من اخلاق الانبیاء ، بغض الفقراء من اخلاق الفرعون ، الفقراء ضیاء الثقلین ، حب الفقراء حب الرحمٰن ، سید القوم خادم الفقراء وغیرہ -

فقر کے متعلق جو اقوال رسول اکرمؐ سے منسوب ہیں وہ شک و قیاس سے معرّا نہیں - رسول اکرمؐ کے عہد میں فقر کا لفظ درویشی اور فقیری کے معنوں میں استعمال نہیں ہؤا ، نہ قرآن میں اور نہ احادیث میں - مثلاً یہ اقوال دیکھیے - ان میں تو فقر کی برائی مقصود ہے :

الفقر کاد ان یکون کفراً -

الفقر سواد وجہ الدارین -

الشیطان یعدکم الفقر (قرآن) -

فقر و تصوف کے متعلق دوسرے اور اقوال جو سلطان باہو کی تصانیف میں وارد ہوئے ہیں ، رسول خداؐ سے ان کی نسبت کو احتیاط سے قبول کرنا چاہیے - مثلاً مندرجہ ذیل اقوال کو دیکھیے - ان کو احادیث نبوی کہہ کر پیش کیا گیا ہے - یہی اقوال مولانا روم نے اپنی مثنوی میں استعمال کیے ہیں اور ان میں سے بعض غزالی کی 'احیاء علوم الدین' میں بھی مذکور ہیں - حیرت ہے کہ ان بزرگوں نے بغیر تحقیق کے ان اقوال کو اقوالِ رسول کیسے سمجھ لیا ، حالاں کہ احادیث کی اہم اور مسلّمہ صحیح کتابوں مثلاً صحاح ستّہ ، مؤطاء امام مالک ، مُسندِ دارمی

اور مُسندِ احمد بن حنبل میں ان کا ذکر نہیں[1] ۔ مثلاً ان احادیث کو موضوعات میں شمار کیا گیا ہے :

الفقر فخری والفقر منی ۔ (امیرالکونین ، ص ۴ ، ۶۱)
من عرف نفسہ فقد عرف ربہ ۔ (امیرالکونین ، ص ۷)
کنت کنزا مخفیا فاحببت ان اعرف فقد خلقت الدنیا ۔
لی مع اللہ وقت لا یسعنی ملک مقرب و نبی مرسل ۔
حسنات الابرار سیّات المقربین ۔ (امیرالکونین ، ص ۲۸)
من عرف ربہ کل لسانہ ۔ (امیرالکونین ، ص ۲۷)
الشیخ فی قومہ کالنبی فی امتہ ۔
موتوا قبل ان تموتوا ۔
طوبیٰ لمن ذل نفسہ ۔
لولاک لما خلقت الافلاک ۔
الا ان الاولیاء لا یموتون بل ینتقلون من الدار الی الدار ۔
(امیرالکونین ، ص ۱۰۷)

صوفی فقیر عموماً ترکِ علائق ، ترکِ دنیا اور قتلِ نفس کا حکم دیتے ہیں ۔ سلطان باہو نے بھی اپنی کتابوں میں جابجا انھی امور پر عمل پیرا ہونے کی نصیحت کی ہے اور اپنے اقوال کی تائید میں رسول خداؐ کی مندرجہ ذیل احادیث پیش کی ہیں :

ترک الدنیا رأس کل عبادۃ[2]۔
طالب الدنیا مخنث[3]۔
ترک الدنیا خیر من عبادۃ الثقلین[4]۔
اقتلوا النفس بسیف المجاہدۃ[5]۔

۱۔ المعجم المفہرس لالفاظ الحدیث النبوی ، از ونسک و دیگر ، بریل ۔
۲۔ عقلِ بیدار ، ص ۱۲۶ ۔
۳۔ ایضاً ، ص ۱۳۴ ۔
۴۔ محبت الاسرار ، مخطوطہ مذکور ، ص ۳۱ ۔
۵۔ مفتاح العارفین ، ص ۴۸ ۔

الدنیا تأکل الایمان کما تأکل النار الحطب[1]۔
موتوا قبل ان تموتوا ۔

ممکن ہے باطناً حضرت سلطان باہو کو دنیا داری سے رغبت نہ ہو مگر ظاہراً انھیں دنیا دار کہا جا سکتا ہے ۔ ان کی چار بیویاں تھیں ، سات لڑکے اور ایک لڑکی تھی ۔ انھوں نے ان لڑکوں کی تعلیم کا انتظام کیا ، ان کی شادیاں کیں ، پھر آگے ان کی اولادیں ہوئیں ۔ ان کو اپنے والد سے زمین و جاگیر ملی ۔ پچاس ہزار بیگھہ زمین ان کے ترکے میں آئی ۔[2] ان کے جانشین مدتوں تک ان کے وارث رہے اور ان کی مزروعات سے وسائلِ معیشت پیدا کرتے رہے ۔ حضرت سلطان اور ان کے کنبے کے لیے بھی تو یہی جاگیر وسیلۂ معاش ہوگی ۔

سلطان باہو نے اپنے اشعار میں بھی اموال و اولاد سے دور رہنے کو ہی قربِ خداوندی کا ذریعہ قرار دیا ہے ۔ مثلاً وہ لکھتے ہیں[3] :

مال و اولاد ابن آدم را جہنّم می برد
کس نباشد ایمن از وی گرچہ باشد خاص و عام
جز مفرّد کس نیابد راہ در درگاہِ دوست
ہان تو از اموال و از اولاد فارغ شو تمام

شاعری :

حضرت باہو کو اپنی خام فارسی کا خود بھی احساس تھا ۔ وہ کہتے ہیں :

''اس فقیر کی ظاہری عبارتِ فارسی خام ہے لیکن اس کے ساتھ جو حق اور مغزِ معنیٔ معرفت شامل ہو جاتا ہے تو خام مکھن میں گویا خالص شہد کا اضافہ ہو جاتا ہے ۔ شعرا کے کلام کی پختگی محض عقل و دانش سے ہوتی ہے اور فقرا کی بات محض نورِ حضور سے ہوتی ہے ۔''[4]

۱۔ محک الفقراء ، ص ۲۹۳ ۔
۲۔ تواریخِ سلطان باہو ، مخطوطۂ پنجاب پبلک لائبریری ، ص ۱۰ ۔ مناقبِ سلطانی ، ص ۳۰ ۔
۳۔ دیوانِ سلطان باہو ، ملک چنن دین ، لاہور ۔
۴۔ نور الہدیٰ ، ص ۱۸۵ ۔

ان کے فارسی دیوان میں صرف ۵۱ غزلیں شامل ہیں ۔ زبان میں استواری نہیں ہے ، مصرعوں کے در و بست میں جھول نظر آتا ہے لیکن وہ کہتے ہیں کہ میرے دل میں جو حق کا ولولہ ہے وہ مجھے موزوں کلام کہنے پر مجبور کرتا ہے ۔ کئی جگہ کلام کا ساتھ زبان نہیں دیتی ۔

ان کے کلام کی امتیازی خصوصیت وہی فنا فی اللہی کا جوش ہے جس کے اظہار کے لیے وہ جابجا الفاظ کا سہارا لیتے ہیں ۔ وہ تڑپ تڑپ کر کہتے ہیں :

منم غم‌خوار خود هستم بجز باهو نہ دردستم
دل و جان را بہ "هو بستم بہ بستم غیر الا" هو

فدا شد جسم و جان در ذاتِ باهو
بہ هستی هم جمال اللہ جویم

باہو دل کو عرشِ الٰہی اور مہبطِ انوارِ خداوندی سمجھتے ہیں :

عاشقی را طور معراجِ دل است
هر زمان از حق رسد او را سلام

دل کی روشنی سے ہی ان پر اسرارِ کائنات کھلتے ہیں :

منوّر گشت جانم همچو خورشید
هویدا گشت بر ما جملہ اسرار

☆ ☆ ☆

حقیقت الفقراء

یہ ایک مثنوی ہے جس میں شاہ حسین لاہوری کے احوال و کوائف مندرج ہیں ۔ اس کے مصنّف نے اپنا نام محمد پیر بتایا ہے اور یہ بھی لکھا ہے کہ ان کا تاریخی نام شیخ محمود تھا ۔ وہ ۱۰۰۸ھ میں پیدا ہوئے ۔ مثنوی کے اشعار سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ اچھے خاصے پڑھے لکھے آدمی تھے اور عربی میں اشعار موزوں کر لیتے تھے ۔ چونکہ شاہ حسین کے ساتھ انھیں عقیدت تھی اس لیے وہ تصوف و طریقت کے رموز سے بھی آشنا تھے ۔

یہ مثنوی ۱۰۷۱ھ میں لکھی گئی جو ۴۴ عنوانات پر مشتمل ہے ۔ ابتدا میں حمد و نعت اور معراجِ نبوی کے بیان کے بعد شاہ حسین کے مرشد شیخ بہلول

کے کمالات پر روشنی ڈالی ہے - شیخ بہلول نے ۹۵۵ھ میں شاہ حسین کو اپنا مرید بنایا تھا - شاہ حسین نے اپنے مرشد کی زندگی میں ہی ظواہرِ شریعت کی خلاف ورزی شروع کر دی تھی - ڈاڑھی صاف کرنے کے بعد علانیہ شراب اور رقص و سرود سے شغف شروع کر دیا تھا ، گویا وہ 'ملامتیہ' کا شیوہ اختیار کر چکے تھے - اس روش پر ان کی سخت مخالفت ہوئی - مخدوم الملک کے سامنے بھی پیش ہوئے ، اکبر بادشاہ نے بھی باز پُرس کی - ہندو نوجوان مادھو کے عشق کی وجہ سے ان کی اور بھی بدنامی ہوئی لیکن ان کا باطن پاک تھا - وہ سراپا عشقِ خداوندی میں غرق تھے - ان سے کرامات بھی ظاہر ہوئیں - مصنّف نے ان کے خارق عادت واقعات تفصیل سے بیان کیے ہیں - مثلاً ان کا قیدخانے سے غائب ہونا اور محلاتِ شاہی میں پہنچنا ، مادھو کو ملنے کے لیے بنارس پہنچنا یا دکن میں اس کے پاس آن کی آن میں پہنچنا محیّرالعقول واقعات ہیں - انھی کمالاتِ باطنی کو دیکھ کر مادھو ۱۰۰۱ھ میں مسلمان ہو گئے - ۳۵ سال تک ان کے مزار پر بیٹھے ، ۱۰۵٦ھ میں فوت ہوئے اور اپنے مرشد کے پہلو میں دفن کیے گئے - شاہ حسین ۱۰۰۸ھ میں فوت ہوئے - ان کا مزار پہلے کسی اور جگہ تھا ، بعد میں جب دریاے راوی میں طغیانی آئی تو ان کی نعش مبارک کو باباپور میں منتقل کیا گیا -

اگرچہ مصنّف نے خود شاہ حسین کو نہیں دیکھا کیونکہ وہ اسی سال پیدا ہوئے جس سال شاہ صاحب وفات پا گئے ، یعنی ۱۰۰۸ھ میں ، لیکن انھوں نے میاں مادھو کا زمانہ پایا اور یقیناً شاہ حسین کی زندگی کے حالات ان سے اور بعض ایسے اشخاص سے دریافت کیے ہوں گے جو اُن کے ہم عصر تھے - اس لیے کتاب کی تاریخی حیثیت اہم ہے - کتاب میں بعض تاریخی شخصیتوں کا بھی ذکر ہے : مثلاً ملک علی کوتوال ، مُلاّ سعید خاں دانشمند ، عبدالرحیم خانخاناں ، گوجر خاں کنبوہ وغیرہ - ایک عنوان کے تحت شاہ حسین کے دوستوں کا بھی نام بنام ذکر کیا ہے -

اس مثنوی کا ایک قلمی نسخہ پنجاب یونیورسٹی لائبریری لاہور کے مجموعۂ شیرانی میں موجود ہے - اسی نسخے کو بنیاد بنا کر ۱۹٦٦ع میں 'مجلس شاہ حسین' نے اس کو شائع کیا - چونکہ کتاب عجلت میں شائع کی گئی تھی اس لیے متن کی کامل صحت نہیں ہو سکی اور طباعت کی غلطیاں بھی رہ گئی ہیں -

مثنوی کی ادبی حیثیت خاص قابلِ اعتنا نہیں - مصنّف کا نام بھی شاعر کی

حیثیت سے کہیں مذکور نہیں ۔ بعض جگہ تو الفاظ کا دروبست خوب ہے لیکن بعض جگہ ناقص ہے ۔

مثنوی میں بعض جگہ جغرافیائی اور تاریخی ناموں کا ذکر آیا ہے اور بعض جگہ اُس زمانے کی کچھ رسوم کا تذکرہ بھی ہوا ہے ۔ ہندوؤں کے ہاں گنگا میں غسل اور بسنت کے موقع پر گلبازی کا حال بیان کیا گیا ہے ۔ اس طرح فارسی کی دوسری عوامی رومانی مثنویوں کی طرح اس میں بھی تھوڑا بہت عوامی عصری رنگ موجود ہے ۔ مثلاً مصنّف نے بسنت کا حال یوں بیان کیا ہے[1] :

ساخت هر سال عیش سازی را
سنّتِ خود بسنت بازی را

تا کہ دارند تا کنون هر سال
دوستان سنّتِ حسین بحال

کہ بروز بسنت با ہمہ ساز
بر مزارش شوند هولی باز

مردم شهر از عوام و خواص
بر مزارش شوند از اخلاص

یک شب و روز با سرود و شراب
اندر آنجا بسر برند احباب

مثنوی میں کئی جگہ 'لاہور' کا نام آیا ہے جس سے اُس زمانے میں لاہور کے اصلی تلفّظ پر روشنی پڑتی ہے ۔ لاہور بفتح ها نہیں تھا بلکہ بضم ها استعمال ہوتا تھا یعنی واؤ معروف پڑھی جاتی تھی ، مثلاً :

نیز آبای من ز لاهُور اند　　کہ بفضل ائمہ مغفور اند[2]

دوسرے مقامات پر لاہور تین مختلف تلفّظ سے استعمال ہوا ہے :

۱- شد ز عشقش بلاهور بدنام[3]

۱- حقیقت الفقراء ، لاہور ، ۱۹۶۶ع ، ص ۷۶ -
۲- ایضاً ، ص ۲۰ -
۳- ایضاً ، ص ۷۱ -

۲۔ هم فقیری بشهر لاهاور
بود اکسیر ساز صنعت گر[1]
۳۔ در لهاور رسید شیخ از راه
در چپ و راست شهر کرد نگاه[2]

☆ ☆ ☆

لطف اللہ مہندس[3]

استاد احمد معمار نادر العصر لاہور کے وہ باکمال اور نادرہ کار عمارت گر تھے جنھوں نے اپنے بھائی حامد کے زیر اہتمام تاج محل اور قلعۂ دہلی جیسی عظیم عمارات تعمیر کیں ۔ استاد احمد ۱۰۵۹ھ میں وفات پا گئے ۔ ان کے یہ تین بیٹے تھے :

۱۔ عطاء اللہ رشیدی ۔
۲۔ لطف اللہ مہندس ۔
۳۔ نور اللہ معمار ۔

یہ سب بھائی علم ہیئت و ہندسہ و حساب میں ماہر اور فن تعمیر و طرّاحی میں بے نظیر تھے ۔ لطف اللہ مہندس نے مروجہ درسیات کی تکمیل کی ۔ چنانچہ وہ لکھتا ہے :

دل دانای مرا فخر بعلم است و بفضل
جاهل است آن کہ بنازد بحلیؔ و بحلل

۱۔ حقیقت الفقراء ، لاہور ، ۱۹۶۶ع ، ص ۱۲۷ ۔
۲۔ ایضاً ، ص ۴۲ ۔
۳۔ سید سلیمان ندوی : "تاج محل اور لال قلعہ کے معمار" مقالات مطبوعۂ 'معارف' شمارہ ۲ ، ۳ ، ۴ ، ۱۹۳۶ع ۔ محمد عبداللہ چغتائی : "احمد معمار لاہوری اور اس کا خاندان" لاہور ، ۱۹۵۷ع ۔

صرف در منطق و حکمت شده این عمر عزیز
لیک آن نکتہ نخواندم کہ درو حاصل بود

لطف اللہ معمار مہندس شد استاد
گر کار درایت نکند پس چہ کند

اسے اپنی عمارت گری پر ناز اور فخر ہے ۔ وہ کہتا ہے :

دمی کہ من بعمارت گری شوم مشغول
ملک مصالح کار آورد بسر باری
چنان منیر شود شبہۂ عمارتِ من
کہ زر مہر بود نزد نور او تاری

ایک اور جگہ لکھتا ہے :

بلند پایہ ز من گشت قدر معماری

وہ داراشکوہ کے دامنِ دولت سے وابستہ رہا ۔ اس کی مدح میں قصیدہ بھی لکھا ۔ اسی کے توسط سے شاہجہان تک رسائی ہوئی ۔ اس کے بیٹے سلیمان شکوہ کی ستایش میں بھی ایک قصیدہ اس کے دیوان میں موجود ہے ۔ ایک غزل کے مطلع میں تینوں کا نام یکجا لیا ہے :

داراشکوہ ، شاہجہان ، بانیِ جہان
بر وی مبارکست سلیمانیِ جہان

اس نے داراشکوہ کے لیے محل بنایا اور خود تاریخ بھی نکالی :

گفت معمارِ قصر تاریخش
قصرِ دارا شکوہ والیِ ملک (۱۰۶۰ھ)

۱۰۶۹ھ کے انقلاب میں داراشکوہ قتل ہوئے اور بادشاہ قید ہوگئے ۔ لطف اللہ کے سرپرستوں پر جب ایسی آفتیں نازل ہوئیں تو اس کے دل پر کیا گزری ہوگی ۔ سید سلیمان ندوی اس کی ایک قطعہ بند غزل نقل کر کے کہتے ہیں کہ یہ اورنگ زیب کو مخاطب کر کے لکھی گئی ہے اور اس پر طعن و تعریض کی گئی ہے ۔ وہ غزل یہ ہے :

شہا گوش بر دادخواہی نداری
بحالِ گدایان نگاہی نداری

رقیبان بقتلم نوشتند فتویٰ
وگرنہ تو هرگز گناهی نداری
نیاری صبا سوی بلبل پیاسی
مگر سوی گلزار راهی نداری
مہندس ازان رو نداری وقاری
کہ چون زاهدان خانقاهی نداری

لیکن اس اظہارِ خیال کے باوجود اس نے اپنی تالیف 'سحر حلال' کے دیباچے میں اورنگ زیب کی تعریف کی ہے اور اس کے لیے دعائے خیر مانگی ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ بعد میں اس کا دل مانوس و مالوف ہوگیا ہے۔ 'سحر حلال' کے تعارف میں ہم نے وہ عبارت نقل کردی ہے۔

تصانیف

لطف اللہ مہندس مصنّف اور شاعر کی حیثیت سے بھی معروف تھے۔ اب تک ان کی مندرجہ ذیل کتابوں کے متعلق معلومات حاصل ہو سکی ہیں:

۱- صورِ صوفی۔
۲- رسالۂ خواصِ اعداد۔
۳- شرحِ خلاصۃ الحساب۔
۴- منتخب الحساب۔
۵- تذکرۂ آسانِ سخن۔
۶- سحرِ حلال۔
۷- رسالۂ اوقاتِ نماز۔
۸- دیوانِ مہندس۔

صورِ صوفی:

یہ عبدالرحمٰن صوفی ہیئت دان متوفی ۳۷۶ھ کی کتاب 'صور الکواکب' کا فارسی ترجمہ ہے جو لطف اللہ نے اپنے باپ کے حکم سے ۱۰۵۰ھ میں مکمل کیا۔ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ لائبریری (نمبر ۳۱، فارسی علوم) میں لطف اللہ کے اپنے ہاتھ کا لکھا ہوا نسخہ موجود ہے۔ کتاب کے دیباچے اور خاتمے سے اس

کتاب کے ترجمے کی اہمیت اور مترجم کی شخصیت کا علم ہوتا ہے ۔

''چنین گوید محتاج الی اللہ القادر الغفار لطف اللہ بن احمد النادر المعمار مد اللہ ظلہ علی رؤس الاولاد بحرمۃ النبی و آلہ الامجاد کہ چون اشارۂ آنحضرت بسوی این فقیر حقیر شد کہ کتاب عمدۃ الاسلام قدوۃ الانام مولانا عبدالرحمن بن صوفی افاض اللہ علیہ شآبیب الغفران و اسکنہ فرادیس الجنان کہ در معرفت نجوم ثابتہ کتابیست معتبر و رسالہ ایست کافیہ بجہت عموم فائدۂ کلام و سہولتِ فہمِ مرام ، بعبارت فارسی سادہ ترجمہ کردہ آید تا بر ترغیب خاطر فارسی خوانان حقیقت طلب باعث تر شود ۔ کمر اطاعت بر میان جان بستہ ، دست را بنوشتن نگارین کرد ۔ امید کہ باین سجیۂ مرضیہ من در عقبیٰ ماجور و ترجمہ من در دنیا مقبول باشد و طالبان این فن ازین ترجمہ مستفید شوند ، چنانکہ از اصل این ۔ و اگر خطای باشد ، اصلاح فرمایند ۔ الحمدللہ ومنتہ کہ در فرصت اندک ہمگی بوجہ احسن و شایستہ میسر شد و در سنہ یک ہزار و پنجاہ ہجری اتمام پذیرفت اما احسن و شائستہ تر وقتی کہ از نظر مبارک والد بزرگوار من بگذرد و بعین عنایت و چشم مکرمت نگاہ کنند و قبول فرمایند ۔''

خاتمے کی عبارت یہ ہے :

''ہزار ہزار حمدِ ایزدِ دادار کہ ترجمۂ 'صورِ صوفی' حسب الحکم قبلۂ صورت و معنی ، کعبۂ ظاہر و باطن خداوندِ حقیقت و مجاز ابویم مسمی باحمد المخاطب بنادر العصر سلمہ اللہ تعالی ِمن بلیّات الزمان و آفات الدھر ، بآخر رسید و اتمام پذیرفت ۔

بقلمِ شکستہ رقم لطف اللہ کہ مؤلف این رسالہ و مترجم این مقالہ است کتاب باتمام رسید ۔

الحمدللہ علی نعمائہ والصلوٰۃ علی انبیائہ لاسیّما علی محمد و آلہ و اصحابہ اجمعین و اغفرلی و لوالدی بحرمتھم یا ارحم الراحمین ۔

رسالۂ خواصِ اعداد :

یہ رسالہ فارسی میں ہے اور چار مقالوں میں منقسم ہے ۔ اس کی ابتدائی سطریں یہ ہیں : ''الحمد للہ رب العالمین والصلوۃ علی رسولہ محمد و آلہ و اصحابہ اجمعین ۔

اما بعد میگوید فقیر لطف اللہ متخلص بہ مہندس بن استاد احمد لاہوری کہ این رسالہ ایست مختصر در علم ارسماطیقی (ارثماطیقی) یعنی خواص اعداد ، بدان اسعدک اللہ فی الدارین -

خطی نسخوں کے لیے دیکھیے :

۱- فہرست ِ کتب ِ فارسی ، برٹش میوزیم -

۲- کتب خانۂ سعیدیہ ، حیدر آباد دکن -

شرح ِ خلاصۃ الحساب :

بہاء الدین محمد بن حسین عاملی المتوفی ۱۰۳۰ھ کی عربی تصنیف 'خلاصۃ الحساب' کی شرح ہے - دیکھیے :

فہرست ِ مخطوطات ِ عربی ، انڈیا آفس ، شمارہ ۷۶ - کتب خانۂ رامپور ، نمبر ۴۵ ، ریاضی -

منتخب :

بہاء الدین عاملی کی مذکورہ بالا تصنیف 'خلاصۃ الحساب' کا فارسی ترجمہ اور خلاصہ ہے - یہ کتاب ۱۰۹۲ھ میں تالیف ہوئی - اس کا دیباچہ حسب ذیل ہے :

"گوید فقیر لطف اللہ مہندس بن استاد احمد معمار لاہوری غفر اللہ لہ و لوالدیہ و احسن الیہما و الیہ کہ کتاب حساب را کہ تصنیف است از محقق و نحریر مدقق شیخ بہاء محمد بن حسین عاملی (آملی) مشتمل بر قواعد شریفہ و فوائد لطیفہ ، باشارات خلاصہٗ دودمان سیادت ، منتخب خاندان وزارت میر محمد سعید بن میر یحیی ادام اللہ اقبالہ و ضاعف اجلالہ ، ترجمہ کردم کہ چون آن نسخہ خلاصہ نام داشت این نسخہ را منتخب نہادم - نام تاریخ ِ تالیف ِ این رسالہ است و این رسالہ بنا بر ترتیب کتاب مرتب است بر مقدمہ و ابواب -"

اس کے قلمی نسخے مندرجہ ذیل کتب خانوں میں موجود ہیں :

برٹش میوزیم ، شمارہ ۱۶۷۴۴ -

انڈیا آفس ، شمارہ ۲۲۵۳ ، ۲۲۵۴ -

آصفیہ ، ریاضیات ، نمبر ۱۱۱ -

سبحان اللہ خاں لائبریری ، مسلم یونیورسٹی علی گڑھ ، نمبر ۳ / ۵۱۱ -

جامعہ ملیّہ دہلی ، نمبر ۷٦ -

کتب خانۂ دیوان مدراس -

آسمانِ سخن :

یہ تذکرۂ شعرا ہے - لطف اللہ نے اس کے دیباچے میں خود اس کی تفصیل بتائی ہے - دولت شاہ سمرقندی نے ۸۹۲ھ میں تذکرۃ الشعراء لکھا ، جو سات طبقوں میں منقسم ہے - اکبری عہد کے ایک شاعر فائضی کرمانی نے اس کو نظم کیا اور سات طبقوں کی بجائے اس کو دس طبقوں میں مکمل کیا - لطف اللہ نے دو طبقوں کا اضافہ کر کے بارہ برجوں کی مناسبت سے اس کا نام 'آسمانِ سخن' رکھا -

کتب خانۂ شاہانِ اودھ کی فہرست میں صفحہ ۱۱٦ پر اس کتاب کا ذکر موجود ہے - لطف اللہ نے کل ۲۵۰ اشعار کا اضافہ کیا ہے - فہرست میں لطف اللہ کے تیرہ اشعار نقل کیے گئے ہیں - ہر شعر میں عہد شاہجہان کے شاعر کا نام لایا گیا ہے - دلچسپی کے لیے اور لطف اللہ کی نظم کا رنگ دیکھنے کے لیے ہم بھی ان کو یہاں نقل کرتے ہیں :

وحیدِ دھر امانی ابن مہابت خان
ولی بخانِ زمان است شہرۂ دوران

دگر یگانہ ظفر خان تخلّص احسن
ربودہ گوی سخن از سخنوران در فن

دگر وحیدِ زمن آشنا عنایت خان
بود ببحرِ سخن آشنا عنایت خان

دگر وحیدِ زمن شادمان غم پرور
بیانِ شادی و غم در کلامِ او مضمر

دگر سخنورِ کشمیر محسنِ فانی
بقای نامِ وی از دولتِ سخندانی

مہِ سپہر سیادت یگانہ میر عماد
کہ بود در غزل و مدح و مثنوی اُستاد

لبیب عصر محمد حسین آشوب است
سخنوری کہ سخنہاش جملہ مرغوب است
دگر وحید زمان است طالبای کلیم
کہ شعر او ید بیضا ست نزد طبع سلیم
دگر فرید جہان قدسی محمد جان
بعہد شاہجہان گو ربودہ از اقران
الٰہی ہمدانی است در سخن اُستاد
سخنوری است کہ داد سخنوری می داد
لبیب ازمنہ اُمّی نخواند ہیچ کتاب
زفیض حق شدہ مفتوح بر رخش صد باب
دگر وحید زمن باقیا ترانۂ او
خوشست ہمچو غزلہای عاشقانۂ او
فصیح ازمنہ فتحا کہ چون غزل میگفت
چو عندلیب غزل خوان درو گہر می سفت

سحر حلال :

فارسی میں علم اخلاق پر رسالہ ہے ۔ اس کی ساری عبارت غیر منقوط ہے ۔ رسالے کا آغاز اس طرح ہے : ”اللہ علاء اسمہ در اول کلام حمد کردگار آوردم ۔ مالک ملک ، علام ، واحد ، صمد ، سلام ۔

حمد و نعت کے بعد اورنگ زیب عالمگیر کی تعریف کی ہے اور اس کا نام اس طرح بیان کیا ہے :

”اسم اکرم او حامل دو کلمہ آمد ۔ کلمہ اول سر عدل و دل داد و دل علم و سر مراد ۔ کلمہ دوم سر گل و دل سرو و در سر گل و دل سرو (ع) دہ درآمدہ (ا) ملک علام (ل) و صمد سلام (م) ہموارہ سر او را محور سای (گ) کرم و گل او را (ی) محسود دوحۂ ارم داراد (ر) ۔“

بادشاہ کی مدح کے بعد ”مدح رسالہ و حال محرّر اصلح اللہ حالہ“ کے عنوان سے اپنے والد اور تین بھائیوں کا ذکر کیا ہے اور آخر میں اس رسالے کا سال تحریر لکھا ہے :

”معلوم اہل کمال کہ سحر حلال را در ماہ محرم مسطور کردہ ۔ سال رسم

سحر حلال ملہم اہلِ حال و معلم اہلِ کمال را سوال کردم ۔ صدا در داد
که سحر حلال درد اہلِ حال آمد و درس لوح کمال ۔'' (۱۰۷۲ھ) ۔

کتاب کا متن مندرجہ ذیل عنوانات پر مشتمل ہے ۔ مثلاً :

مدح عدل ۔ مدح سماح ۔ محرم امساک ۔ محرم حسد ۔ محرم طول اصل ۔
محرم حرص و طمع ۔ محرم کسل ۔ مدح کد ۔ مدح علم ۔ مدح دلدار و
حال اہلِ دل ۔ ہوس وصل دلدار ۔ حصول وصل دلدار ۔ محرم ہوس و دوام
وصل ۔ مدح مُل ۔ مدح سرود ۔ کلام اھلِ دل ۔

اس کتاب کے دو نسخوں کا حال معلوم ہے :

۱۔ کتب خانۂ مدرسہ محمدی مدراس ، نمبر ۲٦۸٦ ۔

۲۔ کتب خانۂ بمبئی یونیورسٹی ، فہرست جلد ۱۸ ، ص ۱۷ ۔

دیوان :

لطف اللہ مہندس کے دیوان کی تفصیل سید سلیمان ندوی صاحب نے بیان کی ہے ۔ بنگلور کے کسی صاحب کے پاس اس کا نسخہ موجود تھا ۔ دوسرے کسی نسخے کی موجودگی کا علم نہیں ہو سکا ۔ یہ دیوان چھوٹی تقطیع کے ۹٦ صفحات پر مشتمل ہے ۔ پہلے دس صفحوں میں چار قصاید ہیں : پہلا نعتیہ ، دوسرا داراشکوہ ، تیسرا اس کے بیٹے سلیمان شکوہ کی مدح میں ہے اور چوتھے کا موضوع معشوق کا سراپا ہے ۔ گیارھویں صفحے سے ۸۷ تک غزلیات ہیں ۔ پھر ایک مثنوی ہے جس میں اپنے خاندان کا حال لکھا ہے اور جس سے یہ منکشف ہوا کہ ان کے افراد خاندان در اصل تاج محل اور لال قلعہ کے معمار تھے ۔ اس کے بعد دو مختصر مثنویاں ہیں اور آخر میں چند قطعات ہیں جن میں سے دو تین قطعات تاریخی ہیں ۔

سید سلیمان ندوی نے اپنے مقالے میں اس کے دیوان سے جو اشعار نقل کیے ہیں اس سے تو یہی معلوم ہوتا ہے کہ وہ متوسط درجے کے شاعر تھے ۔ مضمون نظم کر لیتے تھے ۔ خیالات میں کوئی خاص اُپج اور احساسات میں عمق نہیں ہے ۔ زبان درست ہے ۔

مہندس نے غزل کے مقطعوں میں اپنے تخلص کی رعایت سے کوئی نہ کوئی نکتہ پیدا کرنے کی کوشش کی ہے اور مراعاتِ لفظی کا خیال رکھا ہے ۔ مثلاً یہ

اشعار ملاحظہ کیجیے :

ای مہ بی مہر در چشم مہندس بی رخت
از حضیض خاک تا اوج ثریا آتش است

ای مہندس رو کہ در علم نظر
احتیاج مسطر و پرکار نیست

تا بکی شکل زمین خواهی کشید
رو مہندس صورت افلاک کش

مندرجہ ذیل غزل اس کے کلام کا نمایندہ نمونہ ہو سکتی ہے :

یاران هلال عید برآمد نظر کنید
ماه صیام رفت ، مغان را خبر کنید
یاران دگر بکوری مفتی و محتسب
امروز خاک میکده کحل بصر کنید
اکنون رسید کوکبۂ عیش و انبساط
ای درد و غم ز مملکت دل سفر کنید
آن کس کہ از برآمدن مہ خبر کند
او را باحترام دهن پر شکر کنید
گر در من و نگار مہندس شود حجاب
دستش گرفتہ زود ز محفل بدر کنید

☆ ☆ ☆

عطاء اللہ رشیدی

عطاء اللہ رشیدی ، استاد احمد معمار نادرالعصر کا بڑا بیٹا تھا ۔ وہ بھی اپنے باپ اور بھائیوں کی طرح ہیئت ، نجوم ، ریاضی اور عمارت گری میں ماہر تھا ۔ لطف اللہ

مہندس ، اس کے چھوٹے بھائی نے ایک مثنوی میں اس کے متعلق یوں لکھا ہے :

پس سہ پسر مانند ز مرد سترگ
زان سہ عطاء اللہ رشیدی بزرگ

نادر عصر خود و مشہور شہر
عالم و علامہ و دانای دھر

مرد ہنر پرور و استاد فن
فاضل و دانشور و حبر زمن

مخزن علم آمدہ تالیف او
گنج ہنرہاست تصانیف او

نثر وی از آب روان پاک تر
نظم خوشش غیرت سلک گہر

منکہ سخن پرور و دانشورم
بندۂ آن حبر سخن پرورم

منکہ ربودم ز جہان گوی علم
از چمنش یافتہ ام بوی علم

منکہ شدہ آگہ سر نہان
از دم او یافتہ ام قوت جان

تصانیف

ابھی تک عطاء اللہ کی تین تالیفات کا علم ہوا ہے ۔

ترجمۂ بیج گنت :

اس کی اصل سنسکرت کا لفظ 'ویجا گنیتا' ہے جس کے معنی علم جبر و مقابلہ کے ہیں ۔ یہ بھاسکر اچاریا کی تصنیف ہے ۔ ترجمے کا پہلا شعر یہ ہے :

اول ز ستایش الہی گویم　　پس نعت رسول او کماھی گویم

بھاسکر اچاریا کی دوسری کتاب لیلاوتی کا ترجمہ فیضی نے کیا تھا ۔ اس کا پہلا شعر یہ تھا :

اول ز ثنای پادشاھی گویم　　وانگہ ز ستایش الہی گویم

عطاء اللہ رشیدی کا شعر فیضی کے اس شعر کا جواب معلوم ہوتا ہے ۔

دیباچے کی عبارت سے کتاب کی تالیف و ترجمہ کا حال معلوم ہوتا ہے :

اما بعد می گوید بندۂ محتاج بخداوند قادر عطاء اللہ رشیدی ابن احمد نادر کہ بتوفیقِ الٰہی در سنہ اربع و اربعین و الف ہجری مطابق ہشتم سال جلوس حضرت صاحب ِقرانی بر اورنگِ سلطنت و جہانبانی ، کتاب جبر و مقابلہ ہندوی موسوم بہ 'بیج گنت' تصنیف بھاسکر اچارج صاحب 'لیلاوتی' را کہ در علمِ حساب کشافی است بحقائق رائقہ و مفتاحیست بدقایق فائقہ و محتویست بر فوایدِ بلند و مطالبِ ارجمند کہ در 'لیلاوتی' مذکور نیست و در ہیچ نسخہ فارسی و عربی مسطور نہ ، از زبان ہندی بفارسی آوردم و دیباچۂ کتاب را بکتابہٴ دعای دولت حضرت خاقانی ، وارث ملک سلیمانی ، مرتقی مدارج عزّ و جلال . . . ابو المظفر شہاب الدین محمد ، صاحب قران ثانی ، شاھجہان نامی بادشاہ غازی . . .''

اس کتاب کے قلمی نسخے برٹش میوزیم ، ندوۃ العلماء لکھنؤ ، سعیدیہ حیدر آباد اور میونک یونیورسٹی کے کتاب خانوں میں موجود ہیں ۔

خلاصۂ راز :

یہ رسالہ فارسی نثر میں ہے اور دس ابواب میں منقسم ہے ۔ اس کا موضوع حساب ، مساحت اور جبر و مقابلہ ہے اور شاہزادہ دارا شکوہ سے معنون ہے ۔ رسالے کا آغاز اس شعر سے ہوتا ہے :

شکرِ بے حد بواحد ازلی　　　حمدِ بے حد بفرد لم یزلی

اس کا قلمی نسخہ برٹش میوزیم کے کتب خانے میں موجود ہے ۔

خزینۃ الاعداد :

یہ کتاب علمِ حساب ، الجبرا اور عملی اقلیدس کے موضوع پر ہے اور مبتدیوں ، سرکاری دفتروں کے ملازموں ، تاجروں اور مذہبی عالموں کے لیے لکھی گئی ہے ۔ رسالے کا آغاز اس طرح ہے :

''الحمد للہ الذی جعل الشمس ضیاءً والقمر نورا ۔ قدر منازل . . . مؤلف این رسالہ و مترجم این مقالہ المفتقر الی رحمۃ اللہ الفقیر الحقیر عطاء اللہ ۔''

رسالہ ایک مقدمے ، دو مفتاح ، دس ابواب ، ایک کشکول اور خاتمے پر مشتمل ہے - تاریخ تالیف کے بارے میں یہ شعر لکھا ہے :

ز تاریخِ اتمامش آگہ شوی   چو نامِ وی آری تو اندر حساب

اگر صرف لفظ 'خزینۃ' کے اعداد لیے جائیں تو تاریخ تالیف ۱۰۶۷ھ نکلتی ہے ، لیکن اگر پورے نام ''خزینۃ الاعداد'' کے اعداد شمار کیے جائیں تو سال تالیف ۱۱۷۸ھ نکلتا ہے - بمبئی یونیورسٹی لائبریری کی فہرست کتب کے مرتّب شیخ عبدالقادر نے یہی آخری تاریخ نکالی ہے - لیکن اس صورت میں یہ کتاب عطاء اللہ بن احمد معمار کی تصنیف نہیں ہو سکتی - سید سلیمان ندوی نے خزینۃ کو صحیح متصور کیا ہے - اس کا صرف ایک نسخہ بمبئی یونیورسٹی لائبریری میں موجود ہے -

لطف اللہ نے تو لکھا ہے کہ عطاء اللہ رشیدی شاعر بھی تھا لیکن اس کے اشعار کہیں نظر سے نہیں گزرے - مسلم یونیورسٹی علی گڑھ میں 'صور صوف' کا جو نسخہ موجود ہے اس کے آخر میں عطاء اللہ کا ایک شعر مندرج ہے :

عطاء اللہ کہ گر نامش نہی ہیچ   ز غیرت ہیچ افتد در خم و پیچ

☆ ☆ ☆

سلطان شادمان

سلطان شادمان کے متعلق بہت کم معلومات حاصل ہو سکی ہیں - گکھڑ قبائل کے متعلق صرف 'کیگوھر نامہ' مؤلفہ 'دنی چند ایک مستند کتاب سمجھی جاتی ہے - اس کتاب کے صفحہ ۱۴۳ سے پتا چلتا ہے کہ شادمان ، اجمیر خاں کا بیٹا اور ممارا خاں کا پوتا تھا -۱ ممارا خاں کے متعلق لکھا ہے کہ اسلام شاہ (۹۵۲ - ۹۶۰ھ) نے اس کو اسی ہزار فوج کا سردار بنا کر سلطان آدم خاں کے

۱- کیگوھر نامہ ، دنی چند ، باہتمام دکتر محمد باقر ، ۱۹۶۵ع -

مقابلے میں بھیجا ۔ سخت معرکہ ہوا ، مارا خاں کو زندہ قید کر لیا گیا اور اس کی قیمت فروخت ایک روٹی مقرر کی گئی ۔ مارا خاں کے متعلق مزید یہ معلوم ہوا ہے[1] کہ وہ کمال خاں سلطان پوٹھوہار کا بیٹا تھا ۔ کمال خاں کی وفات پر مارا خاں کو دربار اکبری سے پانچ ہزار ذات و پانچ ہزار سوار کا منصب عطا ہوا اور اس نے عدل و سخاوت سے حکومت کی ۔ جب اکبر کابل جا رہا تھا تو وہ قلعۂ رہتاس کے متصل مارا خاں کے پانچ ہزار سوار دیکھ کر بہت خوش ہوا ۔[2] اس موقع پر ٹوڈرمل نے مشورہ دیا کہ شیر شاہ گکھڑوں کو زیر نہیں کر سکا تھا اس لیے اس نے قلعۂ رہتاس بنایا تھا ۔ اس ملک کو تقسیم کر دینا چاہیے ۔ چنانچہ اکبر نے اس کے مشورے پر پوٹھوہار کو تقسیم کر کے 'دانگلی' سلطان جلال خاں نبیرۂ سلطان آدم کو ، 'پھرہالہ' سلطان مارا خاں کو ، 'پنڈی' سعید خاں ولد سلطان سارنگ کو اور اکبر آباد شیخ کھکا بدھال کو دیا ۔ مارا خاں ۹۷۰ھ میں فوت ہوا ۔[3]

اجمیر خاں یعنی سلطان شادمان کے باپ کے متعلق اتنا معلوم ہوا ہے کہ ایک مرتبہ فتح خاں اور شیر خاں فرنسیال کے ساتھ اس کی لڑائی ہو گئی جس میں فتح خاں مارا گیا ۔ اس کا انتقام لینے کے لیے دیوان علی محمد خاں پسر سلطان جلال خاں اجمیر خاں سے نبرد آزما ہوا جس میں اجمیر خاں کو شکست ہوئی ۔

اجمیر خاں کی وفات پر سلطان شادمان ، جہانگیر بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہوا تو اس کو پھرہالہ جدی ورثے میں عطا ہوا ۔ ایک مرتبہ وہ کابل میں فوجی خدمت انجام دے رہا تھا کہ اپنی عاقبت نااندیشی کی وجہ سے کابل سے بھاگ کر اپنے وطن میں آ گیا اور اطاعت شاہی سے منحرف ہو کر رہزنی اختیار کر لی ۔ بادشاہ کی طرف سے سلطان اکبر قلی خاں اس کی سرکوبی کے لیے مقرر ہوا ۔ چنانچہ موضع دودھار میں گھمسان کا رن پڑا ۔ شادمان کو شکست ہوئی ۔ اسے پوٹھوہار کے علاقے سے نکال دیا گیا اور پھرہالہ سلطان اکبر قلی خاں کو عطا ہوا ۔[4] (۱۰۳۵ھ)

۱۔ کیگوھر نامہ ، دنی چند ، باہتمام ڈاکٹر محمد باقر ، ص ۱۱۶ ۔
۲۔ ایضاً ، ص ۱۱۹ ۔
۳۔ ایضاً ، ص ۱۲۷ ۔
۴۔ ایضاً ، ص ۱۴۳ ۔

'دنی چند مصنف 'کیگوھر نامہ' لکھتا ہے کہ شادمان زیورِ دانش سے عاری تھا ، اس لیے خطاب سلطانی اور پرگنہ پھرہالہ اس کے تصرف سے جاتا رہا - کہتے ہیں کہ اس کی علمیت اس قدر تھی کہ اس نے 'دیوانِ شادمان' کے نام سے کتاب تصنیف کی - وہ اس قدر عقل کا مالک تھا کہ اس نے بازوؤں کے ساتھ پنکھے اور چھاج باندھ کر پرواز کا ارادہ کر کے کوٹھے سے چھلانگ لگا دی اور اس کی ٹانگ ٹوٹ گئی - اس موقع پر اس نے یہ شعر کہا[1] :

شادمان گکھڑ خیالِ خام کرد   نام خود را در جہان بدنام کرد

ظاہر ہے کہ مصنفِ 'کیگوہر نامہ' کی معلومات بہت ناقص ہیں - مصنف تو اس کو ایک فقیر دیوانہ کے روپ میں پیش کرتا ہے - وہ اس کی شاعری سے ناآشنا ہے اور اس کے دیوان کے متعلق لکھتا ہے کہ شادمان نے 'دیوان' کے نام سے ایک کتاب تصنیف کی ، حالانکہ 'مرآة الخیال' مؤلفہ ۱۱۰۲ھ کے بیان کے مطابق شاہجہان اور اورنگ زیب کے درباروں تک اس کی رسائی تھی اور اس کے اشعار اس لائق تھے کہ بادشاہ کے حضور میں پیش ہو سکیں - شیر خاں لودھی مؤلف 'مرآة الخیال' لکھتے ہیں کہ سلطان شادمان کی زبان میں لکنت تھی اور اس کی طبیعت بڑی 'چالاک' تھی - شاہجہان تختِ طاؤس پر بیٹھا تو اس نے مندرجہ ذیل غزل پیش کی :

صبح دم کز فیض گشتم ہم نشینِ آفتاب
نقش نام شاہ دیدم در نگینِ آفتاب

شاہِ دین پرور شہاب الدین محمد پادشاہ
ثانیِ صاحبقران کامد قرینِ آفتاب

معجز وصف سریرش بین کہ میکارم بذوق
تخمِ گل ہای مدیحش در زمینِ آفتاب

تختِ شاھنشاہِ ما زابِ گُہر پیدا کند
موجِ دریای خجالت بر جبینِ آفتاب

صفحہ اشعار من از وصفِ تختِ پادشاہ
چون یدِ بیضا بود در آستینِ آفتاب

۱- کیگوھر نامہ ، دنی چند ، باہتمام دکتر محمد باقر ، ص ۱۷۳ -

روی اورنگ شہنشہ زاب و تاب لعل و زر
خیرگی بخشد بچشم دوربین آفتاب

خوبی اعجاز مدح شاہ را نازم کہ ساخت
از بلندی معنی من دل نشین آفتاب

شادمان ظل شہنشہ بر جہان پایندہ باد
تا بود رخش فلک در زیر زین آفتاب

مندرجہ ذیل شعر میں بھی شاہجہان کی طرف اشارہ معلوم ہوتا ہے :

شادمان از مدد فیض شہنشاہ کریم
چون تو در عصر نیابند سخن ساز دگر

جب اورنگ زیب عالم گیر تخت نشین ہوا تو سلطان شادمان نے اس کی مدح میں قصیدہ لکھا ۔ بادشاہ نے سنا اور بعض اشعار کو پسند کیا اور دوبارہ سنا ۔ لیکن بعد میں کہا کہ شریعت کی رو سے صنعت شعر فعل عبث ہے ۔ مابدولت چاہتے ہیں کہ اس کے بعد تمھاری فکر اس طرف متوجہ نہ ہو ۔ شادمان نے فوراً اس کام سے توبہ کی اور پھر فکر سخن نہ کیا ۔ یہ قصیدہ بطور یادگار محفوظ کر لیا گیا ہے[۱] :

آن کیست کہ ز حقۂ لعلت نشان دھد
در خواب اگر دھد بطریق گمان دھد

آب حیات خضر کہ عمریست جاودان
تا کی ز حسرت لب لعل تو جان دھد

فکر سخن طراز کہ خضریست فی المثل
خود در عدم رود چو نشان زان میان دھد

ابر قلم کہ آب سیہ می چکد ازو
رنگ سخن ز وصف رخ گلرخان دھد

قدّ تو در خرام بگلگشت بوستان
صد پیچ و خم ز شرم بسرو چمان دھد

آنجا کہ اوست نالۂ عاشق کجا رسد
گر بال جبرئیل بمرغ فغان دھد

۱- مرآۃ الخیال ، بمبئی ، ۱۳۲۴ ، ص ۱۴۴ - ۱۴۶ -

از چشمِ جان ستانش چو خواهم حیاتِ تو
مژگان جوابِ من بزبانِ سنان دهد
گر دل ستاند از نگهِ عشوه آفرین
صد دل عوض ز طرهٔ عنبر فشان دهد
چون شیشهٔ شراب که با محتسب دهند
کس دل چرا بدست تو نامهربان دهد
نازم بچهره ات که بهنگام می ز عکس
رنگینیِ بهار بفصلِ خزان دهد
هر چیز را بخاصیتی آفریده اند
کی سرمه در گلو اثر زعفران دهد
من خود بدردِ یار خوشم ورنه روزگار
کی این قدر الم بدلِ شادمان دهد
چشمش بابروان و مژه کُشت عالمی
کس ترک مست را ز چه تیر و کمان دهد
مضمون دل نشین که رسد از جهان غیب
یاد از طراوتِ سخن باستان دهد
مرد آن بود که گر همه عالم بدو دهند
دل کم بدهد بشادی و غم تا که جان دهد
جان بنقد مهر و وفا داده ایم و بس
دیوانه نیستیم که جانی بنان دهد
شاید مرادِ من که نخواهم ز آسمان
اورنگ زیب عادل گیتی ستان دهد
شاهی که از برای سر دشمنانِ دین
بهرِ نثار گوهرِ تیغِ یمان دهد
بهرام صولتی که ز بیمش پی گریز
گردون عنانِ خود برهِ کهکشان دهد
تا ارض پُر سکون و سما در تحرّک است
تا چتر آفتاب ز مشرق نشان دهد

زیبندہ باد بر سر اورنگِ سلطنت
تا ابر و مہر رونق دریا و کان دھد

سرخوش مؤلفِ 'کلمات الشعرا' نے شادمان کے متعلق اتنا بتایا ہے کہ وہ منصب ترک کر کے گوشہ نشین ہو گیا تھا ۔ اس نے موزوں طبیعت پائی تھی ۔ اہلِ سخن میں اس کا یہ شعر بہت مقبول تھا :

شاخِ شکستہ گل ندھد لیک زلفِ یار
ہر جا شکست خورد ، گلِ آفتاب داد

سرخوش نے شیخ عبدالعزیز عزت داروغۂ عرضِ مکرر کی زبانی یہ واقعہ نقل کیا ہے کہ ایک مرتبہ عالمگیر نے اس سے پوچھا کہ مندرجہ بالا شعر کے علاوہ شادمان کا اور بھی کوئی اچھا شعر ہے ؟ عزت نے مندرجہ ذیل شعر پڑھا اور کہا کہ برجستہ بھی ہے اور تلاشِ معنی کا مظہر بھی :

جز من کسی دگر ز سلاطینِ روزگار
سدّی بروی بحر ز گوھر نہ بستہ است

سرخوش لکھتے ہیں کہ میں نے کہا شکر کرو عالمگیر شعر فہم نہیں تھا ۔ کہیں جہانگیر ہوتا تو پھر دیکھتے کہ بات کہاں تک جا پہنچتی ۔ یہ تو اس کا فخریہ شعر تھا ۔ بادشاہ کے حضور ایسا شعر پڑھنا دور اندیشی سے بعید ہے ۔ عزت نے سن کر کہا ''آپ سچ فرماتے ہیں ۔ خدا تعالیٰ نے خیر سے گزار دی ۔۱''

شاہزادہ سلطان مراد بخش سے بھی شادمان کو ایک گونہ تعلق خاطر رہا ہے ۔ ایک غزل میں اس کی بڑی تعریف کی ہے :

اندر نبرد گاہِ سواری و سرکشی
شکل ھلال سایۂ پرتو کلاہ اوست

صاحب دلی کہ کار دو عالم ز فرّخی
موقوفِ یک عنایتِ لطفِ نگاہ اوست

سلطانِ ملک صاحبِ شمشیر داد عدل
کاجرامِ آسمان عددی از سپاہِ اوست

۱۔ کلمات الشعرا ، لاہور ، ۱۹۴۲ع ، ص ۵۹ - ۶۰ -

یعنی ز شاهزادهٔ سلطان مراد بخش
کز شرق تا بغرب جهان در پناه اوست

شادمان کو خود بھی احساس تھا کہ وہ عالی نسب ہے اور شاہانِ ایران قدیم سے اس کا سلسلہؑ نسب ملتا ہے:

گرچہ خاکیم ولی شادمان سلسلہؑ ما بفریدون رسد

اس کے اپنے بیانات سے معلوم ہوتا ہے کہ اسے منصب داری، درباداری اور حکومت و زر طلبی سے نفرت ہو گئی تھی اور اس نے ترکِ دنیا کر کے فقیری و درویشی کو اپنا لیا تھا۔ وہ لکھتا ہے:

منصبِ جاه و جلال از بہر دشمن پروریست
ما دلِ خود را ز فکرِ آن ازان پرداختیم

لذّت جاه و سلطنت دیدم
دولتِ فقر را نمک دگر است

شادمان ۱۰۷۹ھ میں وفات پا گئے[1]۔

شادمان کچھ کم پایہ یا کم مایہ شاعر نہیں تھے۔ ممکن ہے عزلت و انزوا کی زندگی بسر کرنے سے پہلے انھوں نے اشعار کہے ہوں یا قصاید لکھے ہوں لیکن ان کا مختصر مطبوعہ دیوان صرف غزلیات پر مشتمل ہے۔ اس میں اکثر موضوعِ سخن تصوف و درویشی ہے۔ شادمان کی کم آمیزی اور گوشہ نشینی کی وجہ سے ان کے اشعار کا چرچا نہیں ہوا اور اکثر تذکرہ نگاروں تک ان کے اشعار نہیں پہنچے۔ لیکن ان کو اپنی شاعری پر ناز تھا اور وہ اپنے آپ کو کسی سے کمتر نہیں سمجھتے تھے۔ چنانچہ انھوں نے اس بات کا خود اظہار کیا ہے: ع

مانندِ من کجاست سخن پروری دگر

طوطی شکر شکن بود و ساز خوش نوا
لیکن چو ما یکی نبود خوش کلام تر

۱۔ مرآة الخیال، ص ۱۴۵۔

قدر سخن نماند بعالم وگرنہ من
بنمودمی بدھر کہ اھلِ ھنر یکی است

شادمان را نبود آرزوی لعل و گہر
تا بعالم سخن نغز بود زیور ما

خاک زر گردد بدست من و اعجاز سخن
صاحب اعجازم نہ اھلِ کیمیا افتادہ ام

انھیں اپنے کلام کے بے عیب ہونے اور محسناتِ شعری سے آراستہ ہونے کا بھی یقین تھا:

آبِ روان است نظمِ خدادادِ شادمان
بر وی چہ جای طعنہ و پیغارۂ کسی است

امروز آبروی سخن در زبانِ ماست
آبِ حیات موج زنان در دھانِ ماست

بر کلک شادمان نرسد تہمت خطا
ھرگز نہ بستہ زنگ بشمشیرِ آفتاب

ان کو احساس تھا کہ سلاست، نغمگی، متانت اور بے تکلفی زیور سخن ہے اور جس کلام میں یہ چیزیں نہیں وہ پائدار نہیں۔ اگر بحر طبیعت سے خود بخود گوہرِ سخن نہ اُبھرے تو وہ گوہر نہیں بلکہ ساحلی سنگریزہ ہے۔ انھوں نے ان شعری محسنات کے بارے میں خود اشارے کیے ہیں۔ مثلاً:

ھر سلاست کہ در عبارتِ ماست
شادمان جملہ از بلاغِ دل است

شادمان مصرع صاف تو بہ از صد غزلست
بی متانت بچہ کار آید دیوانی چند

شادمان چون کند بشعر آھنگ
نغمہ اندر رباب می جوشد

کلام کے بنانے سنوارنے میں جو ریاض کرنا پڑتا ہے اور اس میں تاثیر پیدا کرنے کے لیے جس سوز و گداز کی ضرورت ہوتی ہے ، شادمان اس سے بخوبی آگاہ تھے - مثلاً وہ کہتے ہیں :

هر سخن کز غمش نشان ندهد
سربسر مهملات را ماند

بملک خشکی و تری نظر نمی بندد
هنروری که لبِ خشک و چشمِ تر دارد

موشگافم در سخن زان همچو زلفِ مه وشان
از رهِ حسنِ معانی دلربا افتاده ام
گر می‌روی در اوج سخن همچو شادمان
آهسته رو که رشتهٔ گفتار نازک است

شادمان ، خلاق المعانی کمال الدین اصفہانی اور خواجہ حافظ شیرازی کے متبّع اور مداح تھے - کمال کے اتبّاع میں غزل لکھ کر تو وہ برابری کا دم بھرتے ہیں لیکن حافظ کی معجز کلامی کے وہ قائل ہیں اور انھوں نے اکثر غزلیں انھی کے اتبّاع میں لکھی ہیں - کمال کے متعلق لکھا ہے :

خوش گفته ای جوابِ کمال ار چه شادمان
کس در غزل چو او نبرآمد تمام تر

اور حافظ کے متعلق کہا ہے :

از راهِ امتحان برسد هیچ شادمان
نظمی بنظمِ حافظِ معجز کلام ما

مندرجہ بالا فنی اوصاف کے علاوہ شادمان نے اپنے کلام کو موثّر بنانے کے لیے ایک اور انداز اپنایا ہے اور وہ یہ ہے کہ ایک مصرع میں ایک مقدمہ پیش کرتے ہیں اور دوسرے مصرع میں اس کی تصدیق و اثبات کے لیے ایک مثال پیش کرتے ہیں - یہ عمل تجسیم و تمثیل موضوع کو جگمگا دیتا ہے - ایسا کرنا کسی کم بضاعت شاعر کا کام نہیں - اس میں وسعتِ مشاہدہ اور عمقِ فکر کی ضرورت

ہوتی ہے ۔ دو تین مثالیں دیکھیے :

ما نامہ را بقاصد آهی سپردہ ایم
کس شعلہ را ببالِ کبوتر نہ بستہ است

آنسوی آسمان سخنت رفت شادمان
آری بروی باد کسی در نہ بستہ است

پای کمیت کج فتد ار کج کنی عنان
دل راہ راستی نرود تا زبان کج است

شادمان کی زندگی کے متعلق ایسی تفصیلات نہیں مل سکیں جن سے معلوم ہو سکتا کہ انھوں نے حکومت و سیاست کی زندگی ترک کر کے فقیری و درویشی کیوں اختیار کر لی ۔ ان کے کلام سے اتنا واضح ہے کہ وہ بلند نظر ، عالی حوصلہ اور آزاد منش تھے اور ہوسِ زر کے لیے کسی کے سامنے سر نہیں جھکانا چاہتے تھے ۔ انھوں نے خود کہا ہے :

کی برای آب و نان من منّتِ گردون کشم
جودِ دونان چون فریبد مردمِ آزاد را

کی برای ظلِ ہُما سر فرو کنیم
نبود کلاہِ فخر بجز ترکِ سر مرا

مانندِ آفتاب زر و زیور خودیم
ما مردوار از زر و زیور گزشتہ ایم

ہمیں یہ بھی معلوم نہیں کہ انھوں نے فقیری کی زندگی اختیار کر کے از خود عبادت و ریاضت کے مراحل طے کیے یا کسی مرشد کے زیر اثر معرفتِ خداوندی کے اسرار و رموز سمجھے ، غمِ عشق کو اپنایا ، اس میں کمال حاصل کیا اور پھر تسخیرِ کائنات تک کے بلند بانگ دعاوی کیے ۔ کیا واقعی وہ ان کمالاتِ معنوی سے سرفراز ہوئے یا یہ خیالات محض تجریدی و موضوعی ہیں ؟ چونکہ ان کے کلام سے اخلاص جھلکتا ہے ، اس لیے معلوم ہوتا ہے کہ انھوں نے دل سے ان خیالات کو اپنایا ہے ۔ عشق ان کے لیے سب کچھ ہے ۔ وہ سب کامرانیوں کا منبع ہے :

شادمان گر فرق غیر از آسمان بالا گذشت
بس بود بر آستان عشق پیشانی مرا

غیر حرفِ عشق بر لوحِ دلم نقشی نہ بست
من فدا کردم بصد جان خامۂ استاد را

تا بجز ذوقِ غمِ یار نداریم مراد
ہر کہ ناکام تر از عشق بکامست این جا

عشق نے شادمان سے کیا سلوک کیا:

ہمیشہ ہمچو دل شادمان ز دولت عشق
بدرد تازہ دہد مژدہ روزگار مرا

عشق تا فوارۂ خون ساخت مژگان مرا
رشک گل گل کرد زان خونابہ داماںِ مرا

ما کہ مجنون صفت از عشق نداریم قرار
خندہ بر باد زند بادیہ پیمائیِ ما

وہ عشق کی برکت سے کیا سے کیا ہوگئے:

من آفتابِ اوجِ سپہرِ تجرّدم
سامان من ز بی سر و سامانیِ من است

چناں شادمان مستِ عشقم کہ ہرگز
نہ از خود خبر، نی ز دلدار دارم

وہ کہتے ہیں کہ عاشق کا مقام جبرئیل سے بھی بلند ہے:

بکوچہای گذر افتاد اہل عشق ترا
کہ جبرئیل بکاخ دنا نمی گنجد

اور عاشق آخرکار تسخیرِ کائنات کا مرتبہ حاصل کرتا ہے:

واقف نہ ای کہ شاہسوارانِ ملکِ دل
تسخیرِ کائنات بہ یک گام کردہ اند

☆ ☆ ☆

سیادت[1]

جلال الدین نام تھا ، سیادت تخلص - ان کی زندگی کے متعلق صرف اتنی معلومات حاصل ہو سکی ہیں کہ وہ لاہور کے صحیح النسب سادات میں سے تھے - ان کے اجداد میں 'روضۃ الاحباب' کے مصنف جمال الدین محدث کا نام آتا ہے - وہ اور ان کے آبا و اجداد سلاطینِ تیموری کے درباروں سے وابستہ رہے - سیادت بھی کسی خدمت پر مامور تھے - انھوں نے اورنگ زیب کے اواخر عہد میں وفات پائی - ان کے اشعار کی سب نے تعریف کی ہے - 'کلمات الشعراء' میں ہے کہ وہ :

> ''صاحبِ فکرِ معانی و تلاش بلند'' تھا اور ''در معنی ہای تازہ یافتن و خوب بستن کوتاہی نہ کردہ -'' حسین قلی خان صاحبِ 'نشترِ عشق' نے لکھا ہے کہ ''مثل او از شہر لاہور برنخاستہ -'' خوشگو نے بھی تعریف کی ہے کہ وہ ''شاعر زبردست ، بلند تلاش ، معنی پرور ، خوب گو بود و در دیوانش بسیار معنی تازہ و نجیب است -''

عہدِ شاہجہانی میں شعر و شاعری کو شاہی سرپرستی حاصل تھی - جب عہد اورنگ زیب میں یہ شاہی سرپرستی ختم ہوگئی تو گویا ان چراغوں کے لیے تیل نہ رہا - اب شاعر سوز جگر اور نور فکر سے ہی ان چراغوں کو روشن رکھ سکتا تھا - شعرا تو موجود تھے لیکن شہرت و مقبولیت کوسوں دور بھاگ گئی - سیادت بھی انھی شعرا میں سے ہیں جنھیں ناموری حاصل نہیں ہوئی - محمد افضل سرخوش

۱- تذکرۂ نصر آبادی میں 'سیادت' کی بجائے 'سعادت' مرقوم ہے (ص ۴۵۱)- کلمات الشعراء ، ص ۹۴ - تذکرۂ حسینی ، ص ۱۵۸ - نشتر عشق ، ص ۴۵۷ - شمع انجمن ، ص ۱۹۵ - سفینۂ خوشگو ، ص ۲۵ - ریاض الشعراء ، ص ۲۱۳ - مخزن الغرایب ، ص ۱۵۵ ب - فرحت الناظرین ، ص ۳۷۶ - گل رعنا ، ص ۱۴۴ - مرآۃ العالم ، ص ۷۵۵-۷۵۶ - مرآۃ آفتاب نما ، ص ۱۵۸ - تذکرۂ نتائج الافکار ، ص ۳۳۹-۳۴۳ - مجمع النفایس ، ص ۱۷۴-۱۷۸ - سفینۂ بے خبر ، ص ۶۳ - انیس العاشقین ، ص ۲۸۵ - نگارستان سخن ، ص ۴۲ -

مؤلف 'کلمات الشعراء' کو اپنی معنی یاب طبیعت پر ناز تھا ، لیکن اُن کو بھی قبول عام حاصل نہ ہؤا - وہ سیادت کی تعریف تو کرتے ہیں لیکن ساتھ ہی لکھتے ہیں کہ ''امّا چون من طالع شہرت و قبولیت نداشت -'' سیادت کے معاصرین میں سے جو شعرا اپنی شعری صلاحیتوں کے بل پر نامور ہوئے، ناصر علی سرہندی ، میرزا بیدل اور غنی کشمیری قابلِ ذکر ہیں - سیادت بے چارے کسی گنتی میں نہیں آتے - ان کا مختصر سا دیوان پنجاب یونیورسٹی لائبریری کے مجموعہ' آذر میں موجود ہے - چند رباعیات کے سوا تمام کا تمام دیوان غزلیات پر مشتمل ہے - ہر غزل دو تین اشعار سے لے کر چار پانچ اشعار پر مشتمل ہے - معلوم ہوتا ہے مرتّب نے بلند معیار کو مدنظر رکھ کر انتخاب کیا ہے -

سیادت کے زمانے میں شعرا کے ہاں تین چار قسم کے شعری رجحانات کا سراغ ملتا ہے :

۱- بعض تو کم مایہ اور پست فکر شاعر ہیں - وہ شعر کہنے کی خاطر شعر کہتے ہیں - ان میں کوئی خاص جدت نہیں - وہ دوسروں کے خیالات چرا کر نظم کرتے ہیں - سیادت نے ایسے شعرا کو ہدفِ طنز و تعریض بنایا ہے - وہ کہتے ہیں :

سیادت معنی پاکی ندیدم سست فکران را
بدامِ عنکبوتان کی شکاری جز مگس افتد

این سخن دزدان سنگین دل کہ دعوا می‌کنند
چون نگین از شعر مردم نام پیدا می‌کنند

۲- دوسرا رجحان یہ تھا کہ شعرا مضمون آفرینی کی خاطر مطالب میں ابہام اور پیچیدگی پیدا کرتے تھے اور اس طرح تخیلی گورکھ دھندے پیدا کرکے اپنا کمال دکھاتے تھے - سیادت اس روش کے بھی مخالف ہیں اور کہتے ہیں :

از سخن بیرون نمی آرند نام خویشتن
شعر را ہرچند مشکل چوں معمّا می‌کنند

۳- تیسرا رجحان یہ تھا کہ شعرا محض قدرت کلام دکھانے کے لیے آرائشِ لفظی میں کھوئے رہتے تھے اور معانی کی زیادہ پروا نہیں کرتے تھے -

ایسی روش کی بے بضاعتی کے خلاف سیادت قارئین کو مخاطب کرتے ہو کہتے ہیں :

مجو از لفظ آرایان قبولِ معنی خود را
کہ دارند این گواھان لباسی دعویِ خود را

۴- چوتھی روش جسے صائب ، بیدل اور غنی نے اپنایا اور سیادت نے بھی اس میں کمال فن دکھایا ہے ، 'مثالیہ' طرز نگارش ہے - شاعر پہلے مصرع میں کوئی مقدمہ پیش کرتا ہے ، پھر اس کی تصدیق و تائید کے لیے دلیل کے طور پر ایک مثال لاتا ہے جس سے استعجاب کے ساتھ شگفتگی پیدا ہوتی ہے -

شعر کے بارے میں سیادت کا اپنا نظریہ یہ ہے کہ اگر شاعر طبع بلند ، فکر عمیق اور دل دردمند رکھتا ہو تو صحیح معنوں میں جان دار اور پایدار شعر نکلتا ہے - سیادت کے پیش نظر یہی بلند معیار رہا ہے - چنانچہ انھوں نے اس معیار پر پورا اترنے کی پوری کوشش کی ہے - تذکرہ نگاروں نے ان کے متعلق جس رائے کا اظہار کیا ہے ، وہ صحیح و صایب ہے - ان تین بلند پایہ معیاروں کے متعلق سیادت لکھتے ہیں :

معنیٔ نازک نمایان گردد از طبعِ بلند
کم بہ بیند ماہ نو را تا کسی بر بام نیست

بہ بحری زند غوطہ غوّاصِ فکرم
کہ گردون نیاید بچشمِ خیالش

از نوایم شکستِ دل پیداست
همچو آن چینی‌ای کہ مو دارد

سیادت کو اپنے اس بلند معیار کا احساس تھا اور وہ اس پر ناز بھی کرتے تھے چنانچہ انھوں نے کہا ہے :

رنجہا بردم کہ نو شد در سخن آئین من
موجِ خونِ دل بود هر مصرعِ رنگینِ من

فکر های دل نشینم جانِ معنی شاد کرد
رود نیلِ خامہ ام مصرِ سخن آباد کرد

پلۂ نظمم سیادت گر چنین بالا شود
چوں گُہر آخر بگوشِ شہریاران می رسد

مگو کہ سایہ نباشد ہمای معنی را
کہ ہر دو مصرع ما سایۂ دو بال وی است

سیادت اس بات کے قائل ہیں کہ شاعری کا چشمہ خشک نہیں ہوتا ، وہ اُبلتا ہی رہتا ہے ، اور یہ ایسا سمندر ہے جس کا کوئی کنارہ نہیں ۔ حقیقی شاعر اپنے دل کی آواز کو نہیں دبا سکتا ۔ وہ فرماتے ہیں :

تمام عمر چو موج ار کسی طناب زند
ہنوز بحرِ سخن را کنارہ پیدا نیست

اہل معنی را سیادت بی سخن بودن بلاست
بر لبِ ما مہرِ خاموشی کم از تبخال نیست

سیادت کی غزلیات میں ہوا و ہوس کی باتیں نہیں ۔ محبوب کا سراپا بھی بیان نہیں ہؤا ۔ نہ ہی عشقیہ واردات اور لذایذِ نفسانی کا ذکر ہے ۔ سیادت کے نزدیک عشق ایسا عالمگیر و پاک جذبہ ہے جس میں دوسروں کے متعلق عداوت و نفرت نہیں ہوتی ۔ عشق کا سچا جذبہ ایک قدرتی ولولہ پیدا کرتا ہے ۔ وساوس اس کو تاریک اور گدلا نہیں کرتے ۔ اس کا جوش کم نہیں ہوتا ۔ موت بھی اس کو نہیں مٹا سکتی ۔ یہ عشق ایسی شراب ہے جس کے پینے سے اسرارِ کائنات کھلتے ہیں ۔ سیادت کہتے ہیں :

از وسوسہ آسودہ بود باطنِ روشن
در خلوت آیینہ گذر نیست مگس را

عاشقِ بیدل چہ سازد با طپیدنہای دل
اختیارِ اضطرابِ نبض با بیمار نیست

دل پاره پاره گشت و نشد جوشِ عشق کم
کشتی شکست و بحر همان در تلاطمست

از دو عالم آمدم بیرون باستغنای عشق
پشتِ پا بر این صدف یکباره چون گوهر زدم

کسب اسرار جهان از جام چون جم کرده ایم
درمیانِ کشتیٔ سی سیرِ عالم کرده ایم

محو دیدار ترا مرگ پریشان نکند
خانهٔ آینہ را زلزلہ ویران نکند

سیادت جہادِ زندگی میں خطر پسندی اور بلا کوشی کی دعوت دیتے ہیں اور صبر و استقامت کی تلقین کرتے ہیں ۔ دلِ پُر ولولہ اور حوصلہ بلند رکھنے کی نصیحت کرتے ہیں ۔ پاک و ہند کے شعرا میں اس قسم کے افکار و عقاید تو نوادر کا حکم رکھتے ہیں ۔ سیادت کے اشعار ملاحظہ کیجیے :

بحر از موج خطر گہوارہ جنبانِ منست
کشتیم تا در بلا نبود مرا آرام نیست

طی کردن این راه بجز قطع نفس نیست
خاموش کہ در قافلۂ عشق جرس نیست

ثباتِ عارفان باشد غرض تیغِ حوادث را
کشاکشهای موج از بهر دریا امتحان باشد

شکوهِ پادشاهان در دلِ شوریده ننهاید
در آبِ موجزن هرگز نگردد آسمان پیدا

سیادت کا مشاہدہ غائر ہے ۔ وہ زندگی کے مسائل پر بھی غور و فکر کرتے ہیں ؛ اجتماعی اور اخلاقی اقدار پر بھی ان کی نظر ہے ۔ وہ قوانینِ فطرت اور مناظر قدرت کا مطالعہ و مشاہدہ کرتے ہیں ۔ اگر وہ کسی اخلاقی قدر کی تلقین کرتے

ہیں تو اس کی تائید و توثیق کے لیے مشاہداتِ فطرت سے مثال لاتے ہیں ۔ ان کے مختصر دیوان میں سمندر اور اس کے متعلقات اور آئینہ اور اس کے لوازم کے متعلق زیادہ مشاہدات نظر آتے ہیں ۔ چند مثالیں یہ ہیں :

خُلق از آئینہ سیادت آموز
کہ بہ پیشانیِ او چین ننشست

اضطرابم جانبِ کوی تو مائل می‌کند
موج چون خیزد ز دریا رو بہ ساحل می‌کند

ثباتی نیست در چشم سبک سیران عالم را
روان بینند ساحلہا چو کشتی درگذر باشد

کند بیطاقتان را ترجمانی اضطراب دل
گواہ از نبض خود در آستین باشد علیلان را

خیال تو یہی ہے کہ وہ شراب نہیں پیتے ہوں گے ۔ محض شعری رکھ رکھاؤ کے لیے کہیں کہیں شراب کا مزہ چکھنے کی آرزو کی ہے ۔ مثلاً :

برقِ چشمک زن ز طرفِ کوہساران می رسد
ساقیا سامانِ ساغر کن کہ باران می رسد

دخترِ رز بادہ نوشان را سیادت مادر است
ہرکہ ساغر می‌کشد با ما برادر می شود

سیادت کے بھائی

جلال الدین سیادت کے تین بھائی تھے : سید احمد فائق ، میر نجابت اور میر مدہوش ۔ حسنِ اتفاق سے یہ تینوں شاعر تھے ۔

فائق :

'سفینہ' خوشگو' میں لکھا ہے کہ فائق اور سیادت مرزا داراب جویا کے شاگرد تھے اور دوسرے بھائی نجابت اور مدہوش اپنے بھائی سیادت کے شاگرد تھے ۔

فائق کے متعلق خوشگو لکھتے ہیں کہ ''استادِ فن ، صاحبِ کمال و خوش خیال بود و بسیار معنیہای تازہ یافتہ'' - گلِ رعنا ، ریاض الشعرا ، سفینۂ خوشگو ، روزِ روشن ، نگارستان سخن اور نتائج الافکار میں اس کے منتخب اشعار موجود ہیں - روزِ روشن میں اس کے متعلق یہ بھی لکھا ہے کہ وہ عالمگیری منصب داروں میں سے تھا - اس نے گیارھویں صدی کے آخر میں وفات پائی -

سیادت کے تذکرے میں ہم نے جن شعری رجحانات کا ذکر کیا ہے ، فائق کے اسلوبِ بیان میں بھی وہی رجحانات ہیں - متذکرۂ صدر تذکروں نے فائق کے جو اشعار دیے ہیں ان سے اتنا تو ظاہر ہے کہ وہ نئے معانی پیدا کرنے کی کوشش کرتا ہے اور 'مثالیہ' مصرعے بھی لاتا ہے - لیکن اس کے بیان میں وضاحت و صراحت نہیں - افکار اور ان کی تمثیلوں میں اکثر واضح مماثلت نہیں پائی جاتی - اس لیے خیال کی تائید اور توثیق کے لیے جس منطق اور زور استدلال کی ضرورت ہوتی ہے ، وہ فائق کے اشعار میں موجود نہیں - منتخب اشعار میں سے صرف دو تین اشعار میں مثالیہ شاعری کے اچھے نمونے ملتے ہیں - مثلاً :

دلِ گرفتۂ من مشکل است باز شود
کہ قفل بر درِ این خانہ از درون زدہ اند

نصیحت می فزاید رتبۂ پاکیزہ گوہر را
کہ آب از پیش رہ بستن نہد رو در بلندیہا

ہست فائق در نماز اول قیام آخر سجود
رتبۂ افتادگیہا دیر حاصل می شود

تذکرۂ 'نتائج الافکار' میں اس کے منتخب اشعار قابل اعتنا ہیں :

بزندگانیِ خود دائم از نفس لرزم
کہ این چراغ براہِ نسیم می سوزد

مرا آسودہ دارد نیستیہا از پریشانی
غبارم نیست ہر جا آن قدر کز باد برخیزد

با آنکہ تیغ خویش کشد بر فسانِ چرخ
با ابرویت هلال برابر نمی شود

چون بلبلان طفیلیِ گل نیست شورِ من
صد نوبہار رفت و جنونم خزان نکرد

هر کرا عشق بدل جوش و خروش اندازد
خانہ بر دوش شود بار از دوش اندازد

تذکرۂ 'معراج الخیال' میں یہ غزل منقول ہے[۱]:

ز بوی مرہمِ کافور گردد تازہ داغِ من
نسیمِ صبح چون گل می کند روشن چراغِ من
فروغِ آبرو گردید شمع کاسہٴ نازم
بآئینِ گدازِ آب شد روشن چراغِ من
جنونِ من برنگِ آسیا افتادہ با وحشت
کہ سیرِ چشمِ آهو می توان کردن ز داغِ من
نسیم آشفتہ نرگس چشم دریا لالہ دل سوزست
سخن زار بہار بادہ شبنم گل ایاغ من
فلک فائق بفکر دردمندان است حیرانم
نمی دانم چہ خواهد کرد اگر یابد سراغِ من

'نگارستان سخن' میں اس کے یہ دو شعر قابلِ ملاحظہ ہیں:

دل سوختہٴ آتشِ حرمانِ ایاغم
جز پنبہٴ مینا مگذارید بداغم

هر روز می زند چو شفق جوش خونِ ما
موقوف بر بہار نباشد جنونِ ما

'گلِ رعنا' میں اس کے دیوان کا انتخاب پیش کیا گیا ہے۔
(نسخہٴ خطی ، برگ ۲۴۰ - ۲۴۳)

۱۔ تذکرۂ معراج الخیال ، مخطوطہٴ پنجاب یونیورسٹی لائبریری ، مجموعہٴ شیرانی ، شمارہ ۱۴۹۵ ۔

میر نجابت :

یہ سیادت کا دوسرا بھائی تھا ۔ خوشگو لکھتے ہیں کہ اس نے طبع رسا پائی تھی ۔ آخر عمر میں جنون نے آ لیا تھا ۔ 'سفینہ' خوشگو' میں اس کے صرف دو شعر منقول ہیں :

هم هنر بین ِ گهر هم عیب یاب ِ گوهرم
چون نگاه ِ جوهری غواص ِ آب ِ گوهرم

ما درین باغ نهال ِ چمن ِ تصویریم
هست در خامهٔ نقّاش رگ و ریشهٔ ما

(سفینهٔ خوشگو ، ص ۳۰)

میر مدہوش :

یہ سیادت کا تیسرا بھائی تھا ۔ عہد ِ عالمگیر میں بعض خدمات پر لاہور میں مامور تھا ۔ خوشگو لکھتے ہیں کہ اس کے اشعار برجستہ ہیں ۔ اُس نے اس کے دو شعر نقل کیے ہیں :

تیغی کشیده بر سرم آن سیمبر رسید
گفتم که چیست گفت که عمرت بسر رسید

مصوّر دست از ابروش بردار
که نتوانی کمان ِ او کشیدن

(سفینهٔ خوشگو ، ص ۳۰)

'مخزن الغرائب' میں ان کے علاوہ یہ دو شعر بھی درج ہیں :

نسیم از بسکه بر جا خشک ازان رفتار می ماند
چو تار ِ عنکبوتان بر در و دیوار می ماند

هرگه که باین شوخی از خانه برون آمد
شد برق ز بیتابی تصویر رسیدنها

(مخزن الغرائب ، نسخهٔ آکسفورڈ ، ص ۱۴۰۸ الف ، روٹوگراف مملوکہ ڈاکٹر محمد باقر)

تذکرۂ 'معراج الخیال' میں ان کی یہ غزل منقول ہے[1] :

داد آسیبِ نزاکت دلِ غم پیشۂ ما
خود بخود بشکند از موج صفا شیشۂ ما

ما درین باغ نہال چمن تصویریم
ہست در خانۂ نقاش رگ و ریشۂ ما

جوہرِ فکرتِ ما موج مئ نیرنگی است
صافِ آئینہ بود دُرد تہِ شیشۂ ما

خوی نازک رمد از جرأت نظارۂ دل
نشود آئنۂ شوق کسی پیشۂ ما

قدم از سر چون نیِ خامہ مکن چون مدہوش
پنجۂ شیر بود خار بنِ بیشۂ ما

☆ ☆ ☆

مُلاّ جامی بیخود لاہوری[2]

مُلاّ جامی ، نامدار خاں پسر جعفر خاں وزیر اعظم شاہجہان کے دامنِ دولت سے وابستہ تھا - سرخوش اس کے دوستوں میں سے تھا - اس نے لکھا ہے کہ

۱- تذکرۂ معراج الخیال ، نسخۂ خطی پنجاب یونیورسٹی لائبریری ، مجموعۂ شیرانی ، شمارہ ۱۴۹۵ -

۲- سرخوش : کلمات الشعراء ، لاہور ، ۱۹۴۲ ، ص ۱۱-۱۳ - عملِ صالح ، مُلاّ محمد صالح کنبو ، کلکتہ ، ج ۳ ، ص ۴۳۲-۴۳۳ - آرزو : مجمع النفایس ، مخطوطۂ پنجاب یونیورسٹی لائبریری ، ص ۳۷ - مخزن الغرایب ، مخطوطۂ پنجاب یونیورسٹی لائبریری ، مجموعۂ شیرانی ، ص ۴۱-۴۲ - گل رعنا ، شفیق ، مخطوطہ مجموعۂ شیرانی ، شمارہ ۱۴۹۰ ، ص ۶۵ ا-۶۶ -

بیخود کا ضخیم دیوان ہے ۔ وہ قطعہ ہائے تاریخ لکھنے میں بے نظیر تھا ۔ مثلاً نواب اسد خاں وزیر اعظمِ اورنگ زیب کے ہاں مرزا اسماعیل پیدا ہؤا تو اس نے یوں تاریخ کہی :

ز برجِ اسد رو نمود آفتاب

کامگار خاں کا بیٹا شرف یار پیدا ہؤا تو اس نے تاریخِ تولّد اس طرح نکالی :

شرف یار کامگار یافتہ

اسی طرح نامدار خاں کے ہاں بیٹا پیدا ہؤا تو چھ روز تک شاہانہ جشن منایا گیا ۔ بیخود نے رنگ رنگ کی تاریخیں کہیں ۔ مثلاً :

ع : نونہالِ نامدار از جعفری آورد گل
ع : از کامل عیار جعفری زینت جہان آمد

جن دنوں بیخود ، جعفر خاں کا ملازم ہؤا ، اس کی مجلس میں اس کے بیٹھنے کے لیے جگہ متعین نہیں تھی ۔ اس نے اس موضوع پر ایک قطعہ لکھ کر پیش کیا :

بہین طاعتِ حق نماز است در وی
گہی بندہ استد گہ از پا نشیند

بود طاعتت فرض ہمچو نمازم
بفرما گہی بندہ را تا نشیند

خاں نے اسے بیٹھنے کی اجازت دی اور اپنا مصاحب بنا لیا ۔

ایک مرتبہ ایک شخص کے ہاں دوست شراب پیتے تھے اور شعر پڑھتے تھے ۔ دوست نماز کے لیے اُٹھ کھڑے ہوئے ۔ بیخود بھی نماز میں شریک ہؤا ۔ سرخوش نے پوچھا ”یہ کس قسم کی نماز ہے“ ؟ اس نے کہا ”نماز بکیفیت“ ۔

بیخود نے ’قصہٴ حسن و دل‘ کو منظوم کیا ۔ ساقیوں کی تعریف میں مندرجہ ذیل دو شعر اسی مثنوی سے ہیں :

یکی را سادہ رخ آئینہ آسا
یکی را جوہر از آئینہ پیدا

گلستان یکی بی سنبلستان
یکی را بوستان کردہ گلستان

محمد صالح کنبو نے اس کے اشعار کی مقبولیت کا ذکر ان الفاظ میں کیا ہے :
”سخنان شیرینش چون قند خمیر مایہٴ حلاوت می شناسند ۔ دیوان اشعارش

را مانند ساغر حریفان دست بدست می برند و اکثر ابیاتش را باعتبار جزالت الفاظ مردم در دل جا می دهند ۔"

بیخود نے ۱۰۸۶ھ میں وفات پائی ۔ سرخوش نے اسی کے ایک مصرع سے تاریخ وفات نکالی ہے :

جامی از جام حمد بیخود شد

دیوان بیخود کا ایک قلمی نسخہ انڈیا آفس لائبریری میں شمارہ ۲۸۹۹ پر موجود ہے ۔ دوسرا نسخہ بوہر لائبریری کلکتہ میں شمارہ ۴۰۰ پر موجود ہے ۔ ایک نسخہ شاہان اودھ کے کتاب خانے میں بھی تھا ۔ (شپرنگر ، ص ۱۱۰)

'مخزن الغرایب' میں اس کے یہ اشعار منقول ہیں :

رباعی :

هر کس که دل از مدار دنیا برداشت
عبرت ز شمار کار دنیا برداشت
گویند زمین بر سر گاو است بلی
گاو است کسیکه بار دنیا برداشت (مخزن الغرایب)

سگ سنی ، خر شیعه اگر مشهور است
ور خصمی شان بیکدیگر مشهور است
دانا نکشد تعصب از هیچ طرف
دندان سگ و گوشت خر مشهور است (مخزن الغرایب)

بلبل بیچاره زانرو شب نمی خوابیده است
درمیان غنچهٔ گل شبنمی خوابیده است

(مخزن الغرایب ، ص ۱۴۱ا ، ۱۴۱ب)

☆ ☆ ☆

مولانا محمد لاہوری شبی

سراج الدین علی خاں آرزو مؤلف 'مجمع النفایس' لکھتے ہیں کہ تقی اوحدی نے مولانا محمد کا تخلص شبی لکھا ہے - وہ ۱۰۲۵ھ میں فوت ہوئے - کہا جاتا ہے کہ ان کے ایک لاکھ اشعار تھے ، مگر ان کے صرف یہ دو شعر نقل کیے گئے ہیں[۱]:

برآر سر ز گریبان و چشم دل وا کن
جمال شاهد مقصود را تماشا کن
مشو ز جهل بیابان حرص را مسّاح
وطن بگوشهٔ تجرید چون مسیحا کن[۲]

☆ ☆ ☆

نعمت اللہ لاہوری

'مجمع النفایس' میں آرزو نے تقی اوحدی کے حوالے سے لکھا ہے کہ نعمت اللہ خوش ذوق شعرا میں سے تھا - اس کے یہ دو شعر یادگار ہیں[۳]:

زهی نسیم بهاری که از یسار و یمین
ز ناف غنچه کشاید هزار نافهٔ چین
چه خنده ها که کند گل بروی سیّاره
چه طعنها که زند رز بخوشهٔ پروین

☆ ☆ ☆

۱- مجمع النفایس ، مخطوطہ پنجاب یونیورسٹی لائبریری ، شمارہ ۲۴ PfI ، ص ۵۸۶-۵۸۷ -

۲- 'ہفت اقلیم' میں یہ دونوں شعر محمود لاہوری سے منسوب ہیں : دیکھیے جلد اول ، ص ۲۵۶ ، مطبوعہ تہران -

۳- مجمع النفایس ، خطی ، شمارہ ۲۴ PfI ، ص ۹۰۳ -

اسیر لاهوری

'روز روشن' میں اس کا ذکر ہے - وہ ۱۰۵۴ھ میں فوت ہؤا - مؤلفِ تذکرہ نے لکھا ہے کہ وہ مضامینِ لطیف باندھتا تھا - اس کا ایک شعر یہ ہے :

دست بزیر روی خود مانده شبی بخواب رفت
عارضش از نشان آن پنجۂ آفتاب شد

مؤلف 'مراۃ العالم' نے بھی یہی شعر نقل کیا ہے -

☆ ☆ ☆

حشمتی لاهوری

اس کا شمار عہدِ جہانگیری کے شعرا میں ہوتا ہے - ذیل کے اشعار اس سے منسوب ہیں :

بخونِ اهلِ محبت کرشمہ ای سر کن
گلوی تشنہ لبان تر بآب خنجر کن
مرا بباده شکست خمار ممکن نیست
ز خونِ دل قدری ساقیا بساغر کن

تو در سخن شدی و لذت از سخن گم شد
تو لب کشودی و سیرابی از گهر گم شد

یہ تینوں شعر تذکرۂ 'مخزن الغرایب' نسخۂ خطی ، مجموعۂ شیرانی ، ص ۸۱ ب کے حاشیے پر مندرج ہیں - 'صبح گلشن' مؤلفہ علی حسن (بھوپال ، ۱۲۹۵ھ) میں پہلا اور دوسرا شعر غلام علی حسینی لاہوری سے منسوب ہے - تیسرا شعر روز روشن ، میں جشنی لاہوری سے منسوب ہے - معلوم ہوتا ہے جشنی ، حسینی اور حشمتی کے تخلصوں میں تصحیف ہوئی ہے - 'ہفت اقلیم' میں مندرجہ ذیل شعر جشنی سے

منسوب ہے[1] :

در هر دلی که عشق گزر کرد در زمان
گر خاک بود خاصیتِ کیمیا گرفت

☆ ☆ ☆

دانا لاہوری

'روز روشن' میں ہے کہ وہ اورنگ زیب عالمگیر کے دفترِ انشاء میں ملازم تھا ۔ لیکن 'شمع انجمن' میں ہے کہ وہ سرکارِ امیر خاں عالمگیری میں منشی تھا ۔ اس کے مندرجہ ذیل اشعار منقول ہیں :

اضطراب اندر سخن عیب است دانا چون هلال
مصرعهٔ برجسته باید گو پس از ماهی بود

(روز روشن ، ص ۲۵۵)

ناز ابروی عرقناک کشیدن دارد
معنیِ بیت زلالیست رسیدن دارد

(تذکرۂ حسینی ، ص ۱۲۵)

در عشق ابلهی ست بتقلید گفتگو
این راه را چو سایه بپای کسان مپوی
بر بند سنگ بر شکم از فاقه چون گُهر
مفروش خویش را و نگهدار آبروی

(شمعِ انجمن ، ص ۱۵۶)

☆ ☆ ☆

۱۔ هفت اقلیم ، تهران ، جلد اول ، ص ۳۴۶ ۔

سرابی

مُلاؔ ابو محمد سرابی سیالکوٹ کے رہنے والے تھے - عہد جہانگیری میں زندہ تھے - ان کے مندرجہ ذیل اشعار محفوظ ہیں :

مژگانِ من از گریهٔ بسیار فرو ریخت
آخر فتد آن خانه که نزدیک باب است

ز ناخن بازی مطرب چها بر ساز می‌آید
که مشتی ناخنی بردل ز هر آواز می آید
(روزِ روشن ، ص ۲۸۸)

در چشم ترم رنگ جهان برقِ سرابست
تا دیده بهم بر زنم این خانه خرابست
(مخزن الغرایب ، ص ۱۵۴ ب ۱)

قمار عشق می بازند دستی باختن دارد
اگر ملکی نباشد خانهٔ پرداختن دارد

از رشک خرامیدن تو سرو چو طاؤس
در هر قدمی تازه کند ماتم ما را

این هفت کره حامل یک نقد وفا نیست
مکشا که تهی تر ز کره های حبابست
(سفینهٔ خوشگو ، قلمی ، شماره ۱۴ A pf I - ص ۱۵۵ ب)

همچو در خطِ زشت شعرِ نکو
در بدِ روزگار پنهانم

آزادہ تا تواند از قید تن برآید
ز پوست گر نباشد از پیرهن برآید
(گل رعنا ، قلمی ، مجموعۂ شیرانی ، شمارہ ۱۴۹۰ ، ص ۱۴۳ب)

☆ ☆ ☆

سمندر

ملک عبدالخالق سمندر پنجاب کے رہنے والے تھے - اپنے تخلص کی مناسبت سے شعلہ‌نوا تھے اور آتشیں مضامین پیدا کرتے تھے - ۱۰۱۶ھ میں راہیِ عدم ہوئے - 'روزِ روشن' میں ان کے یہ اشعار مندرج ہیں :

طعنہ بر بیتابیِ صبرِ زلیخا بهرِ چیست
شرط عشق است اینکہ نگزارد گریبانی درست

نمی دهند بہ بلبل مزاجِ پروانہ
هزار شمع اگر گل بباغ افروزد

تذکرۂ 'مخزن الغرایب' میں مندرجہ بالا اشعار کے علاوہ ذیل کے اشعار بھی دستیاب ہوتے ہیں :

شبی کہ عارضِ او از ایاغ افروزد
چنان بود کہ چراغ از چراغ افروزد

مگر از نالہ ام در اضطراب است
کہ می‌لرزد ترا دایم دُرِ گوش
ز بس خواهش کہ با وصلت دل را
کشم هر لحظہ خود را خود در آغوش

(مخزن الغرایب ، ص ۱۶۰ ب حاشیہ
خطی ، مجموعہ شیرانی ، شمارہ ۱۴۸۲)

☆ ☆ ☆

عارف لاہوری

میر حسین نام تھا - عہدِ شاہجہانی میں نامور ہوا - 'روزِ روشن' میں ہے کہ وہ صرف و نحو میں کافی استعداد رکھتا تھا - اس نے ہمت خاں صوبہ دارِ الہ آباد کی رفاقت میں زندگی کے دن گزارے -

آرزو نے 'مجمع النفایس' میں اس کی بہت تعریف کی ہے اور اسے ''یکہ سوار سرزمینِ سخن'' اور ''فارسِ میدانِ معنی'' لکھا ہے - اس کے قصاید بھی مضبوط تھے - وہ نقادِ سخن بھی تھا اور اس نے خوب مشق و مطالعہ کیا تھا - اس کا یہ فخریہ شعر بہت شہرت رکھتا ہے :

اگر شعرِ بزرگان دیدہ باشی
بشعرِ خویش کم خندیدہ باشی

اس نے 'مہر و وفا' کے نام سے ایک مثنوی بھی لکھی تھی - 'روزِ روشن' میں ناف کی صفت میں اس کے دو شعر نقل کیے گئے ہیں :

ز ناف است این کہ دلہا کردہ بیتاب
کزو افتاد فکرِ من بگرداب

ز تابِ جلوۂ سروِ روانش
گرہ افتادہ در موی میانش

سرخوش نے بھی اس کے ''شاعرِ ماہر'' ہونے کا اعتراف کیا ہے اور اس کے مندرجہ ذیل اشعار نقل کیے ہیں :

بی برگیِ منعم بود از کثرتِ سامان
لب تشنگیِ بحر ز بسیاریِ آب است

نامۂ شوقِ مرا قاصد بجانان می‌برد
در قفای نامہ چشم من چو نقشِ خاتم است

خستۂ ہجران او دل بستۂ جان کندن است
مرغ بسمل گشتہ را پرواز از خود رفتن است

تیزی مژگان خون ریز ترا حاصل نکرد
تیغ ہای آہنی ہرچند سر بر سنگ زد

(کلمات الشعرا ، ص ۸۱)

"ملا" سالک قزوینی نے طاہر نصر آبادی کے پاس عارف کی 'کمال دردمندی' کی تعریف کی اور اس نے اپنے تذکرے میں اس کا نام درج کیا اور یہ شعر نقل کیا[1] :

خود از درون و برون جلوہ کرد و من بمیان
چو سایہ محو شدم کز دو سو چراغ آمد

دوسرے تذکروں سے مندرجہ ذیل اشعار بھی ملے ہیں :

تو در درون و برون جلوہ کردہ من معدوم
چو سایہ محو شدم کز دو سو چراغ آمد

(مجمع النفایس ، ۲۶۱ ب)

درونِ خانہ کدام آفتاب رخسار است
کہ ہمچو سایہ سر من بپای دیوار است
بمنع کس نکنند ترک کوی او عارف
کہ این جنون زدہ در کار خویش ہشیار است (نشتر عشق[2])

چون نقشِ قدم بر سر کوی تو نشستم
چندانکہ مرا خاکِ درت جزو بدن شد

چہ شد عہدیکہ با من بستہ بودی
مرا یاد و ترا باشد فراموش

۱- تذکرۂ نصر آبادی ، تہران ، ص ۴۸۸ -

۲- نشترِ عشق ، نسخۂ خطی ، پنجاب یونیورسٹی لائبریری ، ج ۳ ، ص ۳۴۲ -

چون سپہر رخ دوست بمن سایہ فگن شد
من دشمن دل گشتم و دل دشمن من شد (نگارستان سخن)

عارف احول نیم امّا ازین جمع دو رو
ہر کرا یکبار می بینم مکرر می شود

زیر قدم خاک نشینان خرابات
فرشی نبود شستہ تر از چادر مہتاب

برمن از جور تو ہر دم کار مشکل می شود
کز تو ہر سنگی کہ بر دل می‌زنم دل می‌شود
(مرآة العالم ، مرتّبہ ساجدہ ، خطی ، ص ۸۰۰)

چگونہ از رہ او پا کشم کہ در رہ عشق
سر بریدۂ خورشید گرم رفتار است
رواج سوز دل ما ز تیرہ بختی ماست
کہ شمع را شب تاریک روز بازار است
(گل رعنا ، خطی ، ص ۱۹۹)

☆ ☆ ☆

انور ، مُلاّ نور محمد لاہوری

تذکرۂ 'نشتر عشق' میں مرقوم ہے کہ عہد جہانگیری اور عہد شاہجہانی کے مسلّم الثبوت بلند پایہ شاعر تھے ۔ تذکرۂ 'روز روشن' میں لکھا ہے کہ 'صبح گلشن' میں اس کا نام ''مُلاّ انور'' ہے ۔ لیکن 'صبح گلشن' میں تو اس کا نام مُلاّ نور محمد ہی لکھا ہے ۔ صاحب 'روز روشن' نے اتنا مزید بتایا ہے کہ وہ

خان اعظم کوکلتاش کے رفقا میں سے تھا - اس نے ۱۰۴۰ھ میں وفات پائی - 'سفینۂ خوشگو' میں تاریخِ وفات ۱۰۴۴ھ دی گئی ہے -

عبدالنبی مؤلفِ 'میخانہ' نے ان کے متعلق مزید تفاصیل مہیا کی ہیں - انھوں نے لکھا ہے کہ آغازِ جوانی میں کچھ عرصے کے لیے وہ میرزا انور ولدِ خانِ اعظم خان کے پاس ملازم رہے - میرزا انور کی وفات کے بعد وہ جلیسر میں آغا صفی قلندر (صفی صفاہانی) کے ہاں ملازم ہو گئے جو مہابت خان کی طرف سے وہاں کا حاکم تھا - آغاے مذکور کے ہمراہ وہ اجمیر آئے - بعد میں میرزا امان اللہ کی ملازمت قبول کر لی - عبدالنبی لکھتے ہیں کہ میں اجمیر میں ان سے ملا - وہ بہت اچھے شعر کہتے تھے - انھوں نے ابھی تک دیوان مرتّب نہیں کیا - یہ شعر میرے سامنے کہا :

یا رب چہ صورتی کہ ز شرم تو آینہ
گردید آب و در کف آئینہ دار ریخت

تقی الدین اوحدی نے اسے خوش طبیعت ، عالی فطرت ، رشید ، قابل اور مدرک لکھا ہے - اس کے اشعار کی بہت تعریف کی ہے اور لکھا ہے[1] :

"دو مصراعش دریست دو لختی از فرادیس معنی و فاصلہ بینہما جدول آب زندگانی -"

اوحدی ۱۰۲۹ھ میں انور کو مندو میں ملے تھے - انھوں نے اس کے مندرجہ ذیل اشعار نقل کیے ہیں :

ازان کلید کہ در دست اشک و آہ منست
کشودہ اند برویم درِ دو عالم را
شدم حریفِ نہان خانہ یی کہ بر درِ او
بحلقگی نپسندند چشمِ محرم را

۱- تذکرۂ میخانہ ، مرتّبہ احمد گلچین معانی ، تہران ، ۱۳۴۴ھ ، پاورق ، ص ۸۷۸ -

نیازم ولی ناز را می شناسم
نیم محرم و راز را می شناسم

بود هر ذره را در دست میزانِ حساب اینجا
کہ بازارِ قیامت گرم دارد آفتاب اینجا

آنجا کہ نقشِ دوست ز رخ پردہ افگند
از آفریدگار چہ فرق آفریدہ را

در خونِ ما نگاه جفا گرم داشتست
خورشید را قیامت ما گرم داشتست

انور من و کنجِ طرب و بسترِ خواب
گو شورِ قیامت کند آفاق خراب
در کیش شہیدان نبود حشر و حساب
ہر قطرہ ای کہ در شد ، شود دیگر آب (عرفات)

دوسرے تذکروں میں مندرجہ ذیل اشعار مل سکے ہیں :

درین حدیقہ بہار و خزان ہم آغوش است
زمانہ جام بدست و جنازہ بر دوش است
بجرمِ بادہ گرفتند باز انور را
کفن بدوش و صراحی بدست و می نوش است
(روز روشن ، ص ۸۰)

برہمن از فیض بت ، پیغمبر از اعجاز گفت
آنچہ عاشق راست در اندیشہ نتوان باز گفت
(مجمع النفایس ، خطی ، ص ۱۹ ب)

حسنِ تو آتشیست کہ در روی آب نیست
عشقِ تو مشکلیست کہ آنرا جواب نیست

شب حدیثِ زلفِ او در مجلسِ احباب بود
دیدۂ خورشید زین افسانہ گرمِ خواب بود

(صبحِ گلشن)

☆ ☆ ☆

فیضا

ملا منیر لاہوری کے بھائی تھے۔ درویش نہاد اور منکسر المزاج۔ ۱۰۷۰ھ میں انتقال کیا۔ ایک رباعی اور ایک شعر دستیاب ہو سکا ہے۔

رباعی

گر چشم تو نکتہ دان نبودی
مژگان ترا زبان نبودی
من آینہ را ندادمی روی
گر روی تو درمیان نبودی

(روز روشن، ص ۱۴۴)

مرا مومیائی دہ از لای خم
کہ پای شکستہ است در پای خم

(فرحت الناظرین)

☆ ☆ ☆

الفتی

قلیچ خاں کا تخلص تھا جو اکبر و جہانگیر کے امرائے کبار میں سے تھے۔ جب لاہور کے صوبیدار مقرر ہوئے تو ہر روز ایک پہر علوم کا درس دیا کرتے تھے۔ ۱۰۲۳ھ میں فوت ہوئے۔ تاریخِ وفات "الموت جسر یوصل الحبیب الی الحبیب" سے نکلتی ہے۔ ان کے اشعار یہ ہیں:

تا ز عارض آفتاب من نقاب انداختہ
ذرہ سان خورشید را در اضطراب انداختہ
کشتۂ آن نرگس مستم کہ در عین خمار
عالمی را کشتہ و خود را بخواب انداختہ

(مرآۃ العالم، بختاور خاں، مرتبّہ ساجدہ سلطانہ، مخطوطہ پنجاب یونیورسٹی لائبریری، ص ۶۶۸)۔

☆ ☆ ☆

ضیائی

علی محمد ملتانی۔ عہدِ جہانگیری کے اچھے شعرا میں اس کا شمار ہوتا تھا۔ ۱۰۲۴ھ میں اکبر آباد میں موجود تھا۔ اس کے بعد اس کا حال معلوم نہیں۔ یہ شعر اس کا ہے:

شہیدِ تیغِ ستم را بحشر وعدہ مدہ
کہ کشتگانِ ترا ذوقِ خونبہا این جاست

(گلِ رعنا، خطی، ص ۱۹۱)

☆ ☆ ☆

میر تشبیہی کاشی[1]

کاشان اصلی وطن تھا - تقی الدین کاشی نے ان کا نام میر علی اکبر بتایا ہے اور تقی الدین اوحدی نے ان کا لقب کمال الدین لکھا ہے - اپنے وطن میں ہی جوان ہوئے - پھر عراق و فارس کی سیاحت کی اور وہاں کے بزرگوں سے کسبِ فیض کیا - جلال الدین اکبر بادشاہ کے عہد میں سرزمینِ پاک و ہند میں آئے اور مقبولِ بارگاہ ہوئے - بعد میں گوشہ نشینی اختیار کر کے لاہور میں مقیم ہو گئے - بادشاہ نے ایک اشرفی روزینہ مقرر کر دیا تاکہ سکونِ قلب سے یادِ الٰہی میں مصروف رہیں - یہ روزینہ نورالدین جہانگیر بادشاہ نے بھی جاری رکھا - عبدالنبی مؤلف میخانہ نے ۱۰۲۸ھ میں لاہور میں ان سے ملاقات کی تھی -

تقی الدین کاشی کہتے ہیں کہ میر تشبیہی نے فقر و مسکنت کا شیوہ اختیار کیا اور ریاضتیں بھی کیں - لیکن چونکہ وہ علمِ نقطہ میں مہارت کا دم بھرتا تھا اس لیے وہ ریاضات سے بہرہ ور نہ ہؤا - وہ عرفان، تجرّد و قناعت کے باوجود باطل دعوے کرتا ہے - جیسا کہ اس رباعی سے ظاہر ہے:

بحرِ کرمم، منّتِ جود کہ برم؟
محوِ عدمم، نام وجود کہ برم؟
گویند سجود پیش حق باید کرد
من چون ہمہ حق شدم سجود کہ برم؟

تقی الدین اوحدی صاحبِ 'عرفات'، میر تشبیہی کی تعریف کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ "تفرید و تجرید و استغنا ان کا شیوہ ہے - سر و پا برہنہ لباسِ فقر میں گزارتے ہیں اور اپنے آپ کو ملامتیہ کے لباس میں ظاہر کرتے ہیں -"

ابوالفضل بتاتے ہیں کہ میر تشبیہی محمود پسا خانی کے ارادت مند تھے، یعنی

۱- تذکرۂ میخانہ، مرتّبہ احمد گلچین معانی، ص ۸۸۷-۸۹۱ - منتخب التواریخ، عبدالقادر بدایونی - آئین اکبری، ابوالفضل - خلاصۃ الاشعار، تقی کاشی - عرفات العاشقین، تقی اوحدی، بحوالہ تذکرۂ میخانہ، مرتّبہ احمد گلچین معانی، ص ۸۸۷-۸۹۱ پاورق -

نقطوی تھے ۔ عبدالقادر بدایونی نے بتایا ہے کہ وہ الحاد کی دعوت دیتا ہے اور لوگوں کو مشربِ پسیخانی کی طرف بلاتا ہے ۔ اہلِ نقطہ کی طرز میں اس نے ابوالفضل کے نام ایک رسالہ لکھا ہے جو سراپا ریا و تزریق کا آئینہ دار ہے ۔

میر تشبیہی ، قاسم کاہی کے مرید تھے اور شعر میں مولانا فہمی کے شاگرد تھے۔ ان کا دیوان آٹھ ہزار اشعار پر مشتمل ہے ۔ انھوں نے 'خورشید و ذرہ' کے نام سے ایک مثنوی بھی لکھی جو خاصی مقبول ہوئی ۔ نظامی کی 'خسرو شیریں' کی بحر میں بھی مثنوی کے اشعار نکالے تھے ۔ دو شعر یہ ہیں :

من آن تشبیہی ام کز پیش بینی
سری دارم بگورستان نشینی
ازانم میل گورستان نشینی است
کہ گورستان نشینی پیش بینی است

تشبیہی کے کلام سے ایک آگہی ، شوریدگی اور آزادگی عیاں ہے ۔ ان کے چند اشعار یہ ہیں :

چون شمع ، تا بمہر تو ارزندہ گشتہ ایم
سر دادہ ایم و باز ز سر زندہ گشتہ ایم
ما را کہ کشتہ اند بصد ضربتِ فراق
دیگر ز یمنِ فیض نظر زندہ گشتہ ایم
ما را چو آفتاب مساویست مرگ و زیست
گر شام مردہ ایم ، سحر زندہ گشتہ ایم

یکی بر خود ببال ای خاک گورستان ز شادابی
کہ چون من کشتہای زان دست و خنجر در لحد داری

تو ہر رنگی کہ خواہی جامہ می پوش
کہ من آن جلوۂ قد می شناسم

ز بس حرارتِ دل ، خونم از دماغ چکد
بسانِ روغنِ پُر شعله کز چراغ چکد

کفِ پا بهر زمینی که رسد تو نازنین را
بلبِ خیال بوسم همه عمر آن زمین را

ببازار شهیدان بر گزر روز جزا بنگر
که جرمی می خرند آنجا بنرخِ صد ثواب از تو

بمومن مومن و باگبر گبرم همچو تشبیهی
بسودای توام گرمست با هر قوم بازاری

بصنم کده دلِ ما چو تو دل ربا نشسته
که چو اهل کعبه خلقی همه رو بما نشسته

ز تیغت بارِ منت باد بر گردن شهیدان را
که همچو سایه گستاخانه می افتند در پایش

غرض ز خلقتِ ارواح ، وز عقول و نفوس
چه بود ، ای ز خود و کنهِ ذاتِ خود مایوس
اگر بتاج و علم پادشاه می نازد
بگو چه فرق میان تو و میانِ خروس
وگر بدبدبه پُر باد می کند خود را
چه بانگ تنبک طفلان و چه غرنبشِ کوس
وگر بسکّه بود مفتخر ، چه فائده نیز
از آنکه نام کسی را کنند نقش فلوس

بعاقبت چو رود زین جهان چه خواهد برد
بجز دریغ و بجز حسرت و بجز افسوس
فناست هرچه درین عالمست تشبیهی
بغیرِ ذاتِ قدیمِ مهیمنِ قدوس

مگر پروانه سوزی کرد شمع اختیار امشب
که سر بر می زند پروانه یی از هرکنار امشب
لبش خندان و چشمش در سخن باجان بدلجوئی
هوس بی دست و پا بود و طلب امیدوار امشب
ز وصلِ اتفاق شکرِ بختِ خویش می گویم
نه ذوقِ وعده می‌دانم نه دردِ انتظار امشب
بهشتی داشتم بی زحمتِ اغیار تشبیهی
حریفی بی تکلف بود و می هم بی‌خمار امشب

آوارگیانِ شهرِ دل را
بهتر از عدم ولایتی نیست

بی مهر هر که دم زند از روشنیِ دل
باور مکن اگر بمثلِ صبح صادقست

امروز میرِ مجلسِ ما شیشهٔ می است
صاحب دمی که همدمی ما می‌کند نی است

☆ ☆ ☆

عوامی مثنویاں

برِ عظیم میں فارسی کی عشقیہ مثنویوں میں عموماً نظامی کی مثنویوں کا تتبع کیا گیا ہے ۔ 'خسرو شیریں' اور 'لیلیٰ مجنوں' کے افسانے مقبولِ عام رہے ۔ جامی کی 'یوسف زلیخا' بھی پسند کی گئی ۔ اکبر کے عہد میں یعقوب صرفی نے ایک کم معروف عشقیہ داستانِ وامق و عذرا کا احیا کیا ۔ فیضی نے قدیمی ہندی داستان یعنی نل دمن کو منظوم کیا ۔ عوامی کہانیوں میں سے ہیر رانجھا اور سسّی و پُنوں کی عشقیہ داستانیں مقبول و معروف ہوئیں ۔ مرکز لاہور میں ہیر اور رانجھا کی داستان کا بہت چرچا ہوا ۔ جستجو اور تحقیق سے ابھی تک اِتنا معلوم ہو سکا ہے کہ ہیر اور رانجھا کے عشق کا واقعہ اکبر کے عہد میں ہوا ہے ۔ دمودر اروڑا کھتری نے سب سے پہلے اس واقعے کو اُس وقت کی زبان یعنی موجودہ پنجابی میں لکھا ۔ اس نے اکبر بادشاہ کا ذکر کیا ہے اور یہ بھی بتایا ہے کہ یہ اس کا چشم دید واقعہ ہے ۔

۱- 'ہیر رانجھا' ، از باقی[1] :

فارسی میں سب سے پہلے جس نے اس قصے کو مثنوی کی شکل میں منظوم کیا ، وہ باقی نام کا شاعر ہے ۔ اس کی مثنوی کا ایک مخطوطہ عجائب خانۂ مِلّی کراچی میں موجود ہے ۔ اس کے پہلے چار اوراق اور آخر کا ایک ورق ضائع ہو چکا ہے ۔ یہ مثنوی اکبر کے عہد میں لکھی گئی ۔ داخلی شہادت سے معلوم ہوتا ہے کہ اکبر سالِ تحریر کے وقت ، مشرق و مغرب میں فتوحات کر چکا تھا ۔ مثنوی کا شعر یہ ہے :

از سرحد ہند تا حد چین ‎ ‎ ‎ بگرفت بزور خنجر کین

اکبر نے گجرات ۹۸۰ھ میں اور بنگال ۹۸۳ھ میں فتح کیا اس لیے قیاس کیا جا سکتا ہے کہ یہ مثنوی ۹۸۳ھ کے بعد ہی لکھی گئی ہوگی ۔

۱- پنجابی قصے فارسی زبان میں ، از ڈاکٹر محمد باقر ، لاہور ، ۱۹۶۰ع ، ج ۲ ، ص ۳۶-۵۵ ۔ مثنویات ہیر و رانجھا ، مرتبّہ حفیظ ہوشیار پوری ، کراچی ، ۱۹۵۷ع ، دیباچہ ۔

مثنوی کی داخلی شہادت سے باقی کے متعلق اتنا معلوم ہو سکا ہے کہ عبداللہ شاہ ان کے پیر و مرشد تھے - باقی خود درویش مشرب تھے - ان کی ایک بیٹی صالحہ نامی وفات پا گئی تو انھوں نے اس کا مرثیہ لکھا - ڈاکٹر محمد باقر نے مناجات کے ایک شعر سے قیاس کیا ہے کہ باقی کا نام حیات جان تھا - یہ قیاس صحیح نہیں - اول تو اس قسم کا نام شاید ہی کسی مرد نے رکھا ہو - دوسرے یہ کہ شعر کے متن سے یہ ظاہر نہیں ہوتا کہ باقی اپنا نام بتا رہا ہے - مناجات کے دو شعر یہ ہیں :

یک قطرۂ میم بدہ ز جامت　　سرمست مرا بکن ز نامت
نامِ تو حیاتِ جانِ باقیست　　شہدیست کہ در دکانِ باقیست

پہلے اور دوسرے شعر میں 'ت' کی ضمیر صاف خدا کی طرف ہے - باقی اپنا نام نہیں بتا رہا بلکہ یہ کہہ رہا ہے کہ اے خدا ! تیرے نام سے باقی کی روح زندہ ہے - عبدالقادر بدایونی نے 'منتخب التواریخ' میں ایک شاعر باقی کولابی کا ذکر کیا ہے جو معصوم کابلی کی بغاوت میں (۹۸۸ھ میں) مارا گیا - ڈاکٹر باقر صاحب نے باقی کولابی کو ہی مثنوی 'ہیر رانجھا' کا مصنّف سمجھ لیا ہے - اس لیے انھوں نے مثنوی کے سالِ تصنیف کو ۹۸۳ھ (سالِ فتحِ بنگال) اور ۹۸۸ھ (سالِ قتلِ باقی کولابی) کے درمیان محدود کر لیا ہے -

داستانِ ہیر و رانجھا کے سلسلے میں قدیم ترین روایت دمودر کی ہے جس کا قصہ یوں ہے[1] :

ہیر جھنگ سیال کے سردار چوچک کی بیٹی تھی - نازوں پلی لیکن نڈر اور بہادر - سہیلیوں کے ساتھ کھیلتی پھرتی تھی - دریا کے کنارے اس کی اپنی کشتی تھی جس کا ملاح لڈن تھا -

دھیدو (رانجھا جٹ) ہزارے کا رہنے والا تھا - اس کے باپ کا نام معظم تھا - اس کے اور بھائی طاہر، ظاہر اور جیون تھے - باپ کو دھیدو سے زیادہ پیار تھا - باپ مر گیا تو بھائیوں نے جائداد سمیٹنے کے لیے اس کو قتل کرنے کا ارادہ کیا - دھیدو ان کی نیت بھانپ کر گھر سے نکل آیا - دریا کے کنارے پانچ پیروں نے اسے ہیر کے ساتھ شادی کی بشارت دی اور اس کے لیے دعا کی -

دھیدو تھکا ماندہ کشتی کے پاس پہنچا اور لڈن سے اجازت لے کر ہیر کے

۱- پریم کہانی، باوا بدھ سنگھ، ص ۹۸-۱۶۱ -

پلنگ پر سو گیا - ہیر نے یہ ماجرا دیکھا اور غصے کے ساتھ آئی لیکن دھیدو کے تابناک حسن کا نظارہ کر کے ٹھٹھک گئی - دھیدو نے بانسری بجا کر سنائی تو ہیر پر مستی چھا گئی -

دھیدو چوچک کے سامنے آیا تو چپ چاپ تھا - اس نے کہا اسے کھانے پینے کے لیے دو - ہیر نے دودھ ملائی دی اور چُوری کھلائی - خود پنکھا کیا - چوچک نے دھیدو کی داستان سنی تو دل موم ہوگیا - کہا ، یہاں رہے ، کھیتی باڑی کرے ، گائیں بھینسیں سنبھالے - لیکن دھیدو نے کہا کہ میں صرف گائیں بھینسیں چراؤں گا اور حلال کی کھاؤں گا - رانجھا بانسری بجاتا تو بھینسیں اکٹھی ہو جاتیں - دودھ دُہنے کا وقت آتا تو بھینسیں خود بخود آمادہ ہو جاتیں - لوگ اس کی کرامات پر حیران تھے -

دھیدو اور ہیر کی محبت پروان چڑھ رہی تھی کہ جگہ جگہ ان کے چرچے ہونے لگے - بھاوجوں اور ماں نے ہیر کو سمجھایا مگر اس نے کسی کی نہ سنی - جب چوچک کے کانوں تک بات پہنچی تو اس نے اپنے بھائی کیدو کو تحقیق کے لیے بھیجا - وہ فقیر بن کر رانجھے کے پاس گیا - ہیر اس کے لیے چُوری لائی تھی - کیدو رانجھے سے خیرات مانگ کر لے آیا اور چوچک کو حال سنایا - چوچک غضبناک ہو کر رانجھے کے پاس پہنچا اور اسے وہاں سے چلے جانے کو کہا - رانجھا روانہ ہوا - اس نے بانسری بجائی تو ساری بھینسیں اس کے پیچھے چل دیں - آخر مجبوراً رانجھے کو واپس بلا لیا گیا -

چوچک نے رنگ پور کے کھیڑوں میں ہیر کی نسبت ٹھہرا دی اور بیاہ کی تیاریاں ہونے لگیں - ہیر کہتی کہ پانچ پیروں نے میرا ناطہ رانجھے سے جوڑ دیا ہے ، مجھے آزاد رہنے دو - لیکن اس کا زبردستی بیاہ رچایا گیا - قاضی نے جب پوچھا کہ تمھیں علی کا بیٹا سیدا قبول ہے ؟ تو اس نے انکار کر دیا - لیکن کھیڑے ہیر کو لے گئے اور رانجھا بھی برات کے ساتھ گیا - آخر وہ مایوس ہو کر تخت ہزارہ کی طرف واپس ہوا اور ہیر روتی ہوئی کھیڑوں کے گھر قید ہوگئی -

دھیدو گھر پہنچا تو بھائیوں نے منہ نہ لگایا - یعقوب وڑائچ نے اپنی لڑکی کی شادی اس سے کرنے کا ارادہ کیا ، کیونکہ دھیدو کے باپ کی زندگی میں اس سے نسبت ٹھہرائی گئی تھی ، لیکن دھیدو نہ مانا - چنانچہ اس کے بھتیجے کی شادی اس لڑکی سے ہوگئی -

ہیر سسرال کے ہاں اپنی ضد پر اڑی رہی اور بے رخی برتتی رہی اور رانجھا کو یاد کرتی رہی - آخر انھوں نے ہیر کو الگ حویلی میں اس کی نند سہتی کے ساتھ رکھا - سہتی آہستہ آہستہ اس کی رازدار بن گئی - اس نے رامو کو رانجھے کو بلانے کے لیے ہزارے بھیجا - رانجھا وہاں فقیر بنا بیٹھا تھا - ہیر کا پیغام سن کر بے تاب ہو گیا -

وہ پیروں کے ٹیلے پر پہنچ کر بڑے پیر کا مرید ہوا ، جوگیا لباس پہنا اور جھنگ کی طرف روانہ ہوا - وہاں لڑکیوں نے اس کو پہچان لیا - جب معلوم ہوا کہ ہیر رنگ پور میں ہے تو ادھر روانہ ہوا - رنگ پور میں سہتی نے اسے پہچان لیا اور اسے بتایا کہ ہیر اس کے پاس ہے - صبر سے کام لو ، سب ٹھیک ہو جائے گا - رانجھا دھونی رما کر بیٹھ گیا - دوسرے دن بھیک مانگنے کے لیے ہیر کے گھر گیا - ہیر نے چنے دیے تو اس نے گرا دیے تاکہ ہیر کو دیکھنے کا موقع ملے - چونکہ اس نے منہ لپیٹا ہوا تھا اس لیے ہیر پہلے نہ پہچان سکی مگر بعد میں پہچان لیا - ہیر نے سہتی کو بتایا کہ رانجھا جوگی بن کر بھیک مانگنے آیا تھا - سہتی نے کہا ہم جھوٹ موٹ آپس میں لڑتے جھگڑتے ہیں تاکہ کہیں میرے بھائی اور باپ کو شبہ نہ ہو کہ تم اور میں کسی سازش میں شریک ہیں - سہتی نے باپ سے کہا کہ ہیر سیدھی راہ پر آ جائے گی - اسے کپڑے گہنے دو تاکہ بن سنور کر رہے -

سہتی ہیر کو کھیت میں لے گئی جہاں اُس نے سانپ کے ڈسنے کا بہانہ کیا - سہتی عورتوں کے ساتھ جوگی کے پاس گئی اور جوگی کو زہر اتارنے کے لیے گھر لے آئی - ہیر اور رانجھا الگ مکان میں رہے اور چند دن بعد مکان میں نقب لگا کر بھاگ گئے - کھیڑوں کو خبر ہوئی تو انھوں نے گھوڑوں پر ان کا تعاقب کیا - ہیر و رانجھا نے ایک گاؤں کے خانوں کو اپنی داستان سنائی اور اپنے والدین کا اتاپتا بتایا تو انھوں نے انھیں گاؤں میں چھپا دیا - کھیڑے آ پہنچے اور انھوں نے ہیر و رانجھے کو واپس کرنے کا تقاضا کیا - گاؤں کے آدمیوں نے کہا کہ قبولے کے قاضی کے پاس معاملہ لے جاؤ - قاضی نے ہیر کو کھیڑوں کے حوالے کیا - رانجھے کو کوڑے لگوائے - ہیر روتی چلاتی قاضی کو بد دعائیں دے رہی تھی - اتنے میں گاؤں میں چاروں طرف آگ لگ گئی - لوگ سمجھے بے انصافی ہوئی ہے - آخر رانجھے کی کرامات سے آگ بجھی - ہیر ، رانجھے کو دے دی گئی - کھیڑے ڈر کر واپس چلے گئے اور ہیر رانجھا وہاں سے رخصت ہو کر دکھن کی طرف روانہ ہو گئے -

باقی کے قصے میں اصل قصے سے کئی جگہ اختلاف ہے :

۱۔ رانجھا ہیر کے حسن کی شہرت سن کر گھر سے باہر نکل گیا ۔ صحر میں پانچ مردانِ خدا سے ملاقات ہوئی ۔ رانجھے نے بزرگوں کے کہنے پر بانجھ بھینس کا دودھ دوہا ۔

۲۔ دایہ نے ہیر اور رانجھا کی ملاقات کا انتظام کرایا ۔ ان کے عشق کا چرچا ہوا تو رانجھا بیابان کی طرف نکل گیا ۔

۳۔ ہیر کے شوہر کا نام حسام ہے ۔

۴۔ ہیر خود اپنے سسرال سے نکل کر رانجھے کے پاس گئی اور وہ دونوں بیابان کی طرف نکل گئے ۔

۵۔ رانجھا اچانک ایک حادثے میں مر گیا ۔ ہیر نے اپنی موت کے لیے دعا کی ۔ زمین پھٹی اور وہ زمین میں دھنس گئی ۔

باقی کی کہانی میں حرکت اور ڈرامائی عنصر کم ہے ، رومانی مناظر بھی کم ہیں ۔ رقیبوں اور حاسدوں کی مخالفت کا ہنگامہ بھی بیان نہیں ہوا ۔ عشاق کے درد و کرب کو بھی زیادہ اجاگر نہیں کیا گیا ۔

باقی اپنے آپ کو آتش نفس اور اژدہا کہتا ہے ۔ وہ لکھتا ہے کہ ہماری زبان گہُر ریز ہے ۔ طبعم چو سحاب درفشانست ۔ میرے نفس میں جو آگ لگی ہے ، اس کی وجہ سے میرا کلام پُرسوز ہے :

تیغ نفسم شد آتش افروز زانرو شدہ شعر بندہ پُر سوز

یہ سب باتیں اپنی جگہ درست ہوں گی ۔ شاید ان میں شاعرانہ مبالغہ نہ ہو ، لیکن یہ مثنوی فنی اور لسانی نقطۂ نظر سے پختہ نہیں ہے ۔ شاعر نے قدرتِ کلام کا ثبوت نہیں دیا ۔ بعض جگہ وہ ایک ہی لفظ کو دوبارہ لانے پر مجبور ہو جاتا ہے ۔ کہیں کہیں لفظوں کے در و بست میں بھی استحکام نہیں ۔ بعض جگہ لفظوں کا نا موزوں استعمال بھی کھٹکتا ہے ۔ تکرارِ مطالب جا بجا ہے ۔

'ہیر و رانجھا' یا 'افسانۂ دلپذیر'[1] از سعیدی

پنجاب یونیورسٹی لائبریری کے مجموعۂ شیرانی میں 'افسانۂ دلپذیر' کا ایک

۱۔ پنجابی قصے فارسی زبان میں ، از ڈاکٹر محمد باقر ، لاہور ، ۱۹۵۷ ، ج ۱ ، ص ۸۱ - ۱۰۷ ۔

مخطوطہ ہے ۔ اس کے مصنف سعید یا سعیدی ہیں ۔ انھوں نے یہ دونوں نام تخلص کے طور پر استعمال کیے ہیں :

گفتی کہ سعید با خیال است　　در کوچہ عشق پایمال است

چون دیدہ بآن نہد سعیدی　　ھر لحظہ فغان کند سعیدی

ڈاکٹر محمد باقر نے مندرجہ ذیل شعر سے یہ قیاس کیا ہے کہ ''مصنف اپنے آپ کو سعید جامی بھی کہتا ہے'' ۔ استاد محترم کا یہ قیاس صحیح نہیں ہے ۔ پہلے مصرع میں وہ اپنے آپ کو جامی کہہ رہا ہے ، نہ کہ اس کا نام سعید جامی ہے ۔

امروز منم سعید جامی　　خاک کف خسرو و نظامی

یہ مثنوی شاہجہان کے عہد میں (۱۰۳۷ھ—۱۰۶۸ھ) میں لکھی گئی ۔ مصنف خود مثنوی میں شاہجہان کا یوں ذکر کرتے ہیں :

مست از می ساغر زبرجد　　ھر لحظہ شہاب الدین محمد

صاحب صاحبقران ثانی　　خوش بر سر تخت کامرانی

مصنف نے یہ مثنوی چھ مہینوں میں تمام کی ۔ اس کا دعویٰ ہے کہ یہ افسانہ پہلے کسی نے نہیں لکھا ۔ معلوم ہوتا ہے کہ باقی کی مثنوی 'ہیر و رانجھا' اس کی نظر سے نہیں گزری تھی ۔

اصل قصے کی تفصیلات سے کہیں کہیں انحراف کیا گیا ہے ۔ مثلاً :

۱- رانجھا کے بھائیوں نے اس شکایت پر کہ وہ کسی کے عشق میں گرفتار ہے ، اسے گھر سے نکال دیا ۔

۲- لڈن کی بیویوں نے رانجھا کی بنسری کی آواز سن کر رانجھا کو کشتی میں بلانے کی درخواست کی ۔ وہ کشتی ہیر کی تھی ۔

۳- ہیر اور رانجھا دونوں بھاگ گئے اور چوچک کے بیٹے سلطان اور بتان ان کو واپس لے آئے ۔

۴- اجو کھیڑے کے بیٹے سدر سے ہیر کی شادی ہوئی ۔

۵- رانجھا مایوس ہو کر اپنے بھائیوں کے پاس چلا گیا ۔

۶- ہیر کی نند سہتی نے رانجھے کو پیغام بھیجا اور وہ جوگی کا لباس پہن کر بھیک مانگتا ہوا ہیر کے قصبے میں پہنچا ۔

۷- پہلے قاضی نے ہیر کو اجو اور سدر کے حوالے کر دیا ، بعد میں ہیر کی بد دعا سن کر اس کو رانجھا کے حوالے کیا ۔

۸- ہیر اور رانجھا ایک سال کے لیے قاضی کے شہر میں مقیم رہے - رانجھا بیمار ہو کر مر گیا تو ہیر بھی فراق کی تاب نہ لا کر مر گئی - دونوں کو ایک دوسرے کے پہلو میں دفن کیا گیا -

عشقیہ پنجاب مسمّٰی بہ ہیر و ماہی[1] :

'عشقیہ پنجاب' کا مصنف مسیتا ولد حکیم درویش ہے - اس کا تخلص چنابی تھا - چنابی اپنے وطن کا نام کیلاس یا کلاہس بتاتا ہے - یہ ضلع گوجرانوالہ میں "درویش کے" گاؤں کے قریب واقع ہے - چنابی بھی باپ کی طرح طبیب تھا اور شاعری شہرت کا ذریعہ نہ تھی - وہ دیندار اور قناعت پسند آدمی تھا -

باعثِ تالیف نظم میں چنابی نے بتایا ہے کہ یہ قصہ 'ہندوی' زبان میں تھا - میں نے اسے فارسی میں منظوم کیا - مثنوی ، کوٹ کمالیہ (ضلع ساہیوال) میں ۱۱۱۰ھ میں مکمل ہوئی - وہاں کے رئیس نواب محبت خاں نے اسے بہت پسند کیا لیکن مصنف معاصرین کی ناقدری اور شعر نافہمی کا گلہ کرتا ہے - وہ اسلوب خیال بندی کو پسند نہیں کرتا - وہ واضح اور صاف اسلوب کو بہتر سمجھتا ہے - چنانچہ وہ لکھتا ہے :

فریاد ازین خیال بندان   سنگِ رہِ فکر بلکہ سندان
از واضح و صاف بی نصیب اند   محظوظیِ خلق (؟) را رقیب اند
سادہ سخنم نہ از خیال است   'اشھد' نہ چون 'اسھد' بلال است
هیهات کہ قدرِ واضح و صاف   داند کہ چو نیستند اسلاف

وہ شاعرانہ تعلّی سے کہتا ہے :

نائب ز پی نظامیم من   بر مسند میر و جامیم من

مندرجہ ذیل باتوں میں اصل قصے سے اختلاف ہے :

۱- اس مثنوی میں رانجھے کا نام "ماہی" بتایا گیا ہے : "رانجھا نسب است و ماہیم نام -"

۲- ہیر کے شوہر کا نام اجی لکھا گیا ہے -

۲- مقالہ از قاضی فضل حق ، مطبوعہ 'پنجابی قصے فارسی زبان میں' ، از ڈاکٹر محمد باقر ، لاہور ۱۹۵۷ ، ص ۱۰۸ - ۱۴۴ -

۳- ہیر اور ماہی کا عشق سچا تھا ۔ اس میں ہوس کی آلایش نہ تھی ۔

۴- ماہی (جوگی) کی بد دعا سے حاکم کا دروازہ جل گیا ۔ اس نے ہیر کو کھیڑوں سے لے کر ماہی کے حوالے کر دیا ۔ بعد میں دروازہ پہلے کی طرح صحیح سالم ہو گیا ۔

۵- جب ماہی اپنے قصبے کی طرف اپنے اقربا سے ملنے گیا تو راستے میں جاں بحق ہوا ۔

۶- ہیر کا مزار چناب کے پار موضع کیلاس میں ہے جو مصنف کے گاؤں کا ہم نام ہے ۔

۷- ہیر چوچکانہ میں فوت ہوئی ۔ اس کا مزار پہلے وہیں بنا ، بعد میں وقت کے حاکم کو ہیر خواب میں نظر آئی اور اس کی درخواست پر اسے جھنگ سے جنوب کی طرف دو فرسنگ کے فاصلے پر دفن کیا گیا اور اس پر مقبرہ تعمیر کیا گیا ۔ مصنف لکھتے ہیں کہ انھوں نے ہیر کا مزار دیکھا ہے ۔ لوگ رات دن زیارت کے لیے آتے ہیں ۔

چنابی کو احساس ہے کہ وہ نہ ایرانی ہے نہ تورانی ، نہ وہ ہندی ہے ، نہ ولایتی ۔ وہ پنجابی ہے ، بلکہ چنابی ۔ ادیب و شاعر ، ایرانی و تورانی شعرا کے علاوہ کسی کو خاطر میں نہیں لاتے ۔ لیکن وہ کہتے ہیں کہ منعمِ حقیقی ہر ملک پر مہربان ہے ۔ اگر سمرقند میں سیب ہے تو ہندوستان میں شکر ہے ۔ اگر شعر میں لطفِ معنی ہو تو یقیناً اسے مقبول ہونا چاہیے ۔ اگرچہ مصنف اپنے آپ کو نائبِ نظامی کہتا ہے لیکن اس کی مثنوی میں وہ متانتِ الفاظ نہیں ۔ وہ کئی جگہ اپنے زمانے کے ہندوی محاورے استعمال کرتا ہے ۔ مثلاً غصہ : غضب کے معنوں میں ۔ مہین : باریک کے معنوں میں ۔ مسئلہ خواندن : شرعی مسائل بیان کرنے کے معنوں میں ۔ وعید کردن : وعدہ کردن ۔ شادیانہ : شادی برات والوں کی طرح ۔ پالکی : دیسی لفظ ۔ دنبالہ کشی کردن : تعاقب کرنا ۔ حاصل بکند خدا تمنات : خدا تمھاری آرزو پوری کرے ۔

شاندن : نشاندن کے معنوں میں ۔

تعیّن کو تعیین باندھا ہے :

یک شخص ز محرمان گزین کرد سنجیدہ و راز دان تعیین کرد

ذیل کے شعر میں ترادفِ الفاظ بھی ہے اور تعقیدِ معنوی بھی :

گشتند دچار هیر و ماهی　　صید و شکار هیر و ماهی

ایک ہی شعر میں تکرارِ مطالب ہے :

چوچک بهزار عزت و ناز　　بنشاند بمسندش باعزاز

مثنوی میں جہاں کہیں رسم و رواج کا ذکر آیا ہے ، وہ اس علاقے یعنی پنجاب کی روایات کے مطابق ہے ۔ مثلاً دولھا کی تیاری ، لباس پوشی اور نذر و سلامی کی رسم کو یوں بیان کیا ہے :

اجی بادای رسمِ پنجاب　　شسته تنِ خویش را بگرم آب
دستار مهین و ارغوانی　　از بهرِ عروسیش نشانی
پیچید بسر ز جای جسته　　سرپوشِ گلین بپا شکسته
پوشید لباس شادیانه　　شد صحن چمن ز صحن خانه
خوبانِ قبیله در رسیدند　　هنگام وداع او شنیدند
هر دختر را بآن سمن بر　　روی بکف از سلامیش زر (کذا)

☆ ☆ ☆

محمد صالح کنبو

محمد صالح کی زندگی کے بہت مختصر حالات معلوم ہو سکے ہیں ۔ ان کے نام کے متعلق بھی اشتباہ ہے ۔ 'عمل صالح' کے دیباچے کے سوا انھوں نے کہیں اپنا نام نہیں لکھا ۔ لاہور میں موچی دروازے کے اندر انھوں نے جو مسجد بنائی تھی اس کے کتبے سے ظاہر ہے کہ انھوں نے اپنا نام بندۂ آل محمد صالح یا فدویِ آل محمد صالح لکھا ہے ۔ غلام یزدانی صاحب کہتے ہیں[۱] کہ "آل محمد" ان کا لقب ہے اور یہ ان کے سید ہونے کی نشانی ہے اور اسی بنا پر یہ نتیجہ نکالا ہے کہ عنایت اللہ کنبو ان کے بڑے بھائی نہیں ہیں ۔ کیوں کہ خود انھوں نے 'عمل صالح' کے اختتام پر جہاں

---

۱ ۔ عمل صالح ، مرتبہ غلام یزدانی ، کلکتہ ، دیباچہ ص ۳ تا ۵ ۔

عہدِ شاہجہانی کے عرفا اور اربابِ انشا کا ذکر کیا ہے ، وہاں عنوان میں عنایت اللہ کو ''شیخ عنایت اللہ'' لکھا ہے - دوسری جگہ جہاں ان کو ''استاد'' و ''برادرِ کلاں'' لکھا ہے ، وہاں اس سے مراد ان کے حقیقی بھائی نہیں بلکہ مجازی طور پر وہ رشتے میں یا نسبت میں بھائی ہیں - یزدانی صاحب کی اس رائے کو قطعی نہیں سمجھنا چاہیے کیونکہ محمد صالح کنبو نے عنایت اللہ کے بارے میں خود لکھا ہے کہ ''بآں پاک جوہر (عنایت اللہ) نسبت ہم گوہری و شاگردی دارد[۱] -'' ہم گوہری سے مراد ہم خاندانی تو ضرور ثابت ہوتی ہے - پھر جب دونوں اپنے آپ کو کنبو لکھتے ہیں تو ان کے ہم قبیلہ ہونے کا ثبوت تو ان کے نام سے عیاں ہے - اور محمد صالح نے 'عمل صالح' میں عنایت اللہ کو جو شیخ لکھا ہے ، وہ نسبی مغایرت ثابت کرنے کے لیے کافی نہیں - کیونکہ 'بہار سخن' میں جہاں اس نے عنایت اللہ کا ذکر کیا ہے وہاں کہیں شیخ نہیں لکھا - صرف 'عنایت اللہ' لکھا ہے - مثلاً ''قبلۂ صورت و معنی عنایت اللہ[۲] -'' بعض جگہ عنایت اللہ کے ساتھ لفظ ''میاں'' کا اضافہ کیا ہے - مثلاً ''حقایق پناہ میاں عنایت اللہ[۳]'' ، ''فیض دستگاہ میاں عنایت اللہ[۴] -'' میرا خیال ہے کہ محمد صالح نے 'عمل صالح' میں عنایت اللہ کے نام سے پہلے جو کلمۂ شیخ کا اضافہ کیا ہے ، وہ صرف ان کو عرفا و مشائخ کے زمرے میں شامل کرنے کے لیے کیا ہے ، کیونکہ عنایت اللہ زندگی کے اواخر میں ترکِ دنیا اور ترک علائق کر کے شیخ بختیار کاکی کے مزار پر گوشہ نشین ہوگئے تھے اور ریاضت و عبادت میں اپنا وقت صرف کرتے تھے -

سٹوری نے یزدانی صاحب کے متذکرہ بالا بیان پر تبصرہ کرتے ہوئے ایک اور نکتہ پیدا کیا ہے کہ محمد صالح کنبو نے اپنی بنا کردہ مسجد کے کتبے میں اپنے آپ کو بندۂ آل محمد صالح یا فدویِ آل محمد صالح لکھا ہے - یعنی بندہ اور فدوی پر اضافت ہے جس کے معنی ہیں : Devoted supporter of Muhammad's family[۵]

۱- عمل صالح ، مرتبّہ غلام یزدانی ، کلکتہ ، دیباچہ ص ۳ تا ۵ -

۲- بہار سخن ، ص ۱۹۵ -

۳- ایضاً ، ص ۲/۸۶ -

۴- ایضاً ، ص ۲/۸۱ -

۵- Persian Literature, C.A. Story, Section II, fascicule 3, p.579, fn

سٹوری یہ واضح کرنا چاہتے ہیں کہ یزدانی صاحب نے جو یہ کہا ہے کہ نام کے پہلے 'آل محمد' کے اضافے سے محمد صالح کنبو کا سید ہونا ثابت ہوتا ہے، غلط ہے۔ بلکہ اصل اضافہ 'بندۂ آل محمد' ہے۔

سٹوری کی تعبیر اس وقت با معنی ہو سکتی ہے جب ہم یہ مان لیں کہ 'عمل صالح' کے مصنف کا نام صرف 'صالح' ہے اور وہ 'بندۂ آل محمد' وغیرہ اپنے نام کے ساتھ لقب کے طور پر لکھتے ہیں۔ لیکن مولانا منیر نے 'بہار سخن' کے دیباچے میں اس کو صرف 'محمد صالح اصلح اللہ شانہ' لکھا ہے۔ صحیح یہ ہے کہ اس کا نام محمد صالح ہے اور وہ باقی کلمات لقب کے طور پر اپنے نام کے ساتھ اضافہ کرتے ہیں۔ اگرچہ 'بندۂ آل'، 'فدوی آل'، خاکِ راہِ آل' معنی کے لحاظ سے کامل با معنی اضافہ نہیں لیکن اس کا مقصود واضح ہے۔ 'بہار سخن' صفحہ ۱۵۳ پر انھوں نے اپنے آپ کو 'فدوی اہلِ بیت محمد صالح' لکھا ہے۔ اس سے نام اور لقب میں امتیاز ہو جاتا ہے۔

محمد صالح کنبو نام کا ایک اور شخص بھی گزرا ہے جو بہادر اور صاحبِ تدبیر تھا اور جنگی مہمات میں شریک ہوتا رہا۔ عمل صالح، جلد ۱، صفحہ ۲۹۸ اور جلد دوم، صفحہ ۳۸۷ پر اس کا ذکر موجود ہے۔ مؤخرالذکر مقام پر محمد صالح لکھتے ہیں:

''محمد صالح کنبوہ را کہ مرد مردانہ، صاحبِ تدبیر و تردد بود با لشکر آراستہ روانہ آنجانب نمود۔'' 'پادشاہنامہ'، عبدالحمید لاہوری، جلد اول، صفحہ ۳۳۶ اور جلد دوم، حصہ دوم، صفحہ ۱۷، ۲۷، ۳۷، ۶۷ میں بھی اسی محمد صالح کنبوہ کا ذکر ہے۔ صفحہ ۱۷ پر مذکور ہے: ''محمد صالح کنبوہ کہ از دلیران جان سپار درگاہ خوانین بود۔''

'پادشاہنامہ' عبدالحمید لاہوری کے ایک نسخۂ خطی کا تعارف کراتے ہوئے Col. Lees نے لکھا ہے:

> "The copy of the second part of the Badshahnamah which has been used for the edition (Bib. Ind.) is the first Ms. I have ever seen. It is written by Muhammad Salih Kanbu, the author of 'Amal-i-Salih''.[1]

1- J. R. A. S. Vol. III, N. S., P. 5.

ایلیٹ نے شاید اسی بیان پر تبصرہ کیا کہ :

"Muhammad Salih was a fine scribe, so there can be little doubt that he is the Muhammad Salih whom he himself mentions in his list of the noted calligraphists of his time.'[1]

اس کے بعد لکھا ہے کہ میر محمد صالح اور میر محمد مومن ، میر عبداللہ مشکیں رقم کے بیٹے تھے ۔ محمد صالح شاعر تھے ۔ فارسی میں کشفی اور ہندی میں سبحان تخلص کرتے تھے ۔ دونوں بھائی مغنی تھے ۔ محمد صالح کا نام پنج صدی منصب داروں کی فہرست میں موجود ہے ۔ کرنل لیس صاحب کو سخت مغالطہ ہوا ہے ۔ 'بادشاہ نامہ' کا کاتب 'عملِ صالح' کا مصنف نہیں بلکہ محمد صالح کشفی ہو سکتا ہے ۔

محمد صالح لاہور میں پیدا ہوئے ۔ تاریخ پیدائش معلوم نہیں ۔

محمد صالح اپنی تعلیم و تربیت کے لیے عنایت اللہ کے ممنون ہیں کیونکہ وہ ان کے ساتھ جابجا محبت و عقیدت کا اظہار کرتے ہیں ۔ ان کا خط نہیں آتا تو تڑپتے ہیں ۔ ملاقات نہیں ہوتی تو فراق میں گھلتے ہیں ۔ 'بہار سخن' میں ان کے نام جو تحریریں ہیں ، ان میں عنایت اللہ کو 'قبلۂ آمال و امانی' لکھتے ہیں[2] ۔ ابو البرکات منیر لاہوری اور اس کے بھائی فیضا سے بھی ان کے دوستانہ مراسم رہے ۔ وہ منیر کے فنی کمالات کے معترف تھے ۔ چنانچہ انھی کے توسط سے ہم منیر کے ''تذکرۂ شعرا'' اور ''شرح قصاید عرفی'' سے آشنا ہوئے ہیں ۔

محمد صالح کا ایک بھائی محمد افضل تھا جو پرگنۂ میرٹھ کی عملداری میں ملازم تھا ۔ اس نے اپنے ایک خط[3] میں میاں محمد جان سے سفارش کی ہے کہ وہ اس پر نظر عنایت رکھیں اور اپنے لطف و کرم سے نوازتے رہیں ۔ اگر دفتری امور میں کبھی غلطی ہو تو اس سے درگزر کریں ۔

محمد صالح شاہجہانی اور عالمگیری کہلاتے ہیں ، کیونکہ انھوں نے دونوں

۱- Elliot, H. M., History of India as told by its own Historians, Vol. VII, p. 123.

۲- بہار سخن ، محمد صالح ، مخطوطہ پنجاب یونیورسٹی لائبریری ، مجموعۂ شیرانی ، شمارہ ۱۳۲/۱۸ء۱ ، چمن دوم ۔

۳- بہار سخن ، ص ۵۳ ۔

زمانے پائے ہیں - وہ ۱۰۸۵ھ میں فوت ہوئے - وقت کے امرا اور وزرا سے ان کے تعلقات رہے ہیں - 'بہار سخن' میں سعد اللہ خاں ، افضل خاں اور فاضل خاں کے نام ان کے خطوط موجود ہیں - یہ بھی یقینی ہے کہ وہ بادشاہوں کے دفترِ انشاء میں ملازم رہے ہیں کیونکہ انھوں نے بعض خطوط شاہجہان ، اورنگ زیب ، آصف خاں اور فاضل خاں وغیرہ کی طرف سے حاکمِ بلخ ، حاکمِ ہرات ، حاکمِ توران اور شاہِ ایران کو لکھے ہیں اور بعض خانِ دوراں نصرت جنگ اور قلیچ خاں وغیرہ امرا کی جانب سے بادشاہ کی خدمت میں تحریر کیے ہیں -

تالیفات

عملِ صالح :

عہدِ شاہجہانی کی ایک مختصر تاریخ ہے جو شاہجہان کی پیدائش سے لے کر وفات تک کے حالات و سوانح پر مشتمل ہے - شاہجہان کے حلیے سے لے کر اس کے روزانہ مشاغل اور اس کے سفر اور سیر و سیاحت کے واقعات تک کا ذکر کیا گیا ہے - مشہور مشہور سوانح و حوادث کا حال بھی اختصار سے لکھا ہے - شاہزادوں ، شاہزادیوں کی ولادت و مرگ اور عقد و ازدواج کا بھی ذکر کیا ہے - یہ تاریخ بھی سنہ وار واقعات کی ترتیب سے لکھی گئی ہے - مؤلف کے اپنے بیان کے مطابق یہ کتاب ۱۰۷۰ھ میں مکمل ہوئی - "لطیفۂ فیضِ الٰہی" سے اس کا سالِ تحریر نکلتا ہے - لیکن اس میں وفاتِ شاہجہان (۱۰۷۶ھ) اور مرگِ شیخ عنایت اللہ (۱۰۸۲ھ) کا بھی ذکر ہے - اس سے ظاہر ہے کہ شاہجہان کی معزولی کے بعد کے واقعات بعد میں لکھے گئے ہیں -

سنہ وار تاریخی واقعات کو قلمبند کرنے میں جو نقص ہوتے ہیں ، وہ اس تاریخ میں بھی موجود ہیں - ایسی جنگیں ، لشکرکشیاں اور فتوحات جن کے وقوع اور پایۂ تکمیل تک پہنچنے میں ایک سال سے زیادہ عرصہ لگا ، ان کا بیان یکجا نہیں ملتا - بعض سالوں میں کوئی خاص واقعہ قابلِ ذکر نہیں تو صرف جشنِ وزنِ قمری و شمسی کا ذکر کیا گیا ہے -

'عملِ صالح' کی تاریخی اہمیت سے کسی کو انکار نہیں کیونکہ یہ ایک معاصر مصنف کی تحریر ہے - شاہجہان کی قید ، بیماری اور وفات کا بالتفصیل ذکر ہے - تخت نشینی کے جھگڑوں کے متعلق شاہزادوں کے جو بیانات ، خطوط اور بادشاہ کے

فرامین نقل کیے گئے ہیں ، وہ تاریخی اعتبار سے اہم ہیں ۔ کشمیر ، لاہور ، آگرہ ، روضۂ تاج محل کا بیان مفید معلومات کا حامل ہے ۔

آخر میں وزرا ، امرا ، شعرا اور دیگر اربابِ فضل و دانش کا مختصر تذکرہ ہے جو بعض معلومات کے لحاظ سے بہت مفید ہے ۔

مآخذ کتاب : 'عمل صالح' سے پہلے شاہجہانی دور کے متعلق تاریخ کی جتنی کتابیں مرتّب ہو چکی تھیں ، اغلب ہے کہ محمد صالح نے اپنی کتاب تالیف کرتے وقت ان سے استفادہ کیا ہوگا ۔ وہ کتابیں حسب ذیل ہیں :

۱- 'بادشاہ نامہ' مؤلفہ میرزا امینا قزوینی : اس میں شاہجہان کی شاہزادگی سے لے کر تخت نشینی کے پہلے دس سالوں کا حال درج ہے ۔

۲- 'بادشاہ نامہ' از ملا عبدالحمید لاہوری : اس میں شاہجہانی عہد کے بیس برسوں کی تاریخ مرتب کی گئی ہے ۔ ۱۰۵۸ھ سے بعد کے واقعات کو محمد وارث نے تحریر کیا ہے ۔

۳- 'ملخّصِ بادشاہ نامہ' از محمد طاہر آشنا : 'عمل صالح' اور 'ملخّص' کا زمانۂ تحریر ایک ہی ہے ۔ اس لیے ممکن ہے کہ اس سے استفادہ کیا گیا ہو ۔

۴- 'تاریخ دلکشا' از عنایت اللہ کنبو ۔

'عمل صالح' کا اسلوبِ بیان نسبتاً سلیس اور آسان ہے ۔ جشنوں ، موسموں ، جنگوں ، تمہیدوں ، بادشاہ ، وزراء اور شاہزادوں کے اوصاف بیان کرنے میں البتہ رنگیں بیانی سے کام لیا گیا ہے اور شاعرانہ خیال آرائی سے اپنے کمالِ انشا کا ثبوت مہیا کیا گیا ہے ۔ لیکن 'بادشاہ نامہ' ملا عبدالحمید کی طرح عبارتیں مشکل و ادق نہیں ہیں ۔ واقعات کے بیان میں عبارت آرائی بہت کم ہے ۔ اس لحاظ سے بھی یہ تاریخ اہم ہے اور آسان مآخذ میں شمار ہونے کے قابل ہے ۔

بہارِ سخن :

محمد صالح کی دوسری تالیف 'بہار سخن' ہے ۔ یہ اس کی متفرق نگارشات کا مجموعہ ہے ۔ ابوالبرکات منیر لاہوری نے ان کو جمع کر کے ایک مختصر دیباچہ بھی لکھا ہے ۔ منیر ۱۰۵۵ھ میں وفات پا گئے اور اس مجموعے میں اضافہ ہوتا رہا ۔ 'بہار سخن' کا اختتامیہ خود مصنّف نے لکھا ہے جس میں سال تکمیل ۱۰۶۵ھ درج ہے ۔

'بہار سخن' کے چار حصے ہیں جن کو مصنّف نے 'چہار چمن' کہا ہے ۔

چمنِ اول میں پہلے حمد و ثنائے ذوالجلال ، نعتِ پیغمبر اور منقبت آل و اصحاب درج ہے - بعد میں وہ مکاتیب ہیں جو شاہجہان اور اورنگ زیب نے شہنشاہ ایران اور بلخ و توران و ہرات کے حاکموں کے نام لکھے - چند ایک درخواستیں ہیں جو بلند مرتبہ امرائے سلطنت نے بادشاہوں اور شاہزادوں کی خدمت میں تحریر کیں - اسی چمن میں مصنّف کے وہ خطوط بھی شامل ہیں جو انھوں نے اپنے احباب کو لکھے ہیں - ان میں میاں عنایت اللہ ، مولانا عبدالسلام ، میاں عبداللہ اور چندربھان خصوصیت سے قابلِ ذکر ہیں -

چمنِ دوم میں وہ مکاتیب اور رقعات شامل ہیں جو مصنّف نے اپنے عزیزوں اور بزرگوں کو امیرخسرو کی تقلید میں طرزِ غریب میں لکھے ہیں - اس باب کے شروع میں مختلف تحریریں ہیں جن میں صنائع و بدایع کے استعمال سے نکات پیدا کیے گئے ہیں - اسی باب میں مولانا منیر کے مکاتیب میں سے نمونے کے طور پر چند عبارتیں نقل کی گئی ہیں - مصنف کو ان خطوط میں ، جو اس نے میاں عنایت اللہ اور اپنے محبوب کو لکھے ہیں ، اپنے احساسات و جذبات کے بیان کرنے کا خوب موقع ملا ہے - یہ تحریریں ادبِ لطیف کا عمدہ نمونہ ہیں - ان عشقیہ خطوط میں عاشق وصالِ محبوب میں اپنے دل و دماغ کی شادمانیوں اور بہاروں کا ذکر کرتا ہے اور فراقِ محبوب میں اپنے غم و درد کو سوز و گداز سے بیان کرتا ہے -

چمنِ سوم میں شاہجہان آباد ، لاہور ، اکبرآباد اور کشمیر کا بیان ہے - بادشاہ کی سواری ، جلوس ، تخت نشینی اور شان و شکوہ کی تفصیل بتائی ہے - ان شہروں کی دل پسند عمارتوں ، باغات اور نہروں کا ذکر ہے - قلعۂ اکبر آباد کا مفصّل حال درج ہے - اس باب کے آخر میں بھی چند خطوط موجود ہیں -

چمنِ چہارم میں متفرّق تحریریں ہیں - وزرا کی خدمت میں عیدین اور ولادتِ پسر کے موقع پر مبارک بادیں اور بیماری و مرگ کے مواقع پر عیادت و تعزیت کے رقعات لکھے ہیں - آخری حصے میں کتابوں پر دیباچے ہیں - مثلاً دیباچۂ رقعات عنایت اللہ ، دیباچۂ بہار دانش ، دیباچۂ دیوان مولانا فیضا ، دیباچۂ تذکرۂ شعرا اور شرح قصاید عرفی از ابوالبرکات منیر لاہوری - آخر میں اختتامی تحریر ہے -

سرکاری خطوط کی اہمیت واضح ہے - نجی خطوط میں سے کاتب و مکتوب الیہ کے بارے میں اطلاعات فراہم کی گئی ہیں - آخری باب میں کتابوں اور ان کے مصنفین کے بارے میں بڑی مفید اور اہم معلومات موجود ہیں -

محمد صالح ایک اچھے انشا پرداز ہیں ۔ چونکہ خود بھی شعر موزوں کر لیتے ہیں اس لیے مقفّٰی اور مرصّع نثر لکھنے میں انھیں آسانی حاصل ہے ۔ ان کی عبارت رواں ہے اور الفاظ کا انتخاب بھی موزوں ہے ۔ عموماً تشابیہ و استعارات سے کام لے کر خیال آرائی کرتے ہیں ۔ ان کی بعض تحریروں میں محض عبارت آرائی ہے ۔ مختصر سے مضمون کو اطناب سے بیان کیا گیا ہے ۔ لطیف جذبات و احساسات کے بیان میں تو یہ طولِ کلام کچھ بامزہ بھی ہوتا ہے لیکن واقعات و سوانح کے بیان میں خستگی کا موجب ہوتا ہے ۔ مثلاً لاہور کا حال بیان کرنے لگے ہیں تو چاہیے تھا یا توقع تھی کہ وہ اس میں ایسی ایسی چیزوں کا ذکر کریں گے جس سے اس زمانے کا لاہور آنکھوں کے سامنے پھر جائے اور اُس عہد کی اجتماعی زندگی پر بھی کچھ روشنی پڑے ۔ لیکن تین چار صفحے پڑھ جانے کے بعد بھی آپ کو مایوسی ہوگی کیونکہ آپ دیکھیں گے کہ حسینوں اور بہاروں کے سوا مادی زندگی کا کوئی واضح نقشہ آنکھوں کے سامنے نہیں آتا ۔

محمد صالح اپنی تحریر کے متعلق بیان کرتے ہیں کہ ''شگفتگیٔ الفاظ و آب و رنگ گلہای معانی بہ نہجی مسرت پیرای طبایع است کہ از سر تا سر عبارتش خصایص بہشت بریں در نظر ہا جلوہ میکند ۔''

مناظرۂ ابر و دریا :

اس کا ایک قلمی نسخہ انڈیا آفس لائبریری میں شمارہ ۲۹۴۰ پر موجود ہے ۔

☆ ☆ ☆

عنایت اللہ کنبو[1]

بقول محمد صالح کنبو ''عارفِ کامل ، حقایق آگاہ ، بیدار دل ، معنی پناہ ۔'' عنایت اللہ برہان پور میں پیدا ہوئے لیکن وہ لاہوری تھے ۔ چونکہ انھوں نے ۱۰۸۲ ہجری میں پینسٹھ سال کی عمر میں انتقال کیا ، اس لیے ان کا سالِ ولادت

۱۔ عملِ صالح ، ج ۳ ، ص ۳۷۹ - ۳۸۲ ، ۴۴۰ ۔

۱۰۱۷ھ ہوتا ہے۔ تاریخِ وفات جمعرات، ۱۹ جمادی الاول ہے۔ انھوں نے بعض بزرگوں سے دینی و دنیوی علوم پڑھے اور جوانی میں اربابِ مناصب میں داخل رہے۔ پھر یک لخت ان کا دل اچاٹ ہو گیا اور بیوی بچوں اور علایق دنیوی سے منقطع ہو کر دہلی میں خواجہ قطب الدین بختیار کاکی کی خانقاہ میں جا بیٹھے اور عزلت گزین ہو کر شب و روز نماز و تلاوتِ قرآن میں مصروف رہنے لگے اور آخر وہیں فوت ہوئے۔ وہ خواجہ بختیار کاکی کے مزار کے متصل اپنی بنا کردہ خانقاہ میں مدفون ہوئے۔ سید محمد لطیف لکھتے ہیں[1] کہ ان کا مزار لاہور میں ہے اور وہ اپنے شاگرد و مرید محمد صالح کنبوہ کے ساتھ ایک گنبد کے نیچے ابدی نیند سو رہے ہیں۔ یہ مقبرہ ''گنبدِ کمبوآں'' کہلاتا ہے۔ سید محمد لطیف نے اس کو
The Dome of the tombs of Muhammad Saleh & Shaikh Inayatullah
لکھا ہے[1]۔

تصانیف

عنایت اللہ کی معنوی یادگاریں مندرجہ ذیل ہیں:

۱۔ تاریخِ دلکشا: یہ تاریخ حضرت آدم سے لے کر شاہجہاں کے عہد تک کے حالات و کوائف پر مشتمل ہے۔

۲۔ بہارِ دانش۔

۳۔ دیباچہ بر سوادِ اعظم مصنّفہ ملا منیر[2]۔

۴۔ شارک نامہ۔

بہارِ دانش:

نام سے تو یہ ظاہر ہوتا ہے کہ یہ کتاب پند و موعظت اور امثال و حکم کا مجموعہ ہوگا اور اس میں حکما و عرفا کے اقوال جمع کیے گئے ہوں گے، مگر ایسا نہیں ہے۔ یہ کہانی کی طرز پر فرضی اور تخئیلی داستانوں کی ایک کتاب

۱۔ Syed Mohammad Latif, Lahore, 1892. pp. 201-209.

۲۔ Catalogue of Persian Manuscripts in the Oriental Public Library, Bankipore, Vol. IX, Ms. No. 87.

ہے - اور نام شاید ابوالفضل کی کتاب 'عیار دانش' کے مقابل میں رکھا گیا ہے - عنایت اللہ نے یہ کتاب ۱۰۶۱ھ میں مکمل کی - دیباچہ محمد صالح کمبوہ نے لکھا - مصنف نے مقدمے میں وجہِ تالیف یہ بیان کی ہے کہ دنیا کی بہاریں اور رعنائیاں چند دن کے شباب کے بعد ختم ہو جاتی ہیں لیکن افکار و خیالات کی تابناک یادگاریں کبھی فراموش نہیں ہوتیں - اس لیے میں کیوں نہ ایسی معنوی یادگار چھوڑ جاؤں جو بیان و بدیع کے ایسے گل ہائے سدا بہار سے آراستہ ہو جس سے اس کا نام پائندہ و تابندہ رہے -

شاہجہان کا زمانہ امن و آسایش اور عیش و نشاط کا زمانہ سمجھا جاتا ہے - ایسے فراغت کے اوقات میں محبت و عشق کی داستانوں کے سوا اور کیا مرغوب مشغلہ ہو سکتا تھا ، اس لیے عنایت اللہ کے نزدیک اپنے اشہبِ قلم کی جولانیاں اور فکرِ تابندہ کی شوخیاں دکھانے کے لیے یہی دل پسند موضوع ہو سکتا تھا -

اصل کہانی تو یہ ہے کہ ایک بادشاہ کے ہاں ایک حسین شاہزادہ پیدا ہوا جس کا جہاندار شاہ نام رکھا گیا - اس کی مناسب تربیت ہوئی - بڑا ہوا تو شکار کو گیا - ایک فقیر کے ہاں سے طوطی' خوشنوا کو پایا - طوطی نے دور دیس کی ایک حسین شاہزادی بہرور بانو کا پتا بتایا - جوانی دیوانی ہوتی ہے - عشق نے انگڑائی لی - جہاندار شہزادی پر فریفتہ ہوا - بے نظیر نامی مصور کو اپنی تصویر دے کر مینو سواد بھیجا تاکہ وہ کسی طرح بہرور بانو کی تصویر بنا کر لائے - وہ کامیاب ہوا - ادھر بہرور بانو بھی جہاندار کی تصویر دیکھ کر اس کے تیرِ نظر کا شکار ہوگئی - ادھر جہاندار شاہ بہرور بانو کی تصویر دیکھ کر بے تاب ہو کر دشتِ جنوں میں آوارہ ہوا - آخر بڑی مشکلات کے بعد جہاندار اپنی محبوبہ کے شہر میں پہنچا - شادی ہوئی اور کامیاب و کامران گھر لوٹے - مینو سواد سے ہرمز نامی ایک شخص جو بہرور بانو پر جان دیتا تھا ، جہاندار شاہ کے ایک غلام کی حیثیت سے ساتھ ہو لیا - یہ شخص خلع بدن اور انتقال روح کا علم جانتا تھا - اس نے جہاندار شاہ کا قرب حاصل کر کے اس پر اپنے کمال فن کی نمایش کی - جہاندار کی روح کو ہرن کے بدن میں داخل کر دیا اور خود جہاندار کے بدن میں داخل ہو گیا اور محلات میں داخل ہو کر عیش و نشاط کے مزے لوٹتا رہا - بہرور بانو کو ہرمز کی عادات سے دوئی کی بو آتی تھی اس لیے وہ بیمار بن کر اس کی ہوس کاری سے بچ گئی - ادھر جہاندار شاہ جنگل میں آوارہ و پریشان ہونے کے بعد

طوطے کے جسم میں داخل ہوا۔ پھر ایک فقیر کے پاس پہنچا۔ آہستہ آہستہ طوطے کی حقائق پرور باتوں کے چرچے ہوئے تو بہرور بانو نے طوطا خرید لیا۔ اصل راز کھلا۔ پھر اس نے ہرمز کو خلع بدن کا کمال دکھانے پر راضی کر لیا۔ جہاندار شاہ اپنے اصلی جسم میں واپس آ گیا۔ ہرمز کو قتل کر دیا گیا۔ جہاندار شاہ کی غیر حاضری میں سپہ سالار بہرام خاں نے بغاوت کر کے مملکت کا کچھ حصہ اپنے تصرف میں کر لیا تھا۔ آخر اس کو بھی مغلوب کیا گیا۔ جہاندار شاہ کے والد نے سلطنت اپنے بیٹے کو سونپ دی۔ جہاندار شاہ اور بہرور بانو خوش و خرم رہنے لگے۔ ایک مرتبہ بہرور بانو کے دل پر دنیا کی بوقلمونی کا ایسا اثر ہوا کہ وہ کنیزوں کو لے کر صحرا میں خلوت گزیں ہوگئی اور وہیں جاں بحق ہوئی۔ جہاندار بھی وہاں پہنچا اور جان جاں آفریں کے حوالے کر کے اپنے محبوب سے جا ملا۔

داستان کا بنیادی خاکہ تو اتنا ہی ہے، لیکن کہانی کو طویل کرنے کے لیے مزید کہانیاں داخل کر دی گئی ہیں۔ مثلاً جہاندار شاہ کو روکنے کے لیے کہ وہ بہرور بانو کا خیال دل سے نکال دے، ایسی پانچ کہانیاں بیان کی گئی ہیں جس سے عورت کی عیاری اور غداری پر روشنی پڑتی ہے۔ مثلاً ایک برہمن ہے جس کی عورت اس کے بس میں نہیں۔ وہ چاروں ویدوں کا علم حاصل کرتا ہے۔ لیکن اسے کہا جاتا ہے کہ جب تک تو 'تریا بید' کا علم حاصل نہ کرے تیرا علم ناقص ہے۔ چنانچہ وہ دوسرے شہر جاتا ہے، پانی کے کنارے اسے پانچ عورتیں ملتی ہیں۔ وہ سب شوہر دار ہیں، لیکن ایسی چالیں چلتی ہیں کہ اپنے شوہروں کی موجودگی میں برہمن سے مباشرت کرتی ہیں اور خاوندوں کو علم تک نہیں ہوتا۔ دوسرا موقع وہ ہے جہاں جہاندار شاہ، بہرور بانو کے شہر مینو سواد کی طرف روانہ ہوتا ہے لیکن راستہ نہیں ملتا۔ اس وقفے میں شارک یعنی مینا کی زبانی کہانیاں سنائی گئی ہیں تا کہ اس کا دل مصروف رہے۔ یہ پانچ کہانیاں ہیں۔ اس کے بعد طوطے کی رہنمائی میں جہاندار شاہ فقیرانہ لباس میں مینو سواد جا پہنچتا ہے۔ لیکن بہرور بانو تک رسائی کی صورت نہیں نکلتی۔ اس دوران میں طوطا اس کو کہانیاں سناتا ہے۔ ان کہانیوں میں جہاندار شاہ سے ملتی جلتی ملک زادہ اور مہر بانو کی عشقیہ داستان ہے۔ پھر داستان بہرام و زہرہ، داستان حسن تاجر، داستان فرخ فال، داستان عزیز سوداگر، داستان سہ جوان اور آخر میں خلیفہ ہندوستان کی داستان عشق بیان کی گئی ہے۔ ان کہانیوں میں دیووں پریوں کا

مافوق الفطرت عنصر بھی شامل ہے ۔ صحرا نوردی کے بھی واقعات بیان کیے گئے ہیں ۔ ایک عورت غیر جنسوں کے تصرف میں رہ کر اولاد بھی جنتی ہے ۔ الف لیلہ ، حاتم طائی اور سندباد جہازی جیسے قصوں کے عناصر بھی موجود ہیں ۔ بعض کہانیوں میں منطقی تسلسل موجود نہیں ۔ غیر فطری واقعات بھی کافی ہیں ۔ کہانی کے لحاظ سے صرف ایک داستان دلچسپ اور سبق آموز کہی جا سکتی ہے جس میں تین دوستوں شہزادہ ، سوداگر اور زرگر کا قصہ ہے ۔ زرگر شہزادے کے چار لعل چرا لیتا ہے ۔ چور معلوم کرنے کے لیے وہ ایک ہوش مند عورت کے پاس جاتے ہیں جو ایک کہانی بیان کرتی ہے اور اس کہانی کے تاثر اور رد عمل سے چور کو معلوم کر لیتی ہے ۔ یہ دو دوستوں کی کہانی ہے ۔ پھول والوں کا میلہ ہوتا ہے ۔ عورتیں بن سنور کر سیر کو نکلتی ہیں ۔ ایک دوست کسی عورت کے تیرِ نظر کا گھائل ہوتا ہے اور اس کے عشق میں گھلنے لگتا ہے ۔ مضمحل ہو کر بیمار ہو جاتا ہے ۔ دوسرا دوست اس کی محبوبہ کا قد و قامت ، نقش و رنگ ، شکل و صورت کی تفاصیل معلوم کر کے اس کی تلاش میں نکلتا ہے ۔ تگ و دو کے بعد ناکام ہو کر گھر پہنچتا ہے تو دوست کی محبوبہ کا رنگ و نقشہ اسے اپنی بیوی میں نظر آتا ہے ۔ اپنی بیوی کو اس نے صرف ایک رات ہی دیکھا تھا کہ دوسرے دن میلے میں اس کے دوست پر یہ افتاد آ پڑی اور وہ گھر نہ گیا اور اس کی تلاش میں خاک چھانتا پھرا ۔ اس نے اپنی بیوی کو بن سنور کر اپنے دوست کے پاس جانے پر مجبور کیا ۔ عورت جب اس کے دوست کے پاس پہنچی تو اس کی جان میں جان آئی ۔ لیکن جب اسے یہ معلوم ہوا کہ وہ دوست کی بیوی ہے تو وہ اپنے دوست کے ایثار پر حیران رہ گیا اور اسے اپنی بہن کہہ کر واپس کر دیا ۔ یہ عورت جب اس شخص سے ملنے آ رہی تھی تو راستے میں ڈاکوؤں نے اس کے زیورات چھیننے کے لیے روک لیا ۔ اس عورت نے وعدہ کیا کہ وہ اپنے چاہنے والے سے مل آئے تو واپسی پر زیورات ان کے حوالے کر دے گی ۔ جب وہ حسبِ وعدہ ان کے پاس پہنچی تو وہ اس کے ایفائے وعدہ سے اس قدر متاثر ہوئے کہ انھوں نے زیور نہ اتارے بلکہ کچھ اور رقم دے کر اس کو گھر پہنچا دیا ۔

ان کہانیوں کی زمین حقیقی معلوم نہیں ہوتی یعنی جس سرزمین سے متعلق یہ کہانیاں ہیں ، سطح ارض پر ان کا حقیقی وجود نظر نہیں آتا ۔ صحراؤں ، جزیروں ، سمندروں ، باغوں ، دروں ، غاروں اور محلوں کا ذکر ہے ۔ صرف ایک کہانی میں ہندوستان کا ذکر ہے اور وہ یوں ہے کہ بادشاہ ہندوستان ایک راجا کی لڑکی[۱۶] پر

فریفتہ ہو جاتا ہے ۔ راجا کے انکار پر اس پر حملہ آور ہوتا ہے اور قلعے کا محاصرہ کر لیتا ہے ۔ پہلی دفعہ ناکام ہوتا ہے لیکن دوسری دفعہ ایک کنیز کی مدد سے کامیاب ہو جاتا ہے ۔ اس قصے میں کوئی سبق ملحوظ خاطر نہیں ۔ البتہ بدنامی کا پہلو نکلتا ہے کہ ایک مسلمان بادشاہ ہندو راجا کی لڑکی حاصل کرنے کے لیے اس کی ریاست پر حملہ آور ہوتا ہے ۔ اس کہانی کے علاوہ اگرچہ کسی کہانی کے اشخاصِ قصہ کا نام اسلامی نہیں جس سے یہ ظاہر ہو کہ یہ کہانیاں اسلامی معاشرے سے متعلق ہیں ، لیکن جب شاہزادوں ، شاہزادیوں اور کنیزوں کے بناؤ سنگار ، اوضاع و اطوار اور محلوں کے رکھ رکھاؤ کا ذکر آتا ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ مصنّف مسلمانوں کے معاشرے کی باتیں کر رہا ہے ۔

مجموعی طور پر ان کہانیوں سے اخلاقِ شائستہ کا سبق حاصل نہیں ہوتا ۔ البتہ بعض کرداروں کے اعمال سے کہیں کہیں عبرت حاصل کی جا سکتی ہے ۔ کہانی بیان کرتے ہوئے مصنف ضمناً صبر و قناعت ، توکل ، ایثار ، ایفاے عہد ، احسان ، تواضع اور عفو وغیرہ کے متعلق فرد ، اشعار اور آیات لاتے ہیں ۔ ایک آدھ کہانی کو نظر انداز کر کے سب کہانیوں میں عشق و جوانی اور عیش و سرمستی ، سوز و گداز اور درد و فراق کی باتیں ہیں ۔ مصنف مزے لے لے کر جنسی اشغال کو نئی نئی تشابیہ سے بیان کرتا ہے ۔

مصنف کا اصلی مقصود قدرت کلام اور زور بیان دکھانا ہے ۔ 'انوار سہیلی' کا اندازِ بیان اس کے پیش نظر ہے ۔ مسجّع و مقفّٰی عبارت آرائی مقبول شیوۂ بیان رہا ہے ۔ عنایت اللہ کے معاصر محمد صالح کمبو اور منیر لاہوری کو بھی یہی طرزِ نگارش مرغوب تھی ۔ عنایت اللہ کو اس بات کا احساس تھا کہ اس قسم کی عبارت آرائی سخت مشکل کام ہے ۔ چنانچہ لکھتے ہیں :

"فقرۂ مناسبِ لفظ و مضمون را هم پیوند دادن چه قدر خون جگر باید خورد و بچه مرتبه کاوش طبع باید کرد ، جگر بسوزد تا معنی بدست آرد" ۔

مصنف نے اکثر جگہ طلوع و غروبِ آفتاب ، کوہ و بیابان اور ماحول قصہ کی منظر کشی کی ہے ۔ چونکہ اکثر قصوں کے مماثل اوضاع و مقامات ہیں اس لیے تشابیہ و استعارات اور مقفّٰی و مسجّع عبارات کی تکرار بھی نظر آتی ہے ۔ طلوع آفتاب اور مرد و عورت کے اختلاط کو نئے نئے رنگ میں لکھا ہے ۔ اس نے منیر لاہوری کی طرح تجانیس اور مراعاتِ لفظی سے کام نہیں لیا بلکہ اپنے اسلوب بیان

کو مسجّع و مقفّٰی عبارات اور تشابیہ و استعارات تک ہی محدود رکھا ہے۔ عبارت رواں ہے اور تکلفاتِ باردہ کم آئے ہیں۔ تشابیہ لطیف و جدید بھی کافی ہیں۔ مثلاً یہ جملے دیکھیے:

بادۂ ضمیر بر کاسۂ تقریر ریخت۔

این التماس را بحنای اجابت رنگین ساخت و چہرۂ شاہد آرزویم را بغازۂ مراد بیاراست۔

اشہب تیزگام زبان را در میدان بیان جولان فصاحت داد۔

مرہم امید بر جراحت آرزویم می نہد۔

ساتگین امید ہیچکدام لبریز بادۂ اجابت نگشت۔

محمد صالح ان کی نثر کے متعلق لکھتے ہیں: ''نثرش بسیار بمزہ و متین و پُر معنی و عبارتش شستہ و صاف و رنگین ... در حالت تحریر مطالب فکر فلک پیوندش ہیچ جا رنگینی را فروگزاشت نمی نماید۔''

کہانی دلچسپ ہو تو آدمی چاہتا ہے کہ جلد اور تھوڑے وقت میں کہانی سے لطف اندوز ہو لیکن عبارت آرائی رفتار میں حائل ہوتی ہے۔ بعض مقامات پر 'بہار دانش' میں بھی یہی دقّت پیش آتی ہے اور قاری اکتاہٹ محسوس کرتا ہے۔

'بہاردانش' بھی 'توتا کہانی' کی طرح اچھی خاصی مقبول رہی ہے۔ یورپ میں اس کے ترجمے ہوئے ہیں۔ A. Dow نے اس کا انگریزی میں ترجمہ شائع کیا (لندن - 1786) - J. Scott نے بھی انگریزی میں ترجمہ کیا ہے (Shrewsbury, 1799) - اسی انگریزی ترجمہ کی بنا پر A.T.Hartmann نے جرمنی میں ترجمہ کیا (Leipzig ، 1802) اور Lescallia نے فرانسیسی میں ترجمہ شائع کیا (Paris ، 1804) - میرا خیال ہے کہ مستشرقین کی پسندیدگی اس کے اسلوب بیان کی وجہ سے نہیں ہو سکتی بلکہ اس کے عریاں اور فاحش اور مبتذل قصوں کی وجہ سے ہوگی۔ خاص طور پر عورتوں کی مکاری اور غداری کے متعلق کہانیاں ان کی دلچسپی کا باعث ہوں گی۔ یا پھر ممکن ہے مشرق کی اخلاق پستی کے متعلق داستانوں کو مشتہر کرنے میں کوئی مصلحت ہو۔

حسن علی عزت نے اس کو منظوم کر کے سلطان ٹیپو والیٔ میسور سے منسوب کیا تھا۔ اس کا مخطوطہ انڈیا آفس میں شمارہ 818 پر موجود ہے۔

حیرت یہ ہوتی ہے کہ ضیاء نخشبی اور عنایت اللہ کمبوہ جیسے صوفیہ اور عرفاء

کے ذہن میں اس قسم کی اخلاق سوز حکایات کو فصیح فارسی میں لکھنے اور عام کرنے کی کیا مصلحت تھی۔

شارک نامہ:

اس کا ایک قلمی نسخہ پنجاب یونیورسٹی لائبریری کے مجموعۂ شیرانی میں شمارہ ۲/۲۲۴۲ پر محفوظ ہے۔

اس کی حکمت آموزی اور اختصار کے پیش نظر ہم اس کو یہاں ہوبہو نقل کرتے ہیں:

شارک گفت: وقتی در خدمتِ طوطیِ صاحبِ تجربہ پیوستم و ازو پرسیدم۔

گفتم: صبح از چہ صاحب نفس گشتہ؟

گفت: ازانکہ ہر سحر نان گرم بر بی برگان انبار کند۔

گفتم: ہما از چہ ہمایون سایہ شد؟

گفت: از مجاہدۂ نفس کہ از سائر تنعمات کونی باستخوان قناعت کردہ۔

گفتم: آفتاب از چہ روشن دل شد؟

گفت: از اختیار تجرّد۔

گفتم: از چہ نامور شد؟

گفت: بمیامن انزوا۔

گفتم: غنچہ پیوستہ تنگدل چراست؟

گفت: ازانکہ در بند جمع زر و سیم است۔

گفتم: گل ہمہ جا عزیز و ارجمند چراست؟

گفت: از خوش خوئی و شگفتہ روئی۔

گفتم: سرو از چہ سرافراز است؟

گفت: ازانکہ نہادش از کجی آزاد است۔

گفتم: ای مرشد کامل خلق را چہ نیکوتر است؟

گفت: خوشنودیِ خالق۔

گفتم: سود مردم در چیست؟

گفت : از قرین بد پرهیز کردن -

گفتم : دانایی کدامست ؟

گفت : ازکید عدو خود را مصئون داشتن -

☆ ☆ ☆

محمد یوسف اٹکی

محمد یوسف کا نام اس کی تاریخ کی وجہ سے زندہ ہے - اس کے حالات زندگی کہیں سے دستیاب نہیں ہوئے - اس نے اپنی تاریخ میں اپنے آپ کو محمد یوسف بن شیخ رحمت اللہ الاتکی اصلاً و موطناً و الکنعانی مولداً لکھا ہے -

منتخب التواریخ :

کتاب کا نام 'منتخب التواریخ' ہے جو آغاز تاریخ سے لے کر ۱۰۳۷ھ یعنی جلوس شاہجہانی تک کے احوال و کوائف پر مشتمل ہے - یہ تاریخ ۱۵ ذی الحجہ ۱۰۵۶ھ کو مکمل ہوئی - اس کے دوست میر محمد بیگ بن میرزا بیگ نے 'منتخب بی بدل' سے بطور تعمیہ تاریخ نکالی ہے - ('منتخب' یعنی ۱۰۹۲ منفی 'بدل' یعنی ۳۶ =۱۰۵۶ھ) - اس کتاب کے مخطوطات برٹش میوزیم [1] میں موجود ہیں - مشمولات پر ایک نظر ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ مؤلف نے مختلف تواریخ کا مطالعہ کر کے آسان زبان میں ان کا خلاصہ بیان کر دیا ہے اور بکھری ہوئی معلومات کو یکجا کر دیا ہے - اپنی طرف سے کوئی اضافہ نہیں کیا اور نہ اغلاط کی تصحیح کی ہے - اس نے اپنی تاریخ کے ماخذ و منابع کا خود ہی ذکر کیا ہے :

ترجمۂ تاریخ طبری ، تاریخ معجم ، تاریخ گزیدہ ، مجمع الانساب ، تاریخ بناکتی ، روضۃ الاحباب ، میلادالنبی ، روضۃ الصفا ، حبیب السیر ، نگارستان از

۱- Rieu-Catalogue of the Persian manuscripts in the British Musium, vol. I, pp. 122—125.

احمد غفاری ، تاریخ جلال الدین سیوطی ، مرآة الجنان از ملا مصلح الدین لاری - تاریخ ہمایونی ، تاریخ سند از محمد معصوم بھکری ، اکبر نامہ ، تاریخ نظامی ، تاریخ بیت المعمور از مامور خان ، تاریخ حکماء ، تذکرۂ عطار ، نفحات الانس ، حدیقۃ الاولیا از سید عبدالقادر بن ہاشم الحسینی ، عجائب البلدان ، عجائب الدنیا از آذری -

یہ کتاب مقدمہ ، پانچ اقسام ، ابواب و فصول اور خاتمے پر مشتمل ہے -

مقدمہ : تاریخ کی افادیت ، تخلیقِ کائنات ، قبایلِ چین ، جسمِ انسانی کی ساخت و تشکیل -

قسمِ اول : انبیا و رسل ، اولیا و حکما -

قسمِ دوم : شاہان قدیم ایران - شاہان عرب - عمالقہ - فراعنہ - شاہان کلدانی - شاہان ماوراء النہر از نسل تور - شاہان اسرائیل - شاہان روم و یونان - شاہان فرنگ (شاہنشاہان روما اور پوپ) ابنیاء و راجگان ہند ، شاہانِ خطائی (چین) تا فتح مغول -

قسمِ سوم : محمد و خلفاء -

قسم چہارم : دو ابواب پر منقسم ہے -

(۱) پہلے باب میں چار فصلیں ہیں :

۱- شاہان ماوراء النہر و خراسان پانچ طایفوں میں : طاہری ، صفاری ، سامانی ، غزنوی اور غوری -

۲- شاہان ایران و عراق و فارس دو طایفوں میں : دیلمی اور سلجوقی -

۳- غلامان سلجوق دو طایفوں میں : خوارزم شاہی اور اتابک -

۴- اسماعیلیان مغرب و ایران -

باب دوم میں چھ فصلیں ہیں :

۱- مغل اور تاتار - چنگیز خاں اور اس کے جانشین ابوسعید تک -

۲- شاہانِ ایران پانچ طائفوں میں : آل مظفر ، ایلخانی ، قراقیونلو ، آق قیونلو ، صفوی شاہ عباس دوم تک -

۳- شاہان روم ، دو طایفوں میں :
سلجوق اور آل عثمان ، سلطان ابراہیم تک -
۴- شاہان سند ، پانچ طایفوں میں :
ہندو راجہ فتح سندھ تک - امیہ اور عباسیہ کے تحت سندھ کے گورنر - سمرہ ۴۴۵ھ سے ۶۸۰ھ تک - سمہ اور جام ۶۸۰ھ سے ۹۱۶ھ تک - ارغون اور ترخان -
۵- شاہان ہندوستان ، پانچ طایفوں میں :
غلامان غوری ، خلجی ، تغلق ، سید ، افغان ، لودھی -
۶- تیمور ، شاہرخ اور اس کے جانشین - عمر شیخ اور اس کے جانشین -
میران شاہ اور اس کے جانشین ، جلوس شاہجہاں تک -

قسم پنجم : دو ابواب میں منقسم ہے :
باب اول پانچ فصلوں میں ہے :
۱- اہل سنت کے چار امام اور ان کے مجتہد -
۲- اصحاب قراءت - قرآن کی مختلف قراءتوں کے مصنفین -
۳- محدثین -
۴- علما بحروف تہجی -
۵- شعرا بحروف تہجی -

باب دوم ، دو فصلوں میں ہے :
۱- اساتذہ -
۲- اولیاء ، آغاز اسلام سے اختتام قرن دہم ہجری تک بترتیب سال - خواتین عرفا -

خاتمہ : تین ابواب پر مشتمل ہے ، مختلف ادوار ، ہفت اقلیم ، شہر ، ملک ، پہاڑ ، صحرا ، سمندر ، جھیلیں ، دریا ، چشمے ، کنویں ، جزایر ، دس فصلوں میں - قدرت کے عجائب و نوادر -

اس کتاب کا خلاصہ 'انتخاب منتخب تواریخ' یا 'انتخاب منتخب' عبدالشکور بن شیخ عبدالواسع ٹھٹھوی نے مرتّب کیا تھا - (Ethe - 123)

☆ ☆ ☆

ملا عبدالحمید لاہوری

عبدالحمید کی زندگی کے متعلق تفصیلات نہیں ملتیں ۔ صرف اتنا معلوم ہے کہ وہ لاہور میں پیدا ہوئے اور لاہور میں ہی پرورش پائی ، کیونکہ انھوں نے خود لاہوری المولد و المنشا لکھا ہے ۔ ان کی علمی فضیلت میں بھی کسی کو شک نہیں جو ''بادشاہنامہ'' کی ہر سطر سے عیاں ہے ۔ یہ بھی انھوں نے خود بتایا ہے (بادشاہنامہ ، ص ۱۰) کہ وہ بڑھاپے میں ٹھٹھہ میں گوشہ گزین تھے ۔ مطبوعہ نسخے میں پٹنہ لکھا ہے لیکن خدا بخش اورینٹل پبلک لائبریری پٹنہ کے مخطوطے میں واضح طور پر تتہ (ٹھٹھہ) لکھا ہے ۔[۱] یہ بھی ظاہر ہے کہ عبدالحمید کی علمی فضیات اور انشاپردازی کی شہرت ان کے معاصرین میں پھیل چکی تھی ۔ جب شہنشاہ نے 'اکبر نامہ' مؤلفہ علامی ابوالفضل کی دل نشیں عبارت آرائی اور تازہ و رنگین طرز ادا کی تقلید میں اپنی تاریخ مرتّب کرنے کا ارادہ ظاہر کیا تو بادشاہ کے مقربین نے عبدالحمید لاہوری کا نام تجویز کیا ۔ چنانچہ بادشاہ نے ان کو ٹھٹھہ سے بلا کر تاریخ لکھنے پر مامور کیا ۔

بادشاہ نے عبدالحمید کی خدمات کو پسند کیا اور اسے انعام و اکرام سے نوازا ۔ چنانچہ وہ خود 'بادشاہنامہ' میں ذکر کرتے ہیں :

ہفتم ربیع الاول ۱۰۵۱ھ : راقم این صحیفہ دولت را بزر سنجیدہ سہ ہزار روپیہ ہم سنگ انعام فرمودند ۔[۲]

۴۔ ذی الحجہ ۱۰۵۵ھ : نگارندۂ مکارم را بعنایت مادہ فیل سر عزت برافراختند ۔[۳]

۱۴ صفر ۱۰۵۷ھ : بنگارندۂ این صحیفۂ دولت چهار ہزار روپیہ انعام شد ۔[۴]

۱۔ Catalogue of the Arabic and Persian manuscripts in the Oriental Public Library, Banikpore, Vol. VII, p. 68.

۲۔ بادشاہنامہ ، کلکتہ ، ج ۲ ، ص ۲۳۴ ۔

۳۔ ایضاً ، ص ۴۸۰ ۔

۴۔ ایضاً ، ص ۶۷۳ ۔

عبدالحمید لاہوری کے معاصر مؤرخ محمد صالح کنبوہ نے بھی ان کی تعریف کی ہے ۔ وہ لکھتے ہیں :

''در فن انشا کامل است و در نکتہ دانی سرآمد اقران و اماثل ۔ اکنون باوجود پیری در فن سخن طبعش جوان است و در ادراک معنی توانائی تمام دارد ۔''[1]

محمد صالح ہی لکھتے ہیں کہ وہ کبرسن اور ضعف قویٰ کی وجہ سے کام سے معذور ہو گئے اور رحمتِ حق سے جا ملے ۔

بادشاہ نامہ :

'بادشاہ نامہ' مؤلفہ عبدالحمید لاہوری ، شاہجہان اور اس کے عہد کے متعلق معتبر اور معتمد تاریخ ہے ۔ اگرچہ ملا عبدالحمید آج کل کی علمی اصطلاح میں مؤرخ نہیں تھے لیکن سلاطینِ سابق کی تواریخ ان کے سامنے تھیں ۔ خاص طور پر 'اکبر نامہ' مؤلفہ ابوالفضل تو بادشاہ کے بھی پیش نظر تھا اور وہ اسی انداز و اسلوب میں اپنی تاریخ لکھوانا چاہتے تھے ۔ ملاّ عبدالحمید جو ابو الفضل علامی کے اسلوب کے شیدائی اور پیرو تھے ، اس کام کے لیے مامور ہوئے ۔

ملا عبدالحمید ۱۰۳۷ھ یعنی تاریخ جلوس سے لے کر ۱۰۵۷ھ یعنی بیس سال کی تاریخ مرتّب کر سکے اور ضعفِ بدن و بصارت کی وجہ سے آئندہ کام جاری رکھنے سے معذور ہو گئے ۔ بعد میں آخری دس سالوں کی تاریخ ان کے ایک فاضل شاگرد محمد وارث نے مکمل کی ۔ 'بادشاہ نامہ' ایک شہنشاہ کی تاریخ ہے ۔ اس میں وہ تمام باتیں موجود ہیں جس سے شہنشاہ کی شخصیت ، دربار کی اہمیت ، لشکر جرار کی شجاعت اور قصر و قلعہ کی عظمت و شوکت آنکھوں کے سامنے مجسّم ہو جاتی ہے ۔ مصنّف نے بادشاہ کے جدّ امجد یعنی امیر تیمور کے تذکرے سے تاریخ کا آغاز کیا ہے اور شاہ جہان کی تاریخ پیدائش سے لے کر سال بسال ، تاریخ بتاریخ ان تمام واقعات کا ذکر کیا ہے جن کا بیان کرنا اس وقت کے تاریخی نقطۂ نظر سے ضروری تھا ۔ ہر سال کے آغاز میں جشن نوروز کا ذکر ہے ۔ پھر بادشاہ کے وزن شمسی اور وزن قمری کا حال بیان کیا ہے اور داد و دہش اور انعام و اکرام کی

۱۔ عمل صالح ، ج ۳ ، ص ۳۳۸ ۔

تفصیل بتاتی ہے - تمام جنگی واقعات کا ذکر کیا ہے - بادشاہ کے تمام سفروں کا حال لکھا ہے - اس شہنشاہ معمار کی جودت فکر نے جو شہر ، مساجد ، مقابر ، باغات اور قلعے تعمیر کرائے ، ان کی جزئی تفاصیل بیان کی گئی ہیں - شہنشاہ کی ازواج ، اولاد و احفاد اور ان کی اولاد کے شادی بیاہ کا جا بجا ذکر کیا گیا ہے - غرض کہ ایک مؤرخ کے لیے بادشاہ کی شخصیت اور اس کے دربار و حرم کے متعلق نہایت معتبر اور جزئی تفاصیل موجود ہیں - یہ بیس سالہ تاریخ دو جلدوں میں منقسم ہے - پہلی جلد کے آخر میں پندرہ ہزاری سے لے کر پانصدی منصب داروں کے نام دیے گئے ہیں اور دوسری جلد کے آخر میں اس عہد کے نامور علما ، مشائخ اور شعرا و اطبا کے مختصر احوال و کوائف مندرج ہیں - ہمسایہ مملکتوں اور ریاستوں کے بادشاہوں ، امیروں اور والیوں کے نام جو مراسلات بھیجے گئے تھے ، ان کی نقلیں بھی تاریخ میں محفوظ کر دی گئی ہیں جن سے بین المملکتی روابط کے سمجھنے میں مدد ملتی ہے -

ادبی نقطۂ نظر سے بھی 'بادشاہ نامہ' کی بہت اہمیت ہے - اس زمانے کا رواج تھا کہ سادہ و عاری نثر نظروں میں نہ جچتی تھی - افسانہ و حکایت ، تاریخ و انشا کی زبان فضیلت علمی کی آئینہ دار ہوتی تھی - جو تحریر بادشاہ کے حضور پیش ہوتی اس کا محسنات شعری سے آراستہ ہونا ضروری تھا - آداب و تکلف کے بغیر بادشاہ کے حضور بات کہنا مراسمِ خسروی کے خلاف تھا - اس لیے دبیر و منشی و مؤرخ کا عالم و فاضل و شاعر ہونا بھی ناگزیر تھا تاکہ وہ ادائے مطالب کے ساتھ ساتھ ذہن و فکر کے لیے نشاط و انبساط کے موقعے بھی فراہم کرے - ملاّ عبدالحمید نے ہر جگہ تو نہیں ، کہیں کہیں مقفّی و مرجّز عبارات لانے کا التزام کیا ہے - مسجّع و مرصّع جملے کم ہیں - قرآنی آیات و اشعار سے بھی استفادہ کیا ہے - بیان و بدیع کے کرشموں سے جملوں کو آراستہ کیا ہے - جملے طویل اور مرکب نہیں جو ابوالفضل کے شیوۂ تحریر کا انداز تھا - جہاں محض واقعات کا بیان ہے ، وہاں انشائی ہنرمندی کی نمائش نہیں کی - عبارت رواں اور فصیح ہے - جملوں کا دروبست بھی مستحکم ہے -

پرتکلف نثر کا نمونہ یہ ہے :

''درین روز میمنت افروز کہ افسر جہانبانی نور و ضیای تازہ یافت و تخت ملک ستانی فر و بہای بی اندازہ ، افضال را آب رفتہ بجوی آمد و نوال را

رونق گم شدہ بکوی ۔ از فزونیٔ کرمش حرص گرسنہ چشم ، دیر سیر بامتلا افتاد و امید جہانگرد بر بارگاہ سلاطین پناہش بار اقامت کشاد ۔"[1]

توصیفی و واقعاتی نثر کا نمونہ یہ ہے :

"این جاندار کہ بیشتر در دشت می باشد و ہنگام تشنگی قطع مسافت بعیدہ نمودہ بآبشخور معین کہ جز دران آب نخورد ، خود را می‌رساند ۔ در نواحی بھنبھر کہ برکنار دریای بہت واقع شدہ بسیار است و برای خوردن آب بدریای مذکور می آید ۔ اللہ ویردی خان قراول بیگی بامر خاقانی جمعی بر گماشت کہ ہرگاہ بواسطۂ آب رو بدریا آرد ، سر راہ بگیرند"[2]

عہدِ شاہجہانی سے متعلق دوسری تاریخیں

ملخّص یا شاہجہان نامہ از عنایت خاں[3] :

محمد طاہر آشنا ملقب بہ عنایت خاں نے ملخّص یا شاہجہان نامہ کے عنوان سے ایک تاریخ مرتّب کی ۔ جن دنوں وہ شاہی کتب خانے کے کتاب دار مقرر ہوئے ، انھی دنوں انھوں نے اس کتاب کو مرتّب کیا ۔ اس کتاب کے دیباچے میں لکھا ہے کہ انھوں نے 'تاریخِ شاہجہانی دہ سالہ' مؤلفہ محمد امین قزوینی میں چوتھے سال سے لے کر دسویں سال تک اور 'بادشاہ نامہ' مؤلفہ عبدالحمید لاہوری اور وارث خاں کے مندرجہ احوال و واقعات کا خلاصہ حشو و زواید کو کم کر کے آسان زبان میں لکھا ہے ۔ مؤلف کو ملخّص لکھنے کا خیال نظام الدین احمد کی تاریخ طبقات اکبر شاہی کو دیکھ کر آیا جو 'اکبر نامہ' مؤلفہ ابوالفضل کے مقابل آسان زبان میں لکھی گئی تھی ۔

۱۔ بادشاہنامہ ، عبدالحمید ، کلکتہ ، ج ۱ ، ص ۱۱۶ ۔

۲۔ ایضاً ، جلد اول ، حصہ دوم ، ص ۶۰ ۔

۳۔ Persian Literature, Story, section II, Fasc. 3, London, 1939. p. 577.

بادشاہ نامہ[1] :

شاہجہان کے حکم سے محمد امین قزوینی معروف بہ امینای قزوینی یا امینای منشی نے یہ تاریخ مرتّب کی ۔ اس کتاب کا نام 'شاہجہان نامہ' یا 'تاریخ شاہجہانی دہ سالہ' بھی لیا جاتا ہے ۔ مؤلف صرف دس سال کی تاریخ مرتّب کر سکے ۔ پھر کسی اور محکمے میں تبدیل کر دیے گئے ، جہاں مصروفیات کے باعث اگلے قرن یعنی دس سال کی تاریخ نہ لکھ سکے ۔ شاہجہان نامہ' دہ سالہ کے آخر میں انھوں نے علماء اور شعرا کا مختصر تذکرہ لکھا ہے ۔

بادشاہ نامہ[2] ، از محمد وارث :

محمد وارث ملا" عبدالحمید لاہوری کے شاگرد و نائب تھے ۔ جب ضعف بینائی کی وجہ سے ملا" عبدالحمید تاریخ کی تکمیل سے معذور ہو گئے تو ان کو مکمل کرنے کا حکم ملا ۔ انھوں نے اکیسویں سال سے تیسویں سال تک کے احوال و واقعات کو لکھا ۔ علاء الملک تونی ملقب بہ فاضل خاں نے اس کتاب پر نظر ثانی کی ۔ علامی سعد اللہ خاں کی وفات کے بعد کے حالات فاضل خاں نے خود لکھے ۔

شاہجہان نامہ[3] ، از محمد صادق خاں :

محمد صادق شاہجہان کے زمانے میں واقعہ نویس تھا ۔ بعد میں اسے صادق خاں کا خطاب ملا ۔ اس کتاب میں شاہجہان کی تخت نشینی سے لے کر اس کے حبس و قید تک کے حالات قلمبند ہیں ۔ برٹش میوزیم میں اس کا ایک نسخہ موجود ہے ۔

۱- Persian Literature, C. A. Story, Section II, Fasc. 3, p. 566

۲- Ibid. p. 875 -

۳- Rieu, vol, I, p. 262, 263 -

طبقاتِ شاہجہانی[1] ، از محمد صادق :

طبقات شاہجہانی کا ایک قلمی نسخہ برٹش میوزیم میں موجود ہے ۔ اس میں عہدِ شاہجہانی کے معروف و برگزیدہ اشخاص کے احوال و کوائف مندرج ہیں ۔

☆ ☆ ☆

سعد اللہ خاں[2]

نواب سعد اللہ خاں ، شاہجہاں کے وزیر اعظم ، اپنے زمانے کے نابغۂ روزگار شمار ہوتے تھے ۔ وہ چنیوٹ ضلع جھنگ کے ایک گاؤں میں پیدا ہوئے ۔ ان کے والد کا نام امیر بخش تھا ۔ تاریخِ ولادت یقینی طور پر معلوم نہیں ۔ چونکہ وفات ۱۰۶۶ھ میں ہوئی اور وفات کے وقت ان کی عمر سینتالیس سال بتائی گئی ہے ، اس لیے ان کی تاریخِ ولادت ۱۰۱۸ھ کے لگ بھگ ہو سکتی ہے ۔ انھوں نے درسی علوم کی تکمیل لاہور میں کی جو اُس وقت تعلیم و تعلّم کا بڑا مرکز تھا ۔ وہ بڑے ذہین تھے ۔ انھوں نے تھوڑے عرصے میں متداولہ علومِ عقلی و نقلی میں مہارت حاصل کی ۔ قرآن مجید حفظ کیا ، تحریر و تقریر میں تعینِ مراتب اور حفظِ بلاغت کے آداب سیکھے ۔ چنانچہ جب شاہجہان تک ان کی قابلیت و اہلیت کی اطلاع پہنچی تو انھوں نے موسوی خاں صدرالصدور کی معرفت ان کو بلوا کر ان سے گفتگو کی اور اس قدر متاثر ہوئے کہ انھیں اپنے بندگانِ خاص میں قبول کر کے 'عرضِ مکرر' کے منصب پر فائز کیا ۔ ۱۰۵۱ھ سے لے کر ۱۰۶۶ھ تک انھوں نے بادشاہ کا تقرب و اعتماد حاصل کر کے جس قدر جلد ترقی پائی اور منصبِ عالی حاصل کیا ،

۱۔ Rieu, vol, III, p. 1009 -

۲۔ بادشاہ نامہ ، عبد الحمید لاہوری ، کلکتہ ۔ مکتوبات سعد اللہ خاں ، مرتّبہ ناظر حسن زیدی و غلام رسول مہر ، لاہور ، ۱۹۶۸ ، مقدمہ ۔

اس کی مثال شاید مسلم دور میں نایاب ہو۔ اس کی تفصیل یہ ہے:[1]

تخت نشینی کے چودھویں سال یعنی ۱۰۵۱ھ میں 'عرضِ مکرر' کی خدمت سپرد ہوئی۔

۱۰۵۲ھ میں ایک ہزار ذات اور دو سو سوار کا منصب ملا اور 'داروغہٴ دولت خانہٴ خاص' کی خدمت سپرد ہوئی۔

۱۰۵۳ھ: ایک ہزار پانسو ذات اور تین سو سوار کا منصب عطا ہوا۔

۱۰۵۴ھ: دو ہزار ذات اور پانسو سوار کا منصب اور 'خانِ سامان' کا خلعت عطا ہوا۔

۱۰۵۵ھ: دو ہزار پانسو ذات اور چھ سو سوار منصب، خلعت اور علم ملا۔
تین ہزار ذات اور آٹھ سو سوار کا منصب عطا ہوا۔
اسلام خاں کی بجائے 'دیوانِ خالصہ' مقرر ہوئے۔ شاہی فرامین کی تسوید اور ترسیل بھی ان کے ذمے ہوئی۔
چار ہزار ذات اور ایک ہزار سوار کا منصب اور مرصّع قلمدان عطا ہوا۔

'وزیرِ کُل' کا عہدہ اور پانچ ہزار ذات اور ایک ہزار پانسو سوار کا منصب ملا۔

۱۰۵۶ھ: پانچ ہزار ذات اور دو ہزار سوار کا منصب اور نقارہ مرحمت ہوا۔
چھ ہزار ذات اور دو ہزار سوار کا منصب اور نقرئی ساز و سامان کے ساتھ ہاتھی اور ہتھنی عطا ہوئے۔

۱۰۵۷ھ: چھ ہزار ذات اور چار ہزار سوار کا منصب ملا۔
فتحِ بلخ اور وہاں کے نظم و نسق کے بعد سات ہزار ذات اور سات ہزار سوار کا منصب عطا ہوا۔

۱- عمل صالح، محمد صالح کنبو، کلکتہ، ۱۹۳۹، ج ۳ - چہار چمن، چندر بھان برہمن، مرتّبہ محمد رفیق، نسخہٴ خطی پنجاب یونیورسٹی لائبریری لاہور - مآثرالامراء، شاہنواز خاں، کلکتہ، ج ۲، ص ۴۴۰-۴۴۸ - منتخب اللباب، خافی خاں، کلکتہ - رقعاتِ عالمگیری، اورنگ زیب -

۱۰۵۸ھ : دارالخلافہ شاہجہاں آباد کی تعمیر کے موقع پر خلعت مع نادری مرحمت ہوا اور ایک ہزار سوار دو اسپہ سہ اسپہ کر دیے گئے ۔

۱۰۵۹ھ : دو ہزار سوار دو اسپہ سہ اسپہ کر دیے گئے اور شاہزادہ اورنگ زیب کے ہمراہ قندھار کی جانب روانہ ہوئے ۔

۱۰٦۰ھ : قندھار سے واپسی کے بعد سات ہزار ذات اور سات ہزار سوار کا منصب عطا ہوا جن میں پانچ ہزار دو اسپہ سہ اسپہ سوار تھے۔ ایک کروڑ دام انعام ملا اور تنخواہ کا مجموعہ بارہ کروڑ دام ہو گیا ۔

نواب سعداللہ خاں کے دورِ وزارت میں ملک کی آبادانی اور خوش حالی میں اضافہ ہوا ، دینی تعلیم و تدریس کا زیادہ رواج ہوا ، علماء کی بہت قدر و منزلت ہوئی ۔ قلاع و مساجد اور تختِ طاؤس کی تعمیر و ساخت پر زرِ کثیر صرف ہونے کے باوجود عوام پر محاصل کا بوجھ نہ پڑا ۔

سعداللہ خاں نے صرف اداری اور انتظامی امور میں ہی کمال حدس و فراست کا ثبوت فراہم نہیں کیا بلکہ جنگی مہموں میں بھی ان کا عسکری اور سیاسی شعور ظاہر ہوا ۔ فتح بلخ و بدخشان اور قندھار کی مہم میں انہوں نے سپہ سالار کی سی مستعدی دکھائی ۔ ۱۰٦۳ھ میں چتوڑ کے رانا راج سنگھ نے جب عہد نامہ کے خلاف قلعے میں دفاعی تنصیبات تعمیر کرنا شروع کر دیں تو سعداللہ خاں نے اس کو عہد نامے کی پاس داری پر مجبور کیا اور تمام نئی عمارتیں اور برج منہدم کروا دیے ۔

نواب مرحوم نے تعمیرات کی نگرانی میں بھی حصہ لیا اور خود بھی بعض عمارات یادگار چھوڑیں ۔ دہلی کی شاہجہانی مسجد انھی کی نگرانی میں تعمیر ہوئی تھی ۔ لال قلعہ کے لاہوری دروازے کے باہر ایک چوک ان کے نام سے منسوب تھا ۔ آگرہ اور متھرا کے درمیان ایک جگہ انھوں نے سعد آباد کے نام سے قصبہ آباد کیا اور مسجد بھی تعمیر کروائی ۔ آگرہ اور لاہور میں ان کی شاندار حویلیاں تھیں ۔ لاہور کا رنگ محل بھی انھوں نے بنوایا تھا ۔

سعداللہ خاں کی وفات پر شاہجہان کو بہت صدمہ ہوا ۔ اس سانحے کی اطلاع دینے کے لیے اس نے جو خط علی مردان خاں کو لکھوایا اور اس میں نواب مرحوم کی جن صفات کا ذکر کیا ، ان سے اس بزرگ کے ساتھ بادشاہ کی عقیدت و ارادت ظاہر ہوتی ہے ۔ ہم اس خط کا وہ حصہ نقل کرتے ہیں جس میں ان کے اوصاف

مذکور ہیں[1] :

''سر دفتر ارکانِ خلافتِ عظمیٰ - سرآمدِ اعیانِ دولتِ کبریٰ - واقف رموز کاردانی - محرمِ اسرار ظل سبحانی - صاحب عیار دانائی - شناسای گوہر شناسائی - مرآۃ حسن اخلاق و عقیدت - آب گوہر وفا و حقیقت - دستورالعمل دیوان آگاہی - نظر یافتۂ عنایت شاہنشاہی - حاویِ مراتبِ فروع و اصول - سر حلقۂ اقبال و قبول - رازدانِ دین و دیانت - عنوان صحیفۂ تعقل و فطانت - - - - وزیر عطارد تدبیر - - - ستودہ سیر مشیرِ بی نظیر - علامۂ زمان - وحیدِ دوران - - -''

محمد صالح نے ان کی ذاتی صفات کے متعلق یوں لکھا ہے : ''علامۂ دوران سعداللہ خاں در مزید کیاست ، وفور حدس و فراست و اصابت رای و متانت اندیشہ وقوتِ حافظہ ثانی و نظیر خود نداشت[2] -''

مکتوباتِ سعداللہ خاں :

معاصر مؤرخین اور مصنفین نے سعداللہ خاں کی قوتِ تحریر اور عذوبتِ بیان کا ذکر کیا ہے - ان کے مکتوبات کا ایک مجموعہ نیشنل میوزیم (کراچی) میں موجود ہے - ان مکتوبات کا یہ نسخہ نواب محمد زکریا خاں صوبیدار لاہور کے عہد (۱۱۵۰ - ۱۱۵۸ھ) میں لکھا گیا ہے - اسے ادارۂ تحقیقات پاکستان ، دانشگاہ پنجاب ، لاہور نے ۱۹۶۸ع میں شائع کر دیا ہے - اس کی تصحیح میں ڈاکٹر ناظر حسن زیدی اور مولانا غلام رسول مہر نے حصہ لیا ہے - نظر ثانی مؤخرالذکر بزرگ نے کی اور مقدمہ و تعلیقات اور خطوط کے تعارفی نوٹ بھی انھوں نے لکھے - اس مجموعے میں ٦٤ خطوط شامل ہیں - ان میں سے پہلا خط شاہ صفی اول ، شاہ ایران کے نام ہے جو ۱۰۴٦ھ میں لکھا گیا ہے - اس خط کی نقل 'بادشاہ نامہ' مؤلفہ عبدالحمید لاہوری ، جلد اول ، حصہ دوم میں محفوظ ہے - یہ خط علامی افضل خاں نے لکھا تھا - معلوم نہیں کاتب نے اسے سعداللہ خاں کے مکتوبات میں کیوں شامل کر دیا - مکتوب نمبر ٦٤ بھی کسی کو مخاطب کر کے نہیں لکھا گیا - یہ خط

۱- مکتوباتِ سعداللہ خاں ، مرتّبہ غلام رسول مہر ، مقدمہ ، ص ۱۲ -

۲- عملِ صالح ، ج ۳ ، لاہور ، ۱۹٦۰ ، ص ۳۷۹ -

نہیں بلکہ سات صفحات کی طویل تحریر ہے جو کسی تاریخ کا دیباچہ معلوم ہوتی ہے ۔ اس میں راقم نے شاہجہان کے اوصاف کریمہ گنوا کر اس کے عہدِ معرفت مہد کی آبادی و خوشحالی کا ذکر کیا ہے اور اس نعمتِ کبریٰ پر خدائے بزرگ و برتر کا شکر ادا کیا ہے ۔ جس کتاب کا اس میں تعارف پیش کیا گیا ہے وہ گویا پندنامہ ہے جس سے حکمت و معرفت کے خزانے حاصل ہوں گے ۔ ذیل کے اشعار میں اس کی طرف اشارہ موجود ہے :

در این گنج نامہ ز راز جہان　　کلیدِ بسی گنج کردم نہان
کسی کان کلیدِ زر آرد بدست　　طلسم بسی گنج داند شکست

باقی ۴۴ خطوط مندرجہ ذیل اشخاص کے نام لکھے گئے ہیں ۔ خطوط کی تعداد ہر مکتوب الیہ کے سامنے درج ہے ۔

شاہجہان کے نام :	۱۵	ملا عبدالحکیم :	۲	نذر محمد خان از طرف اورنگ زیب	: ۵
داراشکوہ :	۲	وزارت پناہ عبدالکریم :	۲	خانخانان	: ۳
سید باقر :	۲	شاہ عباس دوم :	۱	قطب الملک	: ۱
قلیج خان :	۱	قاضی عارف کشمیری :	۱	رستم خان	: ۱
دولت خان :	۱	اعزاء و اقربا :	۴	عبدالحمید لاہوری	: ۲

شاہجہان کے نام عرضداشتیں ۱۲ شوال ۱۰۵۸ ، مہمِ قندھار پر روانہ ہونے سے لےکر ۶ ربیع الاول ۱۰۵۹ تک کے درمیانی وقفے میں تین دن سے پندرہ بیس دن کے وقفوں کے اندر اندر لکھی جاتی رہیں ۔ نذر محمد خان والیِ توران اور قلیج خان کے نام خطوط ۱۰۵۹ھ میں یعنی اُن دنوں لکھے گئے جب قندھار کی مہم زوروں پر تھی ۔ خانخانان اور رستم خان رستم جنگ کے نام خط قندھار کی تیسری مہم کے دوران میں لکھے گئے ۔

ان متذکرہ صدر خطوط کی تاریخی اور سیاسی اہمیت واضح ہے ۔ ان مکاتیب سے بعض ایسے سیاسی و عسکری اسرار و رموز سمجھنے میں مدد ملتی ہے جن کا ذکر عام تاریخوں میں نہیں ملتا جو سلاطین و سلطنت کا شکوہ و جلال دکھانے کے لیے لکھی یا لکھوائی جاتی رہیں ۔

سعد اللہ خان کے اور بھی مکتوبات ہوں گے جو اس مجموعے میں موجود نہیں ۔ مثلاً ان کا ایک خط کسی عزیز کے نام چہار چمن مؤلفہ چندر بھان برہمن

میں منقول ہے[1] -

مکتوبات سعد اللہ خاں اپنے زمانے کے اسلوبِ انشاء کا نمایندہ نمونہ کہلا سکتے ہیں - جس انشا پردازی کی بنیاد علامی ابوالفضل نے رکھی تھی اور جس اسلوب پر سرکاری تحریریں اور تاریخیں مرتّب ہونا شروع ہوئی تھیں ، عہدِ شاہجہانی میں اس کا پورا تتبّع کیا گیا ہے - اس قسم کے انشا پردازوں میں ملاّ عبدالحمید لاہوری ، علامی فاضل خان ، شیخ عنایت اللہ ، محمد صالح کنبوہ ، جلالای طباطبائی ، چندربھان برہمن ، محمد وارث اور محمد امین قزوینی کے نام سرِ فہرست ہیں - سعد اللہ خاں کے مکاتیب میں بھی الفاظ کا شکوہ و طمطراق موجود ہے جو اس زمانے کا شیوہ ہو گیا تھا - مقفّی ، مسجّع اور مرجّز عبارات لکھنا کمالِ انشا پردازی سمجھا جاتا تھا - چندر بھان نے علامی سعد اللہ کے اسلوبِ انشا کے متعلق لکھا ہے :

''هم در نسبت و هم در جامعیت یاد از علامهٔ بی عوض و بدل شیخ ابوالفضل میداد - از حضرت اعلیٰ نامه های والا بوالیٔ ایران و توران نوشته دادِ فصاحت و بلاغت داد و در تحریرِ مسوداتِ فرامینِ جهان مطاع متانتِ تمام بکار برد -''[2]

محمد صالح کنبو نے سعد اللہ خاں کی تقریر و تحریر اور انشا پردازی کے متعلق صحیح اور پختہ رائے ان الفاظ میں دی ہے :

''علمِ تفرّد در عرصهٔ علم و دانش بنوعی برافراخت که در جنب فصاحت و بلاغت و روشنی بیانش ، بدایع بیان و صنایع معانی . . . سخنان رنگین و نو آئین بائینی بر زبان می آورد که دقیقه سنجانِ فضل و هنر . . . در حیرت فرو رفته -'' (ج ۳ ، ص ۳۸۶ - ۳۸۷ ، کلکته)

''او صاحب طبع هوش گرای و سخنور دانش پیرای بود - در نثر سلیقهٔ درست داشت و در انشا پردازی و مدعا نویسی سحرِ سامری بکار می برد -'' (ج ۳ ، ص ۴۳۷ ، کلکته)

۱- چهار چمن ، چندربهان ، مرتّبهٔ محمد رفیق ، نسخهٔ خطی پنجاب یونیورسٹی لائبریری ، ص ۴۴ - ۴۵ -

۲- چهار چمن ، چندربهان ، مرتّبه محمد رفیق ، مخطوطهٔ پنجاب یونیورسٹی لائبریری ص ۳۸ -

آخر میں محمد صالح نے دوسرے اربابِ انشا کے متعلق سعد اللہ خاں کی کم التفاتی اور بے انصافی کا شکوہ بھی کیا ہے۔ اس نے لکھا ہے :

"اما حیف کہ باوجود شناختِ سخن از حسنِ معانیِ دیگران دیدہ و دانستہ چشم می پوشید و بقدر یک مژہ انصاف را منظور نمی داشت۔"

سعد اللہ خاں کی پختہ نثر کا نمونہ یہ ہے :

"پس بہ انہاء وقایع یومی و ارسال رسل و رسائل متوالی، مبانی یکرنگی و یک جہتی را استحکام و قوائم یگانگی و یکتا دلی را انتظام بہ نحوی دہند کہ جہت و نسبت سابقہ را تاکیدی و تشییدی و موالات و مودت لاحقہ را تاسیسی و تمہیدی شود۔"[1]

☆ ☆ ☆

سجان سنگھ دھیر[2]

'خلاصۃ الانشاء' کے منکشف ہونے سے پہلے تک اس مصنف کا نام بھی غیر یقینی تھا، کیونکہ اس نے اپنی مشہور تالیف 'خلاصۃ التواریخ' میں کہیں بھی اپنا نام نہیں لکھا تھا۔ اس لیے مؤرخ اور تذکرہ نویس اسے سجان رای، سنجان رائے اور سبحان رائے کے مختلف ناموں سے یاد کرتے رہے۔ ڈاکٹر محمد باقر نے اس کی ایک اور تالیف 'خلاصۃالانشاء' کا تعارف پیش کرتے ہوئے منکشف

۱۔ مکتوبات سعد اللہ خاں، لاہور، ص ۱۳۔

۲۔ J. R. A. S. 1894, pp. 733-768, 1895 p. 211; Rieu, III, 908a. Elliot and Dowson, Vol. VIII; Encyclopaedia of Islam, under Sandjan Rai; India of Aurangzeb by J. N. Sarkar, Calcutta - 1901, Introduction. J. P. H. S. July, 1955.

خلاصۃ التواریخ، مرتّبہ ظفر حسن دہلی، ۱۹۱۸ع، دیباچہ۔ خلاصۃ الانشا، نسخہٴ خطی برٹش میوزیم، فہرست مخطوطات۔

کیا کہ اس کتاب میں مؤلف اپنے آپ کو سجان سنگھ دھیر لکھتا ہے - اپنی دوسری کتاب 'خلاصۃ التواریخ' کو 'خلاصہ' تواریخ' کہتا ہے - 'خلاصہ' تواریخ' کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ بٹالہ ضلع گورداسپور کا رہنے والا تھا - اس نے منشی گری کا پیشہ اختیار کیا اور مختلف منتظمان مال و مملکت کے ساتھ وابستہ رہا - 'خلاصۃ الانشا' کے اختتامیے سے اتنا معلوم ہوا ہے کہ ایک صاحب میرآنند، سجان سنگھ کے چچا بھی تھے اور استاد بھی - وہ شاہزادہ دارا شکوہ کے دیوان رائے بہاری مل کے منشی تھے - قتل داراشکوہ کے بعد وہ بائیس سال تک نواب امیر خاں عالمگیری کی ملازمت میں رہے - جب امیر خاں کابل گیا تو انھوں نے نوکری چھوڑ کر عزلت اختیار کر لی -

سجان سنگھ کے سوانح حیات کے متعلق صرف اتنا معلوم ہے کہ وہ کابل، ٹھٹھہ اور ہمالیہ کے دامن میں پنجور دیکھنے گیا، یا ملازمت کے سلسلے میں وہاں موجود تھا -

سجان سنگھ کی دو تالیفات ہیں :

(۱) خلاصۃ التواریخ

(۲) خلاصۃ الانشا

خلاصۃ التواریخ :

مؤلف، کتاب کے دیباچے میں وجہ تالیف بیان کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ وہ احوال سلاطین اور انقلاب ممالک سے باخبر رہنے اور تغیرات زمان و زمانیان سے عبرت حاصل کرنے کے لیے کتب تواریخ زیر مطالعہ رکھتا تھا - ایک مرتبہ اسے خیال آیا کہ اپنے مطالعے کا حاصل 'خلاصۃ التواریخ' کے روپ میں پیش کرے - چنانچہ اس نے تواریخ سے انتخاب کر کے مختصر سی کتاب مرتب کر دی -

مؤلف نے کتاب کے شروع میں ہندوستان کا مختصر تعارف پیش کیا ہے - پھر ہندوستان کے مختلف صوبوں کے جغرافیائی کوائف، اضلاع اور محال، قابل دید عمارات، شخصیات اور معادن کا ذکر کیا ہے - ہر صوبے کی پیداوار اور مالیات کی رقم درج کی ہے - اس کے بعد ہندوستان کی قدیم تاریخ راجہ جدھشٹر سے لے کر راجا پرتھی راج تک بیان کی ہے - پھر مسلم سلاطین یعنی غزنویوں سے لے کر اورنگ زیب کی تخت نشینی تک کے واقعات قلمبند کیے ہیں -

مطبوعہ نسخہ ۵۰۰ صفحات پر مشتمل ہے جس میں پہلے اٹھاسی صفحات میں صوبوں کے کوائف درج ہیں ۔ احوالِ سلاطین میں سب سے زیادہ تفصیلی حالات جلال الدین محمد اکبر بادشاہ کے لکھے ہیں جو ۳۲۶ سے ۴۰۰ صفحات تک مندرج ہیں ۔ عہدِ شاہجہان کے متعلق مقابلۃً مختصر لکھا ہے ۔ آخر میں اورنگ زیب اور اس کے بھائیوں کے درمیان ، اور خاص طور پر داراشکوہ کے ساتھ تخت نشینی پر ، جو جھگڑے اٹھے اور لڑائیاں ہوئیں ، ان کے متعلق تمام تفاصیل بتائی ہیں ۔

مشہور مشہور بادشاہوں کے علاوہ کم معروف یا کم رتبہ سلاطین و حکام کے صرف نام اور عرصۂ حکومت کا ذکر کیا ہے ۔ مثلاً غزنوی ، تُرک ، خلجی ، تُغلق ، لودھی اور سوری سلاطین کے متعلق عموماً ایک ایک دو دو صفحے لکھنے پر اکتفا کیا ہے ۔ ملتان اور کشمیر کے حکمرانوں کے متعلق مقابلۃً تفصیل سے لکھا ہے ۔

مصنف نے اس تاریخ کے مرتّب کرنے میں مندرجہ ذیل کتب سے استفادہ کیا ہے :

رزم نامہ ، ترجمۂ مہابھارت ، دیباچہ مرقومہ ابوالفضل ۔

ترجمۂ ہربنس پران ، از مولانا تبریزی ۔

ترجمۂ رامائن ۔ ترجمۂ بھاگوت ۔ جوگ بششٹ ، از شیخ احمد و دیگران ۔

گل افشاں ، ترجمۂ سنگاسن بتیسی ۔

پدماوت ۔

ترجمۂ راجاولی از ویسرام ۔

ترجمۂ راج ترنگنی ، از مولانا عمادالدین ۔

تاریخِ سلطان محمود غزنوی ، از مولانا عنصری ۔ تاریخِ سلطان شہاب‌الدین غوری ۔

تاریخِ سلطان علاءالدین خلجی ۔ تاریخِ فیروز شاہی ، از عزّالدین خالد خانی ۔

تاریخِ افاغنہ ، از حسین خاں افغان ۔

ظفر نامہ ، از مولانا شرف الدین علی یزدی ۔ تیمور نامہ ، از ہاتفی ۔ تاریخِ بابری ، ترجمہ از عبدالرحیم خانخاناں ۔

اکبرنامہ ، از ابوالفضل ۔ تاریخِ اکبر شاہی ، از عطا بیگ قزوینی ۔ اکبرنامہ ، از الہ داد و مرتضیٰ خاں ۔

طبقات اکبری ، از نظام الدین احمد ۔ اقبال نامۂ جہانگیری ، از معتمد خاں ۔ جہانگیر نامہ از جہانگیر ۔

تاریخ شاہجہان ، از وارث خاں ۔ تاریخ عالمگیری ، از محمد کاظم ۔ تاریخ کشمیر ، از مولانا شاہ محمد شاہ آبادی ۔

تاریخ بہادر شاہی ، مشتمل بر احوال سلاطین گجرات ، احمد آباد و سندھ ۔ تاریخ سلاطین ملتان ، مالوہ ، دکن جونپور ، بنگالہ وغیرہ ۔

ان کتابوں میں سے تاریخ سلطان محمود غزنوی ، مؤلفہ عنصری ۔ تاریخ سلطان شہاب الدین غوری ۔ تاریخ اکبر شاہی ، از عطا بیگ قزوینی ۔ تاریخ بہادر شاہی اور تاریخ سلاطین ملتان وغیرہ غیرمعروف اور نایاب ہیں ۔ دنیا کے معلومہ مخطوطات میں ان کا کہیں ذکر نہیں ۔ مؤلف نے ان کتابوں سے کہاں تک استفادہ کیا ہے اس کے واضح خطوط ظاہر نہیں ۔ تاریخ بہادر شاہی اور تاریخ سلاطین ملتان وغیرہ کے مصنفین کا بھی ذکر نہیں کیا ۔ صوبوں کا حال تو اکثر آئین اکبری سے ماخوذ ہے اور اکبر کے احوال و سوانح اکبرنامہ پر مبنی ہیں ۔

تاریخی اور اصلی ماخذ ہونے کی حیثیت سے اس تاریخ کی کوئی خاص اہمیت نہیں ۔ یہ محض گزشتہ تواریخ کا خلاصہ ہے ۔ مصنف اگر چاہتا اور کم از کم اپنے چشم دید واقعات بیان کرتا تو اس کتاب کی تاریخی اہمیت میں اضافہ ہو جاتا ۔ یہ کتاب ۱۱۰۷ھ میں مکمل ہوئی ۔ مؤلف نے عہد اورنگ زیب کے سوانح و واقعات کا بیان نامعلوم کیوں نظر انداز کر دیا ہے ۔ مصنف نے کتاب میں کہیں اپنا نام درج نہیں کیا ۔ انداز بیان سے ظاہر نہیں ہوتا کہ یہ ایک ہندو کی تصنیف ہے ۔ معلوم ہوتا ہے کہ ہندو منشی ، فارسی انشاء و ادب کا سارا سرمایہ اس طرح جذب کر لیتے تھے کہ ہندو اور مسلمان کی تحریر کا امتیاز مشکل ہو جاتا تھا ۔ خصوصاً عربی الفاظ و تراکیب کے استعمال پر ان کی قدرت قابل ملاحظہ ہے ۔

سابقہ تواریخ کی طرح 'خلاصۃ التواریخ' کا اسلوب تحریر بھی ادیبانہ ہے ۔ سوانح بیان کرتے کرتے وہ ضمناً بیانیہ اور توصیفی تشریحات لے آتا ہے ۔ پھر مقفّٰی و مسجّع جملے لا کر اپنا زور قلم دکھاتا ہے ۔ اگرچہ تشابیہ و استعارات جدید اور شگفت آور نہیں ، پھر بھی ناموزوں نہیں ۔ عبارات رواں ہیں اور جملوں کا دروبست سقیم نہیں ۔ لیکن ابوالفضل ، محمد امین اور عبدالحمید جیسی صلابت اور متانت نہیں ۔ مؤلف نے قاری کی دلچسپی کے لیے جابجا موزوں اشعار داخل کیے ہیں ، جن سے اس

کے ذوق پر روشنی پڑتی ہے ۔ کتاب کا اندازِ بیان ایسا مشکل یا پیچیدہ نہیں ہے جس سے مطالب کے سمجھنے میں مشکل پیش آئے ۔ لیکن اس کی آرایشی اور تزئینی عبارات سے تکلّف اور تصنّع کی بو ضرور آتی ہے ، نیز مطالب کی تکرار بھی طبیعت پر گراں گزرتی ہے ۔

ایلیٹ[۱] نے 'مختصر التواریخ' کے نام کی ایک کتاب کا ذکر کیا ہے ۔ اس کا مصنف معلوم نہیں ۔ اس میں ۹۶۲ھ تک کے حالات و واقعات مندرج ہیں ۔ ڈاؤسن نے لکھا ہے کہ 'خلاصۃ التواریخ' کے مؤلف یعنی سجان سنگھ نے بڑی دیدہ دلیری اور سینہ زوری سے 'مختصر التواریخ' تمام کی تمام اپنے نام کے ساتھ منسوب کر لی ہے اور باقی حصہ یعنی ۹۶۲ھ سے آگے خود لکھا ہے ۔ یہ نقطۂ نظر صحیح نہیں ۔ معلوم ہوتا ہے کہ کسی کاتب نے کتاب کا نام 'خلاصۃ التواریخ' کے بجائے 'مختصر التواریخ' رکھ لیا ہے ۔ یا ممکن ہے ، مصنف نے پہلے 'مختصر التواریخ' ہی نام رکھا ہو ۔ ڈاؤسن صاحب کو 'مختصر التواریخ' کا نامکمل نسخہ دیکھ کر مغالطہ ہوا کہ شاید یہ کوئی الگ تصنیف ہے اور اس کا مصنف کوئی اور ہے جو سجان سنگھ کا پیش رو ہے ۔

ایک اور بات موجبِ حیرت ہے اور وہ یہ کہ غلام حسین نے جب ۱۱۹۵ھ/ ۱۷۸۱ع میں اپنی تاریخ 'سیرالمتاخرین' مرتّب کی تو اس نے 'خلاصۃ التواریخ' تمام کی تمام اور تقریباً لفظ بلفظ اپنی کتاب کے ساتھ شامل کر لی ۔ وہ دیباچے میں مصنف و تصنیف کے متعلق لکھتا ہے کہ ''یکی از منشیانِ پیشہ انشا برخی از اوقات بمطالعۂ کتبِ تواریخِ فارسی و ہندی گذرانیدہ و استفادہ از اخبار پیشینیان نمودہ احوالِ مرزبانانِ قدیم و جدیدِ ہندوستان از ابتدای کوروان و پانڈووان تا ابتدای سلطنتِ اورنگزیب . . . در چند جزو ضبط نمودہ ۔ این اقل . . . غلام حسین . . . حالات مسطورۂ اجزای مذکورہ را بعد اسقاط فضول عبارات و اصلاح اغلاط منشآت در ورق عدیدہ بسلک تحریر کشید[۲] ۔''

غلام حسین کے بیان کا آخری حصہ غلط ہے ۔ زیادہ تر حصہ لفظ بلفظ نقل کیا ہے ۔ کہیں کہیں عبارات میں رد و بدل بھی کیا ہے ۔

اسی مؤلف کی دوسری کتاب 'خلاصۃ الانشاء' کے منکشف ہونے سے یہ ظاہر

۱- Elliot and Dowson, Vol. VIII, p. 5, 2. Ilied, p. 9.

۲- سیرالمتاخرین ، غلام حسین ، نولکشور ، ج ۱ ، ص ۳ ۔

ہوا ہے کہ مؤلف اس تاریخ کو 'خلاصہ' تاریخ' کے نام سے ذکر کرتا ہے ، نہ کہ 'خلاصۃ التواریخ' کے نام سے ۔

خلاصۃ الانشاء :

مؤلف نے دیباچے میں انشا پردازی کی تعریف کی ہے اور منشی گری کو اعلیٰ پیشہ قرار دیا ہے ؛ نیز بتایا ہے کہ منتظمان مال و ملک کے ساتھ اس کو کام کرنے کا موقع ملا ہے ۔ اور شروع سے ہی اس کو تاریخ و انشا کی تصنیفات و تالیفات کے مطالعے کا شوق رہا ہے ۔ چنانچہ اس نے چار سال کے عرصے میں تیس کتابوں سے انتخاب کر کے یہ مجموعہ تیار کیا ہے تاکہ طالبان انشاء کے لیے انشاء کے اعلیٰ نمونے میسر آ جائیں اور وہ سب کتابوں کے محتاج نہ رہیں ۔ اس انتخاب کا نام 'خلاصۃ الانشاء' رکھا گیا اور یہ کام ۱۱۰۲ سے ۱۱۰۵ھ کے درمیان مکمل ہوا ۔

'خلاصۃ الانشاء' کا ایک نسخہ ڈاکٹر محمد باقر سابق پرنسپل اورینٹل کالج لاہور کے شخصی کتب خانے میں موجود ہے ۔ انھوں نے جولائی ۱۹۵۵ع میں 'جرنل آف پاکستان ہسٹوریکل سوسائٹی' میں اس نسخے کا تعارف پیش کیا تھا ۔ یہ نسخہ ۲۰۲ صفحات پر مشتمل ہے ۔ ہر صفحے میں ۱۵ سطریں اور ہر سطر میں دس گیارہ الفاظ ہیں ۔ ابتدا سے دیباچے کا ایک ورق کم ہے ۔

یہ کتاب حسب ذیل دس ابواب میں منقسم ہے :

باب اول : در حمد و مناجات و نیاز بدرگاہ باری تعالیٰ ۔

باب دوم : در بیان القاب و دستور نوشتن دعا و شوق در جواب روزنامچات ۔

باب سوم : در تعریف درویشان صاحب حال ۔

باب چہارم : در تعریف آئین و خصوصیات پادشاہان ۔

باب پنجم : در جلوس پادشاہان و تعریف جنگ فیلان و جانوران وغیرہ ۔

باب ششم : در آئین متصدیان پادشاہ ۔

باب ہفتم : در مذمت احمق و حاسدان ظالم و مُدبر ۔

باب ہشتم : در بیان تدبیر جنگ ۔

باب نہم : در مذمت ہیچی و بیوفائی دنیا و مذمت زمانہ و در اظہار رضا و تسلیم و شکر و جرم پوشی و تعریف سخا ۔

باب دهم : در تعریف اشہار و امصار ممالک محروسہ و قلعجات پادشاہی و محال و امکنۂ زیارت گاہ ہندوستان -

اس کتاب میں مندرجہ ذیل کتب اور مصنفین سے اقتباسات لیے گئے ہیں :

کتب : سرورالمحافل ، خلاصۂ تاریخ ، اکبر نامہ سہ جلد ، رزم نامہ ، دیباچۂ مرقع جہانگیری ، بہار سخن ، بہار دانش ، کارنامۂ لعل چند ، ظفر نامہ ، اقبال نامہ ، مناجات ابوالفضل ، مکاتبات علامی سہ دفتر ، انوار سہیلی ، نو باوہ ، کارستان منیر ، انشاء یوسفی ، گلستان -

مصنفین : کیول رام منشی ، چندر بھان ، شیدا ، سعد اللہ خاں ، گوسائیں ، ولی رام ، محمد مسلم کلانوری -

'خلاصۃ الانشاء' کا انتخاب برٹش میوزیم کے ایک مخطوطہ (شمارہ ۱۷۵۰) میں ۱۰۷ سے ۱۶۲ تک کے اوراق میں موجود ہے - اس نسخے میں ابتدائیہ بھی ہے اور اختتامیہ بھی موجود ہے - اختتامیہ میں مؤلف نے اپنی زندگی کے متعلق کچھ معلومات فراہم کی ہیں - آخری سطروں سے یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ اصل نسخہ ۳۷۳ اوراق پر مشتمل تھا جس کے ہر صفحے میں ۱۵ سطریں تھیں اور ہر سطر میں ۶۲ حروف -

یہ نسخہ یقیناً ڈاکٹر محمد باقر کے مملوکہ نسخے سے زیادہ مفصّل ہے - مقابلہ کرنے سے معلوم ہوا کہ برٹش میوزیم کے نسخے میں متذکرہ بالا کتابوں اور مصنفوں کے علاوہ مندرجہ ذیل کتب و مصنفین کے انتخابات بھی شامل ہیں :

گلشن بہاریں ، از شیخ برہان الدین -

رقعات شیخ ابو سعید لاہوری -

خلاصۂ شاہنامہ -

تاریخ بابری : تالیف عبدالرحیم خانخاناں -

عالمگیر نامہ : محمد کاظم -

دستور عالمگیری -

ترجمۂ راجاولی : شاہ طغرا -

نصیرای ہمدانی : گلدستۂ ملا عنایت اللہ - صائب - اخلاق ناصری - خلاصۂ مکاتیب - کچکول از ابوالفضل -

برٹش میوزیم کے نسخے میں مؤلف کے نام کی جگہ خالی رہ گئی ہے - یا سرخ

روشنائی میں نام لکھا تھا جو مٹ گیا ہوا ہے ، لیکن ڈاکٹر محمد باقر کے نسخے میں نام موجود ہے - اسی سے معلوم ہوا کہ مؤلف کا اصل نام سجان سنگھ دھیر ہے - اس انکشاف سے پیشتر عموماً اس کو سنجان رای بھنڈاری ، سنجان رای بٹالوی یا سنجان رای لکھا جاتا رہا ہے - اس نسخے میں 'خلاصۃ التواریخ' کے بجائے اس کا نام 'خلاصہ' تاریخ' مندرج ہے -

'خلاصۃ الانشاء' میں بہترین انشا پردازوں اور صاحب ِ اسلوب مصنفوں کے بہترین نمونے یکجا ہو گئے ہیں ، جو مراسلہ نگاری و خطوط نویسی سے دلچسپی رکھنے والوں کے لیے بہت مفید ہیں -

ڈاکٹر محمد باقر کے نسخے میں آخری خط منشی آتما رام کا ہے ، جو عید رمضان سنہ ۱۷ محمد شاہی کو میر محمد عرض قانع کی طرف سیالکوٹ لکھا گیا ہے - یہ خط الحاقی معلوم ہوتا ہے - برٹش میوزیم کا نسخہ ۱۱۰۲ھ اور ۱۱۰۵ھ کے درمیان مکمل ہو چکا تھا - اگر یہ خط 'خلاصۃ الانشاء' کا جزو مان لیا جائے تو مصنف گویا ۱۱۴۸ھ تک زندہ تھا ، اور یہ کچھ بعید معلوم ہوتا ہے ، کیونکہ سجان سنگھ اپنے چچا میر آنند کا شاگرد تھا جو داراشکوہ کے دیوان رائے بہاری مل کا منشی تھا - قتل ِ دارا شکوہ کے وقت یعنی ۱۰۶۹ھ میں اگر سجان سنگھ بیس سال کا ہو تو ۱۱۴۸ھ میں اس کی عمر ۹۹ سال ہوگی - اس عمر میں 'خلاصۃ الانشاء' جیسی کتاب مرتب کرنا کچھ مشکل نظر آتا ہے -

☆ ☆ ☆

نور اللہ شوستری[1]

نورالدین سید شریف بن نور اللہ حسینی ۹۵۶ھ میں شوستر میں پیدا ہوئے - ابتدائی تعلیم اپنے وطن میں حاصل کی - ان کے اساتذہ میں سے عبدالوحید تستری

۱- الصوارم المهرقة فی نقد الصواعق المحرقہ ، مرتبہ جلال الدین حسینی ، ۱۳۶۷ھ ، تہران ، دیباچہ -

کا نام ملتا ہے ۔ علومِ دین کی تکمیل کے لیے ۹۷۹ھ میں وہ مشہد گئے جہاں مولانا عبدالواحد اور دوسرے علما سے استفادہ کیا ۔ بارہ سال تک وہاں مقیم رہے ۔ ۹۹۲ھ میں وہ ہندوستان روانہ ہوئے اور حکیم ابوالفتح گیلانی کی وساطت سے دربار اکبری میں رسائی حاصل کی ۔ اتفاق سے شیخ معین قاضیٔ لاہور ضعف و نقاہت کی وجہ سے فرائض کی انجام دہی سے معذور ہوگئے ۔ چنانچہ نور اللہ ان کے بجائے قاضیٔ لاہور مقرر ہوئے ۔ اس کے بعد وہ تاریخ میں قاضی نور اللہ کے نام سے مشہور ہوگئے ۔

جلال الدین اکبر بادشاہ ، قاضی نوراللہ کے علم و فضل سے متاثر تھے ۔ جب عہدۂ قضا پر ان کا تقرر ہوا تو بادشاہ نے کہا کہ مذاہبِ اربعہ میں سے کسی ایک کے مطابق فیصلے دیجیے ۔ قاضی صاحب نے یہ شرط لگائی کہ وہ مختلف فیہ مسائل میں اجتہاد سے کام لیں گے ۔ لیکن وہ اکثر مذہبِ امامیہ کے مطابق فیصلے دیتے رہے ۔[1] وہ ۱۰۱۹ھ میں فوت ہوئے ۔ ان کے اعزہ و مرید ان کی نعش اکبر آباد میں لے گئے اور انھیں باغ قندھاری کے قریب دفن کیا ۔

قاضی نور اللہ عہدِ صفوی کے اکابر علما میں شمار ہوتے ہیں ۔ ان کا علم و فضل ، فقہ ، حدیث ، تفسیر ، علومِ قرآنی ، علمِ کلام ، تاریخ اور فقہِ امامیہ کے علاوہ دیگر ائمہ فقہا کے مذاہب پر ان کی نظر بے شمار تصانیف سے ظاہر ہے ۔

ان کی اکثر کتابیں عربی میں ہیں ۔ دیوان کے علاوہ پانچ تالیفات فارسی میں ہیں ۔ مختلف ماخذ سے ان کی مندرجہ ذیل تالیفات کے نام ہم تک پہنچے ہیں :

۱- احقاق الحق ۔
۲- مجالس المؤمنین (فارسی) ۔
۳- شرح دعاء الصباح و المساء لعلی صلوات اللہ علیہ (فارسی) ۔
۴- النظر السلیم ۔
۵- انس الوحید فی تفسیر آیۃ العدل و التوحید ۔
۶- خیرات الحسان ۔

۱- منتخب التواریخ ، کلکتہ ، ج ۳ ، ص ، ۱۳۷-۱۳۸ ۔

۷- شرح مبحث حدوث العالم من انموذج الدوانی -
۸- شرح الجواہر -
۹- حاشیہ علی مبحث اعراض شرح التجرید -
۱۰- نورالعین -
۱۱- حاشیہ علی حاشیۃ تہذیب المنطق لمُلا" جلال -
۱۲- ذکرالابقی -
۱۳- شرح علی اثبات الواجب القدیم لمُلا" جلال -
۱۴- کشف العوار -
۱۵- حاشیۃ علی اثبات الواجب الجدید لمُلا" جلال -
۱۶- دافعۃ الشقاق -
۱۷- رسالہ فی ان الوجود لا مسئلہ لہ (کذا) - یا (لا مثل لہ')
۱۸- نہایۃ الاقدام -
۱۹- رسالہ فی اثبات تشیع السید محمد نور بخش -
۲۰- دفع القدر -
۲۱- رسالہ فی رد مقدمات ترجمۃ الصواعق -
۲۲- حل العقال -
۲۳- حاشیہ بحث عذاب القبر من شرح القواعد -
۲۴- البحر الغزیر -
۲۵- رسالہ فی رد رسالہ فی تصحیح ایمان فرعون -
۲۶- عدۃ الامراء -
۲۷- حاشیہ علی شرح خطبۃ المواقف -
۲۸- تحفۃ العقول -
۲۹- شرح علی رباعی الشیخ ابی سعید بن ابی‌الخیر -
۳۰- موائد الانعام -
۳۱- رسالہ فی رد شبہۃ فی تحقیق علم الالٰہی -
۳۲- حاشیۃ علی رسالۃ -
۳۳- رسالہ فی المسح علی الرجلین و غسلہا -
۳۴- اجوبۃ فاخرۃ -

۳۵- الصوارم المهرقة فی نقد الصواعق المحرقه -
۳۶- عشرة کاملة -
۳۷- حاشیة علیٰ شرح الشمسیة فی المنطق -
۳۸- سبعه سیاره -
۳۹- حاشیة علیٰ شرح تهذیب الاصول -
۴۰- رساله فی الادعیه -
۴۱- حاشیة علیٰ جواہر شرح التجرید -
۴۲- الرسالة الجلالیه -
۴۳- رسالة فی الاسطرلاب تشتمل علیٰ مأیة ابواب -
۴۴- دیوان القصاید -
۴۵- حاشیة علیٰ شرح الهدایة فی الحکمة -
۴۶- سحاب المطر -
۴۷- رد علیٰ حاشیة الجامی علی شرح التجرید الاصفهانی -
۴۸- کتاب فی منشآته -
۴۹- رسالة بالفارسیة -
۵۰- شرح علیٰ تهذیب الحدیث -
۵۱- حاشیة علیٰ تفسیر البیضاوی -
۵۲- حاشیة اخریٰ علیٰ تفسیر البیضاوی -
۵۳- حاشیة علیٰ المطول -
۵۴- حاشیة علی الٰهیات شرح التجرید -
۵۵- حاشیة علیٰ حاشیة القدیمه -
۵۶- حاشیة علی حاشیة شرح التجرید -
۵۷- تفسیر آیة الرؤیا -
۵۸- حاشیة علی شرح الچغمینی -
۵۹- حاشیة علی قواعد العلامة -
۶۰- حاشیة علی المختلف العلامه -
۶۱- اللمعة فی صلوٰة الجمعة -
۶۲- تفسیر آیة انماالمشرکون نجس -

٦٣- رسالة فى بحث التجديد (كذا) -
٦٤- رسالة فى بيان انواع كم -
٦٥- رسالة فى امر العصمة -
٦٦- جواب اسئلة السيّد حسن -
٦٧- رسالة فى رد الشيطان -
٦٨- حاشية علىٰ تحرير اقليدس -
٦٩- شرح خطبة العضدى القزوينى -
٧٠- رسالة فى رد ايرادات -
٧١ حاشية علىٰ حاشية الخطائى -
٧٢- گوهر شاهوار (فارسى) -
٧٣- رسالة فى نجاسة الخمر -
٧٤- رسالة فى مسئلة الفارة -
٧٥- رسالة فى غسل الجمعة -
٧٦- رسالة شرح مختصر العضدى -
٧٧- رسالة فى ركنية السجدتين -
٧٨- رسالة فى تعريف الماضى -
٧٩- مصائب النواصب -
٨٠- رسالة فى لبس الحرير -
٨١- رسالهٔ گل و سنبل -
٨٢- تراجم وضاعى الحديث -
٨٣- رسالة الانموذج -
٨٤- حاشية على الخلاصة -
٨٥- مجموع يجرى مجرى الموسوعات -
٨٦- حاشيهٔ قديم -
٨٧- حاشية علىٰ شرح الجامى على كافية ابن الحاجب -
٨٨- ديوان شعره -
٨٩- حاشية علىٰ تحقيق كلام البدخشى -
٩٠- النورالانوار فى مسئلة القضاء و القدر -

۹۱- حاشیة علی التهذیب -
۹۲- رد ما الّف تلمیذ ابن ہمام فی اقتداء الجمعة بالشفعویة -
۹۳- رسالة متعلقہ بقول العلامة الحلی فی آخر کتاب الشہادات من قواعدہ -
۹۴- رسالة فی تفسیر قولہ تعالیٰ "فمن یرد اللہ ان یھدیہ یشرح صدرہ للاسلام -
۹۵- رسالة فی رد ما کتب بعضھم فی نفی عصمة الانبیاء علیھم السلام -
۹۶- شرح علی حاشیة التشکیک من جملة الحواشی القدیم -
۹۷- رسالة فی رد رسالة الکاشی -

مجالس المؤمنین :

قاضی نوراللہ کی فارسی تصانیف میں سے سب سے اہم کتاب 'مجالس المؤمنین' ہے جو دستیاب ہوتی ہے - یہ کتاب ۹۹۸ھ اور ۱۰۱۰ھ کے درمیان مکمل ہوئی ہے اور تین چار مرتبہ شائع بھی ہو چکی ہے - یہ کتاب دوازدہ امام کی مناسبت سے بارہ مجالس میں منقسم ہے - اس کے مطالب کا جائزہ لینے کے لیے ہم مختصراً اس کے مندرجات کا ذکر کرتے ہیں -

پہلی مجلس میں ان مقامات کا ذکر ہے جن کے ساتھ ائمہؑ اطہار کا کچھ نہ کچھ تعلق رہا ہے - مثلاً ، مدینۂ منورہ ، غدیر ، فدک ، کوفہ ، نجف ، کربلا ، دمشق ، قاہرہ ، بحرین ، ہمدان ، قُم ، مشہد ، کشمیر وغیرہ -

دوسری مجلس میں اُن قبائل کا ذکر ہے جو تشیّع کے لیے مشہور ہیں - مثلاً اوس ، خزرج ، خزاعہ ، طی ، بنی مختار ، رضویہ ، مرعشیہ ، دیلمیہ ، بوہرہ اور صدیقیہ وغیرہ -

تیسری مجلس میں شیعہ اکابر کا ذکر ہے جن میں مشاہیر بنی ہاشم اور غیر بنی ہاشم سب شامل ہیں -

چوتھی مجلس میں تابعین کا ذکر ہے -

پانچویں مجلس میں متکلمین ، مفسرین ، فقہا ، مجتہدین ، قراء ، نحاۃ ، لغویین وغیرہ کا ذکر ہے - ہندوستان کے صرف 'ملاّ' احمد ٹھٹھوی کا ذکر ملتا ہے -

چھٹی مجلس میں صوفیہؑ کبار کا ذکر ہے -

ساتویں مجلس میں مشاہیر حکمائے اسلام و متکلمینِ اسلام شامل ہیں -

آٹھویں مجلس میں ملوک و سلاطین کا ذکر ہے - ان میں آل عباس ، سلاطینِ

اندلس ، سادات حسنی در یمن ، شرفاے مکہ ، سلاطین گیلان ، آل ِ بویہ ، آل ِ حمدان ، صفاریہ ، حکام ِ بنی عقیل ، بنی اسد ، ایلخانیہ ، سربداران ، قوامیہ ، مرعشیہ ، ملوک طبرستان ، باوندیہ اور رستمداران مذکور ہیں ۔

نویں مجلس میں امرا و سپہ سالاران کا ذکر ہے ۔ ان میں ہندوستان کے بیرم خاں اور خان ِ زماں بھی شامل ہیں ۔

دسویں مجلس میں وزراے عظام ۔

گیارھویں مجلس میں شعراے عرب ۔

بارھویں مجلس میں شعراے عجم مذکور ہیں ۔

متذکرۂ صدر رجال و اشخاص و اماکن کے علاوہ ضمناً اُن عقاید و نظریات کا بھی ذکر ہے جو مذہب ِ امامیہ اثنا عشریہ کے بنیادی تصورات شمار ہوتے ہیں ۔ مثلاً مسئلۂ خلافت و امامت ، فقہ و حدیث ، عصمت ِ ائمہ ، خُم غدیر ، فدک ، طعن ِ صحابہ ، تقیہ ، متعہ وغیرہ ۔

اس کتاب کے مطالعے سے گویا اہل ِ تشیّع کے مذہب ، تاریخ ، برگزیدہ اشخاص اور ان کے کارہاے نمایاں کی مختصر تاریخ آنکھوں کے سامنے آ جاتی ہے ۔ یہ کتاب قاضی صاحب کی سخت محنت و کاوش اور وسیع مطالعے کا نتیجہ ہے ۔ اس کے مآخذ و مدارک میں بے شمار کتابیں شامل ہیں ۔

مصنف نے اس کتاب میں بیشتر انھی اشخاص کے احوال و کوائف بیان کیے ہیں جن کو انھوں نے شیعی عقاید کا حامل خیال کیا ہے ، لیکن بعض ایسی شخصیتوں کو بھی شامل کر لیا ہے جن کے متعلق بالعموم معلوم ہے کہ وہ شیعہ نظریات کے پیرو نہیں ۔

ان کے طرز ِ بیان پر عربیت چھائی ہوئی ہے لیکن اسلوب پیچیدہ نہیں ، اس لیے عبارت میں ابہام نہیں ہے ۔ بعض مقامات پر مقفّی اور مطرّز نثر لکھنے کی بھی کوشش کی ہے ۔ چونکہ کلام پر قدرت ہے ۔ اس لیے تصنّع و تکلّف کم پیدا ہوا ہے ۔ عبارت عموماً رواں ہے ۔ اسلوب ِ تحریر کا نمونہ یہ ہے :

"در مدینہ عالمی بود عامل و در جمیع امور دنیا کامل ۔ روزی مرورش بر دار نخاس افتاد ، کنیزکی دید مغنیہ کہ در حسن ِ صوت غیرت ناہید بود و بجمال صورت غیرت خورشید ۔ شیفتۂ حال و فریفتۂ خط و خال او شد ۔ از سماع ِ غنایش ہستی بصحرای نیستی برد و باستماع نوایش از مضیق بخردی راہ فسحت سرای بیخودی سپرد ۔" (ج ۱ ، ص ۱۹۴)

شاعر :

قاضی نوراللہ شوستری شاعر بھی تھے اور نوری تخلص کرتے تھے - بدایونی نے ان کے متعلق لکھا ہے کہ :

''طبع نظمی دارد و اشعار دلنشین میگوید -''

ممکن ہے ان کا دیوان مرتّب ہو چکا ہو لیکن تاحال اس کی موجودگی کا علم نہیں - 'مجمع النفایس' میں ان کے یہ اشعار ملے ہیں جو سید حسن غزنوی کی ہجو میں کہے گئے ہیں[1] :

شکرِ خدا کہ نورِ الٰہی است رہبرم
وز نار شوق اوست فروزندہ گوھرم
اندر حسب خلاصۂ معنی و صورتم
واندر نسب سلالۂ زھرا و حیدرم[4]
دارای دھر سبط رسولم پدر بود
بانوی شہر دختر کسریٰ است مادرم
ھان ای فلک چو این پدرانم یکی بیار
یا سر بہ بندگی نہ و آزاد زی برم
شکر خدا کہ چون حسن غزنوی نیم
یعنی نہ عاق والد و نہ ننگِ مادرم
بادم زبان بریدہ چو آن نا خلف اگر
مدحِ مخالفانِ علی بر زبان برم
داند جھان کہ او بدروغش گواہ ساخت
در آنکہ گفت قرّۂ عینِ پیمبرم
شایستہ نیست آن ھم ازآن خلف کہ گفت
شایستہ میوۂ دلِ زھرا و حیدرم
فرزند را کہ طبع پدر در نہاد نیست
پاکی ذیل مادر او نیست باورم

۱- مجمع النفایس ، نسخۂ خطی پنجاب یونیورسٹی لائبریری ، شمارہ Pf I 24 ، ص ۹۰۵ -

عشقِ تو نہالیست کہ خاری ثمرِ اوست
من خاری از آن بادیہ ام کاین شجرِ اوست
بر مائدۂ عشق اگر روزہ گشائی
ہشدار کہ صد گونہ بلا ماحضرِ اوست
وہ کاین شب ہجران تو بر ما چہ دراز است
گوئی کہ مگر صبحِ قیامت سحرِ اوست
فرہاد صفت این ہمہ جان کندن نوری
در کوہِ ملامت بہوای کمرِ اوست

ای در سر زلف تو صد فتنہ بخواب اندر
در عشق تو خوابِ من نقشی است بآب اندر
در شرع محبت زان فضل است تیمّم را
کز دامن پاکان ہست گردی بتراب اندر
(ریاض الشعرا ، خطی ، شمارہ ۱۳۸۳ ، ص ۵۰۳)

☆ ☆ ☆

عبدالسّلام بن عبدالعزیز لاہوری

عبدالسّلام ، میر فتح اللہ شیرازی ، شیخ اسحاق ، شیخ سعد اللہ اور قاضی صدر الدین کے شاگرد تھے اور اپنے وقت کے قابل فقیہ و مفسر تھے - انھوں نے تفسیر بیضاوی پر حواشی بھی لکھے ہیں - ۱۰۳۵ھ میں وفات پائی - 'نافع المسلمین' روزمرہ فقہی مسائل کے متعلق ان کی مفید کتاب ہے -

نافع المسلمین :

جیسا کہ نام سے ظاہر ہے ، مسلمانوں کے لیے ایک مفید تالیف ہے - کتاب اکیاون ابواب میں منقسم ہے - ابواب کی ترتیب میں خاص احتیاط یا نظم کا

خیال نہیں رکھا گیا - بعض ابواب کی فصلیں تو موجود ہیں لیکن بعض کی کوئی فصل نہیں ہے -

نماز کے متعلق کافی تفصیل سے لکھا ہے - اس کے فرایض ، واجبات ، سنن و مستحبات سے بحث کی ہے - طہارت ، وضو و تیمّم ، مسواک ، اذان ، اوقات اور دوسرے مسائل کی تشریح و توضیح کی ہے - سوالات کو مسائل کے طور پر پیش کیا ہے - پھر ان کے جوابات دیے ہیں - خاص نمازوں میں نماز چاشت و اشراق ، تہجد ، نماز اوابین ، نماز احزاب ، نماز اویس قرنی ، نماز تسبیح ، نماز استخارہ کی تفاصیل بتائی ہیں - روزہ و زکوٰۃ کا مختصر ذکر کیا ہے - ستائیسویں باب سے بیالیسویں باب تک رسولؐ اکرم کی ولادت ، حُلیہ ، اسامی ، اولاد و ازواج کے حالات بیان کیے ہیں - پھر خلفائے راشدین ، ائمۂ مذاہب فقہیہ اور علما کا تذکرہ لکھا ہے - نویں سے بارھویں باب کے اندر معرفت و طریقت اور فقر و درویشی کی حقیقت بیان کی ہے - ایک باب میں قصۂ آدم و حوا کی تفصیل لکھی ہے - دوسرے باب کی ایک فصل میں حکایات و اخبار بنی اسرائیل اور دوسری فصل میں خروج مہدی و حضرت عیسیٰ اور قصہ اصحاب کہف بیان کیا ہے -

مندرجہ بالا موضوعات کے ساتھ ساتھ بیچ بیچ میں نئے اور غریب مسائل بیان کیے ہیں - مثلاً :

۱- ایسی خصلتیں جس عورت میں ہوں اس سے نکاح نہ کرو -

۲- حق تعالیٰ نے بعض افعالِ بد کی پاداش میں مرد و زن کو حیوانات کی صورت میں مسخ کر دیا ہے -

۳- حقوقِ فرزندان و والدین -

۴- در بارۂ گروبستن -

۵- ذکر آمدنِ ملک الموت بقبضِ روح -

۶- آدمی کو خصّی کرنے کے بیان میں -

۷- جُوں ، کھٹمل اور سانپ مارنے کے مسائل وغیرہ -

غرض یہ کتاب شرعی مسائل کا مخزن ہے - مؤلف نے بے شمار مستند کتابوں سے استفادہ کیا ہے - مثلاً :

محیط ، فتاوی حجّت ، المعارف در معرفت عبادت ، عمدة الفتاوی ، زلة القاری ، شرح الطحاوی ، شافی ، کنز العباد ، رسالہ ھادم البدعات ، تفسیر زاہدی ، تفسیر بیضاوی ، تفسیر کبیر ، کشف النصایح ، تفسیر کشف

الاسرار وغیرہ ۔

پنجاب یونیورسٹی لائبریری کا مخطوطہ ۴۰۴ اوراق پر مشتمل ہے ۔ ہر صفحے میں گیارہ سطریں اور ہر سطر میں گیارہ بارہ لفظ ہیں ۔ نسخہ نشان Pd iii ، 6 پر موجود ہے ۔

☆ ☆ ☆

عبدالکریم چشتی لاہوری[1]

عبدالکریم ، مخدوم الملک عبداللہ انصاری کے بیٹے تھے ۔ جلال الدین اکبر بادشاہ نے عبداللہ انصاری کو زبردستی حج پر روانہ کیا تو عبدالکریم بھی ان کے ہمراہ گئے ۔ واپسی پر ان کے والد زہر کھانے سے ہلاک ہوگئے تو عبدالکریم لاہور میں قیام پذیر ہوئے اور درس و ہدایت میں مشغول ہوگئے ۔ ان کے چار بیٹے ہوئے : شیخ یحیٰی ، اللہ نور ، عبدالحق ، علی حضور ۔ ان میں سے شیخ یحیی اہل قال و حال ہوئے اور ان کی ذات سے لوگوں کو بہت فیض پہنچا ۔ عبد الکریم ۱۰۴۵ھ میں وفات پا گئے ۔ ان کا مزار نواں کوٹ (لاہور) میں تھا ۔

عبدالکریم عالم و عامل تھے ۔ علومِ ظاہری میں ان کی بہت شہرت تھی ۔ ان کی تصانیف میں 'شرح فصوص الحکم' خاص و عام میں مقبول ہوئی ۔ دوسری تصنیف 'اسرار عجیبہ' ہے جس میں سلسلۂ چشتیہ کے اذکار و اشغال بیان کیے گئے ہیں ۔ تیسری تالیف 'مصابیح العارفین' ہے ۔

تلاش کرنے سے ہمیں صرف 'مصابیح العارفین' کا ایک قلمی نسخہ مل سکا ہے جس کا تعارف پیشِ خدمت ہے ۔

مصابیح العارفین :

'مصابیح العارفین' سالکانِ طریقت کے لیے تصوف پر ایک مختصر رسالہ ہے جو مصنف نے ایک صالح برگزیدۂ درگاہ کے التماس پر قلمبند کیا ۔

۱۔ خزینۃ الاصفیاء ، غلام سرور ، لکھنؤ ، ۱۲۹۰ھ ، ج ۱ ، ص ۴۷۰ ۔

یہ رسالہ سات فصلوں پر مشتمل ہے - پہلی فصل میں بیان کیا ہے کہ معرفت الٰہی کے بغیر زندگی اصل زندگی نہیں - راہ عرفان مرشد کے بغیر طے نہیں ہو سکتی - اس زمانے میں قدوسیہ کے سوا کوئی صحیح مرشد نہیں ملتا - قدوسیہ یعنی عبدالقدوس گنگوہی سے منسوب اشخاص - مصنف نے چند فصلوں میں سلسلۂ شطاریہ کے اشغال بیان کیے ہیں - طریقۂ شطاریہ کے متعلق لکھا ہے کہ وہ توجہ الی اللہ اور اعراض عن ماسوی اللہ ہے - وہ صوفی جو شریعت کو ترک کر کے طریقت پر چلتا ہے ، وہ اصول سے منحرف ہے -

دوسری فصل میں صوفیہ کا یہ نقطۂ نظر بیان کیا ہے کہ ذاتِ خداوندی مطلق و لا تعین ہے - انسان مقیّد ہے - لیکن اگر انسان اپنی حقیقت کو سمجھ کر اپنے تقیّدات کو دور کر کے عالمِ جسمانی سے عالمِ روحانی ، عالمِ نورانی اور عالم احدیت اور وحدت کو پا لیتا ہے - تو وہ اس حقیقت کا مظہر اتم بن جاتا ہے - یہ مرتبہ حاصل کرنے اور تقیدات و تفرقات سے نجات حاصل کرنے کے لیے شغل باطن ضروری ہے -

تیسری فصل میں اشغالِ باطن کا طریقہ بتایا ہے - سالک گوشہ نشین ہو ، کم کھائے اور کم سوئے - آئینے میں اپنی صورت دیکھ کر دل میں اس کا تصور جمائے - بعد میں اپنے مرشد کا تصور اور پھر اللہ کا تصور دل میں متمکن کرے - لاالٰہ الاّ اللہ کا ذکر کرے - اسی فصل میں لا الٰہ الاّ اللہ محمد رسول اللہ کے ذکرِ جلی و خفی کے مختلف طریقے بیان کیے ہیں اور بتایا ہے کہ تکثیرِ ذکر سے دل مصفّا ہوتا ہے اور مشاہدات و مکاشفاتِ نورانی کا مرکز بنتا ہے - ذکر چہار ضربی کی بھی تفصیل بتائی ہے - آخر میں پاس انفاس کا طریقہ بتا کر ذکرِ خفی پر عمل کرنے کی زیادہ تلقین کی ہے ، کیونکہ قدوسیہ کا یہی شیوہ ہے -

چوتھی فصل میں سہ پایہ ذکر کا حال بیان گیا ہے اور اس کے تین رکن بتائے ہیں - سانس باہر نکالتے وقت اسم ذات اور سانس اندر لیتے وقت صفاتِ اُمہات کا تصور کرے اور ذکر کے وقت دل پر نظر رکھے - اس کے علاوہ نفس کا محاربہ ، مراقبہ ، محاسبہ اور مواعظہ بھی کرتا رہے - ان شرایط کے علاوہ تعظیم حق تعالٰی ، رعایتِ آدابِ شریعت ، دوامِ وضو ، استقبالِ قبلہ اور محرّمات سے پرہیز اختیار کرے - رات دن اس قدر ذکر کرے کہ بے خود ہو جائے - اس تفصیل کے بعد تشریح کی ہے کہ اسمِ ذات اللہ ہے اور صفات امہات سمیع ، بصیر اور علیم

ہیں ۔ ذکر کے نزول و خروج میں تینوں صفات کو اسمِ ذات میں ملاحظہ کرے۔ صوفی اپنے آپ کو ان صفات سے متّصف کرے اور انھی صفات کی تجلّی سے حقیقت اشیا بہ چشمِ حق دیکھے ۔ یعنی صوفی اس مرتبے پر پہنچتا ہے کہ رب کو رب کی آنکھوں سے دیکھتا ہے ۔ صوفیہ اس مقام کو ''حقیقت الحق'' کا نام دیتے ہیں ۔ اس مقام کے بعد صوفی خدا کی دوسری بارہ صفات مثلاً حیی ، قیوم ، قدوس ، ودود وغیرہ سے اپنے آپ کو منور کرے اور حق الحقیقت کا مرتبہ حاصل کرے جو عالم منتہائے جبروت ہے ۔ اس مرتبے سے بھی ترقی کر کے خدا کے ننانوے نام یا مرکب صفات جیسے اکرم الاکرمین ، ارحم الراحمین پر استقامت کرے اور یہ سیر فی اللہ کی انتہا ہے ۔ اس عالم میں صوفی ہر وقت مراقبے میں مستغرق رہتا ہے ۔ کوئی صورت نظر آتی ہے تو وہ اسے بھی انت اللہ العلی الاعلی کہہ کر پکارتا ہے ۔ اس پر بے جہتی اور بے کیفی طاری ہوتی ہے ۔ صوفیہ اس مرتبے کو 'حق' کہتے ہیں ۔

پانچویں فصل میں عبداللہ سہل تستری ، شیخ عزیزاللہ اور دوسرے صوفیہ کے اذکار بیان کیے ہیں ۔ ایک چہار ضربی ذکر بھی بتایا ہے جس میں قرآن یا کسی بزرگ کی قبر کو سامنے رکھ کر ضرب لگائی جاتی ہے ۔ اس ذکر سے کشفِ معانیِ قرآن اور کشفِ قبور حاصل ہوتا ہے ۔

چھٹی فصل میں تفکّر و مراقبات کی اقسام بیان کی ہیں ۔ نبی کریمؐ کی حدیث ''تفکر ساعة خیر من عبادة سنة'' کو حجت کے طور پر پیش کر کے نصیحت کی ہے کہ نفس ، شیطان اور غیر حق کے متعلق تفکّر کرے اور ان کی حقیقت سمجھے ۔ مراقبے کی اقسام میں سے مراقبۂ صفا ، مراقبۂ فنا و توحید ، مراقبۂ ہوا اور مراقبۂ خفی کا طریق کار بتایا ہے اور آخر میں کہا ہے کہ جب صوفی خلوت سے باہر آئے تو پھر بھی عین مطلق کے تصور میں رہے ۔

ساتویں فصل میں اُن انوار کا تذکرہ کیا ہے جو حالتِ ذکر و فکر میں حاصل ہوتے ہیں ۔ مثلاً نور مرشد ، نور محمدی ، نور ابلیس ، نور ولایت شیخ ۔ ان انوار کے مختلف رنگ ہوتے ہیں جن کی مختلف صفات ہوتی ہیں ۔ حصول نور کی برکات بتانے کے بعد ذکر ذاکر کی تین قسمیں بتائی ہیں ۔ (۱) استیلائے ذاکر بر ذکر ۔ (۲) استیلائے ذکر بر ذاکر ۔ (۳) استیلائے مذکور بر ذکر و ذاکر ۔ جب صوفی آخری مقام پر پہنچ جائے تو حق کے سوا کسی سے بات نہیں کرتا ۔ یہ

مقام مشہودِ حق ہے ۔ حضرت جنیدرحؓ اسی مقام پر فائز تھے ۔ آخر میں نصیحت کی ہے کہ صوفی اس مرتبے پر پہنچ کر حفظِ مراتب کا خیال کرے ، یعنی یہ امور و ارشادات نااہل کے سامنے بیان نہ کرے اور اہل سے پنہاں نہ کرے ۔

یہ رسالہ ایک عالمِ با عمل کی طرف سے نظری و عملی تصوف پر ایک ہدایت نامہ ہے جس میں صریح و واضح اور تعلیمی اسلوب میں احوال و کوائف بیان کیے گئے ہیں ، جو ارادت مند کے لیے مایۂ تشویق ثابت ہو سکتے ہیں ۔ دلچسپ بنانے کے لیے جابجا اشعار بھی درج کیے ہیں ۔

مصنّف نے ایک موقع پر قرآنی لفظ کے غلط معنی متصور کر کے استدلال کیا ہے ۔ وہ لکھتے ہیں کہ ''بی مرشد عرفانِ ربانی حاصل نمی شود ۔ قال اللہ تعالیٰ : ''وابتغوا الیہ الوسیلة'' ۔ عربی میں وسیلہ کے معنی قرب ، مرتبہ اور تعلق کے ہیں ۔ یعنی اپنے عمل سے اللہ کا قرب و تقرب حاصل کرو ۔ چنانچہ اس کے بعد کی آیت میں کہا گیا ہے ''جاهدوا فی سبیلہ'' یعنی جہاد اس کے قرب کا ذریعہ ہے ۔ پاکستان و ہند کی فارسی میں وسیلہ جن معنوں میں استعمال ہوتا ہے ، عربی میں وہ مفہوم نہیں ۔

فصل دوم میں ایک جگہ لکھا ہے : ''قال اللہ تعالیٰ : یا داؤد ان کنت تحبّنی فلا تحبّ الدنیا فانّ حبّی و حبّها لا یجتمعان فی قلب واحد ۔'' مصنف کو یہاں مغالطہ ہوا ہے ، یہ قرآنی آیت نہیں ہے ۔

یہ رسالہ پندرہ صفحات پر مشتمل ہے اور پنجاب یونیورسٹی لائبریری کے مخطوطات میں شمارہ 42 ، Pc IV پر موجود ہے ۔

☆ ☆ ☆

مولانا شیخ منوّر[۱]

شیخ منوّر لاہور میں پیدا ہوئے ۔ وہ شیخ اسداللہ کے بھانجے تھے اور مولانا ابو اسحاق لاہوری کے نامور شاگرد تھے ۔ انھوں نے مشارق الانوار ، بدیع البیان

۱۔ مرآة العالم ، بختاور خاں ، مرتّبہ ساجدہ سلطانہ ، مخطوطہ پنجاب یونیورسٹی لائبریری ، ص ۵۴۱

اور ارشاد قاضی کی شرحیں لکھیں ۔ اکبری دربار میں خلافِ دین اعمال کے مخالف تھے ۔ قلعۂ گوالیار میں محبوس رہے ۔ ۱۰۱۱ھ میں وہیں وفات پا گئے ۔

اکبر کے حکم سے ملاّ احمد ٹھٹھوی اور قاسم بیگ کے ساتھ مل کر انھوں نے 'معجم البلدان' کا فارسی میں ترجمہ کیا ۔

☆ ☆ ☆

مطلوب القاری

از مُلاّ الہ داد بن المبارک لاھوری

مصنف نے آیت ''رتّل القرآن ترتیلا'' سے استدلال کر کے تمہید میں لکھا ہے کہ قراءت کے الفاظ ان کے مخارج سے ادا کر کے پڑھنا فرض ہے ۔ یہ رسالہ امام معظم و مکرم امام عاصم اور ان کے دو راویوں ابوبکر و حفص کی قراءت کے مطابق ہے ۔ ان کی سند قراءت ابی عبدالرحمٰن عبداللہ بن حبیب السلمی ، ابو مریم زرین جیش ، عثمان بن عفان ، علی بن ابی طالب اور زید بن ثابت سے مأخوذ ہے ۔

یہ رسالہ سولہ ابواب میں منقسم ہے :

۱- در بیان استعاذہ ۔
۲- در بیان بسملہ ۔
۳- در بیان مخارج حروف ۔
۴- دربیان صفات حروف ۔
۵- دربیان احکام نون ساکن و تنوین ۔
۶- در بیان متفقات ادغام ۔
۷- در بیان تفخیم و ترقیق ۔
۸- در بیان مد و قصر ۔
۹- در بیان ہاے کنایہ ۔
۱۰- در بیان وقف بر آخرِ کلمہ ۔
۱۱- در بیان معانقات ۔

۱۲- در بیان سجدات قراءت ۔
۱۳- در بیان معایب قراءت ۔
۱۴- در بیان محاسن قراءت ۔
۱۵- در بیان رسوم الخط ۔
۱۶- در بیان اختلافات راویان امام عاصم کہ ابوبکر و حفص اند ۔

علم قراءت پر یہ مفید علمی رسالہ ہے ۔ مصنّف نے تمام جزئی اصطلاحات کی تفصیل بیان کی ہے اور تجوید کے لحاظ سے اوقاف و رموز کا پورا پورا تجزیہ پیش کیا ہے ۔ بعض اصطلاحات کی تشریح حسب ذیل ہے :

تفخیم : پُر و غلیظ ادا کردن ۔

ترقیق : نازک و باریک تلفظ کردن ۔ مثلاً 'زا' اگر مضموم یا مفتوح باشد تفخیم ، اگر مکسور باشد ترقیق خوانند ۔

هائے کنایہ : هائے ضمیر مثلاً یکی آنکہ درمیان دو حرکت واقع شدہ باشد و ماقبل و مابعد وی ضمہ یا فتح بود ۔

معانقہ : دست در گردن انداختن ۔ در محل وقف اگر از یکی گذری بہ ثانی وقف کنی یا برعکس ۔

متقدمین کے نزدیک قرآن مجید میں سولہ دفعہ معانقہ ہے ۔

محققین نے قرآن مجید کے تمام اوقاف کو شمار کیا ہے ۔ مثلاً کتاب میں مذکور ہے کہ :

وقف غفران : دس جگہ ۔ وقف منزل : بعض کے نزدیک آٹھ اور بعض کے نزدیک نو جگہ ہے ۔

وقف النبی ؐ : دس جگہ ۔ وقف کفران : ۷۶ جگہ ۔ وقف لازم : ۸۵ جگہ ۔ سجدات قرآنی : ۱۴ جگہ ۔

محاسن قراءت : ترتیل : آہستہ و کشادہ خواندن ۔ تحسین : درست خواندن ۔ تجوید : از مخرج درست ادا کردن ۔ تبئین : روشن و اظہار خواندن ۔ تمکین : جا دادن و گذاردن حرفی را از مخرج خود ۔ تقویم : راست خواندن و حرفی را بی کسر ادا کردن ۔ توقیر : قرآن را بحرمت و تعظیم خواندن ۔

معایب قراءت : ترعید ، لرزانیدن آواز ، تطویل مدّها ، آواز پوشیدہ خواندن ، اشباع کردن حرکت ۔

کتاب ۸۷ صفحات پر مشتمل ہے - ہر صفحے میں ۱۷ سطریں اور ہر سطر میں ۱۷ ، ۱۸ لفظ ہیں - کتاب ابوالمظفر شہاب الدین شاہجہان کے نام منسوب ہے - کتاب کا ایک قلمی نسخہ پشاور یونیورسٹی لائبریری شمارہ ۳۲۸ پر موجود ہے -

☆ ☆ ☆

مفید القرّاء

علم تجوید و قرأت پر ایک اور کتاب - اس کے مؤلف نعمت اللہ بن رحمت اللہ لاہوری ہیں - کتاب عہد عالمگیری میں تالیف ہوئی -

کتاب چودہ ابواب پر مشتمل ہے :

۱- در اسامی قراء سبعہ و راویان مع رموز و شہر های ایشان -
۲- در بیان استعاذہ -
۳- در بیان بسملہ -
۴- در بیان مخارج حروف -
۵- در بیان صفات حروف -
۶- در بیان ساکن و تنوین -
۷- در بیان مشتقات ادغام -
۸- در بیان تفخیم و ترقیق -
۹- در بیان مدّ و قصر -
۱۰- در بیان های کنایہ -
۱۱- در بیان وقف -
۱۲- در بیان معانقات -
۱۳- در بیان وقف غفران -
۱۴- در بیان رسم الخط و طریق وقف -

اس کا ایک قلمی نسخہ انڈیا آفس لائبریری میں شمارہ ۲۷۰۴ پر موجود ہے -

☆ ☆ ☆

کنز الہدایات

اس رسالے کے مؤلف محمد باقر بن شرف الدین لاہوری عباسی حسینی ہیں - کتاب سے ظاہر ہے کہ مصنّف سلسلۂ نقشبندیہ سے وابستہ ہیں اور انھوں نے اس سلسلۂ تصوف کے اصول و عقاید کی توضیح و تشریح کے لیے یہ رسالہ مرتّب کیا ہے - انھوں نے خاص طور پر مجدّد الف ثانی شیخ احمد سرہندی کے مکاتیب اور 'رسالۃ المبدء و المعاد' سے استفادہ کیا ہے - مؤلف کے اپنے بیان کے مطابق یہ رسالہ انھوں نے ۲۱ شوال سے ۹ ذی قعدہ ۱۰۸۰ھ کے درمیان مرتّب کیا - "الحق کہ رسالہ ما کنز الہدایات آمدہ" سے تاریخِ تالیف نکلتی ہے - رسالے کا پورا نام "کنز الہدایات فی کشف البدایات و النہایات" ہے - ایشیاٹک سوسائٹی بنگال ، مجموعہ کرزن ، شمارہ ۴۴۵ کے نسخے میں ابواب و فصول کے تمام عنوانات نہیں دیے گئے - صرف گیارہ عنوانات موجود ہیں جن سے کتاب کے مشمولات پر کچھ روشنی پڑتی ہے :

۱- در آنچہ دانستنِ آن مرشد و مسترشد را ناگزیر است فی المبدء و المعاد -

۲- در بیان ذکر قلبی اسم ذات -

۳- در بیان ذکر قلبی و نفی و اثبات -

۴- در فنای قلبی با تحقیقات غریبہ -

۵- در بیان عدمیہ و فنای نفس با تحقیقات لائقہ -

۶- در بیان مقامات بقا -

۷- در بیانِ مراتبِ ظلال و ولایتِ صغریٰ -

۸- در مراتبِ وصول و ولایتِ کبریٰ -

۹- در ولایتِ علیا -

۱۰- در کمالاتِ نبوت -

۱۱- در بیان حقیقت کعبۂ ربّانی -

مسودہ ۱۱۴ اوراق پر مشتمل ہے -

محمد باقر بن شرف الدین نے قرآن مجید کی تفسیر بھی لکھی ہے - اس کا ایک قلمی نسخہ پروفیسر احمد حسین قلعداری ، زمینداره کالج گجرات کے پاس موجود ہے - اسی بزرگ کی ایک اور تصنیف کا نام 'مبدء و معاد' ہے جو برٹش میوزیم

لندن میں شمارہ Or ۱۰۹۸۷ پر موجود ہے۔[1]

اسلامیہ کالج پشاور لائبریری میں دم حق خلاصہ کیدانی کے عنوان سے ایک کتاب مؤلفہ ۱۰۷۱ھ اسی مصنف سے منسوب ہے۔

☆ ☆ ☆

عبدالحکیم سیالکوٹی

مُلّا عبدالحکیم مغلیہ دور کے بلند پایہ عالم اور عالی مقام استاد گزرے ہیں۔ اسلامی مدارس میں متداول درسی کتب کی تشریح و توضیح میں ان سے بڑھ کر شاید ہی کوئی فاضل معلّم گزرا ہو جن کی شروح و حواشی سے متعلمین نے استفادہ نہ کیا ہو۔

عبدالحکیم سیالکوٹ میں پیدا ہوئے۔ باپ کا نام شمس الدین تھا۔ صرف بختاور خاں[2] نے تاریخ ولادت کے متعلق لکھا ہے کہ لفظ "حفظ" سے نکلتی ہے، یعنی ۹۹۸ھ۔ مگر خود ہی لکھا ہے کہ اکہتر سال کی عمر پائی اور ۱۲ ربیع الاول ۱۰۶۷ھ میں انتقال فرمایا۔ اس حساب سے تو سالِ ولادت ۹۹۶ھ نکلتا ہے۔ سالِ وفات پر معاصر مؤرخ متفق ہیں۔[3] عبدالحکیم نے سیالکوٹ میں ہی مُلّا کمال الدین کشمیری سے تعلیم مکمل کی جو بابا فتح اللہ ثانی کے مرید اور داماد تھے اور جنھوں نے خواجہ عبدالشہید احراری نقشبندی سے ظاہری و باطنی کمالات حاصل کیے تھے۔ شیخ احمد سرہندی بھی انھی کے شاگرد تھے۔ ملا کمال کی مسجد میں ہی انھوں نے درس شروع کیا اور آہستہ آہستہ ان کی علمی فضیلت اور دراک ذہن کی شہرت ہوئی۔ جہانگیر نے ان کی قدر و منزلت کی اور ضروریات زندگی

۱۔ A Handlist of Persian Manuscripts—1685—1966, G. M. Meredith - Owens, British Museum, 1968 -

۲۔ بختاور خاں: مرآۃ العالم، مخطوطہ پنجاب یونیورسٹی لائبریری، ص ۹۲ھ الف۔

۳۔ عمل صالح، ج ۳، ص ۳۷۶۔

سے بے نیاز کر دیا[1] ۔ 'سکینۃ الاولیاء' میں مذکور ایک واقعے سے معلوم ہوتا ہے کہ جب شاہجہان حضرت میاں میر سے ملاقات کے لیے لاہور میں حاضر ہوئے تو وہ بھی ان کے ہمراہ موجود تھے[2] ۔

شاہجہان کے عہد میں اسلامیات کی قدر و منزلت زیادہ ہوئی اور علماء بھی فیوضِ خسروی سے مالا مال ہوئے ۔ ملا عبدالحکیم کو چند گاؤں جاگیر کے طور پر عنایت ہوئے ۔ وہ بعض موقعوں پر دربار میں حاضر ہوتے اور نوازش شاہنشہی سے سرفراز ہوتے ، انعام و اکرام پاتے ۔ دو مرتبہ رپوؤں اور اشرفیوں کے مقابل ان کا وزن کیا گیا ۔ 'پادشاہنامہ' عبدالحمید لاہوری میں ان کے انعام و اکرام پانے کی تفصیل یوں ہے :

۱ ذی القعد ۱۰۴۸ھ	:	بمُلا" عبدالحکیم سیالکوٹی پنجاہ مُہر مرحمت شد ۔
۱۵ شعبان ۱۰۴۹ھ	:	مُلا" عبدالحکیم سیالکوٹی بانعام دویست اشرفی از زر وزن کامیاب گردید ۔
۱ محرم ۱۰۵۱ھ	:	بمُلا" عبدالحکیم سیالکوٹی دویست مہر انعام فرمودند ۔
۱۵ شعبان ۱۰۵۱ھ	:	بمُلا" عبدالحکیم سیالکوٹی دویست مہر انعام فرمودند ۔
۱۷ جمادی الثانی ۱۰۵۲ھ	:	مُلا" عبدالحکیم سیالکوٹی را بزر سنجیدہ شش ہزار روپیہ ہم وزنش بدو عنایت فرمودند ۔
۱۱ صفر ۱۰۵۵ھ	:	مُلا" عبدالحکیم سیالکوٹی برحمت خلعت شال و انعام دویست مہر سرافراز گشتہ بوطن مرخّص گردید ۔
۲۴ صفر ۱۰۵۶ھ	:	مُلا" عبدالحکیم را خلعت و دویست مہر عنایت نمودہ بسیالکوٹ موطن او رخصت فرمودند ۔

مُلا" عبدالحکیم نے خود بھی آرام و اطمینان کی زندگی بسر کی اور رفاہِ عام

۱- عبدالحمید لاہوری : پادشاہنامہ ، ج ۱ ، ص ۳۴۰ ، ۳۴۱ ۔

۲- سکینۃ الاولیا (اردو ترجمہ) ، لاہور ، ص ۴۰ ۔

اور فیضانِ خلایق کے لیے عمارات بھی بنائیں ، جن میں سے بعض کے آثار اب تک موجود ہیں اور 'مولوی صاحب' کے نام سے منسوب ہیں ۔ مثلاً :

مسجد و مدرسۂ مولوی صاحب ۔ حمام و مسافر خانۂ مولوی صاحب ۔ باغ مولوی صاحب ۔ عید گاہِ مولوی صاحب ۔ تالابِ مولوی صاحب ۔

'ملّا' عبدالحکیم کی ساری زندگی درس و تدریس میں گزری ۔ ان کی تالیفات سے ان کے علمی تبحّر کا اندازہ ہوتا ہے ۔ وہ اس زمانے کے مروجہ درسی علوم تفسیر ، فقہ ، علم کلام و منطق ، صرف ونحو اور متعلقہ مضامین میں دقیقہ رس نگاہ رکھتے تھے اور ان کے زورِ بیان میں منطقی استدلال ہوتا تھا ۔ اختصار و ایجاز ان کے کلام کی جان ہے ۔ انھوں نے متعلّمین و معلّمین کے لیے اکثر درسی گتھیوں کو سلجھا دیا ۔

عہدِ شاہجہانی میں علماء کا جمگھٹا رہتا تھا ۔ باہمی مباحث و مذاکرات ہوتے تھے ۔ 'ملّا' عبدالحکیم بھی ان مباحثوں میں شرکت کرتے ، اپنی فضیلتِ علمی کا سکّہ جماتے[1] اور بادشاہ سے داد پاتے ۔

ان کے زمانے میں ان کی مؤلفہ شروح و حواشی کی بہت قدر ہوئی اور آج بھی اپنے ملک اور باہر کے ممالک میں ان سے استفادہ کیا جاتا ہے ۔ لیکن احساس ہوتا ہے کہ اتنے بڑے فاضلِ مدقّق نے مندرجہ ذیل دو تین رسالوں کے سوا باقی تمام زندگی اساتذۂ فن کی درسی کتابوں پر شروح و حواشی لکھنے میں صرف کر دی ۔

'درِ ثمینہ در اثبات علم واجب ۔

دلائل التجدید (حضرت مجدد الف ثانی کے دعوے کی تائید میں) ۔

سیلکوتی التصورات (علمِ منطق) ۔

القول المحیط ۔ زاد اللبیب فی سفر حبیب ۔

شروح و حواشی :

۱۔ حاشیہ علی حاشیۃ الخیالی ۔

۲۔ حاشیہ علی حاشیۃ عبدالغفور علی الفوائد الضیائیہ ۔

۱۔ مآثرالامراء ، کلکتہ ، ج ۲ ، ص ۳۲ ، 'ملّا' شفیعای یزدی کے ساتھ ان کے مناظرے کی روئداد مندرج ہے ۔

۳- الحواشی علٰی ھوامش شرح حکمۃ العین -
۴- حواشی علٰی ھوامش شرح ھدایۃ الحکمۃ للمیبذی -
۵- الحواشی علٰی ھوامش مراح الارواح -
۶- حاشیہ بر تفسیر بیضاوی -
۷- حاشیہ بر مقدمات اربعہ تلویح -
۸- حاشیہ بر مطوّل -
۹- حاشیہ بر سید شریف -
۱۰- حاشیہ بر شرح مواقف -
۱۱- حاشیہ بر شرح عقاید تفتازانی -
۱۲- حاشیہ بر شرح شمسیہ -
۱۳- حاشیہ بر شرح مطالع -
۱۴- حاشیہ بر شرح مُلاّ جلال دوانی -
۱۵- حاشیہ بر شرح مُلاّ -
۱۶- حاشیہ قطبی میر -
۱۷- تکملۂ عبدالحکیم شرح جامی -
۱۸- شرح تہذیب محشیاٰ -

یہ سب کتابیں عربی میں ہیں - ان کی تالیفات میں صرف 'غنیۃ الطالبین' مصنفہ شیخ عبدالقادر جیلانی کا فارسی ترجمہ ہے -

ترجمۂ غنیۃ الطالبین کے دیباچے میں مولوی عبداللہ بن مُلاّ عبدالحکیم سیالکوٹی لکھتے ہیں کہ عارفِ وقت ، عارفِ کامل شیخ بلاول قادری لاہوری نے میرے والد سے درخواست کی کہ 'غنیۃ الطالبین' کا ترجمہ کر دیجیے - ابا حضور نے استخارہ کیا تو اجازت نہ ملی بلکہ صریح ممانعت ہوئی - جب شیخ بلاول قادری کو اس بات کی اطلاع ہوئی تو انھوں نے پوچھا کہ آپ نے استخارہ کے وقت کس قسم کا ترجمہ کرنے کا خیال کیا تھا ؟ انھوں نے عرض کیا کہ میرا مقصد خلاصۂ مطالب لکھنے کا تھا - شیخ بلاول نے فرمایا ''چونکہ ممکن ہے اس قسم کا سہل الماخذ فارسی ترجمہ اصلی کتاب کا ناسخ بن جائے اس لیے اجازت نہیں ملی - میں عربی نہیں جانتا - میرے لیے آپ لفظی ترجمہ کر دیں تا کہ آپ کی طرف سے مستند ہو اور عمل کے وقت میں دوسروں سے پوچھنے کا محتاج نہ رہوں - چنانچہ

جب والدِ محترم نے دوسری مرتبہ استخارہ کیا تو اجازت مل گئی۔ مولوی عبداللہ لکھتے ہیں کہ یہ حقیقت میں نے اپنے والدِ مکرّم سے سنی۔

'غنیۃ الطالبین' عملی عبادتوں کے متعلق ایک مبسوط کتاب ہے۔ اس میں نماز، طہارت، روزہ، حج، زکوٰۃ، اوراد و ظایف و ادعیہ۔ مہینوں، دنوں، راتوں میں عبادت کی برکات، آداب و اخلاق، اوامر و نواہی مندرج ہیں۔ اور آخر میں ایک باب فقر و تصوف اور اس کے لوازم پر مشتمل ہے۔

مشمولات کی تفصیل حسب ذیل ہے:

فصل فی ارکان الصلوۃ، ص ۹۔

کتاب الزکوٰۃ، ص ۱۲۔ کتاب الاعتکاف، ص ۱۷۔ کتاب الحج، ص ۱۸۔ کتاب الآداب، ص ۴۳۔ باب الامر بالمعروف، ص ۱۳۳۔ باب معرفۃ الصانع، ص ۱۴۵۔ باب الاتعاظ بمواعظ القرآن، ص ۲۴۲۔ باب معنی اعوذ الاستعاذہ، ص ۲۴۶۔ باب فی ذکر فضائل الشہور و الایام، ص ۳۷۴۔ باب فی فضائل ایام الاسبوع والایام البیض، ص ۳۳۷۔ باب فی صیام الدہر و الثواب لہ، ص ۷۴۰۔ باب فی الصلوٰۃ الخمس، ص ۸۰۹۔ باب فی بیان صلوٰۃ الجمعۃ و العیدین وغیرہ، ص ۸۸۶۔ باب فی فضائل الصلوٰۃ فی ایام الاسبوع، ص ۹۲۲۔ باب فی ذکر صلوٰۃ اللیالی، ص ۹۳۰۔ باب الادعیۃ عقیب الصلوٰۃ، ص ۹۵۱۔ باب فیما یجب علی المبتدی فی ہذہ الطریقۃ اولا، ص ۹۸۸۔ باب فی صحبۃ الاخوان و الصحبۃ مع الاجانب، ص ۱۰۰۷ - ۱۰۹۵۔

بعض مسائل احادیث پر مبنی ہیں اور بعض روایات پر۔ عبادات اور عذاب و ثواب کے مسائل سے متعلق ترہیب و ترغیب پر مبنی احادیث بیان کی گئی ہیں۔ چونکہ اصل کتاب عربی میں ہے، اس کے موضوع پر انتقاد و تنقید ہمارا مقصد نہیں۔ اس وقت اس کتاب کا ترجمہ ہمارے پیش نظر ہے۔ اس کتاب کی خوش نصیبی ہے کہ مسلمانوں کے ایک محبوب پیر و مرشد کی کتاب کا ترجمہ ایک عالم اجل اور استاد کامل نے کیا ہے جس کے مستند ہونے میں کیا شبہ ہو سکتا ہے۔ ترجمہ عموماً لفظ بلفظ کیا گیا ہے تا کہ عربی کے اصل متن سے بھی مقابلہ کیا جا سکے۔ اس لیے یہ کتاب عربی متن اور فارسی ترجمے کے ساتھ شائع کی گئی تھی۔ نمونے کے لیے متن و ترجمہ کی چند سطریں درج ذیل ہیں:

معرفۃ الصانع عزوجل بالآیات والدلالات علی وجہ الاختصار فھی ان یعرف

و یتیقن انہ واحد احد -

دانستن پروردگار عزوجل بآیات قرآن و دلیلها بر طریق کوتاهی اینست کہ دانستہ شود و یقین کردہ شود کہ بدرستی آن پروردگار یگانہ است -

فرد صمد لم یلد و لم یولد و لم یکن لہ کفواً احد لیس کمثلہ شئی و ھو السمیع البصیر لاشبیہ لہ -

جفت ندارد - بے نیاز است - نہ زائیدہ است نہ زائیدہ شدہ است و نبود است مر او را شریک ھیچ یکی - نیست مانند او چیزی و او شنواست و بیناست -

☆ ☆ ☆

مقامات داؤدی

جیسا کہ اس کتاب کے نام سے ظاہر ہے ، یہ حضرت سید داؤد شیرگڑھی کے احوال و فضائل کے متعلق تذکرہ ہے - اس کتاب کے مؤلف عبدالباقی ہیں جو خود بھی انھی کے خاندان سے وابستہ تھے - صفحہ ۲۳ پر انھوں نے لکھا ہے کہ ان کی دادی حضرت سید داؤد کی حقیقی بھانجی تھی - اس طرح انھوں نے اپنے خاندان کے ایک عالی رتبہ صوفی درویش کی زندگی کے متعلق نجی ذرائع سے معلومات حاصل کیں - سید داؤد کے آبا و اسلاف کے متعلق اس کتاب سے زیادہ اور کہیں تفصیلات موجود نہیں - یہ کتاب ۱۰۵۶ھ میں تالیف ہوئی -

مؤلف نے کتاب کو سات مقامات میں تقسیم کیا ہے :

مقام اول : در ذکر اسامی آبای آنحضرت و سبب انتقال از خطہ کرمان بقصبہ داؤد جال -

مقام دوم : در ذکر ولادت حضرت و سبب هجرت از قصبہ مذکور بصوب ستگرہ و دیپالپور -

مقام سوم : در تحصیل علوم و سکونت دارالسلطنت لاهور و رسیدن جذبہ هر روز -

مقام چهارم : در ظهور نور غوث الصمدانی و اشارت بیعت بحضرت مخدوم شیخ حامد گیلانی -

مقام پنجم : در تربیت تلقین و مرید گرفتن ۔

مقام ششم : در ذکرِ اسامی و احوالِ اصحابِ ولایت ۔

مقام ہفتم : در ذکرِ اولادِ امجاد و احفاد ۔

مصنف نے سید داؤد کے جد پنجمین سید تقی الدین احمد اور ان کے بیٹے صفی الدین آدم کرمانی کے حالات زندگی اور ان کے زمانے کے احوال و کوائف 'روضۃ الانوار' سے اخذ کیے ہیں ۔ باقی بزرگوں کے حالات خاندانی ذرائع سے حاصل کیے ہیں ۔ اس کتاب میں سید داؤد کے علاوہ ان کے والد سید فتح اللہ ، ان کے بھائی سید رحمت اللہ اور جلال الدین ، ان کے بیٹے عبداللہ اور بھتیجے شاہ ابو المعالی کے علاوہ ان کے خاص الخاص مرید شیخ کمال ، شیخ عبدالوہاب اور شیخ اسحاق کے احوال و کوائف بھی درج کیے ہیں ۔ ان بزرگوں کے اخلاق و کمالاتِ معنوی ، ریاضات و عبادات اور اقوال بھی لکھے ہیں ۔ سید داؤد کی بے شمار کرامات کا ذکر کیا ہے ۔

کتاب کے مصنف رموزِ تصوف سے آشنا ہیں ، اس لیے انھوں نے اپنے خاندان کے صوفیہ و عرفا کے حالات بڑے سوز و اخلاص سے لکھے ہیں ۔ طرزِ نگارش ادیبانہ ہے ۔ جابجا فارسی اشعار اور سندھی دوہے لا کر بیان کو دلچسپ بنایا ہے ۔ ادیبانہ اسلوبِ بیان کا نمونہ یہ ہے :

''در ضمن این سخن میخواستند کہ پایۂ معلومات مکتبی و مایۂ مفہومات وھبی معلوم نمایند ۔ حضرت ایشان ھمچنان سر گنج رموز نہانی کشادند و دقایق حقایق معارف بنحوی مذکور عبارات و اشارات ساختند کہ باعث حیرت و موجب عبرت آن مغروران نشاء دانش و مخموران بادۂ دانش گشت ۔'' (ص ۱۷۹)

یہ کتاب ۲۹۲ صفحات پر مشتمل ہے ۔ ہر صفحے میں ۱۸ سطریں اور ہر سطر میں بارہ تیرہ الفاظ ہیں ۔ کتاب کا قلمی نسخہ سید حیدر شاہ شیر گڑھی کے پاس موجود ہے ۔ جناب مولوی محمد شفیع مرحوم کی وساطت سے اس کا روٹو گراف بنوایا گیا تھا جو پنجاب یونیورسٹی لائبریری میں موجود ہے ۔ اس کتاب کا ایک اور قلمی نسخہ پنجاب یونیورسٹی لائبریری میں شمارہ Ppc IV, 29 پر موجود ہے ۔

☆ ☆ ☆

اختر ہزاری

یہ علم ِ نجوم پر ایک مثنوی ہے - اس کے مصنّف شیر محمد بن حسین ہیں - وہ ہزارہ پنجاب کے رہنے والے تھے - اپنے نام و نسب اور سکونت کے متعلق انھوں نے خود ہی بتایا ہے :

نام من شیر با محمد یاب — مولدم دان تو در ہزارۂ پنجاب
ہست ملکم ہزاری ابن حسین — ز آل خضر خلیل ذوالحرمین

مثنوی تین سو بیالیس اشعار پر مشتمل ہے :

ای گہرہا کہ سفتہ آل حسین — سیصد و چہل بیت و اثنین

اور تاریخ ِ تحریر رجب ۱۰۰۲ ہجری ہے :

بود از ہجرت رسول عرب — یکہزار و دو سال ماہ رجب
ہفت اختر چو شد درو ارقام — کردمش ہفت ہزاری نام

مصنف نے شروع میں حمد و نعت ، بیان ِ معراج اور سبب ِ تالیف بتانے کے بعد حضرت جہانگیر بادشاہ کی مدح میں چند اشعار لکھے ہیں - سبب ِ تالیف سے معلوم ہوتا ہے کہ بادشاہ کے اشارے سے اس کو نظم کیا گیا ہے - جیسا کہ ان اشعار سے ظاہر ہے :

بود در حضرت ِ ولی ِ جہان — بحث از دعوت ِ دعا خوانان
حضرت جم چنان اشارت کرد — بہ کہ این میشود بنظم نورد

لیکن سال ِ تالیف یعنی ۱۰۰۲ھ عہد ِ جہانگیری کا سال نہیں -

مثنوی کے سات عنوان یہ ہیں :

اختر اول : در بیان ِ عدد ِ افلاک و سیر ِ آنہا -
اختر دوم : در بیان دوازدہ بروج و سبع سیارہ و طالعہ بروجات :
اختر سوم : مطلعات ہفت ستارہ و راس و ذنب و طبع تاثیر -
اخترچہارم : در معرفت یافتن قمر در بروج ، و اختیارات و احکام قمر در دو جانب -
اختر پنجم : در بیان ساعات ِ ہفت سیارہ و احوال -
اختر ششم : در بیان شرف ِ کواکب و وبال ِ ایشان -
اختر ہفتم : در بیان نظر کواکب سبعہ و تاثیر آنہا و بعضی فواید -

ضمناً نظم کے دوران میں دائروں اور جدولوں سے بیانات کی وضاحت کی گئی ہے - اگرچہ علم نجوم کے مسائل پیچیدہ ہوتے ہیں لیکن مصنف نے ان کو اس طرح صراحت سے نظم کیا ہے کہ ایک عام شخص بھی آسانی سے سمجھ سکتا ہے - ادبیات فارسی کے طالب علم کے لیے اتنی سی معلومات حاصل کرنا ضروری ہے ، کیونکہ متقدمین شعرا اکثر اپنے اشعار میں ستاروں اور سیاروں کے اثرات کا ذکر کرتے ہیں - چنانچہ ان کی توضیح و تشریح میں ان سے مدد مل سکتی ہے -

اس مثنوی کا ایک قلمی نسخہ پنجاب یونیورسٹی لائبریری کے مجموعۂ شیرانی میں شمارہ ۱۱۸۴/۴۲۳۷ پر موجود ہے -

☆ ☆ ☆

شیخ محمد طاہر بندگی[۱]

حضرت مجدد الف ثانی سرہندی کے مرید تھے - علم و فضل کے ساتھ ساتھ فقر و تصوف کی چاشنی بھی رکھتے تھے - لاہور میں مزنگ کے قریب قیام کیا - ہزارہا لوگ مرید ہوئے - ایک مدرسہ بھی قائم کیا جہاں علوم فقہ و حدیث اور تفسیر پڑھاتے تھے - ۱۰۴۰ھ میں وفات پاگئے - تذکرۂ مجددیہ ان کی تصنیف ہے جس میں آپ کے وہ خطوط درج ہیں جو انھوں نے حضرت مجدد الف ثانی کو لکھے - اس کا نسخہ نایاب ہے -

☆ ☆ ☆

مُلاّ یوسف لاہوری[۲]

یہ قرآن و حدیث کے عالم و عامل تھے اور اپنے زہد و تقویٰ کی وجہ سے محترم و مکرم - اصول فقہ اور دیگر علوم پر حاوی تھے - مختلف حاشیے اور شرحیں

۱، ۲- تذکرۂ علمائے لاہور ، محمد الدین فوق ، لاہور ، ۱۹۲۰ع -

لکھیں ۔ شرحِ دیوانِ حافظ بھی ان سے یادگار ہے ۔ ممکن ہے کسی کے پاس اس کا قلمی نسخہ موجود ہو ۔ پچاس سال تک لاہور میں ان کا درس جاری رہا ۔ اسّی سال کی عمر میں بعہدِ شاہجہان وفات پا گئے ۔

☆ ☆ ☆

تذکرۃ الانصار[۱]

اس کے مصنّف علی محمد ولد گل محمد انصاری المعروف بہ دانشمن ہیں ۔ یہ تذکرہ ۱۱۱۸ھ میں تالیف ہوا ۔ یہ ایک مقدمے ، خاتمے اور اکیس مقالات پر مشتمل ہے ۔ جو نسخہ ڈاکٹر محمد جہانگیر خاں نے دیکھا تھا اس کے دو سو صفحات تھے ۔ اب یہ نسخہ نایاب ہے ۔

اس کتاب میں میاں شیخ درویش اور ان کے خاندان کے بزرگوں کے احوال و کوائف بیان کیے گئے ہیں ۔ میاں درویش کے حالات تفصیل سے لکھے گئے ہیں ۔ ساتھ ہی ان کے مورثِ اعلیٰ مولانا ابراہیم کے سوانح زندگی پر بھی روشنی ڈالی ہے ۔ یہ بزرگ خیل دانشمند کے نام سے معروف تھے ۔ رستہ اخوند کے نام سے جالندھر میں ایک محلہ ہے ، وہاں یہ لوگ آباد تھے ۔ مصنف نے اس خاندان کے میاں علی شیر حافظ ، شیخ سلطان ادریس ، شیخ جلال بن شیخ سلطان ادریس ، قطب الزمان شیخ عثمان ، میاں عبدالقادر اور شیخ ولی کے مرید شیخ نظام جیسے بزرگوں کے متعلق تفصیلات فراہم کی ہیں ۔ بایزید مسکین پیر روشن کی زندگی ، تعلیمات اور ان کی تصانیف کے متعلق بھی کافی معلومات مہیا کی ہیں ۔ پیر روشن کے بعد ان کے بیٹوں ، پوتوں اور باقی ماندہ عزیزوں کو جو واقعات پیش آئے ، ان کا بھی ذکر کیا ہے ۔

ڈاکٹر محمد جہانگیر صاحب نے اس تذکرے کی مدد سے اس قبیلہ' دانشمند

۱۔ اورینٹل کالج میگزین ، فروری ۱۹۵۵ع ، مقالہ بعنوان ''شیخ العالم میاں شیخ درویش'' از ڈاکٹر محمد جہانگیر خاں ۔

کا پورا شجرۂ نسب بھی تیار کیا ہے جس سے ایک نظر میں ان کے سلسلۂ خاندان کی کڑیاں سمجھنے میں سہولت ہو گئی ہے -

اس کتاب کا ایک اور قلمی نسخہ پنجاب یونیورسٹی لائبریری کے مجموعۂ شیرانی میں شمارہ ۶۲۰۲ پر موجود ہے - اس میں اس کا نام 'تذکیر الانصار' درج ہے اور یہ بعض جگہ سے ناقص ہے -

☆ ☆ ☆

شیخ عثمان

شیخ عثمان ، شیخ اللہ داد صدر الدین خیل دانشمند جالندھری کے فرزند تھے - 'تذکرۃالانصار' کی رو سے 'رسالۂ اسراریہ' میں ان کے مفصّل حالات مندرج ہیں - لیکن یہ رسالہ دستیاب نہیں ہے - صرف اتنا معلوم ہے کہ وہ ۱۰۴۳ھ میں فوت ہوئے اور رستہ اخوند (جالندھر) میں دفن ہوئے - ان کی تصانیف یہ ہیں[1] : (۱) تحفۃ القلوب و ہدیۃ الارواح - (۲) چہل مکتوب - (۳) شوقیہ - (۴) ذوقیہ -

چہل مکتوب :

یہ اُن مکاتیب کا مجموعہ ہے جو شیخ عثمان جالندھری نے اپنے دوستوں یا ارادت مندوں کو وقتاً فوقتاً لکھے ہیں - کسی مکتوب پر تاریخِ کتابت یا مقامِ کتابت درج نہیں - آٹھ خط مرزا باقی خاں یا باقی بیگ کے نام ہیں جس نے شاہی ملازمت اختیار کر لی تھی - خطوط کی کچھ تعداد ایسے لوگوں کے نام ہے جو "شیخ" سے شروع ہوتے ہیں - قیاس ہے کہ یہ لوگ صوفی و درویش ہوں گے - مثلاً شیخ جنید ، شیخ اللہ داد ، شیخ ایوب ، شیخ عبدالوہاب ، شیخ حسین ، شیخ یحییٰ ، شیخ کبیر - ایک خط شاہجہان کے نام بھی ہے جس میں بادشاہ کی تعریف کی ہے

۱- ڈاکٹر محمد جہانگیر : شیخ العالم میاں درویش ، مقالہ مطبوعہ اورینٹل کالج میگزین ، فروری ۱۹۵۵ع -

اور اسے اخلاقِ الٰہی کا مظہر قرار دیا ہے - اس کے لیے فتح و نصرت کی دعا مانگی ہے اور اسے عدل و انصاف کرنے نصیحت کی ہے - تقریباً تمام خطوط کا موضوع سلوک و طریقت ہے - ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ایک پیر و مرشد ہے جو اپنے ارادت مندوں کو وعظ کہہ رہا ہے اور دلوں کی پاکیزگی کے لیے مشورے دے رہا ہے - ہر خط ''ای عزیز'' سے شروع ہوتا ہے - شروع میں چند باتیں کرنے کے بعد پھر سے مکتوب الیہ کو مخاطب کر کے کہتے ہیں : ''یہ ابتدائی بات معلوم ہو چکی ، اب میں ذرا واضح بیان کرتا ہوں - غور سے سنیے -''

مصنّف اپنے مطالب کو چھوٹے چھوٹے واضح اور صریح جملوں میں بیان کرتے ہیں - جابجا آیاتِ قرآنی اور احادیثِ نبوی سے استدلال کرتے ہیں - تقریباً ہر خط میں اشعار نقل کرتے ہیں ، بعض جگہ اپنے اور بعض جگہ دوسروں کے - اس مجموعہ مکاتیب میں تقریباً تصوف کے تمام مسائل کا ذکر آ گیا ہے - تصوف کی فلسفیانہ توجیہ موجود نہیں بلکہ عمل کرنے کی طرف زیادہ رغبت دلائی گئی ہے - ان کی تعلیمات کا خلاصہ یہ ہے کہ شریعتِ محمدی کی متابعت کی جائے - شریعت آنحضرتؐ کے اقوال ہیں ، طریقت ان کے افعال ہیں اور حقیقت ان کے احوال ہیں (ص ٦) - وہ مرید کو نصیحت کرتے ہیں کہ وہ نماز کسی حال میں ترک نہ کرے - خشوع و خضوع سے ادا کرے ، ترکِ علائق کرے ، گوشہ نشیں ہو - کسی وقت اللہ کی یاد سے غافل نہ ہو ، ہر دم اسی میں محو رہے - ایک خط میں اہلِ طریقت کے لیے مندرجہ ذیل بارہ چیزیں لازم قرار دی ہیں :

۱- خدا کی طلب -	۲- مرشدِ کامل کی خدمت -
۳- سچی ارادت -	۴- اطاعت -
۵- فضول کاموں کو ترک کرنا -	۶- تقویٰ -
۷- کم بولنا -	۸- کم کھانا -
۹- کم سونا -	۱۰- گوشہ گیری -
۱۱- قناعت -	۱۲- توکّل - (ص ۹)

ایک خط میں توکّل ، تسلیم ، رضا اور قناعت کی تشریح کی ہے - ان کے نزدیک صوفی وہ ہے جس کا دل ابراہیمؑ کی طرح ہو ، اس کی تسلیم اسماعیلؑ جیسی ہو ، اس کا رنج و الم داؤدؑ جیسا ہو ، اس کا فقر عیسیٰؑ جیسا ، اس کا صبر ایوبؑ جیسا اور اس کا شوق موسیٰؑ جیسا ہو - انھوں نے صاحبِ دل بزرگوں کی ہم نشینی کو

نہایت اہم قرار دیا ہے : "چون بہ صاحب دل رسی گوہر شوی ۔" ان کے نزدیک پیر کی خاص اہمیت ہے ۔ وہ لکھتے ہیں : "پیر وہ شخص ہے جو رسول کریمؐ کے اوصاف رکھتا ہو ۔ اس میں محمدی اوصاف کے سوا کچھ اور نہ پایا جاتا ہو ۔ وہ نبوی صفات کے وسیلے سے صفاتِ الٰہی کا مظہر بن گیا ہو" (ص ۱۰۴) ۔ ان کے بیانات سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ عقیدۂ وحدت الوجود کے پیرو تھے ۔ ایک جگہ لکھتے ہیں کہ عشق ، عاشق اور معشوق تینوں ایک ہی ہیں : (ص ۳)

هر جا کہ بدیدیم ندیدیم بجز دوست
معلوم چنین شد کہ کسی نیست همه اوست (ص ۴)

آفتابی در هزاران آبگینه تاخته
پس برنگ هر یکی تابی عیان انداخته (ص ۳۶)

مصنف نے بہت سے اشعار نقل کیے ہیں ۔ اس طرح بعض ایسے اشعار بھی محفوظ ہو گئے جو ممکن ہے دوسری جگہ مذکور نہ ہوں ۔ مثلاً سید علی ہمدانی کا یہ قطعہ مندرج ہے :

خلق از برای درد دوا آرزو کنند — ما ترکِ صد دوا بکنیم از برای درد
یک ذره درد را بدو عالم نمی دهم — زیرا کہ نیست ملک دو عالم بہای درد

حضرت عثمان خود بھی شاعر تھے ، یعنی خیالات نظم کر لیتے تھے ۔ ان مکاتیب میں اکثر موقعوں پر انھوں نے اپنے ابیات ، رباعیات اور مثنوی کے اشعار لکھے ہیں ۔ لیکن چونکہ ان میں تخلص موجود نہیں اس لیے یقینی طور پر نہیں کہا جا سکتا کہ یہ انھی کے اشعار ہیں ۔ ہاں دو غزلوں کے مقطعوں میں تخلص موجود ہے ، اس لیے تبرک کے طور پر ہم ان کو محفوظ کیے لیتے ہیں ۔

براهِ عاشقی غم یار باید — رخِ زرد و تنِ بیمار باید
قناعت گنج و خاموشی توکل — بذکر و فکر شب بیدار باید
نباید جز تولا" غیر اورا — ز درد و سوز نالہ زار باید
بباید توشهٔ این راه زاری — وگر تسلیم جان لاچار باید
بیاور باز عثمان هرچه داری — بفقر و فاقه مونس یار باید

(ص ۸۳)

ای وای کہ باز از درِ تو دور فتادیم — از وصلِ گلِ روی تو مہجور فتادیم
رفتیم دگر بار بسوی رہِ اغیار — ہیہات کہ از وصلِ تو مہجور فتادیم
ماتم زدگانیم بیا زار بگریم — کز قربِ حقیقی چہ بسی دور فتادیم
از نوش لبت جرعہای تا کہ چشیدیم — اکنون ہمہ از مستیِ مخمور فتادیم (کذا)
از وصلِ جمالِ رخِ خوش بود حیاتیم — باز از غمِ ہجرانِ تو رنجور فتادیم
عثمان نکشاید دم اگر جانش برآید — پس مایلِ روییم کہ منظور فتادیم

مکتوبات میں بعض ایسے اشعار بھی نقل کیے گئے ہیں جن میں فارسی کے ساتھ اُس زمانے کی مروجہ زبان کے الفاظ بھی موجود ہیں ۔ یہ اشعار بھی محفوظ کر لینے کے قابل ہیں :

گر لطف یک مو ہم جیئے ہم جیئے — ور عدل یک جو ہم موئے ہم موئے
(ص ٤٦)

دلا کن یاد آن ساعت درونِ گور جب سووے
عذابِ سخت تر باشد کہ لوہو آنسووں روئے

نہ آنجا خویش نے اقرب نہ ساتھی باپ نے مائی
ز زن فرزند کو بیلی در آن تاریک تنہائی (ص ١٦٨)

تہی رفتند آن مردم جنھوں کے لاکھ تھے پلتے
نہ با خود برد یک جیتل وہ خالی ہاتھ اُٹھ چلتے

گمان دارم ازین دنیا دو گز کرپاس ازو یابی
مسافر نقد جو ہووے تصرّف راہ او کیجے

'چہل مکتوب' کا ترجمہ ملک فضل الدین چنن دین ، کتب فروش ، کشمیری بازار لاہور نے شائع کیا تھا ۔

محبت باری :

ڈاکٹر محمد جہانگیر خان نے 'تذکرۃ الانصار' کے حوالے سے حضرت خواجہ

عثمان جالندھری کی کتاب 'تحفۃ القلوب و ھدیۃ الارواح' کا ذکر کیا ہے[1] - حال ہی میں ایک کتاب 'محبتِ باری' کا ترجمہ المکتبۃ العلمیہ، لیک روڑ لاہور نے شائع کیا ہے - یہ کتاب محمد عثمان انصاری جالندھری کی مؤلفہ بتائی گئی ہے - محمد سلیمان گیلانی مترجم نے دیباچے میں بتایا ہے کہ اس کتاب کا ایک قلمی نسخہ شیخ محمد نواز انبالوی نے ۱۲۸۲ھ ماہ جمادی الثانی میں حضرت سید قاسم کی مدد سے تحریر کیا تھا - یہ نسخہ چونکہ کیرم خوردہ ہے لہٰذا بعض جگہ مترجم نے سیاق وسباق کو مد نظر رکھتے ہوئے ترجمہ کیا ہے - مصنف نے ایک جگہ دیباچے میں لکھا تھا: (ترجمہ ص ۲۳) "اس کتاب کا نام 'محبت' ہے جو کہ معرفت کا ایک بحر ذخّار ہے اور عاشق کے لیے کفایت کنندہ -" اسی صفحے پر مذکور ہے کہ اس کتاب یعنی 'تحفۃ القلوب وھدیۃ الارواح' (دلوں کے تحفے اور ارواح کے ہدیے) کی چار فصلیں ہیں اور ہر فصل چار ابواب میں منقسم ہے - اس سے ظاہر ہے کہ اس کتاب کا نام 'تحفۃ القلوب و ہدیۃ الارواح' ہے اور اسی کا دوسرا نام 'محبت' ہے -

اس کتاب کا موضوع فقر و تصوف و اخلاق ہے جیسا کہ اس کی فصول و ابواب کے مندرجہ ذیل عنوانات سے ظاہر ہے:

فصل اول کے چار باب ہیں - باب اول میں فقر - باب دوم میں تسلیم و رضا - باب سوم میں توکل اور باب چہارم میں ذکرِ الٰہی کا بیان ہے -

فصل دوم میں چار ابواب کے یہ موضوع ہیں:

۱- سلوک کی انتہا - ۲- درویشوں کی عادات -
۳- ریاضت و نصائح ۴- تحمّل و رضائے خالق -

فصل سوم کے چار ابواب میں اِن مضامین کا ذکر ہے:

۱- خاموشی و گوشہ نشینی - ۲- ذوق و محبت و عشق -
۳- شوق و جواں مردی - ۴- تواضع، خوش اخلاق، شب بیداری اور سوز و محبت -

فصل چہارم کے چار ابواب ذیل کے مضامین پر مشتمل ہیں:

۱- تضرّع - ۲- جانبازی و تب و تابِ عشق و محبت -
۳- فقر، دلجوئی اور عیب پوشی - ۴- احوالِ عاشقان و عارفاں -

۱- ڈاکٹر محمد جہانگیر خاں: شیخ العالم میاں درویش، مقالہ مطبوعہ اورینٹل کالج میگزین فروری، ۱۹۵۵ع -

'کاتب' نے اختتام پر لکھا ہے :

''یہ کتاب عاشقانِ الٰہی اور واصلانِ 'پر سرور حضرتِ لامتناہی کے لیے بہارستان کا نظارہ ہے - یہ کتاب بدست اضعف العباد ، کمترین خلفا ، بندہ حقیر ، راجی رحمتہ عبدالغنی محمد ولد عبدالغنی عفی عنہ ساکن سیستان نقل ہوئی -

کتاب کے دیباچے میں مصنف نے اپنے ان شیوخ کا ذکر کیا ہے جن سے انھوں نے استفادہ کیا - وہ فرماتے ہیں کہ انھوں نے سب سے پہلے شیخ جلال الدین تھانیسری کے دست مبارک پر سلسلہٴ قادریہ میں بیعت کی ، بعد میں خواجہ اسحاق کی صحبت میں رہ کر سلسلہٴ نقشبندیہ میں اجازت حاصل کی - پھر حضرت خواجہ پیر ولی برکی کی ملازمت کا شرف حاصل کیا - آخر میں حضرت خواجہ باقی باللہ کی صحبت میں وقت گزارا -

تصوف کی عام کتابوں کی طرح اس میں بھی جابجا آیاتِ قرآنی ، احادیثِ نبوی ، اقوالِ اولیا اور اشعارِ عرفا منقول ہیں - بعض جگہ احادیث و روایات کی صحت محلِ نظر ہے - مصنف اپنے آپ کو 'زخم خوردہ درویش' سے مخاطب کرتے ہیں - اپنے مخاطب کو 'عزیز' کہہ کر پکارتے ہیں اور اس کی روحانی ترقی کے متمنی نظر آتے ہیں - بیان میں ہر جگہ مصنف کا خلوص وگداز شامل ہے -

موضوع کی دلچسپی کے لیے اور اقوال کی تائید و توثیق کے لیے صوفی شعرا کی غزلیات ، مثنویات اور قطعات درج کیے گئے ہیں - ان شعرا میں مولانا روم ، شیخ سعدی ، احمد جامی ، ناصر خسرو ، سیف الدین باخرزی ، حافظ ، شاہ قاسم ، عبداللہ انصاری ، عراقی ، محمد قلندر اور دیگر شامل ہیں - مصنف نے اپنے اشعار بھی نقل کیے ہیں - اڑتیس انتالیس تو وہ غزلیں ہیں جن کے مقطعوں میں عثمان تخلص استعمال ہوا ہے - ممکن ہے جو متفرق اشعار درج ہیں ان میں بہت سے اشعار ان کے اپنے ہوں - دو تین جگہ مثنوی کے اشعار لکھے ہیں - صفحہ ۱۲ پر ایک نعت ہے ، صفحہ ۱۴۶ پر پندرہ ایسے اشعار مندرج ہیں جن میں آدھا مصرع فارسی میں ہے اور آخری آدھا مصرع ریختہ میں ہے[1] :

چون دزد اندر کمین باشد کرے جو بند بیچارہ (؟)
نباشد سود یک چیتل گنوا دے مول بھی سارا　　(ص ۱۴۶)

۱- محبت باری ، مکتبۃ العلمیہ ، لاہور ، ص ۱۴۶ -

کجا رفتند آن مرداں کہ جن سے کنبتی دھرتی
ہمہ در خاک خسپیدند جناں سے خاق تھی ڈرتی
کجا رفتند آن حوراں جناں کی نین تھی بانکی
چناں بگذاشتند خانہ نہ پھر کر نظر بھی جھانکی

اس کتاب یعنی 'تحفۃ القلوب و ہدیۃ الارواح' کا ترجمہ ملک فضل الدین و چنن دین تاجرانِ کتب کشمیری بازار کی وساطت سے موجودہ ترجمے سے مختلف شائع ہو چکا ہے۔

☆ ☆ ☆

طبِ اورنگ شاہی

اس کے مصنف حکیم درویش محمد ایمن آبادی ہیں ۔ روایت ہے کہ عہد شاہجہانی میں کسی حرم کا کامیاب علاج کرنے پر ان کو گاؤں انعام میں ملا جو 'درویش کے' کے نام سے آج بھی ضلع گوجرانوالہ میں موجود ہے ۔ حکیم صاحب کا ایک بیٹا میتا چنابی بھی نامور ہوا ۔ میتا پیشے میں تو حکیم تھا لیکن شعر بھی موزوں کر لیتا تھا ۔ اس کی ایک مثنوی 'ہیرو ماہی' کے نام سے موجود ہے[1] ۔

حکیم درویش نے 'طبِ اورنگ شاہی' اورنگ زیب عالمگیر سے منسوب کی ہے ، جیسا کہ اس کتاب کے نام سے ظاہر ہے ۔ یہ کتاب نظری و عملی طب پر ایک جامع تصنیف ہے ۔ مصنف نے مفردات و مرکبات سے لے کر امراض کی تشخیص اور معالجات کو تفصیل سے بیان کیا ہے ۔ پنجاب یونیورسٹی لائبریری کا قلمی نسخہ ۳۳۴ اوراق پر مشتمل ہے ۔ ہر صفحے میں بائیس سطریں ہیں اور ہر سطر میں دس بارہ لفظ ۔

---

۱ ۔ عشقیہ پنجاب ، از قاضی فضل حق ، مطبوعہ پنجابی قصے فارسی زبان میں ، لاہور ، ۱۹۵۷ ، ص ۱۰۸ - ۱۴۴ ۔

کتاب سات ابواب پر مشتمل ہے - ہر باب میں موضوع کے پیش نظر کم و بیش فصلیں موجود ہیں - ابواب کی مندرجہ ذیل تفصیل سے کتاب کی جامعیت و اہمیت کا اندازہ ہو سکے گا :

باب اول : در بیان ارکان و اخلاط و تشریح اعضائے بدن - اس میں ستائیس فصلیں ہیں ، جنین ، اس کی ساخت اور روح حیوانی کے بیان سے لے کر محافظ وسایل تک بحث کی گئی ہے -

باب دوم : در معالجت امراض - یہ طویل ترین باب ہے کیونکہ اصل طب تو یہی ہے - اس میں ۱۷ فصلیں ہیں - اور تقریباً تمام بیماریوں کے علاج تفصیل سے بیان کیے گئے ہیں - مردوں ، عورتوں اور بچوں کی بیماریوں کے لیے مخصوص فصلیں ہیں - آنکھ ، کان ، ناک اور منہ کی بیماریوں اور ان کے علاج سے بھی بحث کی گئی ہے - ہر مرض کی کئی کئی قسمیں بیان کی گئی ہیں اور ہر ایک کے مختلف علاج بتائے گئے ہیں -

باب سوم : در دفع امراض زنان - اس میں انیس فصلیں ہیں -

باب چہارم : در کشادن دهانها و صاف ساختن آن - اس میں ۱۱ فصلیں ہیں -

باب پنجم : در بعضی تدبیرها که مدار اطباء بروست ، چنانچہ مرض اسہال ، ورق - حجامت وحقنه و مانند آن - اس میں چھ فصلیں ہیں -

باب ششم : در ساختن معاجین و سفوف و حبوب ، مشروبات ، جوارشات ، اطریفل ، اقراص و روغنها وغیرہ ، اس میں ۱۲ فصلیں ہیں -

باب ہفتم : در معرفت مفردات - اس باب کو حروف تہجی کے اعتبار سے ستائیس فصلوں میں تقسیم کیا گیا ہے اور ہر دوا کی خصوصیات بیان کی گئی ہیں -

حکیم صاحب کا ایک اور طبی رسالہ 'پران سکھ' کے عنوان سے مفید عام پریس لاہور میں چھپ چکا ہے - یہ ۱۰۶۶ھ کی تالیف تھا -

☆ ☆ ☆

رسالة الاعجاز

اس رسالے کے مصنف مرزا احمد بیگ ہیں جو سیالکوٹ کے رہنے والے تھے۔ وہیں حاجی مکتب دار سے تعلیم پائی۔ بعد میں شیخ نور محمد سیالکوٹی کے مرید ہوئے جو حضرت نوشہ کے اکابر خلفاء میں سے تھے۔ کچھ عرصہ دہلی میں رہے۔ وہاں داروغۂ اسپان خاصۂ پادشاہی کی حیثیت سے خدمات انجام دیں۔ مرشد کے حکم سے لاہور میں سکونت اختیار کر لی۔ وہ ۱۱۰۷ھ اور ۱۱۲۶ھ کے درمیان کسی سال فوت ہوئے۔

'رسالة الاعجاز' حضرت حاجی نوشہ کے احوال و مناقب اور کرامات پر مشتمل ہے۔ اور ۱۱۰۷ھ یعنی حضرت نوشہ کی وفات کے تینتالیس سال بعد لکھا گیا ہے۔ مرزا صاحب خود فرماتے ہیں ''اگرچہ قدرت عبارت آرائی نداشتم، این مسودہ را بعبارت سہل و سادہ در قید کتابت آوردم۔'' اس رسالے میں مصنف نے قاضی رضی الدین کنجاہی (م-۱۱۱۳ھ) خلیفۂ نوشہ سے بھی درخواست کرکے مرشد کے احوال پر ایک رسالہ لکھوایا۔ چنانچہ انھوں نے اس مختصر رسالے کو بھی لفظ بلفظ اپنے رسالے میں شامل کر لیا ہے۔

مصنف نے حضرت نوشہ کے خلفاء و اقرباء کے توسط سے حالات جمع کیے ہیں لیکن جن بزرگوں کا ذکر کتاب میں آیا ہے ان میں سے کسی کا سال وفات نہیں دیا۔ خوارق و کرامات زیادہ نقل کی ہیں۔

رسالہ ۲۱۴ صفحات پر مشتمل ہے اور ہر صفحے میں ۹ سطریں ہیں۔

اس کتاب کا تعارف سید شریف احمد شرافت نوشاہی نے اپنے ایک مضمون مطبوعہ ماہنامہ المعارف شمارہ مئی ۱۹۷۰ میں کرایا ہے۔ اس کتاب کا ایک اور قلمی نسخہ پروفیسر احمد حسین قلعداری زمیندارہ کالج گجرات کے پاس موجود ہے۔

☆ ☆ ☆

ختمی لاہوری

سیف الدین عبدالرحمٰن ان کا نام ہے اور ختمی تخلص - انھوں نے اپنے دادا میاں سعد اللہ سے تعلیم و تربیت حاصل کی - میاں سعد اللہ کو علام العلوم ، مرشدِ طریق المعلوم لکھا ہے - وہ ۹۹۹ ہجری میں وفات پا گئے - انھوں نے اپنے والد کو بحرالمحقق و خیرالمدقق ابن عمر شیخ منور لکھا ہے جو گوالیار میں کچھ عرصے کے لیے قید بھی رہے اور یہ خود قید خانے میں ان کی خدمت گزاری کے لیے موجود رہے -[1] شیخ منور شاعر بھی تھے - جب کبھی خیال جوش مارتا اور شعر امڈ آتا تو درخت کے پتے پر لکھ رکھتے اور کتاب کے اندر رکھ چھوڑتے - ان کی وفات کے بعد کتابیں کیڑوں کی نظر ہوئیں اور پتوں کی تحریریں بھی نابود ہوگئیں - سیف الدین لکھتے ہیں کہ انھوں نے ادھر ادھر سے اشعار اکٹھے کرکے ایک دیوان مرتّب کیا جو صحیفۂ روزگار میں نقش و نگار کی مانند ہے -[2] انھوں نے اپنے والدِ محترم کی استعدادِ شعرگوئی کی ایک مثال بھی نقل کی ہے - وہ لکھتے ہیں کہ ایک مرتبہ دادا مرحوم میاں سعد اللہ کا درس ہو رہا تھا - تلامذہ میں چند شاعر بھی بیٹھے تھے - اچانک ایک کتاب میں سے مندرجہ ذیل عربی اشعار نکل آئے :

اقارب کالعقارب فی اذاها   فلا تفرح بعم لا بخال
فکم عم یکون الغم منه   و کم خال من الخیرات خال

آپ نے فرمایا کہ کوئی ہے جو اس مضمون کو اس طرح فارسی میں کہے کہ اس کے محسنات شعری اپنی جگہ قائم رہیں - ان کی مجلس میں چار شاعر موجود تھے - ایک کا نام تو بھول گیا ، دوسرے کا نام 'ملا' کمال ، تیسرے کا نام حاجی اسحاق اور چوتھے والد محترم تھے - تینوں نے کہا اس کام کے لیے ایک رات دن کا وقفہ درکار ہے - حضرت والد نے اسی وقت یہ اشعار پیش کیے جو سب

۱- مرج البحرین ، شرح دیوان حافظ ، مخطوطۂ پنجاب یونیورسٹی لائبریری ، شمارہ pi vi 15n ، ص ٦ -

۲- ایضاً ، ص ۷ ب -

نے پسند کیے :

اقرب چو عقرب چست زند نیش را
مرهم مکن ز عم و خال ریش را (کذا)
عم منشاء غم است ازو خوشدلی مجوی
خالیست خال بشبہ گرفت نیش را (کذا)

ان کے دیوان کی ایک غزل یہ ہے :

دو رخسارت ازان لعلند چون لعلِ بدخشانی
کہ خونِ عاشقان را ریختی ای دلبرِ جانی
توئی شاہِ جہان پرور توئی مہ پیکرِ دلبر
توئی سروی توئی عرعر تو هستی یوسفِ ثانی
چو در دامِ تو افتادم عنان از دستِ خود دادم
بکن آخر گہی شادم بلطفکہای پنہانی
دو گیسویت سیہ دامی بگلشن کردہ آرامی
ز مقصد یافتہ کامی مرادِ خویش را دانی
بیا ای جانِ جانانم فدای تو شود جانم
بخوانِ شہ سلیمانم اگر خواهی سلیمانی

ختمی غیر معروف سے شخص ہیں ۔ معاصر تواریخ اور تذکروں میں ان کا کہیں ذکر نہیں آیا ۔ لیکن ان کے اشعار سے معلوم ہوتا ہے کہ شعر کہنے میں انھیں اچھی خاصی مشق تھی ۔ انھوں نے جہانگیر و شاہجہان کی مدح میں قصاید لکھے ہیں ، غزلیں کہی ہیں اور مثنوی پر طبع آزمائی کی ہے ۔ ''در ستائشِ لاہور'' ان کی نظم خاص طور پر ناقابلِ فراموش ہے ۔ ان کے چند اشعار یادگار کے طور پر ہم نے محفوظ کر لیے ہیں ۔

مرج البحرین :

ان کی ایک تالیف شرحِ دیوانِ حافظ بعنوان 'مرج البحرین' ہے جس کی تفصیل یہ ہے ۔

ختمی چاہتے تھے کہ شرحِ دیوانِ حافظ کو کسی ایسی بزرگ شخصیت سے منسوب کریں جو روحانی فضایل سے مالامال ہو ۔ ان کی نظر میں دو شخص تھے :

حمدی اور ان کے مرشد شیخ کمال ۔ چنانچہ ان دونوں کی معنوی برکت حاصل کرنے کے لیے انھوں نے اس کتاب کا نام ''مرج البحرین'' رکھا ۔ لیکن جب انھوں نے حمدی کی خدمت میں یہ تحفہ پیش کرنے کے لیے استخارہ کیا تو اجازت نہ ہوئی ۔ چنانچہ یہ مسودہ ان کے پاس محفوظ رہا ۔ مصنف نے خود بتایا ہے کہ انھوں نے یہ شرح جہانگیر کے عہد میں لکھنا شروع کی تھی ۔ ۱۰۳۷ھ میں جب شاہجہان تخت نشین ہوا تو انھوں نے اس مسودے کو بیاض کیا اور اس کی تاریخ لکھی :

ختمی از شوق ضمیر و صدق دل　　تحفۂ شاہ جہان (را) زد رقم
گشت زان تاریخ او بہر بیاض　　تحفۂ شاہ جہان باقلم[1]

ختمی جانتے تھے کہ حافظ کی شرح لکھنا مشکل کام ہے ۔ چنانچہ حافظ کی تعریف میں انھوں نے جو غزل لکھی ہے اس کا پہلا شعر یہ ہے :

شعر حافظ از ہمہ اشعار بر من مشکل است
ہمچو حافظ دیگری را نام بردن مشکل است

اس لیے انھوں نے دقتِ نظر سے معانی سمجھنے کی کوشش کی ہے ۔ ان کا طریق کار یہ ہے کہ انھوں نے پہلے لغوی معنی لکھے ہیں اور پھر اصطلاحی معنی بتائے ہیں ۔ پورے دیوان کی شرح نہیں لکھی بلکہ چیدہ چیدہ اشعار کی تشریح کی ہے ۔ اپنے اسلوبِ نگارش کے متعلق وہ خود لکھتے ہیں :[2]

''این عروسِ زیبا و فریدۂ رعنا را لباس بخشیدم سراپا مسجع و سایر انواع فصاحت و بلاغت بر ان مرصع تا صاحب انصاف را مقامِ اعتراف باشد و غیر تحسین و آفرین چیزی دیگر بخاطر نتراشد ۔ اگرچہ دامن دامن جواہر و لآلی بر فرقش ریختم و مشک و عنبر و کافور بران بیختم ہنوز از خجالت سر در گریبان دارم و شرمسارم کہ چنانچہ فطرت عالی تقاضا میکرد بوجود نیامدہ ۔''

شارح رموز تصوف اور مصطلحات تصوف سے واقف ہیں اس لیے انھوں نے بعض اشعار کی بہت اچھی توضیح و تشریح کی ہے ، مثلاً ''الا یا ایّھا الساقی ادر کأسا

۱- مصرع تاریخ میں ایک لفظ محذوف ہے ۔ موجودہ صورت میں سالِ تاریخ ۱۰۳۱ھ نکلتا ہے ۔

۲- مرج البحرین ، قلمی ، ص ۱۴ ب ۔

و ناولها'' اور ''دوش دیدم کہ ملائک درِ میخانہ زدند'' کی تشریح ملاحظہ کیجیے۔ دو ایک جگہ فصوص الحکم ، تفسیر مدارک التنزیل ، امیر خسرو اور نظامی کے کلام سے بھی استناد اور استشہاد کیا ہے -

مصنف نے ہر شعر کی تاویل کرکے اس کو حقیقت کے معنی پہنائے ہیں - مثلاً مندرجہ ذیل شعر دیکھیے :

میِ دو سالہ و محبوب چاردہ سالہ

همیں بس است مرا صحبت صغیر و کبیر

''میِ دو سالہ'' سے مراد قرآن مجید لیا ہے کیونکہ وہ دو مرتبہ نازل ہوا ہے - ایک دفعہ کاملاً شبِ قدر میں اور دوسری دفعہ رسول خداؐ کی زندگی میں - ''محبوب چاردہ سالہ'' سے مراد مرشد مجازی یا مرشد حقیقی یعنی خدا وند کریم لیا ہے -[1]

ختمی کی ایک اور شرحِ دیوان حافظ 'زبدة البحرین' کے عنوان سے پنجاب یونیورسٹی لائبریری ، مجموعۂ آزاد میں شمارہ Api vi, 75 پر موجود ہے - 'زبدة البحرین' کسی اور کتاب کے ساتھ ایک جلد میں ۳۴ سے ۱۷۲ اوراق تک مجلّد ہے -

کاتب شمس الدین بن شیخ عبدالکریم قریشی نے اس کو 'شرح ابیات مشکلات لسان الغیب' کہا ہے اور کتابت کی تاریخ ۲۳ ذی الحجہ ۳۵ جلوس عالمگیری بتائی ہے ، یعنی ۱۱۰۲ھ -

'زبدة البحرین' گویا 'مرج البحرین' کا خلاصہ ہے - اس میں بھی شارح نے اکثر جگہ تاویل سے کام لیا ہے جو درست نہیں - مثلاً حافظ کا ایک شعر ہے جس میں فارس کے بادشاہ ، شاہ شجاع کا ذکر آیا ہے :

سحر ز هاتف غیبم رسید مژده بگوش

کہ دور شاه شجاع است می دلیر بنوش

شارح لکھتے ہیں :

''می معروف است و اینجا کنایہ از مستی و شورش عشق است -'' دور شاه شجاع سے مراد ہے کہ ''تو بمرتبہ روح رسیده‌ای و دریا صفت گردیده‌ای - پاکی و ناپاکی بتو ضرر نمی‌کند و در شان تو مضرتی نمی دهد کما قالوا مَن ادرکتہ العنایة لا تضر بہ الجنایة - پس در مستی و شورش

۱- مرج البحرین ، قلمی ، ص ۲۲۳ الف -

عشق بدلیری در آ و هیچ ملاحظه منما -[۱]

اشعار ختمی :

شعر حافظ از همه اشعار بر من مشکلست
همچو حافظ دیگری را نام بردن مشکلست
آصفی هرچند مضمونات دارد چیدهٔ
لیک چون اشعار حافظ شعر گفتن مشکلست
محتشم کاهی و سقا خود چه گویم(؟)
کردن از خار مغیلان کار سوزن مشکلست
هاتفی شاهی چه باشد جنبِ آن سلطان قوم
ورد صحرا را نهادن نام سوسن مشکلست
گرچه حلوائی بناءش می پزد حلوای خویش
حنظلی را لذتِ خربوزه دادن مشکلست
شاعران را پیش آن سیف خدا ختمی منام
زانکه کاری چند فولادی ز آهن مشکلست

(صفحه ۱ ب ، نسخهٔ خطی مرج البحرین)

غزل

آه زین مردمانِ بیهوده | راهِ عقل و خرد نه پیموده
شیخ صوفی لقب نهند آنرا | که بصد فسق باشد آلوده
وانکه باشد ز خلق گوشه نشین | در جوار خدای آسوده
نفس امّاره را ز فقر فنا | بریاضات شاقه آلوده
تیرسان قامتش خمیده چو قرس | امتثال الامور معهوده
میگریزند ازو بصد فرسنگ | همچو زاغ از کمان فرسوده
چون فتد ذکر او به مجلس شان | جملگی جمع گشته چون دوده

۱- زبدة البحرین ، قلمی ، ص ۱۳۵ ب -

بر بلای کنند بدنامش — که ندیده گهی و نشنوده
زانکه در شان ِ شان حدیث نبی — کالهمج واقع است ای دوده
(الناس عالم او متعلم و سایر الناس کالهمج)

در ستایش لاہور : (ص ۹)

لهانور و لهانور و لهانور — که تا روز قیامت باد معمور
بود سکان او اصحاب ِ ادراک — بود خاقان ِ او در دهر منصور
ز هندو بچهای شوخ مهوش — که هستند از شراب ِ حسن مخمور
چه گویم هر یک از حسن خداداد — بود رشک ِ پری و غیرت حور
بپا شان گر نبودی قید خلخال — پریدندی بهام چرخ از دور
بعلم و فضل گوناگون صانع — بهفت اقلیم عالم گشت مشهور
اگرچ افتاد چین اندر ز کردار — هم از جاهای دیگر هست منظور
رواج دین درو بایست دیدن — بعهد حضرت مخدوم مغفور
ز یاریهای یاران چشم دارم — که در مدحش مرا دارند معذور
که عالم سربسر چون باد گشتم — ندیدم هیچ شهری چون لهانور
بیا ختمی رها کن گفتگوئی — که مداحی نباشد خالی از زور

☆ ☆ ☆

مرکزِ کشمیر

کشمیر عہدِ جہانگیر میں :

جہانگیر کو کشمیر بہت مرغوب تھا ۔ تسخیرِ کشمیر کے بعد وہ سترہ سال زندہ رہا ۔ اس عرصے میں وہ سات بار وہاں گیا ۔ اس نے کشمیر کی آبادی کے لیے بہت کوشش کی ۔ قلعے کی تعمیر و اصلاح کی ، شاہی باغات خاص طور پر 'فیض بخش' کی بنیاد رکھی اور چشمہ سار کو آباد کیا ۔ کوہ ماران کے نزدیک نور افزا باغ لگوایا ، چشمۂ ویرناگ پر بھی ایک باغ لگوایا اور عمارت تعمیر کرائی ، پہاڑی راستوں میں ہر منزل پر ایک عمارت بنوائی تاکہ بادشاہ اور اہل حرم وہاں ٹھہر سکیں ۔[1]

بادشاہ کی طرف سے جو گورنر نامزد ہو کر آتے رہے ، انھوں نے بھی کشمیر کی آبادی و زیبایش کے لیے کوششیں کیں - ۱۰۱۵ھ میں نواب قلیچ خان ، ۱۰۱۸ھ میں نواب قاسم خان ، ۱۰۲۳ھ میں نواب صفدر خان ، ۱۰۲۴ھ میں نواب احمد بیگ خان گورنر ہو کر آئے - ۱۰۲۴ھ میں چالیس روز تک ہواؤں کے وہ طوفان آئے اور طاعون کی ایسی وبا پھیلی کہ کئی خاندان برباد ہوگئے - تجہیز و تکفین کے لیے بھی ایک دوسرے کی مدد حاصل کرنا دشوار ہو گیا - ۱۰۲۷ھ میں دلاور خان متعین ہوئے ۔ اس سال پھر تیز آندھی چلی اور ایسی آگ لگی کہ بارہ ہزار مکان نذر آتش ہو گئے ۔ سلطان سکندر بت شکن کی بنا کردہ جامع مسجد بھی جل گئی ۔ اگرچہ جہانگیر ان دنوں وہاں موجود تھا اور اس نے اس کے بچانے کے لیے بڑا اہتمام کیا لیکن پھر بھی وہ نہ بچ سکی ۔ آخر حیدر ملک مصنف 'تاریخ کشمیر' اور اس کے والد ملک محمد ناجی کی کوششوں سے مسجد از سر نو تعمیر ہوئی ۔ مسجد کی بنا اور تاریخِ تعمیر کے متعلق یہ اشعار مذکور ہیں[2] :

نخستین مسجدِ جامع ز شہ اسکندر ثانی
عمارت یافت وانگہ سوخت از تقدیر سبحانی

۱- تاریخِ کشمیر اعظمی ، لاہور ، ص ۱۲۳ - ۱۲۶ -

۲- ایضاً ، ص ۱۲۴ -

دگر بارہ حسن شاہ آنکہ بود از نسلِ پاک ، او
بشد بانیِ این مسجد ہم از توفیقِ ربانی
ولیکن از دو جانب بی ستون آراست بی سقفش
ز ابراہیم احمد ماکری شد راست تا دانی
ز ہجرت نہ صد و نہ بود تا دور محمد شاہ
کہ این جنت سرا شد زینتِ دینِ مسلمانی
بتاریخ ہزار و بیست و نہ از ہجرت سیّد
بروزِ عید روزہ سوختہ در نوبتِ ثانی
ملک حیدر رئیس الملک در عہدِ جہانگیری
نہاد از نو بنایش باز روزِ عیدِ قربانی
چو تاریخ بنایش جست گفتا ہاتفِ غیبی
نہاد از نو اساسش بارگاہ عید قربانی

ملکہ نور جہان کے حکم سے خانقاہ جڈی بل از سرِ نو تعمیر کی گئی - انھی کے حکم سے ایک سنگین مسجد بھی تعمیر ہوئی - دلاور خاں نے بھی ایک باغ بنوایا جو باغِ دلاور خاں کے نام سے مشہور ہوا -

۱۰۲۹ھ میں ارادت خان گورنر نامزد ہوا - اس نے عدل و انصاف سے حکومت کی - ۱۰۳۲ھ کے اوائل میں نواب اعتقاد خاں ناظم مقرر ہوا - اس نے چک خاندان اور اس کے حواریوں کو قید و قتل کیا اور وہ ملک گیری کی کوشش چھوڑ کر کھیتی باڑی اور مزدوری میں لگ گئے - اس کے عہد میں لوگوں پر ٹیکس عاید کیے گئے - باغوں کے پھل ضبط کر لیے جاتے - زعفران چننے کے لیے لوگوں کو مجبور کیا جاتا اور اس کا سارا نفع خود حاصل کر لیا جاتا - اسی طرح اور تکالیف کی وجہ سے لوگ سخت بیزار ہو گئے -

عہدِ شاہجہان :

شاہجہان کے عہد میں بھی نواب اعتقاد خاں کشمیر کی حکومت پر فائز رہا - ۱۰۴۳ھ میں ظفر خان ناظم مقرر ہوا - اسی سال بادشاہ بھی کشمیر میں آیا - ظفر خاں نے باغ ظفر آباد ، باغ گلشن ، باغ عنایت اور باغ حسن آباد کی بنیاد رکھی - اور گلِ زنبق ، گل گلاب اور میوہ گیلاس کا

اضافہ کیا جو اس سے پہلے کشمیر میں موجود نہیں تھے ۔ اعتقاد خاں کے زمانے کی تمام خرابیوں کی اصلاح کی ۔ کسبِ منفعت اور زعفران کی بیگار ختم کی ۔ ۱۰۵۱ھ میں سلطان مراد بن شاہجہان ایک سال کے لیے یہاں کی آب و ہوا سے لطف اندوز ہوا ، پھر اسے واپس بلا لیا گیا ۔ ۱۰۵۲ھ میں علی مردان ناظم مقرر ہوا ۔ ۱۰۵۳ھ میں ظفر خاں دوبارہ متعین ہوا اور چار سال تک نظم و نسق چلاتا رہا ۔ ظفر خاں اعیان و امراء میں جود و سخا کی وجہ سے نامور تھا ۔ صائب نے اس کے متعلق لکھا ہے :

خانخاں را ببزم و رزم صائب دیده ام
در سخا و در شجاعت چون ظفر خان تو نیست

اس کے عہد میں شعر و سخن کو بڑا رواج ہوا ۔ صائب تبریزی ایران سے آ کر اس کے دربار سے متوسل ہوا ۔ ۱۰۵۷ھ میں تربیت خاں ناظم مقرر ہوا ۔ اس کے عہد میں غلے کا قحط پڑا اور رعایا سخت پریشان حال ہوئی ۔ بادشاہ نے گجرات ، سیالکوٹ اور لاہور سے غلہ بھجوایا ۔ ۱۰۵۹ھ میں تربیت خاں کو منتقل کر دیا گیا اور اس کے بجائے حسن بیگ خاں دو سال تک صوبیدار رہا ۔ اس کے بعد علی مردان خاں ۱۰۶۱ھ میں دوسری مرتبہ صوبیدار مقرر ہوا اور سات سال تک نظم و نسق چلاتا رہا ۔ اس نے نئے نئے باغ لگوائے اور پہاڑوں کو کاٹ کر نہریں نکلوائیں ۔ ہر باغ میں چنار ، سفیدار اور ثمردار درخت لگوائے ۔ سڑکوں کی مرمت کرائی ۔ کوہ پیرپنجال کے وسط میں ایک سرائے تعمیر کروائی ۔ وہ موسم سرما کے چھ مہینے لاہور میں گزارتا اور شاہانہ تجمل سے زندگی بسر کرتا ۔ سونے چاندی کے برتنوں میں کھاتا ۔ ۱۰۶۸ھ میں لشکر خاں صوبیدار نامزد ہوا ۔ اس کے عہد میں غلے کی خوب ارزانی ہوئی اور رعایا خوشحال ہوگئی ۔ اس نے پرگنہ بھاگ کی ایک بلندی پر باغ بنوایا ۔ آبشاریں اور فوارے جاری کروائے ۔

شاہجہان ۱۰۴۳ھ میں کشمیر گیا ۔ اس نے علما و فضلا و حفاظ اور نعت خوانوں کو انعام و اکرام سے مالا مال کیا ۔ بعض کے روزینے مقرر کیے اور بعض کو جاگیریں عطا کیں ۔ محفل میلاد کے لیے بارہ ہزار روپے منظور کیے ۔ ۱۰۴۹ھ میں دوسرا سفر کیا ۔ اسی سال سخت سیلاب آیا ۔ طوفانی بارشوں نے فصلیں تباہ کر دیں ۔ مفلوک الحال لوگ دہلی میں فریاد لے کر گئے ۔ بادشاہ نے ایک لاکھ روپیہ دیا ۔ پختہ اور خام لنگر خانے جاری کیے ۔ بادشاہ تیسری مرتبہ ۱۰۵۵ھ میں

کشمیر گیا اور رعایا کو بہت سی مراعات دیں - چشمۂ ویرناگ کی مرمت کروائی اور اس کے منبع پر ایک آبشار بنوائی - تاریخِ تکمیل یہ نکلی : ع

از چشمۂ بہشت برون آمده است جو

بادشاہ چوتھی مرتبہ ۱۰۶۰ھ میں کشمیر گیا - اس وقت بارش نہ ہونے کی وجہ سے لوگ خوشحال نہیں تھے - بادشاہ کا دل مکدر ہوا - وہ دو مہینوں کے قیام کے بعد لوٹ گیا - بادشاہ کی بیٹی جہاں آرا نے اپنے پیر مُلاّ شاہ کے لیے مسجد بنوائی اور حجرے تعمیر کروائے -

عہدِ اورنگ زیب :

اورنگ زیب کے عہد میں ، یعنی ۱۰۶۹ھ میں اعتماد خاں ناظمِ کشمیر مقرر ہوا - اس نے علما و فضلا کی تعظیم کی - خود بھی دینی علوم سے واقف تھا - عدل و احسان کے لیے کوشش کرتا تھا - ۱۰۷۳ھ میں ابراہیم خاں صوبیدار کشمیر مقرر ہوا - ۱۰۷۴ھ میں اسلام خاں صوبیدار مقرر ہوا - یہ بادشاہ کا منظور نظر تھا - اس نے ترویجِ اسلام اور علم و فضل کے لیے خدمات انجام دیں - پنج ہزاری منصب پایا تھا - طبیعت موزوں تھی - والہ تخلص کرتا تھا اور اچھے شعر نکال لیتا تھا - یہ دو شعر اس کے ہیں[۱] :

بی تو شامم تا بروز ما شبیخون میکند
مردمِ چشمم ز گریہ غوطہ در خون میزند

وسعتی پیدا کن ای صحرا کہ امشب از غمش
لشکرِ آہِ من از دل خیمہ بیرون میزند

۱۰۷۵ھ کے اوائل میں جب عالمگیر خود بھی سیر کے لیے کشمیر گئے تو علی آباد کے نزدیک ہاتھی بدک گیا - بہت سے سپاہی مارے گئے اور حرم سرا کی چند عورتیں بھی تلف ہو گئیں - بادشاہ تین ماہ کے بعد لوٹ گئے - ۱۰۷۵ھ میں سیف خاں ناظم مقرر ہوئے - یہ بڑے با رعب آدمی تھے - نظم و نسق اور حاکمانہ طمطراق کو قائم رکھتے تھے - اس کے باوجود پنجگانہ نماز سے غافل نہیں تھے -

---

۱- تاریخ کشمیر اعظمی ، ص ۱۶۴ -

ان کے عہد میں تبت کلاں فتح ہوا ، وہاں کا زمیندار مشرّف باسلام ہوا اور تبت میں مسجد تعمیر ہوئی ۔

سیف خاں نے ڈل کے کنارے باغِ سیف خان آراستہ کیا ۔ ۱۰۷۸ھ میں مبارز خاں صوبیدار مقرر ہوئے ۔ وہ خود نیک و صالح آدمی تھے اور مسجد جامع میں حاضر ہوتے تھے لیکن ان کے ہمراہی اہلِ کشمیر سے اچھا سلوک نہیں کرتے تھے اور ناحق خون بہاتے تھے ۔ ۱۰۸۰ھ میں زلزلہ آیا لیکن زیادہ نقصان نہ ہوا ۔ ۱۰۸۱ھ میں سیف خاں دوبارہ گورنر نامزد ہوئے ۔ اس مرتبہ انھوں نے مزروعہ زمینوں کی آبادی کے لیے بڑی کوشش کی ۔ محمد آباد کی بنیاد رکھی ۔ جھیل ڈل کے بیچوں بیچ لمبی سڑک بنوائی ۔ اس پر بارہ پل تعمیر ہوئے ۔ سیف خاں موسیقی کا اچھا ذوق رکھتے تھے ۔ انھوں نے ''راگ درپن'' کے نام سے موسیقی پر ایک کتاب بھی تالیف کی ۔ ان کے عہد میں شیخ عبدالاحد سرہندی فاروقی اور ان کے بھائی شیخ سعدالدین محمد اپنے بیٹے میاں محمد قطب کے ہمراہ کشمیر تشریف لائے ۔ بہت سے لوگ ان کے حلقۂ ارادت میں داخل ہوئے ۔ دو سال بعد ۱۰۸۳ھ میں افتخار خاں صوبیدار مقرر ہوئے ۔ انھوں نے چار سال تک حکومت کی اور مزار "ملا" محمد پارسا کے قریب مسجد تعمیر کرائی ۔ ان کے عہد میں ایک ایسی آگ لگی کہ شہر کا اکثر حصہ جل گیا اور جامع مسجد بھی جل گئی ۔ بادشاہ کے حکم سے مسجد از سر نو تعمیر ہوئی ۔ ۱۰۸۶ھ میں قوام الدین خاں صوبیدار مقرر ہوئے ۔ یہ بھی بڑے ضابطہ دان اور مسائلِ علمی سے واقف تھے ۔ انھوں نے عید گاہ کے قریب باغ اور عمارت کی بنیاد رکھی ۔ ان کے عہد میں بھی زبردست آگ لگی جو آتش کاوہ دار کے نام سے مشہور ہے جس سے شہر کا اکثر حصہ جل گیا تھا ۔ ۱۰۸۹ھ میں قوام الدین کے بجائے ابراہیم خاں صوبیدار مقرر ہوئے ۔ ان کے عہد میں زبردست سیلاب آیا ۔ 'طغیان بے حد' اس کی تاریخ ہے ۔ اس طرح ایک ماہ تک زبردست زلزلہ آتا رہا ۔ ۱۰۹۷ھ میں شیعہ و اہلِ سنت کے درمیان زبردست ہنگامہ ہوا ۔ طرفین کے کئی آدمی مارے گئے ۔ آخر بادشاہ نے ابراہیم خاں کو معزول کر کے حفظ اللہ کو بھیجا ۔ اس نے حسنِ انتظام سے امن قائم کیا ۔ جب وہ راجہ جموں کی تنبیہ کے لیے مامور ہوئے تو ابوالفتح نے ایک سال تک نیابت کے فرائض انجام دیے ۔ ۱۱۰۲ھ میں مظفر خاں پسر شائستہ خاں ناظم مقرر ہوا ۔ اس نے رعایا کے ساتھ بہت سختی کی ۔ چوتھائی اور زر دام داری وصول

کیا - ۱۱۰۴ھ میں اس کا بھائی ابو نصر خان ناظم ہوا - وہ بھی اپنے بھائی سے کمتر سخت گیر نہ تھا -

ابو نصر چھ سال تک برسراقتدار رہا - ۱۱۱۰ھ میں فاضل خاں ناظم ہوئے - انھوں نے رعایا کے ساتھ اچھا سلوک کیا - علما و مشائخ کی تعظیم و تکریم کی - مساجد و رباط تعمیر کیے ، بند باندھے - اہل کشمیر کو بھی مناصب عطا کیے - حاصل غلک اور دام داری کی رقوم معاف کیں - سد ہفت چنار ، سرای ، خانقاہ حسن آباد ، جوگی لنگر ، مدرسہ ، حمام متصل نو مسجد سنگین انھی کے زمانے کی یادگاریں ہیں - انھوں نے ساڑھے تین سال تک بر سرِ اقتدار رہ کر استعفا دے دیا - ان کے زمانے میں حضور اکرمؐ کا موئے مبارک کشمیر میں لایا گیا - قلندر بیگ نے اس واقعے کی یاد میں تاریخ کہی :[1]

محتاجان را بوقتِ حاجت طلبی — موی مددست یا رسول عربی

تاریخ نزول با یکی ھاتف گفت — کشمیر مدینہ شد از موی نبی (۱۱۱۰ھ)

فاضل خاں کے استعفا پر ابراہیم خاں تیسری مرتبہ ۱۱۱۳ھ میں ناظم کشمیر مقرر ہوا - اس مرتبہ اس نے رفاہِ خلائق کے بہت سے کام کیے - پانچ سال اور کچھ مہینوں تک اس کا اقتدار رہا - پھر وہ احمد آباد کا ناظم مقرر ہوا اور اس کی جگہ نوازش خاں روسی ۱۱۱۸ھ میں متعین ہوا ابھی وہ شہر میں داخل نہ ہوا تھا کہ اورنگ زیب عالمگیر کی خبرِ رحلت پہنچی ، گویا ایک عالم ہی درہم برہم ہوگیا -

فارسی ادب

شاعری :

اِس دور میں شعر و سخن کا زیادہ چرچا رہا - جہانگیر اور شاہجہان ادبی ذوق رکھنے کی وجہ سے علم و فن کے مربی اور قدردان تھے - ان کے بیش بہا انعامات کی وجہ سے شعرا کی بہت حوصلہ افزائی ہوئی - کشمیر میں جو ناظم مقرر ہو کر آئے ان میں سے بعض خود بھی شاعر ، شعر فہم اور شعر دوست تھے - ان میں سے ظفر خاں احسن ، عنایت خاں آشنا ، اسلام خاں ، علی مردان خاں اور

۱- تاریخ کشمیر اعظمی ، ص ۱۹۱ -

ابراہیم خاں کے نام سر فہرست ہیں - ان کے درباروں سے بھی شعرا وابستہ رہے - کشمیر کے بعض شعرا اپنے وطن سے باہر بھی سلاطین و امرا کے درباروں سے وابستہ رہے - بعض آزاد مرد تھے جنھوں نے کسی دربار سے تعلق نہ رکھا اور اپنے ذوق کی وجہ سے شعر کہتے رہے -

وادیِ کشمیر کی آب و ہوا ایسی خوش گوار اور فرحت افزا تھی کہ تمازت آفتاب کے مارے ہوئے لوگ میدانی علاقوں سے کشاں کشاں کشمیر میں آتے تھے - شعرا کو کشمیر سے زیادہ پُر سکون اور فرحت بخش فضا اور کہاں میسر آ سکتی تھی - حاجی محمد جان قدسی زندگی کے آخری ایام میں کشمیر میں مقیم ہو گئے اور یہیں فوت ہوئے - انھوں نے کشمیر کی تعریف میں اشعار کہے ہیں - دو شعر ملاحظہ فرمائیے :

ره فقر از ره کشمیر پیداست　　　که گام اول او ترک دنیاست

ازین ره چون توان آسان گذشتن　　　که گام اول است از جان گذشتن[1]

محمد قلی سلیم کچھ عرصے کے لیے نواب اسلام خاں کے وزیر بھی رہے - انھوں نے کشمیر ہی میں انتقال کیا - طغرای مشہدی کشمیر میں ایسے آئے کہ اسی مٹی میں دفن ہوئے - میر الٰہی ، ظفر خاں احسن کی معیت میں کشمیر آئے اور یہیں وفات پا گئے - صائب ، ظفر خاں احسن کے دربار سے متوسل ہو کر کچھ عرصے کے لیے کشمیر میں مقیم رہے - ابو طالب کلیم ، شاہنامۂ شاہان چغتائیہ نظم کرنے پر مامور ہوئے تو کشمیر چلے آئے اور ۱۰۶۱ھ میں کشمیر میں ہی انتقال کیا - انھوں نے کشمیر کی توصیف میں ایک بے نظیر مثنوی لکھی ہے -[2]

کشمیر میں بہت شعرا پیدا ہوئے - ان میں سے بعض نامور شعرا کو ہم نے عہد بعہد تقسیم کیا ہے - جن شعرا کے دیوان دستیاب ہوتے ہیں ان کے متعلق ہم نے تفصیل سے لکھا ہے اور جن شعرا کا ذکر صرف تواریخ اور تذکروں میں موجود ہے اور ان کے صرف چند اشعار ہی ملتے ہیں ، ہم نے ان کا مختصر

۱- تحائف الابرار فی ذکر الاولیاء الاخیار ، محی الدین مسکین ، امرتسر ۱۳۲۲ھ ، ص ۳۴۲ -

۲- ایضاً ، ص ۳۴۳ -

حال درج کر کے ان کے معلومہ اشعار محفوظ کر لیے ہیں - سید حسام الدین راشدی نے تذکرۂ شعرای کشمیر مؤلفہ اصلح مرزا کو شائع کر کے بڑی اہم خدمت انجام دی ہے - انھوں نے تعلیقات میں شعرائے کشمیر کے متعلق وہ تمام معلومات یکجا کر دی ہیں جو انھیں مختلف تذکروں سے دستیاب ہو سکیں - ہم نے اس تذکرے سے بہت استفادہ کیا ہے -

شعرائے عہدِ جہانگیر: ذہنی ، ندیم ، فطرتی ، اوجی ، بزرگی ، جمیل بیگ علوی ، ابراہیم طلوعی ، مستغنی -

شعرائے عہدِ شاہجہان: محسن فانی ، طاہر غنی ، فہمی ، فروغی ، فصیحی ، میرزا قلندر ، طیّب ، ناطق ، مُلاّ صبحی ، قاضی محمد عارف ، احسن اللہ ظفر ، محمد طاہر آشنا -

شعرائے عہدِ اورنگزیب: محمد اسلم سالم ، داراب بیگ جویا ، کامران بیگ گویا ، محمد زمان نافع ، عبدالرسول استغنا ، محمد رضا مشتاق ، نصیرالدین نصرت ، لطف اللہ بیگ صبا ، بینش ، صادق ، عبدالرحیم کمگو ، اکمل ، ملک شہید ، منشی محمد رفیع -

شعرائے کشمیر میں خاص طور پر کوئی نامور قصیدہ گو شاعر نہیں ہوا - عام طور پر غزل مقبول رہی ہے - چند ایک توصیفی و اخلاق مثنویاں بھی لکھی گئی ہیں -

نثر:

نثر میں تین قسم کے موضوعات پر کتابیں تالیف ہوئی ہیں:

۱- **دینی و درسی:** وہ کتابیں جو دینی مدارس میں درس کے لیے استعمال ہوتی تھیں یا جو عمومی دینی موضوعات پر مشتمل تھیں - مثلاً:

شرح عین الحکمت ، ہدایت الحکمت ، مطوّل و حواشی بےبدل وغیرہ از مُلاّ محسن کھتو ، فتاوای نقشبندیہ از معین الدین نقشبندی ، و دیگر علماء -

ہدایت الاعلیٰ از حسین خبّاز -

۲- **تصوّف و سلوک:** اس موضوع پر اولیائے کشمیر کے تذکرے ، ملفوظات مرشد اور حقیقتِ تصوف پر کتابیں لکھی گئی ہیں - مثلاً:

راحۃ الطالبین ، از خواجہ حسن قاری -

درجات السادات -
چلچلۃ العارفین ، از خواجہ اسحاق قاری -
تذکرۃ المرشدین ، از خواجہ میرم بزاز -
تذکرۃ العارفین ، از بابا علی رینہ -
رسالہ رضوانی و مرآۃ طیبہ ، از معین الدین نقشبندی -
کتاب سلطانی منظوم ، از مُلاّ بہاؤالدین متو -
اسرارالابرار ، از داؤد مشکٰوتی -
خوارق السالکین ، از مُلاّ احمد بن عبدالصبور -
کتاب قطرات ، از محمد امین ڈار -
رسالۂ ضروریہ ، از محمد امین ڈار -

۳- اختلافی مسائل :
سیف السابئین در ردِ شیعہ ، از خواجہ ابوالفتح کلو -
ردِ شیعہ ، از مُلاّ محمد محسن کھتو -

☆ ☆ ☆

غنی کشمیری[۱]

غنی کے مفصّل حالاتِ زندگی کہیں نہیں ملتے - علی جواد زیدی نے ۱۹۶۶ع میں 'معارف' کے جون سے ستمبر تک کے شماروں میں تمام معلوم مآخذ سے کچھ تفصیلی معلومات جمع کی ہیں اور غلط و صحیح اطلاعات میں فرق و امتیاز

۱- مجلۂ 'معارف' ماہانہ اردو ، جون ، جولائی ، اگست ، ستمبر ۱۹۶۶ع ، مقالہ از علی جواد زیدی - معارف ، نومبر ۱۹۲۷ع ، مقالہ از اکرام الحق - غنی کشمیری ، از اکبر شاہ خان نجیب آبادی ، لاہور - مرآۃ الخیال ، از شیر خان لودھی ، ص ۱۶۲ - سروِ آزاد ، از غلام علی آزاد بلگرامی ، ص ۱۰۳ ، ریاض الشعرا ، (بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر)

کرنے کی کوشش بھی کی ہے ۔ اگر کچھ اور معاصر حوالے مل جاتے تو ان کی زندگی کے متعلق مزید معلومات حاصل ہو جاتیں ۔ یقینی طور پر اتنا معلوم ہے کہ ان کا نام محمد طاہر تھا ۔ اشائی قبیلے سے تعلق رکھتے تھے ۔ شروع میں طاہر بھی تخلص کرتے تھے ۔ بعد میں عموماً غنی تخلص کرتے رہے ۔ تاریخ وفات ۱۰۷۹ھ ہے ۔ دیوان کے مرتّب[۱] غنی کے شاگرد محمد مسلم صنعی نے "حی غنیا" اور "پنہان شد گنج ہنری زیر زمین" سے تاریخ نکالی ہے ۔ قریب العصر تذکرہ کلمات الشعرا کے مؤلف محمد افضل سرخوش نے یہ بتا کر ہمیں مغالطے میں ڈال دیا ہے کہ "غنی تاریخ شعر گفتن و ابتدای تخلص یافتن اوست" غنی کے اعداد ۱۰۶۰ نکلتے ہیں ۔ حالانکہ اس سال سے پہلے ان کے اشعار کا چرچا تھا ۔ ایران کے نامور شاعر، مرزا صائب، ظفر خاں احسن صوبیدار کشمیر کے ہمراہ ۱۰۴۳ھ میں آئے اور وہ غنی کے اشعار سے بہت متاثر ہوئے ۔ انھوں نے غنی کے تتبع میں یہ غزل کہی:

در جواب آن غزل صائب کہ میگوید غنی
یاد ایّامی کہ دیگِ شوق ما سرپوش داشت

اس واقعے سے قیاس کیا جا سکتا ہے کہ ۱۰۴۳ھ میں غنی کا کلام اتنا پختہ ہو چکا تھا کہ ایک ایرانی شاعر ان کے کلام سے متاثر ہوا ۔ کم سے کم اس وقت ان کی عمر بیس سے تیس سال کے درمیان تو ہوگی ۔ تذکرۂ مرآۃ الخیال

(بقیۂ حاشیہ گزشتہ صفحہ)

از علی قلی خاں والہ داغستانی ۔ تذکرۂ نصر آبادی، از طاہر نصر آبادی، ص ۴۴۵ ۔ کلمات‌الشعرا، محمد افضل سرخوش، ص ۸۴ ۔ گل رعنا، از لچھمی نرائن شفیق، ص ۲۴۶ ۔ مخزن الغرائب، از علی احمد خاں سندیلوی، برگ ۲۴۵ ۔ مجمع النفائس، از سراج الدین علی خاں آرزو، ص ۶۶۵، ۶۶۶ ۔ واقعاتِ کشمیر، از محمد اعظم، ص ۲۶۱ ۔ ہمیشہ بہار، از کشن چند اخلاص سفینۂ بیخبر، از عظمت اللہ بیخبر، ص ۹۱ الف ۔ تذکرۂ حسینی، از میر حسین دوست سنبھلی ۔ کاشیر، از غلام محی‌الدین صوفی ۔ دیباچہ دیوان، غنی از مسلم صنعی ۔ شمع انجمن، ص ۳۴۰ ۔ نگارستان فارس، ص ۱۸۲، Persian Poets of Kashmir of Mughal Period by Dr. Zafar Khan, Ms. P. U. L.

۱۔ تذکرۂ شعرای کشمیر، از اصلح، مرتّبہ حسام الدین راشدی، کراچی، ۱۳۴۶ھ، ص ۲۳۷ ۔

مرتبہ ۱۱۰۲ھ نے بھی یہ لکھ کر اس مغالطے کو تقویت دی کہ "مرغ روحش در عین شباب بسر پنجۂ شاہین اجل گرفتار گردید" - حالانکہ غنی نے خود اپنی پیری و ناتوانی کا ذکر کیا ہے :

ز پیری چنان گشتہ ام ناتوان
کہ دندان بجنبند جای زبان

آدمی در عہد پیری بیخرد گردد غنی
می شمارم طفل خود را ریخت تا دندان مرا

غنی کے اپنے اشعار کی داخلی شہادت سے بھی ان کی زندگی کے متعلق معلومات حاصل ہو سکتی تھیں - لیکن ان کی زندگی کا تمام سرمایہ ڈاکٹر ظفر خاں کے شمار کے مطابق غزل کے ۱۶۲۴ شعر ، رباعیات کے ۲۸۴ شعر اور مفردات کے ۶۹۴ شعر ہیں - ان میں سے اکثر عہد پیری و کہولت میں کہے گئے ہیں - ان اشعار کی داخلی شہادت سے اس قدر واضح ہوا ہے کہ ان کی زندگی غربت و عسرت میں گزری ہے :

روز خوش در زندگی ہرگز نصیب ما نشد
عمر در ماتم بسر بردیم چون شمع مزار
چو من کسی بباغ جہان تلخ کام نیست
پیمانہ ام ز زہر شدہ پر چو کوکنار

ع : رفت عمرم در غریبی بر بساط روزگار

آخر عمر میں تو درد و شکستگی اعضا نے عزلت و انزوا میں ڈال دیا تھا - لیکن غنی نے اپنی یہ درد و عسرت کی زندگی قناعت و ہمت سے گزاری - کسی کے سامنے ہاتھ نہیں پھیلایا - وہ کہتے ہیں :

ما بفقر و فاقہ خورسندیم ہمچو آسیا
گر رسد روزی غبار خاطر ما می شود

دائم جوانم از مدد ہمت بلند
یعنی ز بار منت کس خم نگشتہ ایم

یہ یقینی نہیں کہ زندگی میں ان کے کیا وسایل معیشت تھے - اتنا ظاہر ہے کہ

ان کا اپنا ایک مکان ضرور تھا ۔ وہ خود لکھتے ہیں :

چون نیست بجز خانہ مرا ہیچ متاعی
عیبم نتوان کرد اگر خانہ بدوشم

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان کی زندگی درس و تدریس میں گزری ۔ اس طرح کچھ دانے پانی کا انتظام ہو جاتا ہوگا ۔ وہ خود کہتے ہیں :

بسر بردم غنی ہر چند عمر خود بمکتبہا
نیاوردم ز خط سرنوشت خویش سر بیرون

تکلیف کی وجہ سے ایک مرتبہ وہ درسی مشاغل سے محروم ہو گئے تھے۔ اس کا ذکر انھوں نے یوں کیا ہے :

افتادہ ام از درس ز دردِ اعضا
کو شاگردی کہ مالد اعضای مرا

وہ محسن فانی کے شاگرد تھے[1] ۔ مرآۃ الخیال میں لکھا ہے کہ[2] :

”بمددِ طبعِ دراک در فنون علم بر استاد چیرہ دستی می نمود ۔ ہرگاہ شیخ را مسئلہ مشکل شدی از وی استفسار نمودی ۔“

اپنے علم و فضل کا خود بھی ان کو خیال تھا :

ز شعر من شدہ پوشیدہ فضل و دانش من
چو میوۂ کہ بماند بزیر برگ نہان

محمد علی ماہر کہتے ہیں :

چو دادش فیض صحبت شیخ کامل محسن فانی
غنی سر حلقۂ اصحاب او در نکتہ دانی شد

غلام علی آزاد بلگرامی لکھتے ہیں کہ ”غنی مدت العمر در شہر خویش گزرانید ۔“[3] لیکن یہ صحیح نہیں ۔ انھوں نے سفر ضرور کیا ہوگا ، تبھی وہ کہتے ہیں ۔ کردہ است ھوای ھند دل گیر مرا“ اور :

برنگ آبلۂ پای در سفر ما را
ز شوق صبح وطن چشم تر سفید شداست

۱۔ دیباچہ دیوان غنی ، مرتبہ مسلم صنعی ، نول کشور ، ص ۵ ۔
۲۔ تذکرۂ مرآۃ الخیال ، شیر خان لودھی ، بمبئی ، ۱۳۲۴ھ ، ص ۱۶۲ ۔
۳۔ سرو آزاد ، لاہور ، ۱۹۱۳ع ، ص ۱۰۳ ۔

شاعر کی حیثیت سے غنی کا نام خاصا معروف ہے ۔ تمام تذکرہ نویسوں نے ان کے نکتہ رس ذہن کی تعریف کی ہے ۔ محمد افضل سرخوش جو خود نکتہ یاب طبیعت رکھتے تھے ، غنی کے متعلق لکھتے ہیں :

''صاحب طبع عالی بود . . . از خطۂ کشمیر بلکہ تمام اقلیم هند هچو او سخنوری خوش خیال ، نازک بند ، معنی یاب برنخاستہ . . .[۱]''

انھی کی روایت ہے کہ صائب کہا کرتے تھے ، کاش جو کچھ میں نے اپنی زندگی میں کہا ہے ، اس کشمیری کو دے دیتا اور اس کا یہ شعر مجھے مل جاتا :

حسن سبزی بخط سبز مرا کرد اسیر
دام همرنگ زمین بود گرفتار شدم

سراج الدین علی خان آرزو ، جو خود پائے کے ادیب ، شاعر اور نقاد تھے ، غنی کے متعلق ان کی رائے ہے کہ :

''مثل او از کشمیر چہ کہ از ملک دیگر نیز در متاخرین کم برخاستہ ۔ در بستن مضامین تازہ و بندوبست معانیِ نو و صفائیِ عبارات از همعصران بلکہ از اکثر گزشتگان پیش قدم است[۲]'' ۔

عظمت اللہ بیخبر بھی ان کے لیے ستائش کے کلمات استعمال کرتے ہیں :

''مثلِ او شاعری معنی یاب و محاورہ دان از خطۂ کشمیر برنخاستہ و باین بلاغت و فصاحت تکلم نساختہ ۔ کلام او فی الحقیقت بہار کشمیر است و دیوان او در شعرای ادا بند بینظیر[۳]'' ۔

غنی کو خود بھی احساس تھا کہ اس کی شاعری کے چرچے دور دور تک ہیں :

چنان نام من روشناس است در هند
کہ نقش نگین درمیان سیاهی

۱۔ کلمات الشعرا ، لاہور ، ۱۹۴۲ع ، ص ۸۳ - ۸۴ ۔
۲۔ مجمع النفایس ، مخطوطۂ پنجاب یونیورسٹی لائبریری ، ص ۶۶۶ ۔
۳۔ سفینۂ بیخبر ، مخطوطۂ پنجاب یونیورسٹی لائبریری ، ص ۹۱ ا ۔

پھر یہ شعر :

غنی چرا صلۂ شعر از کسی گیرد
همین بس است کہ شعرش گرفت عالم را

لیکن بعد میں ، یا ممکن ہے پہلے ، یہ شعر کہہ رکھا ہو :

نگردد شعر من مشهور تا جان در تنم باشد
کہ بعد از مرگ آهو نافہ بیرون میدهد بو را

غنی کے معلومہ حالات پڑھ کر ان کی زندگی کا جو نقشہ سامنے آتا ہے اس میں میکشی کا گزر نہیں ۔ لیکن ان کے دیوان میں ایسے اشعار موجود ہیں جن سے شراب سے لطف اندوز ہونے کا ذکر اس قدر واضح ہے کہ اسے محض نکتہ آفرینی تصور نہیں کیا جا سکتا ۔ بعض مقامات پر شراب سے شرابِ حقیقت بھی مراد لی جا سکتی ہے ۔ لیکن بعض اشعار میں الفاظ کے تلازمات سے شراب سے مراد شرابِ مادی ہی ہو سکتی ہے ۔ مثلاً :

توبہ از می نکنم در پیری
میکشی در شبِ مہتاب خوش است

می نیست چو در کاسہ مرا رعشہ بر اعضاست
دستم بنظر پنجۂ طنبور نواز است

گر جامِ می دمی نبود بر کفم غنی
دستم بسانِ دست سبو خشک می شود

دائم از مستی غنی در رقص چون دو لاب باش
گر نباشد می توان کرد آب در پیمانہ ها

ع : چشم ما روشن شد از خاک در میخانہا

نتوان چو زاهد از رہ خشکی بکعبہ رفت
کشتی بہ بحر بادہ روان میکنیم ما

آدمی خاکی ز خامی دارد از می اجتناب
کو زۂ گل پختہ چون گردد نمی‌ترسد ز آب

غنی گرمیٔ آواز اور تندیٔ صہبا کو بھی لازم و ملزوم سمجھتے ہیں - شراب کے بغیر آواز میں تیزی نہیں آتی - اس خیال کو انھوں نے دو شعروں میں بڑے دلپذیر انداز میں بیان کیا ہے - معلوم ہوتا ہے کہ وہ ان دونوں کی تاثیر سے واقف ہیں :

آتش می تیز سازد شعلۂ آواز را
بر کدوی بادہ باید بست تار ساز را

اور دوسرا شعر :

بود از شعلۂ آواز قلقل بزم می روشن
سرت گردم مکن خاموش ساقی شمع مینا را

غنی کو نغمہ بھی مرغوب ہے - وہ صوت و ساز دونوں کی دل نشینی اور تاثیر کو سمجھتے ہیں - ان کا قول ہے :

دامن مطرب مدہ از دست در فصل بہار
رشتہ گلدستۂ عیشت بود تار رباب

گر پردۂ ناموس کس از ناخن مطرب
در بزم طرب پارہ نشد پردۂ ساز است

بہ نغمہ دل چو نی بستند کم ظرفان وزین غافل
کہ این می آخر از تندی کند سوراخ پہلو را

شعر کے متعلق غنی کا نظریہ یہ ہے کہ ”تازہ مضمون کا حامل ہو ، تہ دار ہو ، رنگین ہو - ان کا خیال ہے کہ شعر کہنے کے لیے استعداد کا ہونا ضروری ہے - چنانچہ وہ کہتے ہیں :

خامہ ہر چند رود لیک بمعنی نرسد
سعی کاری نکند چون نبود استعداد

اپنی شعری ریاضت کے متعلق لکھتے ہیں :

از فکر تا سخن نشود قابل رقم
مانند خامہ سر ز گریبان نمی کشم

وہ کہتے ہیں کہ میرے اشعار تہ در تہ معانی سے لبزیر ہیں :

می نماید سخنم سادہ ولی بی تہ نیست
از تہِ چشمۂ آئینہ کسی آگہ نیست

ان کا خیال ہے کہ رنگا رنگ اشعار سے جو لطف پیدا ہوتا ہے ، تکرارِ مضامین سے وہ جاتا رہتا ہے :

غنی تار نفس چون رشتۂ گلدستہ میگردد
زبانم گر بہ تقریر آورد اشعار رنگین را

در مکرر بستن مضمون رنگین لطف نیست
کی دھد رنگ ار کسی بندد حنای بستہ را

تذکرہ نگار جس چیز کو معنی یابی ، خیال بندی ، ادا بندی وغیرہ کہتے ہیں ، وہ یہی تازہ مضامین لانے اور باندھنے کی کوشش ہے ۔ شاعر کلام کو رنگین بنانے کے لیے صنایع لفظی کے سہارے ڈھونڈتا ہے اور پرانی روش کے مطابق تجنیسات ، محاورات اور رعایاتِ لفظی سے کام لیتا ہے ۔ غنی نے بھی اس رنگ کے اشعار لانے میں بڑی مہارت کا ثبوت دیا ہے ۔ تازہ سے تازہ مضمون لانے کے لیے انھوں نے مثالیہ اسلوب اختیار کیا ہے ۔ وہ ایک مصرعے میں ایک مقولہ یا حکمت آمیز و نصیحت آموز مضمون پیش کرتے ہیں ، پھر دوسرے مصرعے میں اس کی تصدیق ، تائید اور تاکید کے لیے ایک مثال پیش کرتے ہیں ۔ بس مثال لانے میں ہی غنی کا کمال ہے ۔ وہ حیات و کائنات اور فطرت کے مشاہدے سے ایسی ایسی مثالیں پیش کرتے ہیں جن کو پڑھ کر تعجب و انبساط کا احساس ہوتا ہے ۔ ذیل کی مثال سے اس بیان کی وضاحت ہوتی ہے :

بر تواضعهای دشمن تکیہ کردن ابلهی ست
پای بوسِ سیل از پا افگند دیوار را

ہر دم تازہ سے تازہ مضمون لانے کا خیال ، پھر اسے نئے سے نئے انداز میں باندھنے کی فکر اور اس کے ساتھ ہی تہ در تہ رکھنے کا انداز کبھی کبھی بے راہ کر دیتا

ہے - اس طرح معانی میں ابہام پیدا ہوتا ہے - مثلاً ایک شعر دیکھیے :

دیدم میان یار و ندیدم دہان یار
نتوان ہیچ دید چو در دیده مو فتد

غنی کے نزدیک عشق کا مرتبہ بہت بلند ہے - چونکہ عشق محض ہوس کاری نہیں اس لیے محبوب بھی ہرجائی نہیں ہونا چاہیے - عشق زبردستی پیدا نہیں کیا جاتا بلکہ یہ تو ابتدائے آفرینش سے ہی انسان کے ساتھ ہے - محبوب ہی نور عطا کرتا ہے - اسی کے نور سے ہم اس کے حسن کو دیکھتے ہیں - حسن فروزاں ہو تو عشق فروزاں تر ہوتا ہے - عشق میں فقیر و بادشاہ کا امتیاز اٹھ جاتا ہے - غنی اپنے ان عقائد کو مثالوں کے ذریعے مؤکد و مؤثق بناتے ہیں :

عشق بر یک فرش بنشاند گدا و شاه را
سیل یکسان میکند پست و بلندِ راه را

ناتوانی عاشقِ معشوقِ ہرجائی مشو
میکند خورشید سرگردان گل خورشید را

شد مرا از قفس بیضہٴ بلبل معلوم
کہ گرفتاریِ عشاق بود مادر زاد

چشمِ عاشق روشن است از پرتوِ دیدار دوست
شمع نخل وادیِ ایمن بود پروانہ را

توتیای چشمِ ما جز پرتوِ خورشید نیست
ما بنور دوست می بینیم حسن روی دوست

ترسم طرف مہر نبوت شود آخر
ہر داغ کہ عشاق تو بر سینہ گذارند

غنی کی دنیا خلوت گزینی ، مادی اسباب سے بے تعلقی ، خاکساری اور قناعت

و توکل کی دنیا ہے ۔ یہ دنیا ذلّت ، پستی ، گداگری اور دوں ہمتی کی دنیا نہیں بلکہ سرفرازی ، استغنا اور عالی ہمتی کی دنیا ہے :

غنی اگرچہ فقیر ست همتی دارد
فشانده است بکونین دست خالی را

روشن بقناعت شود آئینهٔ باطن
ماهی که دل افروز بود نان جوین است

هر که چون من زد قدم در راه استغنا غنی
اطلس گردون بپای همتش پاتابه ایست

تا رزق خود رسد بدهانت چو آسیا
دائم خموش دار زبانِ سوال را

غنی سعی و کوشش کی تلقین کرتے ہیں ۔ خطر و بلا کو اپنانے کی دعوت دیتے ہیں اور عقیدہ رکھتے ہیں کہ ریاضت کے بغیر عرفان بھی حاصل نہیں ہوتا :

بی ریاضت نشود نشهٔ عرفان حاصل

من از قدم سعی بمقصود رسیدم هر آبلهٔ پای مرا قبله‌نما شد

هر کس که داد تن به بلا ایمن از بلاست

غنی کے نزدیک صفائیِ قلب اور نور باطن سب سے بڑی نعمت ہے ۔ اسی سے حقائق حیات و کائنات منکشف ہوتے ہیں اور دل تمام آفات سے محفوظ رہتا ہے ۔ اس منزل تک پہنچنے کے لیے سب سے پہلے شعورِ ذات یا عرفانِ نفس ضروری ہے ۔ جب عرفان حاصل ہو جائے تو پھر ہر چیز کی حقیقت ظاہر ہو جاتی ہے :

ره بجای نبرد هر که ز خود بی خبراست

گردِ خود گرد غنی چند کنی طوف حرم
رهبری نیست درین راه به از قبله نما

چشم هر کس کہ شد از سرمۂ عرفان روشن
آتش طور ز هر سنگ توانہ دیدن

میتوان دید ز هر ذره فروغ خورشید
دل اگر صاف شود روی زمین آئنہ است

فارغ بود از آفت گیتی دل روشن

غنی قابل ستایش ہیں اور عزت و قدر کے مستحق ، کیونکہ انھوں نے اپنی زندگی کے تجربات و مشاہدات کو نہایت دل پذیر انداز میں پیش کیا ہے - انھوں نے نہ صرف عالمگیر سچائیاں منکشف کی ہیں بلکہ رموز حیات کی طرف اشارے کیے ہیں اور زندگی میں کام آنے والی نصیحتیں کی ہیں - ہمسایوں اور ہم جنسوں کے ساتھ اچھا سلوک کرنے اور ایک دوسرے کی مدد کرنے کے اصول بتائے ہیں - مثلاً :

سعی بر راحت همسایگان کردن خوشست

دست کسی بگیر اگر دست می دهد

توان از چرب و نرمی کرد اسیر خویش سرکش را
کہ تار شمع دائم شعلہ را زنجیر پا باشد

وضعِ ملایم بود تیغِ زبان را سپر
تیره نسازد نفس آئنۂ آب را

رفیق اهل غفلت هر کہ شد از کار می ماند
چو پای خفتہ پای دیگر از رفتار می ماند

غنی کا نام اس لیے بھی زندہ و پایندہ ہے کہ انھوں نے برّ ِعظیم پاک و ہند میں مثالیہ انداز کو کمال عروج پر پہنچا دیا - ان کی شاعری کا طرۂ امتیاز ہی یہی ہے - یہ بڑا مشکل فن ہے - ہر مقولے کے لیے عین مناسب منطقی دلیل پیش کرنا

ہر ایک کا کام نہیں - اس کے لیے غور و فکر اور دقتِ نظر کی ضرورت ہوتی ہے - غنی نے آئینہ ، دریا ، موج ، حباب اور خصوصاً آسیا یا آسیاب کے متعلق بہت سی مثالیں پیش کی ہیں -

غنی نے فارسی زبان پر قدرت و مہارت دکھانے کے لیے محاورات کو استعمال کیا ہے اور خاص طور پر رعایات لفظی کا ضرور خیال رکھا ہے - ذیل کی مثالیں دیکھیے :

آب برخاک زند سرکشی آتش را

مشکل بود گرفتن چیزی ز دست خلق
دستِ کسی بگیر اگر دست می دهد

کند در هر قدم فریاد خلخال
که حسن گلرخان پا در رکاب است

غنی کی شاعری کا ایک امتیازی نشان یہ بھی ہے کہ وہ دوسرے شعرا کی طرح صرف ایرانی شاعری کی روایات ، تلمیحات ، تشبیہات و استعارات استعمال نہیں کرتا بلکہ اپنے وطن کی اشیا اور ان کی خصوصیات کا بھی ذکر کرتا ہے ، مثلاً سورج مُکھی پھول ، پان ، گوپھیا ، صندل ، چیرہ ، مہرۂ مار وغیرہ - اشعار میں ان کی مثالیں دیکھیے :

هست میل خوردن پان گلرخان هند را
عاشقان گوئی که از خون خودش دادند آب

چو سر بپای تو سودم ز درد سر رستم
حنای پای تو ام کرد کار صندل سرخ

پیریم و نیست چیرۂ زرباف باب ما
دستار نقره باف ز مو بسته ایم ما

غنی نے اپنے معاصرین میں سے قدسی و سلیم کا ذکر کیا ہے اور ابوطالب کلیم کا قطعہ تاریخ لکھ کر اپنی عقیدت کا اظہار کیا ہے :

طور معنی بود روشن از کلیم = (۱۰۶۰ھ)

رفیع نام کے ایک شاعر ہیں ۔ ان کی غزل کے تتبع کے متعلق کہا ہے :

نہ گفتہ ایم غزل در زمین طرز رفیع
کہ می شود سخن ما درین طرح کم سبز

ممکن ہے یہ رفیع ، مرزا حسن بیگ رفیع ہوں جو عہد عالمگیری میں دیوان بیوتات کشمیر تھے ۔[1] ایک صاحب قلندر ہیں[2] جو ان کی نگاہ میں بلند مرتبہ شاعر ہیں ۔ وہ لکھتے ہیں :

از اهل سخن کسی بقلندر نرسد
در شعر او عرفی و سنجر نرسد
هر مصرع او بسکه بلند افتادست
ترسم که باو مصرعِ دیگر نرسد

☆ ☆ ☆

محسن فانی

محسن نام ، فانی تخلص ۔ ان کی زندگی کے تفصیلی حالات دستیاب نہیں ۔ تحائف الابرار میں مذکور ہے[3] کہ وہ شیخ یعقوب صرفی کے خاندان سے تعلق رکھتے تھے ۔ جن تذکرہ نگاروں نے انھیں شیخ یعقوب صرفی کا شاگرد لکھا ہے ان کا بیان صحیح معلوم نہیں ہوتا ۔ کیونکہ شیخ صرفی ۱۰۰۳ھ میں وفات پا گئے تھے اور معلومہ ماخذ کی رو سے فانی شاید اس سال تک عالمِ وجود میں بھی نہیں آئے تھے ۔ ان کی تاریخ وفات ۱۰۸۲ھ ہے ۔ وہ مُلاّ محمد گافی کے شاگرد تھے ۔ انھوں نے

۱۔ کلمات الشعرا ، لاہور ، ۱۹۴۲ع ، ص ۴۰ - ۴۱ ۔
۲۔ تذکرۂ شعرای کشمیر ، از اصلح ، مرتّبہ حسام الدین راشدی ، کراچی ۱۳۴۲ھ ، ص ۳۱۶—۳۲۱ ۔
۳۔ تحائف الابرار فی ذکر الاولیاء الاخیار ، از محی الدین مسکین ، امرتسر ، ۱۳۲۲ھ ، ص ۲۹۶ ۔

علم و فضل میں کمال پیدا کیا - صاحبِ 'مرآۃ الخیال'، جو ان کے قریب العصر مصنف ہیں، بتاتے ہیں کہ شاہجہان نے ان کی قدر و منزلت کی اور انھیں الہ آباد میں صدارت کے عہدے پر فائز کیا - ۱۰۵۶ھ میں جب شاہزادہ مراد بخش نے بلخ فتح کیا اور نذر محمد خاں حاکمِ بلخ مال و متاع چھوڑ کر بھاگ گیا تو اس کے کتاب خانے سے دیوانِ محسن فانی ملا جس میں خانِ مذکور کی تعریف میں ان کے اشعار موجود تھے - اس لیے وہ شاہجہان کی نظروں سے گر گئے اور عہدۂ صدارت سے معزول کر دیے گئے - اس کے باوجود ان کا سالانہ وظیفہ مقرر کر دیا گیا اور وہ آخری دم تک کشمیر میں درس و تدریس میں مشغول رہے -[۱] نذر محمد خاں کی مدح کا مسئلہ کچھ مشکوک سا نظر آتا ہے کہ ایک عالم دین اور حکومت کا صدر، ہندوستان میں بیٹھا دور کی ایک چھوٹی سی حکومت کے والی کی تعریف میں اشعار لکھتا پھرے - فانی کے مندرجہ ذیل اشعار سے ظاہر ہوتا ہے کہ معزولی کی اصل وجہ کچھ اور تھی - شاید یہ علما کی رقابت کا شاخسانہ تھا - وہ کہتے ہیں:

بی نصیب از درک معنی باد آنکس پیش شاه
علم ما را در لباس جهل ما تقریر کرد
در جهان بوی پیاز بلخ مشهور است لیک
مدعی این تهمت آخر بر گل کشمیر کرد
قاضی ار دیباچه ای بر نسخهٔ فانی نوشت
فتوی خونین رقم زد زهر را در شیر کرد

ایک اور شعر سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ شاہجہان سے خوش نہیں تھے - چنانچہ طنزیہ انداز میں کہتے ہیں:

چو شاه ملک قناعت شدم چه غم دارم
اگر ز شاه جهانم خطاب خانی نیست

وہ ناراض ہو کر غصے کا اظہار بھی کرتے ہیں:

از ادب دور است زیر تیغ شاهان دم زدن
ورنه از تیر دعا ما هم جوابی داشتیم

۱- مرآۃ الخیال، شیر خاں لودھی، بمبئی ۱۸۳۱، ص ۲۰۵ - گلِ رعنا، خطی، ورق ۲۳۹ -

یہ یقینی نہیں کہ اس تیرِ بددعا کا رخ شاہجہان کی طرف تھا یا اورنگ زیب کی طرف ۔ اورنگ زیب کی طرف اس لیے کہ وہ داراشکوہ کے قتل کا باعث ہوا اور صاحب تحائف الابرار کی روایت سے معلوم ہے کہ دارا کے ساتھ فانی کے گہرے مراسم تھے ۔ فانی خود بھی کہتے ہیں :

فانی کہ سجدۂ در داراشکوہ کرد
دیگر سرش فرود بہ ہر در نمی شود

ایک مرتبہ دارا شکوہ نے فنا و بقا کے موضوع پر تبصرہ کرتے ہوئے ان کے تخلص فانی کے متعلق ایک خط لکھا ۔ فانی نے اس کا جواب بھی دیا ۔ اس جواب سے دارا شکوہ کے ساتھ فانی کی عقیدت ظاہر ہوتی ہے ۔ یہ دونوں خط کلیات جلالای طباطبائی مخطوطہ کتابخانۂ مرکزی دانشگاہ تہران ، شمارہ ۴۴۹۲ میں محفوظ ہیں ۔ ان کی اہمیت کے پیش نظر ہم ان کو یہاں نقل کرتے ہیں ۔ انھی تعلقات کی بنا پر تحائف الابرار کا مصنف لکھتا ہے کہ فانی شروع میں مذہب حکما پر عامل تھے ۔ آزاد مشربی اور صلح کُل ان کا مذہب تھا ۔ داراشکوہ کے قتل پر فانی کو جو غم ہوا اس کا اظہار وہ اس شعر میں کرتے ہیں :

داغ شو یوسف کہ ما را از غم داراشکوہ
عشق برعکس زلیخا در جوانی پیر کرد

'تحائف' میں ہی مذکور ہے کہ بعد میں فانی اپنی پہلی روش سے باز آ گئے اور حضرت محمد امین ڈار کی توجہ سے توبہ و استغفار کر لی ۔

"مکتوبِ دارا شکوہ برای شیخ محسن فانی و پاسخ او ۔
(ص ۵۷۸ تا ۵۷۹)

"فانی بنوشتن و گفتن کسی نشود بلکہ فانی او بود کہ از اسم و رسم ، ظاہر و باطن و قیاس و لباس رستہ باشد ۔ اگرچہ باعتقاد خود فانی شدہ اند و از ظاہر صورت فانی بوی فنا می آید اما چون در باطن اثری نشدہ و ہستی موہومی باقیماندہ صورت فانی بنظر می آید و در لباس فنا بہ تحقیق منی ظاہر می شود ۔"

بیت

ترا باید کہ جان و تن نماند
وگر ہر دو بماند من نماند

ز تو تا هست موی مانده بر جای
بدان یک موی باقی مانده بر پای
تو تا یکبار جانرا در نبازی
جنب دائم ترا و نا نمازی

محبت شیخ محسن فانی باقی باد -

"عرضداشت شیخ محسن در جواب مکتوب دارا شکوه :

عرضداشت شیخ محسن فانی بموقف عرض راز دانان ملک و ملکوت و رمز شناسان جبروت و لاهوت که مقربان درگاه صاحب عالم فانی و نزدیکان بارگاه مالک جهان جاودانی می رساند که نشان عالیشان فنا بیان بقا عنوان نامزد بی نام و نشان شده بود - در وقتی که از انتخاب دیوان فانی مطلق بالحق یعنی حضرت مرشدی و مخدومی قطب الاقطاب ، افنانا الله تعالیٰ ببرکت فنائه و ابقانا بیمن لقائه فراغ یافته بود پرتو ورود انداخت ، و این گمنام ویرانهٔ نیستی را نامدار هستی ساخت - مرقوم قلم عنایت رقم و مرسوم خامهٔ هدایت شیم شده که اگرچه باعتقاد فانی شده اند و از ظاهر صورت فانی بنظر می آید و در لباس فنا به تحقیق منی ظاهر میشود ، مرشد مسترشدان سلامت ، اگر تصحیف فانی دلیل نقصان است ، چنانچه این کلمات قدسیه مشعر برآنست اما ازین حیثیت که این لفظ متضمن معنی بقاست ، منظور نظر پادشاه دین و دنیاست - امید وار است که ببرکت این کلمات ارشاد سمات ببود حقیقی و وجود تحقیقی موصوف شود و به هستی ابدی و بقای سرمدی معروف گردد :

بیت

کرده ای موجود این معدوم را
داده‌ای فرِّ همائی بوم را
ذره را فانیِ مطلق خوانده ای
گردِ ظلمت از رخش افشانده ای
قطرهٔ را منصب عمان دهی
پادشاهی هرچه خواهی آن دهی

دولت شاهی و منصب لی مع اللہی بکام دل فانی باقی باد ۔"

(ص ۵۷۹ - ۵۸۰)

فانی کے اپنے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ شیخ محب اللہ الہ آبادی متوفی ۱۰۵۸ھ کے مرید تھے ۔ چنانچہ اپنی مثنوی 'مصدر الآثار' میں لکھتے ہیں :

آنکہ ز اسرار یقین آگہ است
قطب زمان شیخ محب اللہ است
دیدۂ من مہر رخ او چو دید
در دل من صبح سعادت دمید
ساختہ در یک نظر آن چارہ ساز
از دل من محو علوم مجاز
دست عنایت بسر من نہاد
داد بباد آنچہ مرا بود یاد
گشت عیان راز نہانی ازو
ملک بقا یافتہ فانی ازو

شیخ محب اللہ کو ثانی شیخ ابن عربی کہتے ہیں[۱] ۔ انھوں نے عربی اور فارسی میں 'فصوص الحکم' کی شروح لکھیں ۔ ان کے علاوہ وہ مندرجہ ذیل کتابوں کے مصنف تھے :

ترجمۃ الکتاب[۲]، حاشیہ ترجمۃ الکتاب ، غایۃ الغایات ، مغالیط العامہ ، رسالۂ وجود مطلق ، سرّالخواص ، طرق الخواص ، انفاس الخواص ، عبادۃ الخواص ، عیادۃ اخص الخواص ، مناظر اخص الخواص ، رسالۂ تسویہ ، رسالۂ سہ رکنی ، رسالۂ ھفت احکام ، کتاب المبین ۔ الھی کی تعلیمات کا اثر فانی کے کلام میں کہیں کہیں نظر آتا ہے ۔ مثلاً ابن ِ عربی کے مماثل افکار کا اظہار ان اشعار سے عیاں ہے :

ما مظہر حسن لا یزالیم ہمہ
آئینۂ ذات ذوالجلالیم ہمہ

۱۔ مخزن الغرائب ، از احمد علی ، مخطوطۂ پنجاب یونیورسٹی لائبریری ، ص ۲۷۳ -

این پست و بلندی کہ شما می بینید
خود عین خدائید و خدا می بینید

منصور نے جو 'انا الحق' کہا وہ بھی اسی کا اظہار تھا لیکن ایسا کہنے کی سزا پھانسی بھی ہو سکتی ہے :

حرف منصور کہ از دولت عشق است بلند
معنیش جز بسر دار نگردد روشن

فانی ، حضرت میاں میر اور حضرت 'ملا' شاہ سے بھی سلسلۂ ارادت رکھتے تھے - وہ کہتے ہیں :

برپا کردم سلسلۂ پیر و مرید
ہم 'ملا' شاہ و ہم میاں میر شدم

پیریم و مرید حضرت اللہ ایم
یعنی کہ محب خاص ملا شاہیم

فانی ہندوستان میں بھی رہے اور ہندوستان کی بہت سی چیزیں انھیں مرغوب بھی تھیں ، لیکن کشمیر و کابل کو بہت پسند کرتے تھے - چنانچہ ہندوستان کے متعلق وہ کہتے ہیں :

بسکہ میروید گلِ آتش ز آب و خاک ہند
ہر کہ میاید بہندوستان سمندر می شود

بغیر ہند کزو ہست باغ عالم سبز
بہیچ خاک نگردید تخم آدم سبز

ہوای برشگال ہند خوش آید مرا لیکن
نسیم نوبہار کابل و کشمیر می باید

کابل کی تعریف میں کہتے ہیں :

کی بکابل یاد فردوس و ارم فانی کند
از برای او جہان آرا و شہرآرا بس است

لیکن کشمیر کو چھوڑ کر ہندوستان نہیں جانا چاہتے :

کی ز کشمیرم توان تکلیف سیر هند کرد
چون برد کس از حلب در زنگبار آئینہ را

فانی خود کہتے ہیں کہ انھوں نے بادشاہوں اور شاہزادوں کی مدح سرائی کی ہے :

بسکہ مدح پادشاه و شاهزاده گفتہام
گاه شاهی شد تخلص گاه سلطانی مرا

لیکن ان کے دیوان میں وہ قصاید موجود نہیں جن میں بادشاہ کی مدح و ستایش کی گئی ہے ۔ البتہ کہیں کہیں غزل اور قطعہ میں مدحیہ اشعار آ گئے ہیں ۔ مرآۃ الخیال میں شاہجہان کی تعریف میں ایک قصیدے کے کچھ اشعار مندرج ہیں ۔ ایک دو جگہ داراشکوہ کی تعریف ہے اور ایک جگہ ظفر خان ناظم صوبۂ کشمیر کی ستایش میں اشعار کہے ہیں ۔ مثلاً :

بہار گلشن کشمیر باز رنگین شد
کہ ابر فیض ظفر خان کامگار آمد

دوسرے صوفیہ کی طرح فانی بھی صلح کل کے حامی اور آزاد مشربی کے مؤید ہے ہیں ۔ مثلاً ان کے یہ دو شعر شاہد ہیں :

کتاب صلح کل گر درس گوید پیر میخانہ
توان از بادۂ توحید شست اوراق مذهبها

ز حسن خلق بهر مشربی گوارا باش
بشیشہ از لب پیمانہ همزبانی کن

آزاد مشربی کے باوجود شرعی عبادات کی پابندی ضروری ہے ، لیکن فانی ان عبادات کو زیادہ وقعت نہیں دیتے تھے ۔ چنانچہ وہ کہتے ہیں :

این عبادتهای رسمی خوش نمی آید مرا
لیک میدانم کہ کردن خوشتر از ناکردن است

نیست ما روشندلان را حاجت طوف حرم
کلبۂ تاریک ما بیتالحرام ما بس است

کبوتران حرم گرد کعبہ میگردند
کہ کردہ اند غلط راہ آشیانۂ خویش

وحدت الوجودی صوفیہ کی طرح فانی بھی معتقد ہیں کہ اپنی ذات کو خدا کی ذات میں فنا کردو اور ہوبہو عین خدا ہو جاؤ:

در ذات دوست محو شو ار بایدت کمال
در بحر قطرہ ناشدہ گوہر نمی شود

نخواہی دید حق را تا تو عین حق نخواہی شد
نظر بر حسن پاک از چشم عشق پاک می افتد

جب صوفی ماسوی اللہ کو فراموش کر کے اپنی ذات کو خداوند کون و مکان میں جذب کر دیتا ہے تو وہ عینِ خدا ہو جاتا ہے۔ پھر مہ و آفتاب اور نظامِ کائنات اسی کے اشارے سے چلتے ہیں جیسا کہ فانی لکھتے ہیں:

بر بساط چرخ انجم ریزۂ نان من است
قرص مہ بر سفرۂ افلاک از خوان من است
از دل من می برد ہر صبحدم فیض آفتاب
جیب مشرق روشن از چاک گریبان من است
ہست سرگردان فلک دائم ز سرگردانیم
کار عالم بہتر از حالِ پریشانِ من است

یہ مقام حاصل کرنے کے بعد فقیر میں قہرمانہ قوتیں بھی آ جاتی ہیں۔ فانی اس کا اظہار یوں کرتے ہیں:

پادشاہ عالم فقریم و ہر سو رو نہیم
لشکر اقبال ما فوج دعای ما بس است
ما بہر سوی کہ رو آریم فتح از ما بود
گر کسی تیغی علم سازد عصای ما بس است

پاکباز صوفی موحّد کی طرح فانی اولادِ آدم کے ساتھ ہمدردی کا سبق دیتے ہیں۔ ہر ایک کے ساتھ اخوّت و مساوات رکھنا سکھاتے ہیں۔ دشمنوں سے اچھا سلوک کرنے کا مشورہ دیتے ہیں۔ دوسروں کے عیوب پر پردہ پوشی کی تلقین کرتے ہیں۔ ہندوستان کی فضا میں اس قسم کے اخلاق کی تبلیغ بہت مفید تھی۔ اکبر نے

غیر اقوام کے ساتھ صلح و آشتی کا پیغام عام کرنے کے لیے جو کوشش کی تھی ، اس قسم کے اخلاق کی تبلیغ بھی اس کوشش میں بہت معاون ہو سکتی تھی - مثال کے لیے ہم ان کے یہ تین شعر نقل کرتے ہیں :

بدوست هرچه کنی از تو رو نمی تابد
بدشمن ار برسی درپیٔ مدارا باش
مشو چو گرد کدورت غبار خاطر ها
چو شمع داغ محبت چراغ دلها باش
بدی و خوبیِ عالم ببین و عیب مکن
چو چشم صورت دیوار در تماشا باش

فانی شراب کو اصطلاحی یا مجازی معنوں میں استعمال کرتے ہیں کیونکہ درویش و فقیر کہاں اور شراب کہاں - مگر بعض جگہ وہ شراب اور اس کے لوازم کو ایسے رنگ میں استعمال کرتے ہیں کہ انجان آدمی مغالطے میں مبتلا ہو سکتا ہے - مثلاً یہ اشعار ملاحظہ کیجیے :

توبه در پیری نکردم از شراب
باده مینوشم شب مهتاب هم

هوای ابر و بزم عیش و روی یار می باید
قدح لبریز و ساقی مست و دل هشیار می باید

البتہ مندرجہ ذیل اشعار میں شراب سے مراد شرابِ معرفت یا شرابِ عشق ہی ہو سکتی ہے :

ساقی برای روشنی راه بے خودی
بر کف گرفته است چراغ ایاغ را

فانی احوال سپهر و مهر روشن می شود
هر سحر از دور جام و گردش مینا مرا

کی توان از میکشی فانی بآسانی گذشت
چون شراب کهنه ما را همدم دیرینه است

اِس خیال سے کہ کہیں کوئی شراب کو شرابِ مادی نہ سمجھ لے ، فانی کو وضاحت کرنا پڑی ۔ وہ کہتے ہیں :

هرگز دلم بجام شراب آشنا نشد
دریای خون بچشمهٔ آب آشنا نشد

هر که ما را تهمت صهبا پرستی میکند
از تنک ظرفی ببوی باده مستی میکند

فانی کی غزلیات میں عشق کے دو پہلو نمایاں ہیں ؛ ایک عشق — محکم و استوار عشق ، خالقِ کائنات یعنی محبوبِ حقیقی کے ساتھ عشق ۔ وہ عشق جو دل میں آہنگ پیدا کرتا ہے ، تڑپ پیدا کرتا ہے ، آہ و اشک سے لرزہ براندام کرتا ہے ۔ وہ عشق جس سے انسان خود بھی بیدار ہوتا ہے اور دوسروں کو بھی خبردار کرتا ہے ۔ وہ عشق جس کے رچاؤ سے انسان عینِ عشق بن جاتا ہے اور بقائے جاودانی پا لیتا ہے ۔ فانی کے اشعار میں ایسے عشق کے متعلق احساسات و کیفیات کا بھرپور اظہار ملتا ہے ۔ مثلاً وہ اپنے کامیاب عشق کا ذکر اس طرح کرتے ہیں :

فانی بیمنِ عشق تو ملک بقا گرفت
از سایهٔ همای گدا پادشاه شود

من عین عشق گشتم و پروا نمی کنم
لرزد بجوش گرچه زمین و زمان ز عشق

دوسرا عشق انسانوں کا عشق ؛ وہ عشق جس سے نفسانی جذبات کی تسکین ہوتی ہے ، وہ عشق جو محبوب کے قرب ، اس کی خوشنودی ، اس کے حسن سے دلبستگی اور اس کے ساتھ ہم نشینی اور بوس و کنار تک محدود ہے ۔ فانی کی غزلیات میں اس قسم کے عشق کی کیفیات اور احساسات کا بھی اظہار ملتا ہے اور دل نشین اندازِ بیان کی وجہ سے ہمیں ان کے درست اور سچے ہونے میں شک و شبہ نہیں رہتا ۔ وہ بعض صوفیہ کی طرح عشقِ مجازی کے قائل تھے اور کہا کرتے تھے کہ وہ عشقِ بتان کی وجہ سے بدنام بھی ہیں :

فانی از عالم فانی بنکونامی رفت
گرچه در عشق بتان از همه بدنام‌تر است

ان کا محبوب لڑکا بھی ہو سکتا ہے اور لڑکی بھی ۔ ایک رباعی سے تو ان کا محبوب واضح ہے :

خورشید رخ و زهره جبینی پسرا
بر خاتم حسن چو نگینی پسرا
آرام دل و آفت دینی پسرا
سبحان الله چه نازنینی پسرا

عشقِ مجازی کے متعلق ان کے احساسات کا اندازہ کرنے کے لیے ان کی مندرجہ ذیل غزل پیش کی جا سکتی ہے جس سے ان کے عشق کی حددو سمجھی جا سکتی ہیں :

از من شبی رنجیده او ، تا صبحدم نالیده من
بر روی من خندید او ، از روی او گل چیده من
هر دو در بزم شراب در صحبت هم کامیاب
او خورده خونِ می چو آب لعلِ لبش بوسیده من
از آتش رخسار او تا گرم شد بازار او
چون زلفِ عنبربار او فانی بخود پیچیده من

فانی اپنے کلام کے متعلق کہتے ہیں کہ میں گہری سوچ اور فکر کے بعد شعر کہتا ہوں ۔ اس میں سوزِ دروں شامل ہوتا ہے اس لیے شعر دل سے خود رو پودے کی طرح پھوٹتا ہے ۔ اس میں اصلاح کی گنجایش نہیں ہوتی :

ز کس اشعار بی فکر من اصلاحی نمی خواهد
نباشد احتیاج باغبان گلهای خودرو را

گر از زبانِ خامۂ من خون چکد رواست
از خار خار فکر دلم بسکه خسته است

ان کی رائے ہے کہ شعر دلکش بھی ہو اور تاثیر بھی رکھتا ہو ۔ وہ شعر کی ایجابی اور سلبی اثر انگیزی کے بھی قائل ہیں ۔ شعر جان پرور و ایمان افروز بھی ہو سکتا ہے اور دشمن دین و ایمان بھی ہو سکتا ہے :

گاه سخن آب ، گہی آتش است
گاه جگر سوز و گہی دلکش است

گاہ کند زندہ و گہ جان برد
گاہ دھد دین گہ ایمان برد[1]

فانی نے اکثر تشبیہ مرکب یا تشبیہ تمثیلی کو اپنایا ہے جو اس دور کا نمائندہ اسلوب ہے - ان کے شاگرد غنی نے تو اس کو عروج کمال پر پہنچایا - فانی بھی اپنے افکار کی تائید کے لیے اچھی اچھی دلنشیں مثالیں لاتے ہیں - مثلاً :

بہزم وصل ہم آرام نیست فانی را
ز موج آب نرفت اضطراب در دریا

حسنِ ذاتی را بآرایش نباشد احتیاج
شانۂ درکار نبود طرۂ شمشاد را

فانی کی تصانیف :

۱- دیوان -
۲- مصدر الآثار (مثنوی) -
۳- ناز و نیاز (مثنوی) -
۴- ہفت اختر (مثنوی) -
۵- ماہ و مہر (مثنوی) -

☆ ☆ ☆

محمد اسلم سالم[2]

سالم کشمیر کے نامور رئیس ابدال بٹ کے بیٹے تھے - پہلے یہ ہندو تھے ، پھر توفیقِ خداوندی نے رہنمائی کی اور شیخ محسن فانی کے فیضِ تربیت سے اپنے دو

۱- مثنوی مصدرالآثار ، بحوالہ دیباچۂ دیوان محسن فانی ، مرتبہ ک ، ل ، تیکو ، تہران ، ص ژ -

۲- تذکرۂ شعرای کشمیر ، اصلح میرزا ، کراچی ، ۱۹۶۸ع (ص ۱۱۵-۱۴۱) - کلمات الشعرا ، از سرخوش ، ص ۴۱ - تاریخ اعظمی ، از محمد اعظم ، (بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر)

بھائیوں کے ساتھ مسلمان ہو گئے ۔ اپنی طبعی استعداد اور صلاحیت کی بنا پر اپنے ظاہر و باطن کو آراستہ کیا ۔ ان کے کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے ذہن و قلب کی ایسی کایا کلپ ہوئی کہ کفر و شرک کا شائبہ بھی ان کے دل میں باقی نہ رہا ۔ ان کے بیٹے اصلح میرزا مؤلف 'تذکرۂ شعرای کشمیر' ہمیں بتاتے ہیں کہ ان کے والد علم و فضل میں سحبانِ عصر ، شاعری میں صائب و وحید سے اعلیٰ ، انشا پردازی میں جلال ان سے کمتر اور خوشنویسی میں میر عماد ان کا مدِّ مقابل نہ تھا ۔

سالم ہندوستان گئے تو اعظم شاہ پسر اورنگ زیب عالمگیر کے دربار سے وابستہ ہو گئے اور شاہزادہ کے لیے خانِ ساماں اور داروغۂ ابتیاع خانہ جیسی اہم خدمات انجام دیتے رہے ۔ ملازمت کے دوران میں شاہزادے کی اجازت سے زیارت حرمین اور فریضۂ حج سے فیض یاب ہوئے ۔ عالمگیر کی وفات پر تخت نشینی کی جنگ میں ان کے مخدوم سرپرست اعظم شاہ قتل ہوئے (۱۱۱۸ھ) تو وہ کشمیر واپس آ گئے اور ۱۱۱۹ھ میں وفات پا گئے ۔ 'نتائج الافکار' میں ہے کہ وہ شاہ عالم بہادر کے لیے وقائع نگاری کی خدمات بھی انجام دیتے رہے ۔ صرف مجمع النفائس میں مذکور ہے کہ وہ فرخ سیر کے عہد میں (۱۱۲۴-۱۱۳۱ھ) کشمیر واپس آئے اور فوت ہو گئے ۔ 'صحف ابراہیم' کے مؤلف نے بھی یہی لکھا ہے کہ فرخ سیر کے عہد میں فوت ہوئے لیکن سال وفات ۱۱۱۹ھ لکھا ہے ۔ سالِ وفات تو درست ہے لیکن عہد غلط ہے ۔

دیوان کے علاوہ 'فیل جنگ شہزادہ' کے عنوان سے ایک مثنوی بھی لکھی ہے جو مآثر عالمگیری میں مذکور ہے ۔[1] دیوان کا ایک قلمی نسخہ پنجاب یونیورسٹی

(بقیہ حاشیہ گذشتہ صفحہ)

ص ۲۰۸-۲۰۹ - مجمع النفائس ، سراج الدین علی خاں آرزو ، ص ۱۴۳ ب - ۱۴۹ ا - سفینۂ خوشگو ، بندرابن داس ، ص ۳۸-۴۱ - صحف ابراہیم ، نتائج الافکار ، ص ۳۴۳ - ریاض الشعراء ، تذکرۂ بینظیر ، شمع انجمن ، ص ۲۱۴ - ثمائف الابرار فی ذکر الاولیاء الاخیار ، محی الدین مسکیں ، ص ۳۴۸ -

۱- مآثر عالمگیری ، محمد ساقی ، کلکتہ ۱۸۷۱ع ، ص ۲۳۱-۲۳۴ - گل رعنا ، برگ ۱۳۶-۱۳۸ -

لائبریری میں شمارہ Pivi 166 پر موجود ہے جو ۳۵۵ اوراق پر مشتمل ہے - اس میں ۳۰۰ اوراق تک غزلیات اور ۳۰۱ سے ۳۵۵ تک رباعیات مندرج ہیں -

آرزو کہتے ہیں کہ سالم شگفتہ رو اور خوش صحبت تھے - صاحب سفینۂ خوشگو تصدیق کرتے ہیں کہ گجرات میں اپنے وقت کے نامی گرامی شعرا میر محمد زمان راسخ ، بیدل ، حکیم شیخ حسین شہرت اور حاجی اسلم مجلس ِ مشاعرہ آراستہ کرتے اور ہم طرح غزلیں کہتے تھے -[1] ایک دوسری جگہ مذکور ہے کہ محمد حسن ایجاد ، میرزا بیدل ، حاجی اسلم سالم اور شاہ گلشن کی خوب صحبتیں رہتی تھیں[2] -

سالم نے طبع رسا پائی تھی - قوت تخئیل بارآور تھی - سرخوش ، جو خود نکتہ رس شاعر تھے ، سالم کو خوش فکر و معنی یاب کہتے ہیں - بندرابن نے انھیں شاعر ِ بلند تلاش ، عالی فکر ، نازک خیال لکھا ہے - استاذالشعراء آرزو بھی ان کے بڑے مداح تھے - ان کی رائے اہم ہے - وہ لکھتے ہیں :

''در مضمون آفرینی و خیال بندی و خوش محاورگی مثل او از کشمیر چہ کہ از جای دیگر ہم بسیار کم برخاستہ و اکثر اشعارش دو سہ تشبیہ بدیع تازہ دارد کہ کمال مراعات علم بیان است - بعضی از ابیات بسبب نزاکت تشبیہ بفہم ناقص فہمان کم می آید - فقیر آرزو در اوائل جوانی مطالعۂ دیوان او بسیار کردہ و فیض ھا برداشتہ - دیوان بلاغت تبیانش بسبب طرزی کہ حالا در کشمیر رواج دارد و حاجی مذکور ازان محظوظ نبود ، درانجا کم اشتہار دارد بلکہ مردم کشمیر را بکلام او اعتقادی کہ باید نیست -''

سالم بھی اپنے زمانے کی شعری روایت کے پابند تھے - وہ اُسی طرز و روش میں کہتے تھے جس میں ان کے استاد محسن فانی ، غنی اور سیادت کہتے تھے - اساتذۂ متقدمین کا کلام بھی ان کے پیش نظر رہا ہے - انھوں نے سعدی ، ظہوری ، نظیری ، شوکت اور صائب کی افضلیت کو تسلیم کیا ہے اور ان سے فیض یابی

۱- سفینۂ خوشگو ، بندرابن داس ، پٹنہ ، ۱۹۵۹ع ، ص ۴۴ -

۲- ایضاً ، ص ۹۷ -

کا ذکر کیا ہے - مثلاً :

سعدی : قبول نظم تو سالم ز فیض سعدی بود
رضای دوست مقدم بر اختیار منست

نظیری : این غزل سالم بمصراع نظیری کی رسد
بر سر راهش بیندازید مکتوب مرا

ظهوری : سالم اسیر طرز ظهوری که گفته است
در گفتن آمدی ز شنیدن برآمدم

شوکت : سالم ز درد مصرع شوکت شرر بچین

سالم اپنے مطالب یا خیالات کو گہری فکر کے بعد نظم کرتے ہیں معانی کو تہ در تہ رکھتے ہیں :

در طلسم ظلمت لفظ است نور معنیم
شمع را در خانهٔ تاریک پنهان میکنم

خیال کی پرواز اور فکر کی قوت کے ساتھ ساتھ ان کے کلام میں دل کا درد اور عشق کی مستی بھی شامل ہے - اس وجہ سے :

شور می دو آتشه در بیت بیت اوست

ہمدمیِ دل کے نتیجے میں کلام میں جو کیفیت و تاثیر پیدا ہوتی ہے ، سالم نے اسے یوں بیان کیا ہے :

بی همدمیِ دل بزبان ناله بناله
یک تار چه سامان نوا داشته باشد
هر مصرع برجسته ید بیضائیست
کز جیب نفس کلیم دل بیرون کرد

خیال و فکر کی ہم آہنگی نہ ہو تب بھی کلام واضح نہیں ہوتا :

گر نمی زد طائر فکر بلندم بال و پر
صفحهٔ اوج خیال تازه را منظر نبود

سالم کلام کی بیرونی آرائش اور تازگی و رنگینی کو بھی ضروری سمجھتے ہیں:

تا فلک سالم شود موج هوا خیل پری
بلبل ار خواند بگلشن شعر رنگین ترا

سالم نے اپنے تجربات و مشاہدات کو پیش کرنے کے لیے تمثیل سے کام لیا ہے اور یہ ایسا انداز بیان ہے کہ جس سے کلام کی دلنشینی میں اضافہ ہوتا ہے۔ سالم نے شیشۂ ساعت ، آسیا ، پروانہ ، شمع اور آئینہ کے لوازم کے متعلق جزئیات کا مشاہدہ کرکے بڑی حسین اور صریح تمثیلیں پیش کی ہیں۔ ایک دو مثالیں یہ ہیں:

سالم بروی حادثه در بستنت خطاست
دیوار خانها پی سیلاب جاده است

بموری در عسل افتاده ماند طالب دنیا
زند چندانکه اول دست و پا آخر بهبند افتد

سالم کو یہ تمثیلی رنگ اتنا مرغوب ہے کہ کہیں کہیں اس نے پوری غزل میں تمثیل کا اہتمام کیا ہے۔ مثلاً ذیل کی غزل پڑھ کر تعجب اور سرور کی کیفیت پیدا ہوتی ہے:

زاهدا عکس تو ترسم بمئی ناب افتد
آب از آب دمد سنگ چو در آب افتد

در ترازوی مکافات عدالت شرطست
سر بگردون کشد از پای چو دولاب افتد

لازم سوختهٔ برق تجلیست جهال
سایه رعناست چو در دامن مهتاب افتد

عشق در مغز سر اهل جنون می رقصد
عید برقست چو در چشمهٔ سیماب افتد

گوهر حکمت دریا چو فلاطون یابد
راه غواص اگر بر خم گرداب افتد

سالم از شرم نماز تو سرافگنده بهپیش
تا یکی بار تو بر گردن محراب افتد

سالم ہر وقت یہ خیال رکھتے ہیں کہ بار بار ایک ہی خیال کو نہ باندھا جائے۔ وہ کہتے ہیں :

ز گل عطر و گلاب از عطر میگیرند پنداری
عزیزانی کہ می بندند مضمون مکرر را

جب شاعر نئے سے نئے مضمون لانے کی فکر کرتا ہے تو اس کی سوچ بھی زندہ و پایندہ رہتی ہے اور وہ فکر کی گہرائیوں سے جواہر آبدار نکال کر لاتا ہے۔ نئی سے نئی تشبیہ لاتا ہے جس سے طبیعت باغ باغ ہو جاتی ہے۔ مثلاً سالم نے آواز کو شعلہ اور شراب کو نور کہا ہے :

تا بکی خس پوش باشد شعلۂ آوازها
چون نفس در پردۂ لب چند دارم رازها

نور شراب کا استعمال بھی دیکھ لیجیے :

همچنان کز پردۂ مینا دمد نور شراب
نالۂ بلبل فروغ شعلہ در منقار داشت

اس دور کے بہت کم شعرا میں مناظر فطرت کا استحسان موجود ہے۔ اگر ہے تو محض چند مستعمل تشابیہ سے کام لیا گیا ہے۔ جس شاعر میں رنگ و بو کا احساس جذبے کی آمیزش بھی رکھتا ہو، وہ کمیاب ہے۔ سالم کے ہاں مناظر کا استحسان جذبے کی شدت کے ساتھ موجود ہے۔ ان کا یہ ایک شعر اس کیفیت کا اعلیٰ نمونہ ہے :

ماهتاب از بدنت میجوشد
عضو عضوت گل خندان شده است

جہاں صبح و شام، ماہتاب و شفق، ابر و شبنم کے تاثر انگیز منظر بیان کیے ہیں ان میں بھی تازگی، شگفتگی اور جذبے کی حلاوت موجود ہے۔ مثلاً یہ اشعار دیکھیے :

طلوع صبح دارد رنگ مستی　　هوا تصویر چشم نیم خواب است

سایۂ ابر ز بس گردش جام　　محشر چشم غزالان شده است

ع : از شفق شام چراغان شده است
ع : نرگس باغ بهار نظر است

جادہ را رنگ خرام تو کند شہر بہار
ہر کجا سایۂ زلف تو فتد بستانست

ایک اور انداز بیان جسے سالم نے اپنایا ہے اور اس کے معاصر اساتذہ کی عام روش رہی ہے ، وہ ہے مطالب کو پیچیدگی اور ابہام سے پیش کرنا تاکہ کافی غور و فکر کے بعد مطالب تک رسائی ہو ۔ یہ روش ایرانیوں کے نزدیک سبک ہندی کا خاص جزو رہا ہے ۔ سالم کے یہ دو شعر مثالاً عرض ہیں :

عبث یک عمر خرمن میکند کام جہان حرصم
بدامن میکشم چون آسیا ریگ بیابان را

جلوۂ نشأ بہار چمن میکدہ است
موج پرواز پری بوی شرابست اینجا

سالم پہلے ہندو تھے ، پھر مسلمان ہوئے ۔ معلوم ہوتا ہے صوفیہ کی وسیع النظری ، توحید ، اخوّت اور صلح کُل ان کو بہت پسند آئی ۔ مسلمان ہونے کے بعد انہوں نے بھی یہی مسلک اپنایا ۔ انہوں نے بتایا ہے کہ ان کی نظر میں کثرتِ مذاہب ، کفر و اسلام اور کعبہ و کنشت کا امتیاز معرفتِ خداوندی میں حارج ہے :

ما کعبہ و کنشت بہم جمع کردہ ایم
ہمّت نخواست خانۂ یک آشیانہ را

اسلام و کفر ہر دو یکی در رہ دل است
این جادہ ارّۂ دو سہ قطع منزلست

مذاہب کم بود در مشرب اہل فنا سالم
چو آتش گشت خاکستر بہم پیوست اخگرہا

اور صلح کُل کے متعلق کہتے ہیں :

مشربم در خاکساری صلح کل چون سایہ است
با زمین و آسمان سالم مدارا میکنم

سالم اس بات کے قائل ہیں کہ عشق کے بغیر جسد بے روح ہے :

عشق اکسیر حیاتم شد و چون فیض سحر
بیختم جوهر روح و بتن جان کردم

وہ افلاطون کی طرح زندگی کو حجاب اور دنیا کو کثرت سمجھتے ہیں - اس موہوم شے کو ہٹانے اور مٹانے سے ہی معرفتِ خداوندی حاصل ہوتی ہے - پندارِ ہستی کو مٹانے سے روح منزّہ ہوتی ہے - ان کے نزدیک اشراق حقیقت محبوب سطلق کو سمجھنے کے لیے کامیاب طریق ہے :

فنای هستی موهوم کیمیای بقاست کدام سایہ ز خود رفت و آفتاب نشد

هر کہ شد بیگانہ از پندار هستی یار ماست

اشراق کے متعلق لکھتے ہیں :

فیض اشراق طلب از دم عنقا نفسان
صحبت گم شدۂ دشت فنا را دریاب

ببحر هر صدفی محو درس اشراقست
هنوز مکتب یونانیان خراب نشد

ان کے کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ انھیں عشق کا سوز حاصل ہوا - طلب و شوق کا ولولہ ان کے اندر موجزن تھا - ان کا دل نورِ تجلّی سے مالامال تھا - چنانچہ وہ اپنی اس کیفیت کو یوں بیان کرتے ہیں :

بذوق رقص مستی آتشی در استخوان دارم
شرر چون شعلۂ جوّالہ در پیمانہ اندازم
دو عالم سدِّ راہِ شوقِ سیلِ من نمیگردد
شدم مستِ طلب ویرانہ بر ویرانہ اندازم

بر جان زده برق عشق از تن چه خبر
پر شد ز می فنای فی الله ساغر
چون اخگر نرم نرم از نور شهود
می سوزم و جلوه میدهم خاکستر

سالم کی زندگی عزت و آبرو سے گزر رہی تھی - انھیں شاہزادے کی سرپرستی حاصل تھی - صاحب دل و صاحب ذوق دوست موجود تھے - یہ ظاہر ہے کہ تخت نشینی کی جنگ اور شاہزادے کے قتل کے بعد یقیناً وہ افسردہ و مایوس ہوئے ہوں گے - ان کے کلام سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس دور میں انسانی جان کی کوئی قدر و منزلت نہ تھی - جو شخص آزادی سے اپنی روزی خود کما سکتا تھا وہی آبرومند تھا - وہ کہتے ہیں :

ببزم این کریمان زمان مانند آینہ
عزیزی آبرو دارد کہ از خود آب و نان دارد

اور

درین بازار بیقدری فلک از تنگ دستیہا
بنرخ خاک آخر میفروشد جان آدم را

زمانے کی عام روش کا یوں ذکر کیا ہے :

درین زمانہ کہ دشمن بدوست مانند است

☆ ☆ ☆

داراب بیگ جویا[1]

یہ کشمیر میں پیدا ہوئے - کہتے ہیں کہ ان کے آبا و اجداد ایرانی تھے - ان کے والد میرزا روح اللہ منتخب شاعر تھے - تذکرۂ شعرای کشمیر ، مؤلفہ

۱- ہمیشہ بہار - تاریخ اعظمی - ریاض الشعراء - مجمع النفایس - صحف ابراہیم - تحائف الابرار فی ذکر الاولیاء الاخیار ، محی الدین مسکین ، امرتسر ، ۱۳۲۲ھ ص ۳۴۵ - گل رعنا ، خطی ، ص ۹۷ - ۹۹ -

اصلح میرزا میں ان کے مندرجہ ذیل اشعار مذکور ہیں :

حسن ز هر نظر نہان است
در دیدۂ عارفان عیان است
از ضعف شدم بسان موی
تا دل در بند آن میان است

مبین ای بوالہوس بر چہرۂ زردم بچشم کم
مس خود را ز اکسیر محبت کیمیا کردم
مکن باور کہ لعل آسا کند جا در دل خارا
چہ خونہا خوردہ ام تا در دل سنگینش جا کردم[۱]

جویا کی تاریخ پیدائش معلوم نہیں ۔ تاریخ وفات ۱۱۱۸ھ ہے ۔

جویا شیعہ اثنا عشری تھے ۔ انھوں نے حضرت علیؓ اور ائمہ طاہرین کی مدح و منقبت میں جابجا اشعار کہے ہیں اور ان سے اپنی شیفتگی کا اظہار کیا ہے ۔ وہ اپنی تندرستی اور بیماری سے شفا پانے کے لیے بھی حضرت علیؓ کو پکارتے ہیں ۔ مثلاً :

صحت ز علی مرتضی میخواهم
درد خود را ازو دوا میخواهم
غیر از تو علاج خود نجویم ز کسی
یا شاہ نجف از تو شفا میخواهم

ابراہیم خاں پسر علی مردان خاں دو تین مرتبہ کشمیر کے ناظم مقرر ہوئے ۔ چونکہ وہ بھی جویا کے ہم عقیدہ تھے اس لیے اس کے عہد حکومت میں جویا کو خوب قدر و منزلت حاصل رہی اور اس کے دربار سے وابستہ شعرا (مثلاً محمد سعید اشرف اور علی رضا تجلّی) سے صحبتیں رہیں ۔ نواب فاضل خاں ایک اور صوبیدار کشمیر سے بھی ان کے اچھے مراسم رہے ۔

شاعری میں جویا کا اچھا خاصا نام رہا ہے ۔ کشمیر میں اپنے وقت کے نامور

۱۔ تذکرۂ شعرای کشمیر، اصلح میرزا ، مرتّبہ سید حسام الدین راشدی ، کراچی ، ۱۹۶۸ع ، ج ۲ ، ص ۸۷۸ ۔

شعرا مثلاً عبدالعلی طالع ، عبدالغنی قبول اور "ملا" ساطع ان کے شاگرد تھے ۔ جویا صائب کو اپنا استاد مانتے تھے اور غزل میں ان کا تتبع کرتے تھے ۔ کہیں کہیں میر معز فطرت اور ابوطالب کے اسلوب میں بھی غزلیں لکھی ہیں ۔

جویا کی کلیات ڈاکٹر محمد باقر کے اہتمام سے شائع ہو چکی ہے ۔[1] پہلے دو سو صفحات حمد ، نعت اور منقبت ائمہ میں صرف ہوئے ہیں ۔ پھر کشمیر اور اس کے باغات و عمارات پر چند مختصر مثنویاں ہیں ۔ مثلاً ڈل ، شالہ مار باغ ، نشاط باغ ، باغ نسیم ، باغ بحر آرا اور باغ الٰہی پر بیانیہ نظمیں ہیں ۔ آخر میں قطعات تواریخ پیدائش و وفات موجود ہیں ۔ زیادہ حصہ غزلیات پر مشتمل ہے ۔

جویا مرنجاں مرنج طبیعت کے حامل نظر آتے ہیں ۔ ان کے اشعار سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ جھوٹ سے نفرت کرتے ہیں ۔ حرص کو ترک کرنے کی تلقین کرتے ہیں ۔ ان کا سینہ بے کینہ ہے ۔ ان کے نزدیک "حرف زدن علامت بی خردیست" اور وہ چاہتے ہیں کہ "همیشه بسته لب از عیب مردمان باشم" ۔ دوسرے اگر ملامت کرتے ہیں تو وہ اس میں بھی اپنے نفس کا علاج پاتے ہیں :

شکست نفس باغ زندگانی را کند خرّم
بچشم کم نه بینم سنگ باران ملامت را

وہ خوش اخلاق کو کسی حالت میں چھوڑنا نہیں چاہتے ۔

ما خلق خوش بشاهی عالم نمیدهیم
این گوشهٔ بهشت بدنیا برابر است

جویا کے ہاں عرفان نفس ، خود داری ، خود اعتمادی کا درس ہے ۔ کوشش و ہمت کرنے کی نصیحت ہے اور زیربار احسان ہونے سے بچنے کی تلقین ہے :

پیش کس گردن منه مالک رقاب وقت باش
چشم از مردم بپوش و از اولی‌الابصار شو

گوهر معنیست پنهان در تو خود را کم مگیر
خویشتن را قطره می پنداری امّا قلزمی

۱۔ کلیات جویا تبریزی ، باہتمام دکتر محمد باقر ، لاہور ، ۱۹۵۹ع ۔

دل بزخمِ خنجرِ احسانِ کس بسمل نشد
صید ما منّت کشِ جان بخشیِ قاتل نشد

زندۂ جاوید سازد مرد را درد طلب
چون نفس در راه حق بگداخت آبِ زندگیست

کار های مشکل آسان می تواند شد بسعی
لیک اگر بر خود نگیری مشکل آسان تر شود

در چشمم هر کنار موجیست
هر موج بچشمِ من کنار است

بزور پستی فطرت فتاده ای بزمین
فراز عرش وگرنہ نشیمن است ترا

جور فلک کا شکوہ کرنا ، ابنائے روزگار سے شکایت کرنا اور زمانے کو برا بھلا کہنا عموماً شعرا کا موضوع سخن رہا ہے ۔ لیکن جویا قائل ہیں کہ لاتسبّوا الدھر یعنی زمانے کو برا نہ کہو ۔ وہ فلک سے شکوہ سنجی کو کم ہمتی کی دلیل سمجھتے ہیں :

زشت است مذمّت جہان ز اھل جہان
شاخی کہ نشستہای بر آن تیشہ مزن

نالہ از جور فلک در کیش ما دون همتی است
شکوہ مذموم است از بیداد بی پا و سری

جویا صوفی نہیں اور نہ ان کے ہاں تصوف کے غائر مسائل کا بیان ہے ۔ لیکن وہ اہلِ تصوف کی طرح اس بات کے قائل ہیں کہ عشق حقیقی تک پہنچنے کے لیے نفیِ ذات اور بیخودی ضروری ہے ۔ حافظ کا شعر ہے :

میان عاشق و معشوق هیچ پرده حائل نیست
تو خود حجاب خودی حافظ از میان برخیز

جویا کہتے ہیں :

شد ہستی ما حجاب ما در رہ عشق
خود پردۂ خود شدیم چون چشم حباب

از خویش برون خرام و در منزل باش
نا کردہ سفر ز خود بخود رہ نبری

اول گام بسر منزل مقصود رسیم
بیخودی در رہ تحقیق بود رہبر ما

عام صوفیہ کے نقطۂ نظر سے عشق مجازی بھی عشق حقیقی کی طرف ایک قدم ہے ۔ المجاز قنطرۃ الحقیقۃ لیکن جویا اس رائے کے مخالف ہیں ۔ وہ کہتے ہیں :

در عشق مجاز ہر کہ خود را درباخت
از سیل سراب خانہ اش گشت خراب

دل از عشق مجازی کی مرا مسرور میگردد
کہ این پروانہ دایم گرد شمع طور میگردد

سراج الدین علی خاں آرزو نے جویا کے متعلق لکھا ہے کہ ''او بسیار خوش فکر و معنی تلاش است'' یہ درست ہے کہ وہ نئے سے نئے مضامین پیدا کرنے کی کوشش کرتے ہیں اور تعجب انگیز حد تک اپنے تخیل کی نازک کاری دکھاتے ہیں لیکن یہ کام عموماً فن کمال کا ایک جزو شمار ہوتا ہے ۔ مگر جویا ہمیں بتاتے ہیں کہ شعر نکالنا آسان کام نہیں ۔ خون جگر کی آمیزش کے بغیر کلام میں درد پیدا نہیں ہوتا ۔ جب تک بات میں سوز دروں شامل نہ ہو ، تاثیر پیدا نہیں ہوتی ۔ وہ اپنے دیوان کے دیباچے میں اپنے کلام کی اس خصوصیت کی طرف یوں اشارہ کرتے ہیں :

''عمرہا این جویای سخن از کاو کاو کزلک تیز ہوشی در حک و اصلاح صفحہ دل کوشیدہ و در آرزوی صاف معانی با خون دل اندیشہ در خمکدۂ سینہ جوشیدہ تا محفلی از پردگیان معانی آراست ۔''[1]

۱۔ کلیات جویا تبریزی مذکور ، دیباچہ ، ص چہار ۔

"از اشعار برشته، این سوختهٔ آتش محبت از هر ورقش چون برگ لاله داغیست عیان ۔"[۱]

وہ اپنے متعلق لکھتے ہیں کہ تڑپتا ہوا دل ، جلتا ہوا سینہ ، خون آلود آنسو ہی وہ سرمایہ ہیں جو کلام میں مسیحائی کی کیفیت پیدا کرتے ہیں ۔ وہ اپنی ان کیفیات کو جا بجا بیان کرتے ہیں :

از پہلوی دلست تنم محشر بلا
این قطرهٔ خون پنجهٔ مژگان چکیدنی است

(کلیات ، ص ۳۶۶)

ز التهاب سینهٔ سوزانم از بس نرم شد از دل من فرق نتوان کرد پیکان ترا
(کلیات ، ص ۳۵۳)

تا خون نگردد اشک مده ره بدیده اش جویا مکن بشیشه می نارسیده را
(کلیات ، ص ۳۳۰)

در هیچ دلی اثر ندارد آن ناله که از جگر نیاید

جب کلام میں یہ اجزا شامل ہوں تو :

ای مرده دلان یک نفس از ما نگریزید
بوی دم عیسیٰ شنوید از سخن ما

جوہر شعر کو تابندہ و پایندہ رکھنے کے لیے جویا دو اور خصوصیات کی نشاندہی کرتے ہیں ۔ پہلی شاعر کی نیک نہادی اور دوسری غم :

طینت پاکست جویا لازم اهل سخن
آب شمشیر زبان آب گهر باشد مرا

در پس پردهٔ غم حسن کلامم مخفی است
قفل گنجینهٔ لب‌ها دل تنگ است اینجا

جویا کے نزدیک عشق ایک آگ ہے ۔ عاشق کے پاؤں تلے آگ رہتی ہے ۔ جسم آگ میں پھنکتا ہے ۔ آہ بھی شمع کی طرح روشن ہوتی ہے ۔ عشق دل میں طوفان پیدا کر دیتا ہے ۔ عشق کرنا گویا مگرمچھ کے منہ میں زندگی گزارنا ہے ۔

۱۔ کلیات جویای تبریزی ، دیباچہ ، ص پنج ۔

عشق دل میں سما جائے تو پھر دنیا سراپا بہار ہو جاتی ہے - خزاں کا اندیشہ نہیں رہتا - جویا کہتے ہیں :

عشق سرکش را بجسم زار الفت داده ایم
صد نیستان شعله در آغوش خس داریم ما

منصب مشعل فروزی داده عشقش سینه را
شمع ها از آه روشن در شبستانش کنم

آنجا که عشق شور ببحر دل افگند
یک قطرهٔ سرشک بدریا برابر است

از فیض داغ عشق که گل گل شگفته است
دل را امید و بیم خزان و بهار نیست

جویا کی غزل میں رندی و ہوس بازی کے مضامین بہت کم پائے جاتے ہیں - وہ محبوب کو بھی نیک صفات کا حامل دیکھنا چاہتے ہیں - ان کا قول ہے :

حیف از صنمی که زشت کردار بود

جہاں معشوق کے چلنے پھرنے ، بیٹھنے اور سونے کی تعریف کی ہے وہاں تازہ تشبیہیں استعمال کی ہیں یا پھر پرانی تشبیہ کو نئے ڈھنگ سے پیش کیا ہے جس سے لطف دوبالا ہو گیا ہے - یہ اشعار ملاحظہ کیجیے :

گر بخرامد نسیم خلد برین است
چون بنشیند بهشت روی زمین است

مست و بیخود شوخ من افتاده است
بر زمین همچو چمن افتاده است

رفتگان را طور رفتارش بر انگیزد ز خاک
قامتش چون در خرام آید قیامت میشود

شعلهٔ طور و مئی شیراز و یاقوت فرنگ
فیض رنگ از عارضت بردند و رنگینی هنوز

کہیں کہیں محاکاتی تصویریں بھی پیش کی ہیں ۔ مثلاً :

شب را چسان بصبح رسانم کجا روم
ہر چند گفتمش مرو امشب نماند و رفت

ایک سچے شاعر کی طرح جویا حسنِ صوت کے شیدائی ہیں اور مومن کی طرح قائل ہیں :

شعلہ سا لپک جائے ہے ، آواز تو دیکھو

صہبا گساروں کی محفل اس شعلۂ آواز کے بغیر گرم نہیں ہوتی ۔ وہ لکھتے ہیں :

محفل صہبا پرستان بی نوای ساز نیست
گرمیِ با بزم ما بی شعلۂ آواز نیست

حسن صوتی آتش افروز دل من میشود
این چراغ از شعلۂ آواز روشن میشود

اینقدر صوت مغنّی چون زند ناخن بدل
حسن مستوری اگر در پردۂ آواز نیست

سر زمین پاک و ہند کے شعرا فارسی میں شعر کہتے تو عموماً تشابیہ و استعارات اور تلمیحات سرزمین ایران سے متعلق ہوتیں ۔ بہت کم شعرا ایسے ہیں جنھوں نے اس سرزمین کا ماحول اپنایا ہو اور یہاں کے پھلوں پھولوں ، یہاں کے قصے کہانیوں اور یہاں کے لوگوں کے متعلق اشارات کیے ہوں ۔ جویا نے کہیں کہیں کشمیر کے باغات کی تعریف کرتے ہوئے اسی سرزمین میں اُگنے والے پھلوں پھولوں کے نام لیے ہیں ۔ مثلاً چنار ، شمشاد ، لالہ ، نسرین ، کنول ، سرو ، انار ، شاہ آلو ، سیب ، انگور ، زرد آلو اور اشکی :

زدہ زانو بنفشہ پیش سوسن
چو ہندو بچگان پیش برھمن
بروی 'دل' کول چون 'در نایاب
برون آوردہ خود را خوب از آب

لاہور کے معشوق کا یوں ذکر کیا ہے :

لاهور که دلبرش بسی عیار است
از شوخی طبع با که و مه یار است
گر کنچنی اش دست زد خلق بود
عیش نکنی طلای دست افشار است

ہندوستان اور ہندیوں کی مذمت میں لکھتے ہیں :

نسبتی باشد بتان هند را با پان هند
حاصلی نبود بجز خون خوردن از سبزان هند
در سواد هند دست از لذت دنیا بشوی
جز جگر خواری نباشد نعمتی بر خوان هند
از فریب وعدهٔ هندی نژادان غافلی
ضعف در پیمان این قوم است چون پیمان هند

اسالیبِ بیان کے لحاظ سے بھی جویا اپنے وقت کے نمائندہ شاعر ہیں ۔ ان کے ہاں بھی نازک تخئیل موجود ہے ۔ وہ صرف ایک استعارے سے کام نہیں لیتے بلکہ استعارہ در استعارہ لاتے ہیں اور تشبیہات بھی عموماً مرکب لاتے ہیں ۔ مثالیہ کا اسلوب بھی انھیں مرغوب ہے ۔ وہ اچھی اچھی تمثیلی تشبیہ لا کر مطلب کو وضاحت اور استدلال سے پیش کرتے ہیں ۔ مثلاً :

دلم بگداخت جویا از خیال شعلهٔ حسنش
ندارد ظرف مینا طاقت زور شرابش را
نهان در گرد کلفت می شود آئینه از آهی
مکدر میکند اندک غمی دلهای روشن را

باریکیِ تخیّل ملاحظہ ہو :

گزر قافلهٔ اشک بمژگان افتاد
خار را فرش ره آبله پایان کردند

چون شرر هر ذرهٔ او بال بیتابی زند
کوه قاف ار بشنود نام پریزاد مرا

اسلوب کی دوسری خصوصیات میں سے جویا ایہام ، حسنِ تعلیل اور مبالغہ کو بھی کام میں لاتے ہیں اور مقصود وہی تلاشِ معنی اور تخلیقِ معانی ہے ۔ مثالیں ملاحظہ کیجیے :

تاثیر آہ ماست کہ ہر شام از شفق
اطراف دامن فلک آتش گرفتہ است (حسنِ تعلیل)

شیخ شہر آنکہ بخوبی ملکش میخوانی
حرف من نیز همین است کہ او آدم نیست (ایہام)

ز شرح سوز دل گویی رگ برقیست میترسم
کہ مکتوبم بلای جان مرغ نامہ بر گردد (مبالغہ)

☆ ☆ ☆

استغنا[1]

عبدالرسول نام ، کشمیر وطن ، ابتدائی زندگی میں قناعت و استغنا سے کام لیا ۔ آخر اسباب دنیا کے لیے شاہ شجاع پسر شاہجہان کی ملازمت اختیار کر لی ۔ جب شاہ شجاع نے بنگال میں خود مختاری کا اعلان کیا اور سکہ و خطبہ اپنے نام جاری کیا تو استغنا اُس وقت داروغۂ توپخانہ تھے ۔ جب شاہ شجاع کو عالمگیری افواج کے مقابل شکست ہوئی تو استغنا بھی بے سروسامان بنگال سے اودھ میں پہنچے اور بعض امرا کی ملازمت کر لی ۔ آخر عالمگیری دربار میں رسائی ہوئی اور ملازمین شاہی میں شمار ہوئے ۔ ۱۰۸۲ھ میں ان کا انتقال ہوا ۔ کلمات الشعرا میں ہے کہ استغنا شاہزادہ والا گوہر محمد اکبر بن عالمگیر کی سرکار کے بخشی بھی رہے[2] ۔ ایک

۱۔ تاریخ کشمیر اعظمی ، لاہور ، ۱۳۰۳ ، ص ۱۷۳ ۔ تحائف الابرار ، ص ۳۴۵ ۔
۲۔ کلمات الشعرا ، سرخوش ، لاہور ، ص ۹ پا ورق ۔

مرتبہ خاص مہم آ پڑی تھی ۔ اس کے حل کے لیے شہنشاہ تک رسائی نہیں ہوتی تھی ۔ آخر بختاور خان کے توسط سے وہ مسئلہ حل ہوا ۔ استغنا نے خان کی تعریف میں چند رباعیاں بھی کہیں ۔ ان میں سے ایک یہ ہے جس میں انھوں نے اپنی پریشانیِ خاطر کی طرف اشارہ کیا ہے :

ای خان بلند قدر اکسیر سخن
قربان زمان تو خوانین زمن
تا خاطر آشفتہ دلان جمع شود
یکبار بگو حرف پریشانی من

مرزا اصلح لکھتے ہیں کہ اس نے بڑی معنی یاب طبیعت پائی تھی ۔ اس کا رنگین دیوان شہرۂ آفاق ہے ۔ صاحبِ تذکرۂ معراج الخیال اسے جادو خیال ، رنگین افکار کہتے ہیں اور اس کی فکر رسا اور طبع نکتہ پیوند کی تعریف کرتے ہیں ۔ تذکروں میں اس کے منتخب اشعار دیے گئے ہیں ۔ سید حسام الدین راشدی نے مختلف تذکروں سے انھیں یکجا لکھا ہے ۔ ہم بھی انھیں محفوظ کرتے ہیں ۔

تذکرۂ شعرای کشمیر ، اصلح میرزا ، کراچی ، ۱۹۶۷ع (ص ۱۰ ، ۱۱) :

ز برق حسن تو خورشید چشم می مالد
چہ صورتست ببین معنی جمال ترا

شورش زلفش بخواب آرد دل دیوانہ را
نالۂ زنجیر را افسانہ می دانیم ما

گر کشی تیغ از میان گردن زمو باریکتر
ور گذاری منتی بگذار بر گردن مرا

منکہ می‌خواهم نباشد بردلی از من غبار
کی بدست آئینہ گیرم تا نفس باشد مرا

بر خیالِ چشم داغ دل فشاندم بارها
من بگل پروردہ‌ام یک فصل این بادام را

در قفس چون گفت قمری ، رسم آزادی خوش است
زود موزون کرد سرو این مصرعهٔ برجسته را

زلف می پرسید از من معنی افتادگی
از قفا می‌گفت کاکل : پیش پا افتاده است

بسکه دل در گوشهٔ چشم تو تنگی میکند
عشوه و ناز تو باهم خانه جنگی میکند

تونداری سواد مصحف حسن
آیهٔ سجده ایست ابرویش

شهید تو ام تاب منّت ندارم
اگر زنده می ساختی مرده مانم

کلمات الشعرا ، سرخوش (ص ۹) :

می توان آورد استغنا سفارش نامه ای
چرخ کجرو را اگر دانیم از یاران کیست

بکین چون منی ، ای دوستی دشمن ، چه میآید
غریبم ، خاکسارم ، عاجزم از من چه میآید

مجمع النفایس :

دمی خود را کند پیشانیِ اخلاص من خالی
اجازت گر دهد خاک در او جبهه سائی را

بمشرب دوستان هرگاه صحبت داشت استغنا
چو می در شیشه پنهان کرد رسم پارسائی را

نامهربان بما شد گر مهربان ما
ای دل ترا چه کار ، میا درمیان ما

کعبه و بتخانه را بیگانه میدانیم ما
یا در دل یا در میخانه میدانیم ما

پر کرده ای ز بادهٔ نگاهت
پیمانهٔ عمر آرزوها

حسن عاشق جلوه را در پرده رنگ دیگر است
عشق در دل بوی در گل ، نشأ در صهبا خوشست
از برای وصل گفتی ، ساعتی خوش کرده ای
گر تو ام خوش میکنی امروز خوش فردا خوشست

ظرف مشرب کن وسیع و نام همت را بلند
عشق را دل ، شور را سر ، باده را پیمانه باش
در شکست فوج دل ای زلف تنها نیستی
کاکل از دنبال اینک میرسد مردانه باش

چرا فلک کمر احتساب می بندد
سزای باده پرستان خمار هم دارد

در جبین عشق می بینم مآل خویش را
آنکه دارم انتظارش ، انتظارم می کشد

تا شود سرسبز یکجا هر دو از جوش بهار
باغبان تخم گل و ما تخم سودا کاشتیم

از شکست توبه‌ام میکرد گر زاهد سوال
همچو خاموشی برای او جوابی داشتیم

پای کوبان گشته همچو موج در دریای عشق
خنده ای بر خوش نشینان سر پل داشتیم

تا دماغ گریهٔ بی اختیاری داشتم
درمیان دامن خود نوبهاری داشتم
در سراغ او پریشانم ، نمیدانم چه شد
در سواد کاکل دل نام یاری داشتم

دوش میگفتی که ایام وصل ماست این
ما نمیدانیم امروز است یا فرداست این

بجان مضایقه در راه دوستی نکنم
بچین زلف دهم دل کشاده پیشانی

نو آموزم ، ره و رسم وفاداری نمیدانم
بپای خود سراسر می روم در دام گیسوئی

آنم که بر آتشم چو آب اندازند
از کوثر لطف او گلاب اندازند

آب و گل من بمهر او پاک کنند
مانند نمک که در شراب اندازند

مردانه اگر کسی بدوران آید
جاه و جلال چشم پوشان آید
نامرد فریب است جهان چو شیطان
در خواب زنان بشکل مردان آید

ای بی خبران ز ما بپرسید
از عالم بیخودی خبرها

گیرد چو ادب دامن دل بوسه نگیریم
ما نام تو گوئیم و ببوسیم دهان را

تاراج کرد حسن چون سامان فتنه را
شمشیر یافت غمزه ، بابرو کمان رسید

چو زلف تو حال دلم گوش کرد
پریشانی خود فراموش کرد

دل خود کام ، حیرانم ، ز جان من چه می خواهد
دمی خواهد چنان باشد ، دمی خواهد چنین باشد

که می آید که هر ساعت ز جوش شوق استغنا
دمی صد بار بنشیند ، دمی صد بار برخیزد

در گلشن برویم باغبان دانسته می بندد
که غمناکم دلم از دیدن گلزار میگردد

در آمد از دلم خندان و می پرسید احوالم
ز بیتابی ندانستم ، چگویم ، گریه سر کردم

بیاد من چه دهی سیر لاله استغنا
که من نگاه فراموش کرده ام جای

استغنا نے سعید قریشی ملتانی کو خط لکھا ۔ اس میں مندرجہ ذیل دو شعر لکھے ۔ (نسخۂ خطی دیوان سعید قریشی ملتانی مملوکہ مولوی محمد شفیع مرحوم) :

گذشتی در دل و از مردم چشمم فغان آمد
که ما هم گوشه ای داریم گاهی می توان آمد

رواق منظر چشم من آشیانۂ تست
کرم نما و فرود آ که خانہ خانۂ تست

تذکرۂ 'معراج الخیال' میں استغنا کی مندرجہ ذیل غزل دی گئی ہے ۔[1] راشدی صاحب اس تذکرے کو نہیں دیکھ سکے :

نمیدانم که می‌آید که از جا میرود هوشم
طپیدنهای بالادست دارد نبض آغوشم

عجب سرو خرامان از بهشت ناز می آید
قیامت می رسد امشب بسر وقت برو دوشم

نه تنها سیر گلشن شعلۂ شوقم بر افروزد
که صحرا نیز دامن میزند بر آتش جوشم

۱۔ تذکرۂ معراج الخیال ، عبرتی قلمی شیرانی : ۱۳۹۵ ، ص ۷ ب ، ۸ ۔

بچشم پاک می بینی جمال ماهرویاں را
بتاں را خانۂ ناز است چون آینہ آغوشم
گواهی می‌دهد امشب دل دیوانہ استغنا
کہ خواهد گشت فردا دام زلفش حلقۂ گوشم

☆ ☆ ☆

اوجی کشمیری[1]

مولانا نامی کشمیری کا بیٹا تھا ۔ اس نے بچپن سے ہی شعر کہنا شروع کیا ۔ جب مرزا جعفر آصف خان کشمیر کے ناظم ہو کر آئے تو اوجی نے ان کی ملازمت اختیار کرلی ۔ انھی کے زیر تربیت اس کی شاعری پروان چڑھی ۔ آصف خان کے بعد آنے والے حکمرانوں سے بھی اس کا رابطہ رہا ۔ وہ صرف ایک مرتبہ لاہور گیا ۔ تمام زندگی اپنے وطن میں گزار دی ۔ "ملا" عبدالنبی مؤلف 'میخانہ' نے جب کشمیر میں اس سے ملاقات کی تو اس وقت اس کی عمر ۵۵ سال تھی ۔ انھوں نے لکھا ہے کہ وہ افیون کا اتنا عادی ہو چکا تھا کہ شعر گوئی کا مشغلہ بھی ختم ہو چکا تھا ۔ اب اس کے اشعار میں وہ پہلی سی تیزی نہیں تھی ۔ قصیدہ ، غزل وغیرہ ملا کر تین ہزار کے لگ بھگ اس کے اشعار ہوں گے ۔ دیوان ترتیب نہیں دیا تھا[2] ۔

اوجی اپنے ساقی نامہ کی وجہ سے مشہور ہوا ۔ عبدالنبی نے بیان کیا ہے کہ ایک مرتبہ میں اجمیر میں مولانا محمد صوفی کی خدمت میں حاضر تھا کہ کشمیر کے ایک شخص نے اوجی کا ذکر کیا اور ساقی نامے کا یہ شعر پڑھا :

مرا دامن خویش زنجیر شد
مرا دست در آستین پیر شد

۱۔ تذکرۂ شعرای کشمیر ، اصلح میرزا ، مرتبہ سید حسالم الدین راشدی ۔ هفت اقلیم ۔ میخانہ ۔ تاریخ کشمیر اعظمی ۔ ریاض الشعراء ۔ صحف ابراہیم ۔ روز روشن ۔

۲۔ تذکرۂ میخانہ ، مرتبہ احمد گلچین معانی ، تہران ، ص ۱۳۳ ۔

ملاّ صوفی نے فرمایا : اگر میں نے یہ شعر پہلے سن لیا ہوتا تو میں مثنوی نہ لکھتا ۔ اوجی ۱۰۳۲ھ میں فوت ہوا ۔ چونکہ عبدالنبی ۱۰۲۵-۱۰۲۶ھ میں کشمیر میں موجود تھے اور ملاقات کے وقت اوجی کی عمر ۵۵ سال تھی اس لیے قیاس ہے کہ وہ ۹۷۰ یا ۹۷۱ھ میں پیدا ہوا ہوگا ۔

ساقی نامے کے علاوہ اس کے کچھ متفرق اشعار یہ ہیں :

تذکرۂ شعرای کشمیر ، اصلح میرزا ، (ص ۲۷) :

تبسم گونہ می دیدم کہ از چاک گریبانت
در میخانۂ عشرت برویم باز بود امشب

از زلف یار شکوۂ زنجیر می برم
سیل جنون بخانۂ هوشم رسیده است

عاشقان را برای حفظِ بدن
داغ بر سینہ مصحفِ بغلی است
خط و زلفت کہ نسخۂ ازلیست
منتخب قطعۂ خفی و جلی است

گر بتحسین نگہی چشم تو پر ساز کند
نغمہ را تربیت سرمہ خوش آواز کند

هفت اقلیم : (ص ۱۱۶) :

هر سر کہ بستۂ خم فتراک او بود
دانم یقین کہ روز جزا سرخ رو بود
از بس خیال زلف تو در سینہ جا گرفت
آهی کہ سر زند ز دلم مشکبو بود

قطعہ

نشستہ عکس جمال چنان بخانۂ چشم
کہ کسب نور کند مهر ز آشیانۂ چشم

بیا کہ بی تو همی تا بگردن اندر خون
نشستہ مرغ نگاهم در آشیانۂ چشم
بجای سبزه شرر می دمد ز خاک اوجی
بہر کجا کہ بر افشانده ایم دانۂ چشم

تاریخ کشمیر اعظمی (ص ۱۳۶ - ۱۳۷) :

چو دیده باز کنم بر رخ تو از حیرت
کند نگاه فراموش راہ خانۂ چشم
اوجی از بیگانہ بی تقریب میرنجیم ما
دیده و دانستہ ما را آشنا تاراج کرد

اوجی چراغ عمر بافسانہ سوختم
کاری نکرده ایم و دمیدن گرفت صبح

☆ ☆ ☆

ذہنی کشمیری

ذہنی ، ذہنِ رسا کے مالک تھے - سراج الدین علی خان آرزو جیسے استاد کی رائے[1] ہے کہ ذہنی زبردست پختہ گو شاعر تھے - قدما کی طرح قصیدہ لکھتے تھے - غزل بھی رنگین تھی - صاحب 'مخزن الغرائب' لکھتے ہیں کہ انھوں نے سراسر ذہنی کا دیوان دیکھا ہے - 'مجمع النفایس' میں مذکور ہے کہ ان کی کلیات تخمیناً دس ہزار اشعار پر مشتمل ہے -

ذہنی کے احوال زندگی کے متعلق معلومات حاصل نہیں ہو سکیں - ان کے دیوان سے معلوم ہوتا ہے کہ انھوں نے اکبر بادشاہ کی وفات پر مرثیہ لکھا تھا -

---

۱- مجمع النفایس ، قلمی شمارہ Pf I 24 ، ص ۲۱۹ -

شاہجہاں کی تخت نشینی کے وقت انھوں نے تاریخِ جلوسِ سلطنت لکھی - خانخاناں بیرم خاں سے بھی وہ متعلق تھے - ان کی مدح میں بھی قصیدہ موجود ہے - بادشاہِ توران نذر محمد کی تعریف میں بھی ایک قصیدہ لکھا ہے -

فنی کمال کے علاوہ وہ دینی علوم سے بھی بہرہ ور تھے - اپنے زمانے میں شاعرِ بے نظیر معروف تھے - شعرا کے ساتھ خوب بزمیں آراستہ ہوتی تھیں - انھوں نے چار خلفا کی منقبت میں چار طویل قصاید لکھے جو بہت مقبول ہوئے - حضرت بابا نصیب الدین نے بھی انھیں بنظر تحسین دیکھا ہے - تمہید میں ان تمام اشیا کا ذکر کیا ہے جو دنیا میں چار عدد رکھتی ہیں : مثلاً

یار پیغمبر نشاید برگزیدن جز چہار
حجّتِ آن بشنو از ذہنی کہ باشد یادگار

از ملائک وز کتب جز چار نگزیدست حق
کین عدد مستحسن است از روی معنی در شمار

نہر خلد و رکن کعبہ ، اصل طبع و فصل سال
بین چہار است و چہار است و چہار

(تاریخ کشمیر اعظمی ، ص ۱۰۹)

مختلف تذکروں میں ان کے یہ اشعار مل سکے ہیں :

تذکرۂ شعرای کشمیر ، اصلح میرزا ، (ص ۶۹—۷۰) :

خزان پیری آوردہ بہار چہرہ را زردی
بیاد گلرخان سر دہ سرشک ارغوانی را

جمال ماہِ مہرافروز خود دیدم بخواب امشب
ز بالین امیدم سر برآورد آفتاب امشب

مرغ دلم اسیر کمند نگاہ کیست
آشفتگی نتیجہ ز زلف سیاہ کیست

یاد آن شبها کہ شمع مجلس من یار بود
چشم بختم روشن از نور رخ دلدار بود

شکایت چون رسد بر لب ببزم آتشین خوئی
کہ از تابِ نگاہِ او حکایت بر زبان سوزد

دلم غم نامہ ای بنوشت از اشک جگر گونش
کہ الفاظش شرر بار است و جانسوز است مضمونش
دل من ہر کجا درس جنون عشق آغازد
بہ بینی طفل ابجد خوان مکتب صد فلاطونش

در ہوای بزم آتش طلعتی شب تا سحر
در گرفت از خون گرم دیدہ مژگانم چون شمع

عرفات العاشقین بحوالہ تذکرۂ میخانہ مرتبہ گلچین معانی، ص ۹۰۶ پاورق -
ساقی نامہ کے چند اشعار:

چہ میخانہ معراج مردان عشق
ہمان مقصد رہنوردان عشق
غبار درش توتیای خرد
منور کن دیدۂ نیک و بد
ز فرش حریمش دل عرش داغ
چو از پرتوِ مہر رخشان چراغ
گروہی نشستہ درو مست عشق
عنان خرد دادہ در دست عشق
ہمہ سر برآورد از جیب دل
ز قیدِ طبیعت تعلق گسل

تاریخِ کشمیر اعظمی: ص ۱۴۹

خرّم دل از نسیم گلستان کس نیم
روشن نظر ز شمع شبستان کس نیم

دانشورم ز فیضِ دلِ نکته دانِ خویش
طفلِ طپانچه خوردِ دبستانِ کس نیم
کلکم ز نظم خود همه شب بیت زد رقم
سرگرم انتخاب ز دیوانِ کس نیم
مانند نکته سر بگریبان نشسته ام
دست طمع دراز بدامانِ کس نیم
ذهنی چو آستانه مقیم در خودم
لب تشنهٔ اجازتِ دربانِ کس نیم

تا حرف غم تو کرده ام گوش
شد ابجد شادیم فراموش

از شوق تو زیر هر بن موست
فوارهٔ اضطراب در جوش

گر عاشقی صادق بدست آر
جوشنده دل و زبان خاموش

پروانه صفت بسوز و تن زن
چو بلبل هرزه گوی مخروش

آن دل که خریده ای بصد لطف
اکنون بعتاب و ناز مفروش

نیشی که ز دست دوست باشد
خوشتر ز هزار چشمهٔ نوش

ای حور بهشت رویِ زین پس
از دوزخ دل مگیر سرپوش

یعنی که ز آه آتشینم
اندیشه کن و بمهر میکوش

از نشهٔ جام عشق ساقی
دل بیدل گشت و هوش بیهوش

گلستانِ مسرت :

حیرت از خال لبش دارم کہ ہندو زادہ ای
بر کنار چشمۂ کوثر طہارت می کند

عقل در کار تو ای تنگ دہان حیران است
کردہ ای کشورِ دل ضبط باین بی دہنی (ص ۹۹)

پیشِ تو دعا گفتن و دشنام شنیدن
ہرگز اثری بہتر ازین نیست دعا را (ص ۱۱۳)

پیش ما دشنام جانان از شکر شیرین تر است
روی تلخ بحر از آب گہر شیرین تر است (ص ۱۱۳)

تبخالہ بر آن لب ز حرارت جوشید
یا گشت حباب از میٔ گلرنگ پدید (ص ۱۴۳)

با معجزۂ حسنِ جہان آرایش
آورد ز بیجادہ برون مروارید (ص ۱۴۳)

تاریخ بڈ شاہ ، از محمد الدین فوق ، لاہور ، ص ۲۰۹ :
زینت محل کی تعمیرِ ثانی کے موقع پر یہ قطعہ لکھا :

نوبہار است و باد محض عبیر
نو نگار است و خاک عطر خمیر
لالہ با جام بادہ مست آمد
کرد فرموش داغ را تدبیر
نرگس از خواب جست آشفتہ
شدہ سوسن معبّر تعبیر
شاہ زین العباد صاحب تاج
کہ جہان را ازو بود توقیر

باز از فضل ایزد مطلق
کرد زینت محل دگر تعمیر
زینہ گیر است باغ فرحت بخش
کہ ندارد بزیر چرخ نظیر

داشت ویران بسیط هامونی
کرد از آبیاری اش تعمیر
آنکہ دریا بکوزه می آرد
بہر لب تشنگان روی ضریر
سال تاریخ آن بنای متین
کاخ . . . . کشمیر[1]
یافت ذهنی ز بارگاه شہی
خلعت خاص دولت کشمیر

☆ ☆ ☆

بینش

محمد اسماعیل نام تھا ۔ 'نتائج الافکار' اور 'صبح گلشن' میں اس کا نام جعفر بیگ لکھا ہے ۔[2] تحصیلات کی تکمیل کے بعد دہلی گئے ۔ کچھ عرصہ کشمیر سے باہر گزارا ۔ پھر اپنے وطن لوٹ آئے ۔ گیارھویں صدی کے اواخر میں وفات پا گئے ۔

تصانیف :

خمسہ نظامی کے مقابلے میں مندرجہ ذیل مثنویاں لکھیں :
(ا) ۱۔ بینش الابصار بتقلید مخزن الاسرار ۔

۱۔ محمد الدین فوق نے ۱۹۴۰ع میں ایک بوسیدہ بیاض سے نقل کیا ۔ اس میں یہ مصراع نہیں پڑھا گیا ۔
۲۔ صبح گلشن ، ص ۲۷۵ ۔ تذکرۂ نتائج الافکار ، ص ۱۰۹ ۔

۲- گنج روان - در مدح اورنگزیب و امرای کشمیر -

۳- ساقی نامہ -

۴- گلدستہ در بارۂ خلقت -

۵- شور خیال - بنارس کی ایک عشقیہ داستان -

۶- رشتۂ گوہر - ابر و گوہر کی ایک داستانِ عشق -

(ب) دیوان مشتمل بر قصائد و غزلیات - نسخۂ خطی عجائب خانۂ برطانیہ (ریو - ۲ : ۶۹۵) اور خدا بخش اوریئنٹل لائبریری ، پٹنہ (۳ : ۱۴۵) میں موجود ہے -

آرزو نے لکھا ہے کہ بینش نے معنی یاب طبیعت پائی تھی - اس کے اشعار متین ہیں ، کہیں لعزش نہیں - 'مجمع النفایس' میں دیوان کا انتخاب دیا گیا ہے[۱] -

دل بزور گریہ‌ام آخر بچشمِ تر رسید
سیل این وادی بدریا می برد ویرانہ را

جبین من چو گل یارب سراپا لب شود بینش
کہ میخواهم بوقت سجده بوسم آستانش را

خاکیم گرچہ خاکِ سرِ کوی دلبریم
باشد بنای کعبۂ دلہا ز خشتِ ما

بی اختیار نالہ ز دل میکشم چو نی
در دست دیگریست عنانِ نفس مرا

عزتِ ایتام بی زحمت نمی آید بدست
سنگ بت گردد بخود بیند چو زخم تیشہ را

۱- مجمع النفایس ، خطی ، مجموعۂ شیرانی ، شمارہ ۱۳۸۹ ، ص ۷۱ ب ، ۷۲ -

از فریب چرخ در هر صورتی ایمن مباش
در غلاف ماه نو دارد نهان شمشیرها

کارِ آسان از تعلق می شود بسیار سخت
پادشاهی می توان کردن ولی بی تاج و تخت

تو که دستی بخمِ زلفِ نگاری نزدی
رشتهٔ عمر چه دانی که سراسر گره است

در جهان چون دو سر رشتهٔ سوزن باشد
که سر باز بود یک سر و یک سر گره است

گوید مدام با لب پر خنده صبحدم
سرخوش نشین که شادیِ عالم همین دم است

خست اهل جهان بسکه بطغیان آمد
بحر را خشک پسندند که گوهر گیرند

بینش از هر نگهی عرض تمنا کردیم
مردم دیدهٔ ما نیز زبانی دارد

گر پاره ای ز حالِ دل خود رقم کنم
دیگر تلاش نامه دریدن نمی کند

بر نمی تابد هوس را دل چو صاف از عشق شد
از هوا چون آب این آئینه برهم میخورد

ابرها تابش برق نگهت را دیدند
گریه بر حال من سوخته خرمن کردند

نم بچشم اشکبارم ز آتش سودا نماند
غیر دل یک قطرهٔ خونم در همه اعضا نماند

اهل را صحبتِ نا اهل زیانها دارد
آب در کوزهٔ ناپخته گل آلود شود

سر بزیر افگنده دیدم غنچه‌های لاله را
شرم ظاهر کردن داغ دلم آمد بیاد

روز می بندیم بر بلبل ره فریاد را
ما که می‌سوزیم از پروانه شبها بیشتر

هرگز نشد بحرفِ طلب آشنا لبم
از آرزوی خویش چو دریا لبالبم

سرو قد تو در نظرم بود جلوه‌گر
روزی که شد بحرف الف آشنا لبم

هست با هر ذرهٔ خاکم خیال روی دوست
آفتابی می شود گر آید این اجزا بهم

چو آسیا نخورم رزق دیگری بینش
ز حرص گر همه اعضا شوند دندانم

ز دستِ ساقیِ کوثر شراب ناب می‌خواهم
گیاه تشنه‌ام از ابر رحمت آب می‌خواهم

محبّت ، آشنائی ، ناز ، مستی ، فتنه ، استغنا
ز شوخی هرچه بامن میکنی نیکوست ، میدانم

ز بی پروائیِ آن جنگجو با من چہ میگویی
ستمگر ، بیوفا ، نا مہربان ، بدخوست ، میدانم

از بسکہ جا بدیدۂ مردم گرفتہ ای
ہر کس کہ دید آئنہ را ، دید روی تو

طوق در گردن و زنجیر بپا میکردیم
قمری از سرو و من از جلوۂ رفتار کسی

ز جام ناز امشب بسکہ سرخوش در چمن بودی
مرا از بلبل و خود را ز گل نشناختی رفتی

رشتۂ آہ بانگشت نفس می بندم
تا ز یادم نرود زلف گرہ گیر کسی

در تعریف کوہ ماران و تخت سلیمان نوشتہ :

دو کشمیری جوان گل فروش اند
کہ از ابر بہاری شال پوشند

دوسرے تذکروں میں مندرجہ ذیل اشعار مذکور ہیں :

صبحِ گلشن ، ص ۵۷ :

کم بمن عربدہ ای شوخ پسر باید کرد
روی خود دیدہ مرا منع نظر باید کرد

پارسی سرایانِ کشمیر ، ص ۱۳۳ - ۱۳۴ :

شعر بود قدر سخن را کمال
نیست درین سلسلہ او را زوال
اوج سخن را پر پرواز کن
شعر بگو فکر فلک تاز کن
عشق سخن ، عقل سخن ، جان سخن
دیدہ سخن ، دل سخن ، ایمان سخن

رتبۂ او مرتبۂ جبرئیل
وادی تاریک جہان را دلیل

صاف دل ہموار می گوید جواب سخت را
افگنی بر آب اگر سنگی حباب آید برون

کلیات الشعرا ، ص ۱۰ :

ہر پارۂ دلم چمنی از نگاہ اوست
آئینہ چون شکستہ شد آئینہ خانہ ایست

در راہ وصال تو ز بس چشم براہم
چون جادہ بود خاک نشین مد نگاہم

تذکرۂ معراج الخیال میں یہ غزل درج ہے :

چشم گریان مرا خوش خریداری ہست
چون گہر ، سنگ مرا طالع سرشاری ہست
می کند رو بقفا سیر جہان را خورشید
در دلش از تو مگر حسرت دیداری ہست
چمن عشرت من گلخن ماتم باشد
می زنم گل بسر آندم کہ بپا خاری ہست
ناخن تیغ تو بسیار بخود می بالد
تا نگارم ز دل تنگ گرہ داری ہست
آسمان را سبک از جای بگیری بینش
کہ درین گرد نہان قافلہ سالاری ہست

گل رعنا ، مخطوطہ مجموعۂ شیرانی ، شمارہ ۱۴۹۰ ، برگ ۶۵ :

ز ابرو چشم مست یار میماند بآن ترکی
کہ بر بالای سر بگذارد از شوخی کمانش را

کسی که کشتهٔ ابروی او مرا داند
بجای شمع زند تیغ بر مزار مرا

ماتم ایام آزادی چو گیرم میشود
بال من مژگان خون آلود چشم دام را

بی تو کی از ضعف توانم گشتن
بوی گل دام کشد در رهِ پرواز مرا

بخشک سال جهان فارغم ز منّت ابر
که نم چو آینه دارد زبان زمین مرا

بلبلم امّا بیاد چشم شوخ نو گلی
بسته ام بر شاخ آهو آشیانِ خویش را

دلدار بی مروت و فریاد بی اثر
دیگر که میکشد ز فلک انتقام ما

در لحد از داغ حسرت استخوانم را مسوز
گر ببالینم نیائی بر سر خاکم بیا

شوق آن لب از دل بینش برآورده است گرد
خون او بسیار مانندست لعل سوده را

صبحدم ز چهره بر افگن نقاب را
بنشان بروز شبنم گل آفتاب را

ز دیده پای ازان ساختم که میدانم
براه وصل تو هرگز نمیرود در خواب

بی تو ما را ز سوز گریه چو شمع
آتش از سر بجای آب گذشت

یکدم ز فکر زلف تو بیرون نمیروم
دایم بزیر سایهٔ گل آشیانِ ماست

تا دست ما ز دامن وصل تو کوته است
همچون سر بریده سزاوار دوش نیست

جستم نشان کلبهٔ درویش یافتم
آن خانه ای که حلقهٔ در خاتم جم است

جز روی او که در شکن زلف خوشنماست
در زنگبار آینه را اعتبار نیست

ز شرم خط چو شود چهرهٔ تو رنگ برنگ
گمان برند که طاؤس خفته در دام است

هر کس که رسد دیدهٔ خود فرش رهش کن
چون آینه شرمندهٔ مهمان نتوان بود

آنقدر طبع تو نازک شده از ناله که من
در گلستان کسی گل نتوانم بو کرد

چو بحر از بردباری پیش خود هموار می سازم
اگر پست و بلندی از زمین و آسمان دیدم

چو شانه پاک کنم از شوق پنجهٔ مژه را
که ره بکوچهٔ آن زلف مشکبو دارم

سرم ز آتش شوق تو آنچنان گرم است
که همچو لاله مرا داغدار گشته کلاه

صد بہار آمد و یک گل نزدم بر سر خویش
که مبادا رسدم سرزنش از خار کسی

در وصف بہار کشمیر:

بسان تاک در اطراف بستان
توان گردید بر گرد درختان
درین کہسار جوش نوبہار است
که قاف قدرت پروردگار است

☆ ☆ ☆

شیخ محمد مسلم صنعی[۱]

شیخ محمد مسلم تذکرۂ شعرای کشمیر کے مؤلف اصلح میرزا کے چچا تھے - نثر و نظم دونوں میں مہارت رکھتے تھے - انھوں نے ملا طاہر غنی کا دیوان مرتب کیا اور اس پر نفیس دیباچہ لکھا - رمضان ۱۰۷۳ھ اور ربیع الثانی ۱۰۷۴ھ

۱- تذکرۂ شعرای کشمیر ، اصلح میرزا ، مرتبہ سید حسام الدین راشدی ، کراچی ، ۱۳۴۶ھش ، ص ۲۳۶ - ۲۳۸ -

کے درمیان جب اورنگ زیب کشمیر میں آئے تو انھیں سرکاری منصب عطا ہوا۔ وہ ہندوستان میں امرائے عظام کی صحبت میں رہے اور اورنگ زیب کے آخری عہدِ حکومت میں وفات پا گئے۔ ان کے منتخب اشعار یہ ہیں :

تذکرۂ شعرای کشمیر ، از اصلح میرزا :

کجاست جوشش یاران بهم که غیر از شمع
بما نکرده کسی گرمی زبانی را

مطلبم از بت پرستی غیر از دیدار تو نیست
آتش طوری و در هر سنگ می بینم ترا

فیض می بخشد سحر صد رنگ از گلگون شفق
نالهٔ زار هزاران با گل رعنا خوش است

مکن از غمزه کمانِ ستمِ مژگان زه
هرچه در کشور حسن است بحکم ابروست

همچو آن مصرع که از طبع سخنور سر زند
قامت موزون آن خوش جلوه سرتا پا خوشست

سرّ مکنون دهان او که پیدا نیست هیچ
از خط و خال لب لعلش عیان باشد که نیست

گویم گهی ز لعل لبت گه ز خط لب
خود با دهان تنگ بگو مدعا کجاست

از لب میگون او خط سرؤد و مینا و جام
می سپارد دور را با فتنهٔ آن چشم مست

مژگان تو بر ناوک فولاد سبق برد
ابروی تو شمشیر توانست بمو زد

زان زلف و خال دور و تسلسل وجود یافت
این نکته بی دلیل مبرهن نمی شود

هلال عید وصل عاشقان است
تنی کو در فراق دوست کاهید

چه بوسها به پیام از پیش فرستادم
رسید از خط مشکین او رسید وصال

بیاد نرگس شهلای سرخوش ساقی
کشیده ایم بسر ساغری خموش شدیم

شب که عکس و روی ساقی در می و مینا نمود
از شراب لعل گون رنگین ایاغی داشتیم

ساقی دور نشست آئینهٔ جام بکف
صبح عید است ، بود دیدنِ روی تو شگون

☆ ☆ ☆

مُلاّ فروغ کشمیری[1]

تذکرۂ صبح گلشن میں مذکور ہے کہ فروغ کشمیری کو عہد شاہجہانی میں ۱۰۶۰ھ میں بارہ روپے یومیہ وظیفہ ملا۔ وہ ۱۰۷۰ھ میں فوت ہوئے۔[2]

کلام کا نمونہ یہ ہے:

چہ می پرسی ز حال مردمان در انتظار خود
کہ چشم از سرمہ خالی گشت در راہ تو آھو را
ادای حرف آن خاموش گویا را کہ در یابد
زبان فہمی بجز دل نیست آن چشم سخنگو را
بقصد قتل عاشق چون گرہ در جبہہ افگندی
خیال جوہر تیغ تو کردم چین ابرو را

نہ ہوای چمن و نہ ہوس گل دارم
من کجا طاقت ہم چشمیِ بلبل دارم
بگلستان چہ روم منّت رضوان چہ کشم
من کہ صد داغ بہ بالیدگیِ گل دارم

☆ ☆ ☆

میرزا قلندر[3]

مُلاّ محمد طاہر غنی کی مندرجہ ذیل رباعی سے میرزا قلندر کی شعری عظمت

۱- تذکرۂ شعرای کشمیر مذکور، ص ۲۸۷ -

۲- صبح گلشن، ص ۳۱۵ -

۳- تذکرۂ شعرای کشمیر مذکور، ص ۳۱۶ - ۳۲۱ -

ظاہر ہے :[۱]

از اهل سخن کس بقلندر نرسد
در شعر باو عرفی و سنجر نرسد
هر مصرع او بسکه بلند افتاده است
ترسم که بآن مصرعِ دیگر نرسد

اصلح میرزا نے اس کے دیوان کا انتخاب پیش کیا ہے :

جام می نشاء سرشار خماری دارد
من و یاد لب لعل تو مدام است مرا

از لبِ لعلِ تو در تاب و تبم
می‌چکد خون دل از تبخال ما

قبله گاه نگاه ما شده ای
کرده محراب طاق ابرو را

از پرتو خیال تو آئینه خانه است
گاهی بسیر دیدۂ حیران من بیا

گر کند چشم پری دام فریب از نگهی
سر خط ناز کند شوخی نیرنگ ترا

نام خدا ببین که دل از نگهت چه میکشد
سرمه چه میکشی دگر نرگس نیم مست را

رفتم از خود تا شنیدم آمدنهای ترا
گریه خالی میکند در دیده ام جای ترا

۱- دیوان غنی ، نولکشور ، ص ۱۲۹ -

خون رگ دل جوهر آئینه آید در طپش (؟)
گر ببیند شوخی چشمک زدنهای ترا

بر کوه اگر گویم حرف لب میگونش
چون لعل فرو ریزد خون از جگر کانها

عمریست ، ناز چشم سیاه تو میکشم
با ما پیاله ای نکشیدی چه شد ترا

کشیدی باده و افروختن آموختی گل را
سپند چشم بد کردی دل بیتاب بلبل را

در واقعه جز دولت بیدار ندیدم
هر جا بتمنای تو خوابیده‌ام امشب

رخ تو کشور حسن از خط غبار گرفت
فضای گلشن کشمیر را بهار گرفت

که غیر شانه بزلف خط غبار گرفت
فسونگر است قلندر کسی که مار گرفت

کافر نگاهیت حرم دل خراب کرد
از گرد کعبه رنگ دیار فرنگ ریخت

سیل اشکم بتماشاگهت از اشک دوید
آنقدر گرد تو گردید که گرداب نشست

مرغوله زیر طرهٔ آه است ناله ام
اقلیم دل قلمرو زلف سیاه کیست

چون شانه دست پرور شمشاد نیستم
سرو قدی ز عالم بالایم آرزوست (؟)

خال هندوی تو نقد دل ما را سره کرد
ضرب بر قلب زدن لازمهٔ سودای است

شیوهٔ دلبری از چشم سیاهش پیداست
شوخیٔ ناز ز انداز نگاهش پیداست

گرفته است سراپا مرا پریشانی
خیالِ کاکل او کم ز عشق پیچان نیست

بیادِ لعلِ تو در سینه کوهِ غم دارم
فضای تنگ دلی ها کم از بدخشان نیست

با هزاران دیده گلشن انتظارت میکشد
چشم در راه تو از هر رخنهٔ دیوار داشت

کند بر دل تپیدنها تبسم
لب یک حرف او حاضر جواب است

مگر بیماری چشم تو ساریست
ز مژگان نبض دل در اضطراب است

شیرازه بند مصحف گل خط سحر است
سنبل بکفر زلف که زنّار بسته است

چین ابرو ، تاب گیسو دین و دل از ما ربود
راست میگوئیم آخر باخت با ما یار کج

ز حیرت محو رخسارش نفس در سینه میدزدد
بآئینی که جوهر در بغل آئینه میدزدد
بدل داغ تو پنهان داشتن شرطست عاشق را
که خازن نقد را از دزد در گنجینه میدزدد

یافتم از دهان او معنی صورت عدم
شرح کلام مختصر کرد ، که کرد ؟ یار کرد

از رگ گل شد عیان بر پیکرش نقش حصیر
شب که آن نازک بدن بر بستر گل خواب کرد

دل بآن زلف گره گیر کشید
کار دیوانه بزنجیر کشید

شب روانت روش راه بسر غلطیدن
ز سر زلف شکن در شکن آموخته اند

بزم می ما جلوهٔ مهتاب دگر داشت
امشب که رخت نام خدا رشکِ قمر بود

نقش تصویر تو از کلکِ قلندر می چکد
جای آن دارد اگر مانی تخلص میکند

بدور حسن تو عالم ملاحت آباد است
حکایتی است که هندوستان نمک دارد

بدام گیسوی 'با کفر همزادی' گرفتارم
که مو بر پیکر من رشتهٔ زنار میگردد
خدا چشم ترا از آفت مژگان نگهدارد
که صفهای پری گرد سرِ بیمار میگردد

صورتگری که پیکر آن ماه میکشد
چون میرسد بکاکل او آه میکشد

حسن کی در پرده پنهان ماند از تیغ رقیب
بوی گل را باغبان زنجیر نتوانست کرد

دلم از زلف تو مستانه بخود می پیچید
هر سر مو به تنم سلسلهٔ سودا بود

چشم ساقی بیشتر از می ز هوشم برده است
محتسب ، از مست لایعقل چه می پرسی ، مپرس

جوهر تیغ تغافل نگه پنهانش
دم نیرنگ پری سایهٔ بر مژگانش

گه سر زلف عصا گاه کند مار سیاه
دارد از ساعد سیمین یدِ بیضا معشوق

افتاده ام ز گردش چشمی بدام تنگ
چون رندِ تنگ حوصله مستم ز جام تنگ

تغافل مشرب من مست استغناست ، میدانم
نمی داند مروت ، شوخ و بی‌پرواست ، میدانم

دل زندگیم ز خندهٔ تست
در بندگیت نمک حلالم

صفحهٔ آئینه دارم در بغل جای کتاب
طفل ابجد خوان مکتب خانهٔ حیرانیم

از حیرت دیدار تو مدهوش نگاهم
چون جوهر آئینه فراموش نگاهم
گردیده‌ام از گردش چشم تو قلندر
عمریست که چون سرمه سیه پوش نگاهم

از نگه دامی بگرد سرمه پنهان کرده است
شوخیٔ نیرنگ آن چشم شکاری را ببین

نظاره ای بهر شکن زلف یار کن
سیر ستاره کاری شبهای تار کن

در گوشهٔ ابروی تو آن خال سیاهی
یا مردمک چشم غزال ختن است این

خط پشت لب تو ، جان نگاه
سرمهٔ چشم ، دودمان نگاه
سرمهٔ چشم ترا سخنگو کرد
مژه حرفی است از زبان نگاه

یاد مژگان تو زد مضراب بر چنگ دلم
گر خروشم در فغان از هر رگ سنگ است کوه

قبای ناز پوشیدی کمر بستی بخون من
کشیدی تیغ کین ، تاراج کردی ، تاختی ، رفتی

نزاکت بسکه در آغوش دارد تنگش از شوخی
شکستن بر نتابد ماهتاب رنگش از شوخی
خدا برگ گلش را از غبار خط نگهدارد
که میگردد بتحریک نگاهی رنگش از شوخی

شب گزشته ، کجا بوده ای ! نمی دانم
که از حجاب ز رنگی برنگ میآیی

تو مینالی ز سرو ، من ز قد یار مینالم
غم عشق تو افزون است یا عشق من ای قمری

سرمه در چشم سیه مست کشیدی صد بار
چشم بد دور که تسخیر صفاهان کردی

هلاک شوخ چشمی های آن ترک کمان دارم
که صید صد ختن آهو کند از چین ابرویی

☆ ☆ ☆

حافظ عبدالرحیم کمگو[1]

محمد افضل سرخوش کے شاگرد تھے - سرخوش بتاتے ہیں کہ انھوں نے اچھی

۱- کلمات الشعرا ، لاہور ، ص ۹۷ - شمع انجمن ، ص ۴۰۱ - ۴۰۲ - گل رعنا ،
مخطوطہ ، برگ ۲۵۲ ب -

طبیعت پائی تھی - مزید تربیت پانے سے اور بھی جلا پا جاتے - عالمگیر کے لشکر کے ہمراہ دکن گئے اور وہیں ۱۱۰۰ھ میں وفات پا گئے - اشعار کا نمونہ یہ ہے :

بہار آمد ز جوش لالہ دارد کوہ دیدنہا
شرر خارا شگافی می‌کند از دل طپیدنہا

ما خراب رنجش بیجای او گردیدہ ایم
گر برافشاند غبار از دل شود تعمیر ما

گرفتہ زخم دلم در دہن خدنگ ترا
بلذتی کہ مکد طفل شیر خوار انگشت

ز زنجیری کہ عشق انداخت در پای من ای قمری
فتاد آخر ترا ہم حلقہ ای در گردن ای قمری
مگر سرو مرا دیدی کہ از دیوانگی بر تن
ز بال و پر ترا صد پارہ شد پیراہن ای قمری
(کلمات الشعرا ، ص ۹۷)

گاہی بگوش زندہ دلان نغمہ ای رسان
زان پیشتر کہ بانگ برآید فلان نماند

نہ نرگس است عیان بر سر مزار مرا
سپید شد برہت چشم انتظار مرا

چون تار عنکبوت ز ہجر تو شد تنم
در گوشۂ خرابہ ازان است مسکنم

بناز کشت جہانی بت ستمگر من ہنوز بر سر ناز است ناز پرور من

ریخت بارانِ بلا بر تنِ غم پرورِ ما　　چہ بلاہا کہ نیاورد فلک بر سر ما

نہ عینک است کہ بر دیدہ دارم از پیری
برای خط جوانان دو چشم من چار ست

اشک من طالب آن نرگس جادو باشد
ہمچو طفلی کہ دوان در پیٔ آہو باشد

ز خضر عمر فزون است عشق بازان را
اگر ز عمر شمارند روز ہجران را

چون سایہ ہمرہیم بہر سو روان شوی
باشد کہ رفتہ رفتہ بما مہربان شوی
(شمع انجمن ، ص ۴۰۱ - ۴۰۲)

☆ ☆ ☆

بدیعی[1]

کشمیر کے شرفا میں سے تھے - شعر و سخن میں بھی مہارت رکھتے تھے - تاریخ بدیعی ان کی یادگار تالیف ہے - ذیل کا شعر ان کا ہے :

کم دہ شراب وصل کہ پُر شد ایاغ ما
روغن چنان مریز کہ میرد چراغ ما

☆ ☆ ☆

۱- لطائف الابرار مذکور ، ص ۳۴۴ -

خواجہ ہاشم دیوانی[1]

کشمیر کے منصب داروں میں تھا ۔ ذہن رسا پایا تھا ۔ اس کی ایک رباعی محفوظ ہے :

یک ذرہ اختیار در دست تو نیست
لیکن معقول فطرت پست تو نیست ؟
تدبیر چو کعبتین و تقدیر چو نقش
در دست تو ہست لیک در دست تو نیست

☆ ☆ ☆

خواجہ ضیاءالدین دیوانی[2]

خواجہ ہاشم کے بیٹے تھے ۔ اخلاق و اطوار میں اپنے والد سے بھی سبقت لے گئے تھے ۔ بڑے خوش طبع تھے ۔ کبھی کبھی شعر بھی کہتے تھے ۔ یہ رباعی ان کی ہے :

مردم بہ جنون ز یکدگر در پیش اند
خود را بہتر ز غیر خود اندیش اند
این بر خر خود نازد و آن بر زر خویش
این مردہ دلان زندہ بہ خبط خویش اند

☆ ☆ ☆

۱۔ تحائف الابرار مذکور ، ص ۴۴۳ ۔
۲۔ تاریخ کشمیر اعظمی ، ص ۲۰۸ ۔

بزرگی[1]

ایک آوراہ مغنیہ رقاصہ تھی - جہانگیر بادشاہ کے عہد میں قناعت و توکل اختیار کرکے گوشہ نشین ہوگئی - ایک دن چار شاعر اس سے ملاقات کے لیے گئے - اسی اثنا میں ایک عرب نوجوان بھی آ گیا جسے اس نے اندر بلا لیا - یہ بات شعرا پر ناگوار گذری - انھوں نے یہ رباعی لکھ کر اس کے پاس بھجوائی :

ای شیوۂ کفر و دین بہم ساختہ ای   غم را بوجود خود عدم ساختہ ای
آثار بزرگی ز جبینت پیداست   کہ باعرب و کہ بہ عجم ساختہ ای

بزرگی نے فی البدیہہ یہ شعر لکھ کر باہر بھجوا دیا :

روزی کہ نہادیم درین دیر قدم را   گفتیم صلاح است عرب را و عجم را

یہ مشہور شعر اسی کا ہے :

موبمو در نالہ ام گویی کہ استاد ازل
رشتۂ جانم بجای تار در طنبور بست

☆ ☆ ☆

لالہ ملک شہید[2]

کشمیر وطن تھا - طبیعت میں خاصی اپج تھی - تاریخ یابی میں انھیں کمال حاصل تھا - جناب غوث اعظم شیخ عبدالقادر جیلانی کی مدح میں گیارہ سو اشعار لکھے - ہر شعر سے سالِ ولادت ، عمر اور سال وفات نکلتا ہے :

'تحائف الابرار' میں اس کے یہ دو شعر منقول ہیں :

لام قدِ من با الفِ قدِ تو لا شد
یعنی کہ وجودم بوصال تو فنا شد

۱- مرآۃ الخیال ، ص ۳۳٦ -
۲- تحائف الابرار ، ص ۳۴۴ -

در آتشم نشستہ خموش از فراق دوست
چون غنچہ های لالہ مرا سرمہ در گلوست

☆ ☆ ☆

منشی محمد رفیع[۱]

جیسا کہ منشی کے لقب سے ظاہر ہے ، فن انشا پر اس کی گذران تھی - حکام سے وابستہ رہتا تھا - فن شعر میں بھی طبع عالی پائی تھی ، کلام پر قدرت تھی - روانی طبع ان اشعار سے واضح ہے جو اس نے اپنے ایک دوست کو آگ کے ایک حادثے پر لکھے :

از سوز خاطر تو وجودم بہ پیچ و تاب
آنجا فتاد آتش و اینجا شدم کباب

وقتیکہ شعلہ از در و بام تو سر کشید
کس آگہی نداد باین دیدۂ پر آب

سر چشمہ زیر هر مژۂ من ذخیرہ بود
از یک نگاہ خانۂ آتش شدی خراب

تا این خبر رسید بگوشم ز سوز دل
یکدم نگشت دیدۂ من آشنا بخواب

امّا ز سرنوشت کسی را گریز نیست
این حرف انتخاب نمودم ز صد کتاب

هر دم کہ عیش تلخ نماید سپہر دون
بر بام کار شعلہ کند نور ماهتاب

باد ملال را ندهی رہ بصحن دل
آخر کند تلافی آتش ابوتراب

۱- تحائف الابرار ، ص ۴۴۳ - تاریخ کشمیر اعظمی ، ص ۱۷۳ -

ایک مرتبہ تسلی نام شاعر نے اہلِ کشمیر کی ہجو لکھ کر سیف خاں ناظمِ کشمیر کے دربار میں پڑھی - خواجہ عنایت اللہ رئیسِ کشمیر نے محمد رفیع کو جواب لکھنے پر آمادہ کیا - اس نے ایک گھنٹے میں ہجو کا جواب بحرِ طویل میں موزوں کرکے دوسرے دن سیف خاں کی مجلس میں پڑھا - چنانچہ تسلی رسوا ہوا اور سزا کے طور پر شہر بدر کیا گیا - اس نظم سے محمد رفیع کی فنی مہارت ظاہر ہوتی ہے ، اس لیے ہم اس کے چند اشعار یادگار کے طور پر نقل کرتے ہیں :

لعنت اللہ بران تسلی کم اصل ، تبہ کار ، گنہگار کہ خود را بزبان دو سہ لک
آدم موزون سخندان ، سخن سنج ، ہمہ آراستہ از فضل و ہنر داد کہ گر پای
بہ ہجوش بفشارند بفریاد بیارند جہان را -

لیک خفیف است کہ اوقات چنین مردم پاکیزہ ، دانای نکورای ، خدا ترس ،
حق اندیش کہ جز ذکر خدا فکر ندارند ، شود صرف و بسازند تر از خون
سگی تیغ زبان را

آنچہ در حق این طائفۂ پاک ز نادانی و بدبختیٔ خود گفت ، ہمہ تہمت و
بہتان و ہمہ کذب و پریشان کہ جزایش رسد از ایزد متعال ، دریں سال
بتعجیل نہ بتاخیر کہ فرصت نبود خوب باین بی ادب خیرہ سر احمق نادان
تا جزایش بود این دو سہ حرفی کہ برآید ز زبان من آشفتۂ حیران ز رہ
خشم و غضب ، ز انکہ چہ لائق کہ کند ابلۂ قلتاق ، گدا خوی ، سیہ روی ،
بداندیش عجب ریش ببد گویی ابنای زمان عادت و سرگین خورد و گندہ
کند کام و دہان را

☆ ☆ ☆

فروغی[۱] ، مُلاّ حسن

۱۰۶۰ھ میں شاہجہان کی سرکار میں بارہ روپے یومیہ پر ملازم ہوئے -

---

۱- عمل صالح ، از محمد صالح کنبوہ ، کلکتہ ، ج ۳ ، ص ۴۳۱ - خزانۂ عامرہ ، ص ۳۶۷ - ۳۶۸ - مخزن الغرائب ، مخطوطۂ پنجاب یونیورسٹی لائبریری ، ص ۲۶۵ ا - گل رعنا ، نسخۂ خطی ، ص ۲۳۹ ا -

۱۰۶۱ھ میں جب شاہجہان کشمیر میں آئے تو فروغی نے دو مثنویاں ، ایک 'در وصف شاہجہان آباد' اور دوسری 'در تعریف باغ حیات بخش' پیش کیں - سرکار والا سے ہزار رروپیہ انعام ملا -

محمد صالح کنبوہ نے ان الفاظ میں فروغی کی تعریف کی ہے : ''شعرش چون زمینِ کشمیر شگفتہ ، طبعش سرمایہ اندوز معانی و فکرش پیرایہ بخش سخندانی -''

عجز و انکسار ان کا شیوۂ زندگی رہا - ۱۰۷۷ھ میں دہلی میں وفات پا گئے - تذکروں میں ان کے مندرجہ ذیل اشعار ملتے ہیں :

با زبان حال سنگ راہ می گوید بلند
می خورد پا ہرکہ بر افتادگان پا میزند

گردلت آرزو کند آن گہر یگانہ را
رقص کنان بآب دہ ہمچو حباب خانہ را

ازان غم وطنم نیست کز سبک باری
ہمیشہ ہمچو کمان است خانہ بر دوشم

لالہ را ہم با چمن دل صاف نیست
ما دل یاران عالم دیدہ ایم

ای کہ در رفتن شتاب تیر دارد عمر تو
چون کمان بہر کہ می سازی منقش خانہ را

گی ز بیم خنجرت خواھد دلم یکسو گرفت
ہمچو ابرو میتوان تیغ ترا بر رو گرفت

قصیده

امام و قبلهٔ اهل نجات شاه جهان
که شد بسجدهٔ درگاه او فلک مأمور

نشست بعد ز آبا بچار بالش جاه
ازان چو عقل دهم می دهد نظام امور

صلاحِ خلق در ایامِ او چنان شد عام
که دانهٔ نبرد بی رضای دهقان مور

بمنع باده اگر گرم می شود غضبش
مویز گشته سر از تاک بر زند انگور

همیشه چار حد این مسدس نه سقف
ز کثرت سه موالید تا بود معمور

سرای دولت او را بحکم یزدان باد
بقا اساس و قضا بانی و قدر مزدور

مثنوی در توصیفِ شاهجهان آباد

تعالی‌الله چه شهر است این که از شان
گذشته هر بنای او ز کیوان

جهانی را به ز خود گر یاد باشد
همین شاهِ جهان آباد باشد

جگر از غیرتش خون شد یمن را
عقیق او گواه است این سخن را

ز خوبی های او هرگه کند یاد
رود صد دجله اشک از چشمِ بغداد

ز خاکش مشک چین بو می کند کام
خطا باشد درو بردن چنین نام

عماراتش ز سر تا پای دلکش
چو هندو زاده خوبان پری وش

همه سر تا قدم مطبوع و مرغوب
چو اعضا هر یکی در جای خود خوب

ز رفعت جمله با افلاک همدوش
گرفته هر یکی صد مه در آغوش

شکوهِ آسمان دارد زمینش
جهان انگشتر آمد او نگینش

ازان بر دوش رفعت پایه دارد
که دولت خانه بر وی سایه دارد

فلک زان حلقه در گوش در اوست
که ظلِ فکرِ شاهی بر سرِ اوست

مثنوی در توصیف باغ حیات بخش

ای چشم بهار از تو روشن — خاطر بتصور تو گلشن
راحت و روح فیض عامت — زان گشت حیات بخش نامت
نهری که میانِ تو روانست — عالم همه جسم او روانست
زان نهر که هست در کنارت — آمد آبی بروی کارت

☆ ☆ ☆

مُلاّ صبحی کشمیری

شاہ شجاع پسر شاہجہان کے ملازم تھے ۔ گیارھویں صدی کے اواخر میں فوت ہوئے ۔ مختلف تذکروں سے ان کے مندرجہ ذیل اشعار ملے ہیں :

چو از طوفانِ اشکِ ما رود سیلاب در دریا
معلّم افگند اوراقِ اصطرلاب در دریا
بکام فتنۂ دوران مدد از آسمان جستن
بدان ماند که گیری دامن گرداب در دریا

ندانم از کدامین باده سرخوش شد حباب آخر
که با این شور نکشوده است چشم از خواب در دریا
ز بس کاهیده‌ام از تشنگی بی او عجب نبود
اگر چون عکس خود را افکنم بی تاب در دریا
سر زلف درازی سایه افکندست در چشمم
به اندازی که صیّاد افکند قلّاب در دریا
(مرآة الخیال ، ص ۱۶۴)

چه پنهان گفت پیغام تو در گوش شنیدنها
که بر پای شنیدنها فتد از شوق دیدنها
برد از بی وفائی های حسن آوارگی عاشق
بلی آموخته بلبل ز رنگِ گل پریدنها
سرافرازی اگر داری هوس کسب تواضع کن
بابرو بین که جا بر چشم دارد از خمیدنها
نه تنها در فغانم چون خم خالی ز هجر می
که دارد تاک هم اشکی ز درد نارسیدنها
چه رنگین گریه ها از سوز دل آورده ام صبحی
کنون از چشم تر دارم تمنای چکیدنها
(تذکرهٔ معراج الخیال ، عبرتی ، نسخهٔ خطی ، ص ۶۵ ب)

دامن فشان گذشت شبی بوی زلف یار
سنبل همیشه می دمد از دود آتشم
(صبحِ گلشن ، علی حسن خان ، ص ۲۴۷)

☆ ☆ ☆

کامران بیگ گویا

داراب بیگ جویا کا بھائی تھا - اس کے مندرجہ ذیل اشعار مل سکے ہیں :

بود فیض دگر در عالمی از خود رمیدنہا
برآ از خویش و جا کن در بہشت آرمیدنہا

من و چون اشک جوشیدن تو و از چشم افگندن
من و خاکِ رہت گشتن ، تو و دامن کشیدنہا

من و از غیر تو وحشت ، تو و با غیر من الفت
من و پیوستن با تو ، تو و از من رمیدنہا

من و تا پا بسر الفت ، تو و سر تا بپا وحشت
من و در آرزوی تو ، تو و آزار دیدنہا

تو و چون آب در گہوارۂ گل است آسائش
من و چون موج سرگردان بہ بحر دل طپیدنہا

من و چون شام در چاہ سیہ روزی فرو رفتن
تو و مانند صبح از مشرقِ طالع دمیدنہا

من و چون بوی گل برگرد رخسار تو گردیدن
تو و مانند رنگ از چہرہ ام گرم پریدنہا

(واقعات کشمیر[1])

ز هجر مردم و گویند یار می آید   بکار من کہ نیاید چہ کار می آید

خویش را با او شبی می خواستم   از برای مطلبی می خواستم

از عروس دهر تا دل بر کنیم   همت مردانہ می خواهیم ما
(گل رعنا ، ص ۲۵۲)

۱- Persian Poets of Kashmir of Mughal Period, M. Zafar Khan, Ms. P. U. L., p. 847

در کوی عشق نیست مجال قدم زدن
این راه را چو اشک بسر میرویم ما

بیطالعی نگر که بگوش تو ره نیافت
با آنکه نالہای من از آسمان گذشت
(ریاض الشعرا ، ص ۲۱۶ ب ، مخطوطه شماره ۱۴۸۳)

☆ ☆ ☆

قاضی محمد عارف[1]

قاضی محمد عارف بن قاضی ابو القاسم بن مولانا جمال الدین سیالکوٹی - مراسلہ نویسی میں مہارت رکھتے تھے - دربار شاہجہانی میں بلند رتبہ حاصل تھا - کبھی کبھی شعر بھی کہتے تھے - ان کے مندرجہ ذیل اشعار یادگار رہ گئے ہیں :

نہ ازان دیر تر بہ بخشد کام   کہ دهد جلوه کبریائی را
زان توقف کند کہ دریابی   ذوقِ دریوزۂ گدائی را

رباعی :

خواهم کہ ازین نشیب و پستی برهم
وز ننگ خودی و خود پرستی برهم
یک جرعہ ز جام نیستی نوش کنم
از کشمکش خمار هستی برهم

☆ ☆ ☆

۱- تاریخ کشمیر اعظمی ، ص ۱۷۲ - تحائف الابرار ، ص ۳۴۴ -

جمیل بیگ علوی

متوفی ۱۰۲۰ھ - جمیل بھی تخلص تھا اور علوی بھی - آرزو 'مجمع النفایس' میں تقی اوحدی کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ وہ اپنے عقاید میں متشدد تھا - اس نے 'ردالروافض' کے نام سے ایک کتاب بھی لکھی -[۱] 'مجمع النفایس' میں اس کے یہ اشعار منقول ہیں :

ز طرف آن نقابم جلوۂ بنمود کز شوقش
بیک نظارہ جان رفت و کنونم زندہ از یادش

ز بس گرم شکایتہای او بی تابانہ رشکم
شد از روی غضب او آتش سوزان و من بادش

نخواهم رحم زان بیرحم لیک ار بشنود یکرہ
نظلّم کردنم ذوقسمت پیش او ز بیدادش

جمیل از اهل معنی هر کہ نبود چون شود روشن
چراغ دودمان از شعلۂ شوق هوس زادش

دوشینہ بجان شورش شوق تو در افتاد
هر چاک کہ در جیب زدم در جگر افتاد

بدان ماند کہ درد من ندارد روی بہبودی
وداع ای همرهان کزسینہ بیرون میرود دودی
(مجمع النفایس ، ص ۲۵۶)

☆ ☆ ☆

۱- مجمع النفایس قلمی ، ص ۲۵۶ -

ابراهیم طلوعی[1]

جہانگیری عہد کے شعرا میں ان کا شمار ہوتا ہے - فنونِ شعرگوئی سے بہرہ ور تھے - پختہ اشعار کہتے تھے - اپنا دیوان بھی مرتب کیا تھا - ان کے مندرجہ ذیل اشعار مل سکے ہیں :

از صبح طلب فیض کہ صاحب نفس اینست
دامانِ سحر گیر کہ فریاد رس اینست
(منتخب الاشعار)

فلک بپاکیِ دامانِ ما قسم می خورد
کنون ز ننگ سگ از کوی ما گریزان است
خوشم کہ همچو طلوعی مرا بکعبۂ دل
زبان ز خواهش و دست از دعا گریزان است (مجمع النفایس)

دلِ شکستہ و عهدِ درست میخواهم
وگرنہ مهر سلیمان و جام جم کم نیست (گل رعنا)

رباعی :

ما پای نیاز و آز را پی کردیم قطع نظر از تموز و از دی کردیم
در راه طلب چو پا نهادیم ز شوق کواین بگام اولین طی کردیم
(سفینۂ بیخبر)

---

۱ - سفینۂ بیخبر، مخطوطہ، پنجاب یونیورسٹی لائبریری، ص ۷۷ا - مخزن الغرائب، مخطوطہ، ص ۲۰۳ - گل رعنا خطی، ص ۱۹۰ - منتخب الاشعار، نسخۂ خطی، پنجاب یونیورسٹی لائبریری، مجموعہ شیرانی، شمارہ ۱۵۰۱، ص ۹۰ - مجمع النفایس، ص ۲۳۹ -

ز چاک پیرہن یوسف این قدر دانم
کہ عشق پردہ دری کرد و از زلیخا نیست

نہ خوب دانم و نی زشت ، این قدر دانم
کہ حرف نیک و بد از خامۂ یک استاد است

رباعی :

فصل گل و مل گذشت و ما بیخبریم
آب از سر پل گذشت و ما بیخبریم (گل رعنا)
ایام جوانی کہ بہاری خوش داشت
چون موسم گل گذشت و ما بیخبریم

(مخزن الغرائب و گل رعنا)

عہد شاہجہان میں تین چار اور شعرا کے نام بھی ملتے ہیں جو ایک دوسرے کی صحبت سے مستفید ہوتے تھے ۔ ان میں ذہنی اور ندیم استاد شمار ہوتے تھے اور فصیحی ، فہمی اور فطرتی ان کے مصاحب تھے ۔ تاریخ کشمیر اعظمی اور تحائف الابرار کے توسط سے ان کے نام اور ان کے چند اشعار یادگار رہ گئے ہیں ۔

☆ ☆ ☆

فصیحی [1]

محمد اعظم لکھتے ہیں کہ فصیحی مولانا ندیم کے مصاحب تھے ۔ دیوان بھی

۱- تاریخ کشمیر اعظمی ، لاہور ، ۱۳۰۳ ، ص ۱۵۷ ۔ تحائف الابرار فی ذکر الاولیاء الاخیار ، لاہور ، ۱۳۲۲ ، ص ۳۴۳ ۔

ترتیب دیا تھا - یہ غزل ان کی ہے:

حسن پیرایۂ دکان هوس نتوان کرد
شعلۂ طور چراغ دل خس نتوان کرد
طوطیان گر لبِ دریوزه بحسرت بستند
شکرستان همه در کام مگس نتوان کرد
چون حیا پرده نشین شو که گل خوبی را
دست فرسود نگاه همه کس نتوان کرد
بال و پر سوز که تا ثروت پروازی هست
بمرادِ دلِ خود سیر قفس نتوان کرد
همه تن بال شو و دامن پروازی گیر
تکیه بر گرم رویهای نفس نتوان کرد
چه طلسمیست فصیحی که ز میدان وفا
پیش نتوان شد و رو باز به پس نتوان کرد

'تحائف الابرار' میں یہ غزل موجود ہے:

آشفته تر از ماست بسی انجمن ما
بی نور شود شمع طرب از لگنِ ما
بر ناصیۂ غنچۂ ما نقشِ طرب نیست
شرمنده برون رفته نسیم از چمنِ ما
نشگفته بماندیم بگلزار شهادت
پاشید مگر گردِ غمی در کفنِ ما
از سوختن ما نشود هیچ تسلی
خوش بر سر لطف آمده پیمان شکنِ ما

☆ ☆ ☆

فہمی[1]

ندیم کے مصاحبین میں سے تھا۔ فہم و فراست رکھتا تھا اس لیے فہمی کے نام سے معروف ہوا۔ مشاعروں میں ذہنی اور فصیحی کے مد مقابل ہوتا تھا۔ اس کی ایک غزل یہ ہے:

فکر سر زلف تو مرا بی سر و پا کرد
اندیشۂ پابوس تو ام پشت دوتا کرد

گفتم کہ بوصل تو رسم گر بودم عمر
نی وصل میسّر شد و نی عمر وفا کرد

دردا کہ ترا مہر نیاموخت معلّم
در مکتبِ خوبی ہمہ تعلیم جفا کرد

تا رو برہِ بادیۂ عشق نہادیم
صد گونہ غم از ہر طرفی روی بما کرد

فہمی نتوان رست ز اندیشۂ خوبان
زین گونہ کہ در دل غمِ این طائفہ جا کرد

☆ ☆ ☆

فطرتی[2]

ندیم اور فصیحی کے ساتھیوں میں سے تھا اور "ملا" ذہنی کا شاگرد تھا۔ جب مرزا فطرت کشمیر میں آئے اور انھوں نے فطرتی کے اشعار سنے تو کہا کہ

۱۔ تاریخِ کشمیر اعظمی، ص ۱۵۷ ۔ تحائف الابرار، ص ۳۴۳ ۔
۲۔ تاریخِ کشمیر اعظمی، ص ۱۵۷ ۔

اگر مجھے معلوم ہوتا تو اپنا تخلص فطرت نہ کرتا ۔ فطرتی کے چند اشعار یہ ہیں :

از باغ و گل هوای دماغم فرو نشست
پای هوس بکنج فراغم فرو نشست
پرتو فگند عشق فروغ خرد نماند
سر بر زد آفتاب و چراغم فرو نشست

رباعی

مائیم چو فطرتی ز جور گردون ناشاد چو ماتم زدگان محزون
چون آه غریبان همه پروردهٔ درد چون اشک یتیمان همه پروردهٔ خون

تقی اوحدی نے لکھا ہے کہ اس نے اکبر بادشاہ کی خدمت میں یہ دو شعر پیش کیے اور بارہ ہزار روپے انعام پایا :

قسمت نگر کہ درخور ہر جوهری عطاست
آئینه با سکندر و با اکبر آفتاب
او کرد گر معاینهٔ خود در آینه
این می کند مشاهدهٔ حق در آفتاب

'صبح صادق' اور 'نشتر عشق' میں یہ اشعار فطری سے منسوب ہیں لیکن تقی چونکہ فطرتی کا معاصر ہے اس لیے اس کا بیان قابل ترجیح ہے -

☆ ☆ ☆

ندیم ، محمد صالح[1]

باپ کا نام خواجہ علی بٹوانی تھا ۔ محلہ نوهٹہ کے رہنے والے تھے ۔ لطافت طبع کی وجہ سے مولانا ذہنی کی مجلس میں پہنچے اور ان کی تربیت سے سخن گوئی میں

۱- تاریخ کشمیر اعظمی ، ص ۱۵۴ - ۱۵۶ - تحائف الابرار ، ص ۳۴۳ -
- Persian Poets of Kashmir, M. Zafar Khan, p. 409-420

مہارت حاصل کی - زیادہ کہتے تھے اور خوب کہتے تھے - اہل درد ، عالی حوصلہ اور بلند نگہ تھے - انڈیا آفس لائبریری شمارہ ۱۶۰۵ پر ندیم کا ایک نامکمل دیوان موجود ہے جس میں ردیف الف سے ردیف د کے نصف تک غزلیات موجود ہیں - ہم ان کی چند غزلیں یہاں درج کرتے ہیں :

از آہِ سرد آتشِ داغم فرو نشست
بادِ بلا وزید چراغم فرو نشست
گردی ز چار سوی زمین جست بر ہوا
بر گشت در حریم دماغم فرو نشست
افسردہ گشت بر مژہ لختِ جگر مرا
نم در فتیلہ بود چراغم فرو نشست
پامال دستبرد خزان غمم ندیم
خار و گلی کہ خاست ز باغم فرو نشست

داغ دل بہ ز مداوای ہوس نتوان کرد
چمن آرایی گلزار ز خس نتوان کرد
جذبۂ ہمتی از عشق طلب ، نی ز ہوس
سیر عنقا بہ پر و بالِ مگس نتوان کرد
خاطری درد گزین باید و جانی غمگین
سخنِ عشقِ تو پیش ہمہ کس نتوان کرد
نغمۂ عیش ندارد اثرِ نالۂ درد
رو بسوی چمن از کنج قفس نتوان کرد
اختر بد کہ بود گردش گردون چکنند
گلہ بنیاد ندیم از ہمہ کس نتوان کرد

پیش ما با دانش و فرہنگ میباید نشست
یکزبان و یکدل و یکرنگ میباید نشست
جای گرم خاک عاشق را کہ بر خاکستر است
نیستم سلطان کہ بر اورنگ می باید نشست

رنج می باید کشید و صبر می باید نمود
لعل می باید شد و در سنگ می باید نشست .
کارپردازانِ دنیا رهزن دین آمدند
دور ازین مردم بصد فرسنگ می باید نشست
گر گلِ مقصد شگفتن آرزو داری ندیم
غنچه سان در باغ هم دلتنگ می باید نشست

پروانه گردِ شمع شبستانِ کس نیم
بلبل فراز شاخ گلستانِ کس نیم
پای هوس بدست قناعت شکسته ام
دستِ طلب بدامن احسانِ کس نیم
همت زبس که کرد مدد در معاش من
با صد گرسنگی مگسِ خوانِ کس نیم
از اشک و آه خشک و تری شد میسّرم
بی آبرو در آرزوی نانِ کس نیم
بی برگیم بهار هزاران شگفتگی ست
آشفته سر بحسرتِ سامانِ کس نیم
دامان صلح کل برون آورده ام بدست
سرپنجهٔ جدل بگریبانِ کس نیم
مشکل کشا ز دفتر فضل خودم ندیم
طبع آزما ز دقّتِ دیوانِ کس نیم

داغم نصیبِ سینهٔ افگار کس مباد
این گل چراغ غمکدهٔ تار کس مباد
بی نغمه بلبل چمن از رونق اوفتد
در سینه بی‌فغان دل غمخوار کس مباد

داغ دلم ز دیده پذیرفت آب و رنگ
این ابر غنچه پردهٔ گلزار کس مباد
صحّت در آرزوی دل اهل درد مرد
این غم نصیبهٔ دل افگار کس مباد
گر خود در آفتاب قیامت طپد دلم
منّت پذیر سایهٔ دیوار کس مباد
صد دل بدرد افگند از هر سخن ندیم
در کار شرح هجر تو گفتار کس مباد

نیست پروای کس از قیدِ تعلق جسته را
هر دو عالم گر خورد برهم چه غم وارسته را
بر سرِ مژگان من شد لخت لخت دل گره
بسته میدارند آری از گیاه گلدسته را
بی غم عشقت کشاد کار دل صورت نبست
بی کلید آری کسی نکشود قفل بسته را
دانش و دیوانگی هرگز نمی سازد بهم
از خرد باید بریدن با جنون پیوسته را
عافیت را نیست ره در بزمگاهِ ما ندیم
عشق هم صحبت نخواهد با بلا نشسته را

ز فیض دل مژهٔ اشکبار گلریز است
ز تازه رویی این باغ خار گلریز است
دلت ز هیچ نوا وا نشد چو گل ورنه
بنغمه هر چمنی را هزار گلریز است
چه تار سبحه در ایام گل چه تار رباب
نسیم صبح دم از تار تار گلریز است
شگوفه نیست که ریزد بخاک از سر تیغ
که شاخِ گل ز نسیمِ بهار گلریز است

بیاد کاکل مشکین ندیم در هر شب
بجای اشک ز چشمم خار گل ریز است

پوشیده راز بخت سیه داشت داغ ما
هرگز نگشت پرده در شب چراغ ما
آرد بدست داغ دل آن دیده ور که او
دارد بصارت گهر شب چراغ ما
در جست وجوی ما ننهد مشفقی قدم
آوارگی کجاست که گیرد سراغ ما
بی غم نشاط در دل ما راه نیافته است
باهم نهد بهار و خزان رو بباغ ما
در حرفِ راست خامهٔ ما خامکار نیست
هرگز خرام کج ننموده است زاغ ما
در تنگنای دل همه مطلب میسر است
فارغ نشین ندیم بکنجِ فراغ ما

رونق افزای کار خویشتنم　　چون هنر مایه دار خویشتنم
اشک شوقم گره بمژگانم　　غنچهٔ شاخسار خویشتنم
تازه دارم بگریه غنچهٔ داغ　　آب و رنگ بهار خویشتنم
رخ نیفروختم ببزم کسی　　شمع شبهای تار خویشتنم
سر زند ناله از رگ جانم　　نغمه پرداز تار خویشتنم
زندگی روشنم نکرد ندیم　　ورنه شمع مزار خویشتنم

سر زلفت که با دل داد ربط آشفته حالی را
ببوی عقده وا کرد آرزوهای خیالی را
غمت ویرانهٔ دل را بدرد آباد چون گردد
ولایت پیشهٔ معمور دستورست حالی را

دل از خون جگر لبریز خواهم داشت در مجلس
که اندازند مستان از نظر مینای خالی را
ز اظهار زیان چون سود بدخواهیست دم درکش
که بازرگان نمی سازد عیان نقصان مالی را
ندیم از بیت ابرویت غزلخوان غزالانست
که تضمین میکند اهل سخن مضمون عالی را

در کشور توکّل غمناک شاد باشد
حاصل چو شد تحمّل بیداد داد باشد
اسرارِ غیب دانی حل کن اگر توانی
در سر نوشت خوانی باید سواد باشد
تا دل دهم هوس را غارت کند نفس را
بر دزدِ خانه کس را کی اعتماد باشد
در سینه دل همه تن افروزد از دم من
اینجا چراغ روشن از روی باد باشد
از چشم فتنه بارت صد جور و یک اشارت
آری برای غارت ترک اوستاد باشد
از نفس و خصلت او دل کن ندیم یک سو
باور مکن که بدخو نیکو نهاد باشد

سازد از ناله مرا فوجِ غم انگشت نما
که سپه دار شود از علم انگشت نما
آنزمان از دهن دوست دهد بوسی دست
که وجود تو شود در عدم انگشت نما
دستی از تیغ شود شهره و دستی ز قلم
ای خوش آن دست که شد از کرم انگشت نما
مهربانی کندت شهرهٔ عالم چون مهر
که بدلجوئیِ موریست جم انگشت نما

حسن در موسم طفلی ز تو عالم افروخت
آفتابی که شدی صبحدم انگشت نما
گر ازین دست ندیم از تو زند دستان سر
میتوان شد بحجاز و عجم انگشت نما

تذکرۂ نصر آبادی میں ندیم کے یہ اشعار منقول ہیں : (ص ۴۴۷)

ذوق مردن بود اندک چو هوس بسیار است
خواب رو کم دهد آنجا که مگس بسیار است

تو با لباسِ فنا دیر میری اندر فقر
برهنه را نبرد خواب زود در سرما

دارم ز دست داغ سمن سینه گلرخی
دل همچو لاله زار سفید و سیاه و سرخ

رباعی

آن وقت که دل بصوت بلبل بندند — مضمون خوشی بر صفت گل بندند
وا شد ره فوج غم ز کمیابی می — چون آب نهد رو بکمی پل بندند

تاریخ وفات کمال نام که رفیق او بود :

شد کمال از دهر و بی او دلکشا — نی نوای چنگ و نی بانگ نی است
سال تاریخ وفاتش شد رقم — هر کمالی را زوالی از پی است

☆ ☆ ☆

مستغنی کشمیری[۱]

محمد امین نام ، مستغنی تخلص ۔ شیخ یعقوب صرفی کے فرزند ارجمند تھے ۔ ذہن سلیم اور طبع مستقیم کے حامل ، علم و فضل میں نامور ۔ یوسف شاہ چک کے زمانے

---

۱ ۔ تاریخ کشمیر اعظمی ۔ هفت اقلیم ۔ گل رعنا ۔ تذکرۂ شعرای کشمیر ، مؤلفه اصلح مرزا ، ص ۳۸۶ ۔

میں ان کی قدر و منزلت ہوئی - کچھ عرصے کے لیے لاہور میں بھی رہے - شعرا و امرا میں مقبول و معزز تھے - ۱۰۳۴ھ میں ستر سال کی عمر میں فوت ہوئے - آستانۂ حضرت سید جلال الدین کے باہر محلہ آروت میں مدفون ہیں -

ان کے منتخب اشعار مندرجہ ذیل تذکروں میں مل سکے ہیں :

تذکرۂ شعرای کشمیر ، مؤلفہ اصلح مرزا : (ص ۳۸۶)

دزدی کہ کرد دل بجنونست آشنا　　آبی کہ ریخت دید بخونست آشنا
برداشتیم دیدۂ ہمّت ز آرزو　　چون سعی ما ز بخت زبونست آشنا

شمعی بمیان آمده با پرتو خورشید　　هان مجلسیان ، همت پروانہ کہ دارد

هفت اقلیم : (ص ۱۱۳ ، ج ۲ ، تہران)

قطعہ

بسوزش عرق منّت آتشی نبود
تحمّلی کہ کرم را کنیم داغ کجاست
جهان ز گمشدۂ من اگر همہ خبر است
سرو دلی کہ بگیرم ازو سراغ کجاست
سیاهی شب ما را نبرد پرتو مهر
رخی کہ در ره ما می نهد چراغ کجاست

درین چمن همہ بیگانۂ هم‌اند ، ولی
ز بلبلم سخن آشنا بگوش آمد

برهمن ، گرد تو گردم ، ره کفرم بنما
کہ ز ایمان خودم شرم بسی می آید

رباعی

من خنده نیم بطبع عاشق ناساز　　یا گریہ کہ بر روی دوم چون غماز
یا نالہ کہ سر بگوش بیگانہ نهم　　من درد دلم خلوتی محرم راز

تاریخ کشمیر اعظمی : (ص ۱۱۶)

ای سینه ز وسواس تو ام مارستان　　رگهای وجودم ز تو زنارستان
عیسی کده از چشم تو بیمارستان　　ناز تو بکائنات در کارستان

دوشینه بچشم دل نهان از مردم　　دیدم نه بهشت بلکه کشمیر دوم
خاکی ز عبیر و مشک آگنده خمیر　　آبی ز صفا وجود خود یافته گم

گل رعنا ، قلمی ، شیرانی : (شماره ۴۹۰ ، ص ۲۵۹ ب)

ای آنکه سری ز شوق مستت دادند　　جانی و دلی مهر پرستت دادند
یک جرعه سبیل ساز بر تشنه لبان　　شکرانهٔ جامی که بدستت دادند

ما و تو در روز محشر دست و گریبان رویم
تو ز پی دست من و من ز پی خون بها

با پریشانی خاطر بهمین دل جمعم
کز پریشانی ما هیچ دلی درهم نیست

☆ ☆ ☆

محمد زمان نافع کشمیری[1]

مُلاؔ محمد طاہر غنی کے بھائی تھے - بچپن میں شیخ محسن فانی کی صحبت سے فیضیاب ہوئے - اپنے بڑے بھائی سے بھی بہرہ ور ہوئے - آخر عمر تک درس و تدریس میں مشغول رہے - ۱۱۱۲ھ میں فوت ہوئے - موزوں طبیعت پائی تھی -

---

۱- تذکرۂ شعرائے کشمیر ، اصلح مرزا ، ص ۷۷۴ و پاورق - تذکرۂ ہمیشہ بہار -

لطیف و دل نشین اشعار کہتے تھے ۔ تازہ معانی تلاش کرتے تھے ۔ تذکروں میں ان کے مندرجہ ذیل اشعار منقول ہیں :

تذکرۂ شعراے کشمیر :

مست می عتاب رسیدی چہ شد ترا
در بزم ساغری نکشیدی چہ شد ترا
چون نیم بسمل از نگہ نیم رنگ یار
ای دل بخون خویش طپیدی ، چہ شد ترا

شوخی و بیباکی و ناز و ادا می زیبدت
ہرچہ می پوشی چو گل نام خدا می زیبدت

دران گلشن کہ من گلدستۂ دیدار می بستم
نگاہِ شرمگین را غازہ بر رخسار می بستم

ز بسکہ محو شدم در تو بی نشان ماندم
چو حرف لال پس پردۂ زبان ماندم

خیالش ہمچو طفل شوخ بازی کوش و بی‌پروا
گہی در دل خرامانست ، گہ در دیدہ خوابیدہ
چو بادام دو مغز امروز نافع دولتی دارد
کہ با معشوق در یک پیرہن چسپیدہ خوابیدہ

ہمیشہ بہار :

عیش اوراست کو زری دارد
سیم اندام دلبری دارد
ہر گدای برہنہ سر شاہیست
کہ چو خورشید افسری دارد

نگارستان سخن :

همه تن تیغ زبان میشود و میگوید
خون خورد هر که درین معرکه جوهر دارد

تاریخ کشمیر اعظمی ، قلمی ۲۱۳ ب :

بگیر لذت دنیای شور و شر زده را
مزاج زهر بود نعمت نظر زده را
شنیدم از لب فواره این صدای بلند
که گریهاست بثمر خنده های ترزده را
قدم شمرده گذار ای خیال بیهده گرد
بخانهٔ دل ما راه نیست سر زده را

می خرامی بهر قتلم ، مرحبا ، می زیبدت
جان فدا می زیبدت سر مزد پا می زیبدت
پیکرت را تار و پود جامه مسطر میکشد
از شمیم گل قبای ته نما می زیبدت
می کشی و باز می پرسی شهید کیستی ؟
این غلط اندازی و بازی بما می زیبدت
همچو می از پردهٔ زنبوری جام بلور
چهره سازیهای رنگین از حنا می زیبدت
پیرگشتی نافع اکنون هاله سان شب تاسحر
خرمن ماهی در آغوش دو تا میزیبدت

☆ ☆ ☆

وطائی کشمیری[1]

عطاء اللہ نام تھا۔ تقی اوحدی نے لکھا ہے کہ اس کا تخلص رضوی تھا۔ کافی مدت میرزا غازی خان وقاری کے ساتھ رہا، پھر آگرہ چلا گیا۔ یہ دو شعر اس کے ہیں:

یک شکم سیری بود یا فاقہ ای، زین بیش نیست
بی سر و سامان ما و با سر و سامان ما

زعفران خورد است گوئی صبحدم از آفتاب
ورنہ بیدردیست یکدم عمر و خندان زیستن

☆ ☆ ☆

اکمل[2]

اکمل الدین میرزا محمد کامل۔ کشمیر کے خاندانِ شرفا میں ۱۶۴۴ع میں پیدا ہوئے۔ کچھ عرصہ دہلی میں بھی گزارا۔ شاہجہان کی عنایاتِ خسروانہ سے سرفراز رہے۔ واپس وطن آکر علائقِ دنیوی سے کنارہ کش ہوگئے۔ خواجہ حبیب اللہ گنائی کے مرید ہوئے اور باقی زندگی تصوف و سلوک میں گزاری۔ ۱۷۱۸ع میں وفات پا گئے۔

روحانی طور پر مولانا روم سے انھیں گہری مناسبت تھی۔ انھوں نے مثنوی مولانا روم کی تقلید میں 'بحرالعرفان' کے نام سے ساٹھ ہزار بیت پر مشتمل مثنوی

۱۔ گل رعنا، خطی مجموعہ شیرانی، شمارہ ۱۴۹۰، ص ۱۹۸ ا۔
۲۔ برگزیدۂ از پارسی سرایانِ کشمیر، تیکو، گ۔ ل، تہران، ۱۳۴۲ ھش۔
تحفۃ الاکملیہ۔

لکھی ۔ انھوں نے 'مخبر الاسرار' کے عنوان سے ایک قصیدہ بھی لکھا جس میں راہ سلوک کے مقامات بیان کیے ۔ انھوں نے مقامی داستانوں کو فارسی میں منظوم کیا ۔ ان کی ایک داستان کا نام اکہ نندن ہے ۔

'بحرالعرفان' کا ایک قلمی نسخہ کتابخانہ تحقیقی کشمیر ، سرینگر میں موجود ہے ۔ ۱۳۸۱ھ میں ایک جلد کشمیر میں شائع ہوئی تھی ۔

☆ ☆ ☆

طیّب[۱]

'ملا' غنی کشمیری کے ہم عصر اور بابا نصیر الدین کشمیری کے مرید تھے ۔ اسلام پور ، سرینگر میں ان کا مقبرہ موجود ہے ۔ ان کا ایک ناقص دیوان کتابخانہ تحقیقی کشمیر ، سرینگر میں موجود ہے ۔ ایک قلمی نسخہ رضا لائبریری رامپور میں بھی محفوظ ہے ۔

ان کی غزلیات میں عشق و معرفت اور وارستگی کی باتیں ہیں ۔ مثلاً یہ اشعار ملاحظہ کیجیے :

امروز چہ روزیست کہ ما خویش نیابیم
مستیم و خرابیم ، ندانیم کجائیم
این جای چہ جائیست کہ در رقص و سماعیم
وین نای چہ نائیست کہ زو عین فنائیم

مفتاح بہشت در کف ما ست — در کنج خرابہ در چہ کاریم
سرمست صراحیِ الستیم — پروای وجود خود نداریم

۱۔ برگزیدۂ از پارسی سرایانِ کشمیر ، ص ۶۸ - ۷۳ ۔

عاشقم فارغم ز نفس و هوی   عاشقم فارغم ز نیک و ز بد
عاشقم فارغم ز حرص و امل   عاشقم فارغم ز غیر و ز خود

جای ما نیست آسمان و زمین   عرش و کرسی نبود و ما بودیم
لا مکانست منزل عشاق   کس چه داند که ما کجا بودیم
پیش از آندم که چرخ رقص کند   در ترم طاق و تن و تنا بودیم

من رند خدا دانم سرخیل بدخشانم
سر تا بقدم جانم جانان خراباتم
من طیّب پر زهرم اندیشه کن از قهرم
گردن مکش از امرم سلطان خراباتم

از برکت دل جان شدم در جان جان پنهان شدم
یک گوهر صد کان شدم امروز بس شوریده ام
طیّب فتادی چون زبان اندر دهانِ مردمان
نتوان رمیدن زین و زان در عاشقی پیچیده ام

☆ ☆ ☆

صادق کشمیری[۱]

متوفی ۱۱۰۰ھ - بچپن میں ہی ایک دن حالتِ نماز میں جذبہ طاری ہوا اور ان کی زندگی کا رخ بدل گیا - ترکِ دنیا کر کے عبادت و ریاضت میں مشغول ہو گئے - کچھ عرصے کے لیے دہلی و لاہور میں بھی رہے - آخر کشمیر میں عزلت گزین ہو گئے -

ان کا دیوان 'کلامِ صادق' کے عنوان سے اکادمی هنر و فرهنگ و زبان کشمیر

۱- برگزیدۂ از پارسی سرایان کشمیر ، تیکو ، گ - ل ، تهران ، ۱۳۴۲ هش ، ص ۷۵ - ۸۴ -

نے ۱۹۶۰ع میں شائع کیا تھا ۔ نمونۂ کلام یہ ہے ۔ مثلث کے دو بند :

جیب و جگر دریده شد دست نسوده دامنت
دامنِ دل بریده شد نیست خیال با منت
دامن تست و دستِ من دستِ منست و دامنت

لحظہ بلحظہ دمبدم آتش دلفروزیم
وز غم خویش سوزیم اینست نصیب و روزیم
دامن تست و دست من دست منست و دامنت

ترجیع بند کا ایک بند :

چشمی کہ خیال تست در وی — کونین ندیده غیر لاشی
صد کشتۂ چشم تو بخیزد — لبہات زند چو بانگ لاحی
آواز جرس بسی شنیدند — نی برده کسی بمنزل پی
تنگی جهان چو دل بگیرد — مستی مدام خواهم از وی
حقّا ز کسی طلب ندارم — جز رطل گران جام پُر می
از زهد ریا کنون گذشتم
تا رفتہ بپای خم بیفتم

☆ ☆ ☆

دوست محمد کشمیری

شاہجہان کے ملازمینِ دربار میں سے تھا ۔ شطرنج کھیلنے میں ماہر تھا ۔ 'گل رعنا' میں اس کی یہ رباعی درج ہے[1] :

ای خوی کجت نماز جان را محراب
ابروی تو مسجد جهان را محراب
کردند بگرد ما فلک خم یعنی
هر سوست نماز عارفان را محراب

☆ ☆ ☆

۱- گل رعنا ، خطی ، مجموعۂ شیرانی ، شماره ۱۳۹۰ ، ص ۱۲۲ الف ۔

ناطق

محمد طاہر نصر آبادی نے صرف اِتنا بتایا ہے کہ ناطق کے چار بھائی تھے - ان میں سے تین شاعر تھے - دو کی زبان ہکلاتی تھی - ایک کا تخلص لکنتی تھا، دوسرے کا ابکم، لیکن ان کا کوئی شعر نقل نہیں کیا[1] - اس نے ناطق کو کشمیری لکھا ہے لیکن ان کی زندگی کے احوال و کوائف بیان نہیں کیے - تذکرہ نصر آبادی، کلمات الشعرا اور سفینۂ بیخبر میں اس کے دو دو تین تین شعر منقول ہیں - اتفاق سے پنجاب یونیورسٹی لائبریری میں ۱۵۹ Pi VI کے نشان پر دیوانِ ناطق موجود ہے - تذکروں میں منقولہ اشعار اس دیوان میں موجود پا کر یقین ہو گیا کہ یہ دیوان ناطق کشمیری ہی کا ہے - دیوان شروع سے ناقص ہے اور کچھ قصاید کم ہیں - جو قصاید یا مقطعات موجود ہیں ان پر عنوان درج نہیں - قطعات میں اکثر عمارتوں، باغوں یا فتوحات کے متعلق تاریخیں ہیں - دیوان کا باقی حصہ غزلیات اور رباعیات پر مشتمل ہے - یہ دیوان ان کے بیٹے فائق نے مرتّب کیا تھا جو خود بھی شاعر تھا - چنانچہ اس نے یہ تاریخ لکھی ہے :

چو فائق گشت از ترتیب اشعار پدر فارغ
بگفتا عقل تاریخش کہ این دیوان مرتّب شد

۱۰۷۸ھ

اشعار کی داخلی شہادت سے معلوم ہوتا ہے کہ ناطق کی زندگی کا زیادہ حصہ کشمیر اور لاہور میں گزرا ہے اور وہ عہدِ شاہجہان میں ان دونوں صوبوں کے حکام و امرا سے منسلک رہے ہیں - جیسا کہ مندرجہ ذیل قطعاتِ تاریخ سے واضح ہوتا ہے -

فتحِ تبت کے موقع پر انھوں نے پانچ چھ قطعاتِ تاریخ لکھے ہیں - یہ فتح صوبیدار کشمیر ظفر خان احسن کے ہاتھوں انجام پائی - لیکن ان قطعات میں ظفر خان کا نام نہیں آیا :

قضا سالِ تاریخِ فتح تبت رقم زد، بزودی شدہ کار فتح

۱۰۴۷ھ

۱- تذکرۂ نصر آبادی، محمد طاہر، تہران - تذکرۂ شعرای کشمیر، مؤلفہ اصلح مرزا میں ابکم کا ایک شعر موجود ہے -

فتحِ بلخ و بدخشاں کے موقع پر یہ تاریخ لکھی :

کرده تائید حق فتح بدخشان و بلخ
شاه جهان پادشاه ثانیِ صاحب قران
عقل بگوش جهان مصرع تاریخ خواند
زود باقبال و فتح آمده شاه جهان

۱۰۵۶ھ

فتحِ قندھار کی تاریخ یوں لکھی :

چون بدست آورد ملک قندهار از بهر سال
زد رقم کلکِ قضا روداد فتح قندهار

۱۰۵۷ھ

قاضی محمد افضل جب حاکمِ لاہور ہوئے تو ناطق نے یہ قطعہ لکھا :

یافت چون قاضی محمد افضل از الطاف او
صوبۂ لاهور خاطر زین سبب مسرور شد
افضلِ اربابِ دانش صوبۂ پنجاب یافت
هست تاریخش ، بدولت حاکم لاهور شد

۱۰۵۷ھ

لشکر خان کشمیر کے صوبیدار مقرر ہوئے تو ناطق نے ان کے کشمیر میں وارد ہونے کی تاریخ یوں کہی :

بکشمیر آمده با لشکر اقبال لشکر خان
رسیده خان با اقبال هم تاریخ و هم فالست

۱۰۶۸ھ

دو اور امیر منصبدار ہیں جن کے متعلق انھوں نے مدحیہ کلمات لکھے ہیں - ان میں سے ایک فاخر ہیں جن کے متعلق ایک مصرع یوں ہے :

چرا من مدح فاخر خان نگویم

دوسرے صاحب مرحمت خان ہیں جن کے متعلق لکھا ہے :

مرحمت خان که درش قبلۂ اہل سخن است
آن محیطی ز گهرهای معانی مملو

ناطق "ملا" شاہ کے مرید تھے - ان کی تعریف میں یوں رقم طراز ہیں :

قبلہ و کعبہ ارباب یقین "ملا" شاہ
کہ دلش زیر نگین عالم عرفان دارد
می توان زندۂ جاوید شود از نفسش
پیر ما زندہ دلست و نفسش جان دارد
کوہ ماران بکمر لعل بدخشان دارد
این چنین بخت کجا تخت سلیمان دارد

داراشکوہ بھی "ملا" شاہ کے مرید تھے - اسی نسبت سے ان کی تعریف میں بھی یہ شعر کہا ہے :

شاہ داراشکوہ عالیقدر عارف کائنات را مانند

ان کے ماموں بھی کوئی صاحب معرفت بزرگ تھے - ناطق چونکہ افیون کے رسیا تھے اس لیے ڈرتے ڈرتے کہتے ہیں :

مرید حب افیونم بہرحال اگرچہ قطب وقت خود بود خال

لاہور کی تعریف میں ان کی ایک نظم ہے جس کا ایک شعر یہ ہے :

بہ از لاہور ملکی در جہان نیست مکان دلنشین تر زین مکان نیست

ایک دوسرے قطعے میں لکھتے ہیں :

پنجاب کہ ملک معرفت جویان است چون خانۂ چشم عارف آبادان است
از فیض قدوم قبلۂ اہل یقین لاہور کنون مکۂ ہندوستان است

شعرا میں سے انھوں نے ظہوری اور زلالی کی تعریف کی ہے :

ظہوری چاشنی بخش است ساقی نامہ اش ناطق
زلال خضر میدانم ولی شعر زلالی را

محمد طاہر آشنا کی غزل بھی انھیں بہت پسند تھی - ایک غزل کا جواب لکھا ہے :

این جواب آن غزل ناطق کہ فرمود آشنا
شمع روشن کی نہان در پردۂ فانوس شد

ان کے اشعار سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ صاحب دل اور بلند حوصلہ ہیں اور آزادی دل و جان کی باتیں کرتے ہیں :

سر بنہ بر آستان ہر جا کہ خواہی سیر کن
بندۂ جان باش و از قید جہان آزاد باش

ما مقیمِ آشیانِ کعبہ دل گشتہ ایم
ابر رحمت در پناہ سایہ دیوار ماست

بہشت معرفت را جو کہ گر صد معصیت باشد
ازین جنت خدا بیرون نخواهد کرد آدم را

ع : دفتر شعرم زیارت نامہ اهل دلست

ناطق اپنے اشعار کی تازگی اور چاشنی سے آگاہ تھے ، اس لیے وہ اپنے آپ سے مخاطب ہو کر کہتے ہیں :

چہ حالی داشتی ای تازہ گوی شاعر ما

اور پھر :

چاشنی دارد کلامش ناطق از هر جا کہ هست
چند می پرسی کہ کشمیریست یا کاشانی است

ناطق کی شاعری کا طرّۂ امتیاز مثالیہ شاعری ہے جو اُس دور کا خاص طرزِ بیان تھا ۔ شاعر اپنے قول و بیان کی تصدیق و تائید کے لیے جو مثالیں لاتا ہے وہ اس کے تجربات و مشاہدات کا آئینہ ہوتی ہیں ۔ انھی مثالوں سے شاعر کی معنی یاب طبیعت کا اندازہ ہوتا ہے اور نئی نئی مثالوں سے کلام میں شگفتگی اور چاشنی پیدا ہوتی ہے ۔ ناطق کی مندرجہ ذیل غزل اس کی نمائندہ مثال ہے :

بیقرارانِ وطن را خلد دامن‌گیر نیست
ماهیِ دریا بلی محتاجِ جوی شیر نیست

غم ندارد گر قضا صد خونِ ناحق میکند
هرگز از گل چیدنِ خود باغبان دلگیر نیست

نیست بر روی زمین کس ایمن از جورِ فلک
این کمان بی ناوک و این دشت بی نخچیر نیست

نورِ معنی جلوہ گر در صورت نیکو بود
مصحف روی بتان را حاجت تفسیر نیست

از فلک غافل مباش از اخترش بازی مجو
گرچہ بر طاق بلندست این کمان بی تیر نیست

سرخوش نے لکھا ہے کہ ناطق خوشگو اور معنی بند تھا ۔ اس کے اشعار سے حسن بیان عیاں ہے[1] :

☆ ☆ ☆

احسن اللہ ظفر خاں[2]

احسن اللہ ، خواجہ ابوالحسن تربتی کے بیٹے تھے ۔ عہدِ جہانگیری میں جب خواجہ ابوالحسن کابل کے صوبیدار مقرر ہوئے تو احسن بھی باپ کے نائب ہو کر وہاں متعین ہوئے ۔ ہزار و پانصدی ذات و شش صد سوار کا منصب عطا ہوا اور ظفر خاں کا خطاب ملا ۔ علم و خنجر ، شمشیر مرصّع اور فیل سے سرفراز ہوئے ۔ عہدِ جہانگیر کے اواخر تک دو ہزار و پانصدی ذات ، ہزار و دویست سوار کا منصب مل چکا تھا ۔ جلوسِ شاہجہانی کے سال اول میں وہ پشاور میں سردیاں گزار کر کابل جا رہے تھے کہ راستے میں اورک زئی اور آفریدی قبائل کے ہاتھوں ان کا مال و اسباب لٹ گیا ۔ اسی بنا پر انھیں کابل سے منتقل کر دیا گیا اور وہ ججھار سنگھ بندیلہ کے تعاقب پر مامور ہوئے ۔ تیسرے سال وہ اپنے والد کے ہمراہ دکن میں ناسک ، ترنبک اور سنگمنیر کو فتح کرنے کے لیے متعین ہوئے ۔ پانچویں سال یعنی ۱۰۴۱ھ-۴۲ میں ان کے والد کشمیر میں صوبیدار مقرر ہوئے تو وہ بھی ان کی نیابت کے لیے وہاں گئے ۔ چھٹے سال یعنی ۱۰۴۲ھ میں ان کے والد وفات پا گئے تو انھیں مستقلاً کشمیر کا صوبیدار مقرر کیا گیا اور سہ ہزاری ذات ، دو ہزار سوار کا منصب ملا ۔

دسویں سال انھوں نے تبت فتح کیا اور وہاں کے حاکم کو اپنے ساتھ لا کر بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہوئے ۔ بارھویں سال صوبیداریِ کشمیر سے الگ

۱۔ کلمات الشعرا ، سرخوش ، لاہور ، ۱۹۴۲ع ۔

۲۔ مآثر الامراء ، شاہنواز خاں ، کلکتہ ، ص ۷۵۶ - ۷۶۲ ۔ عمل صالح ، محمد صالح کنبوہ ۔ بادشاہ نامہ ، عبدالحمید لاہوری ۔

کر دیے گئے اور ہزاروں کی تنبیہ کے لیے نامزد ہوئے ۔ تیرھویں سال شاہزادہ مراد بخش کے ہمراہ بھیرہ میں ان کا تقرر ہوا ۔ وہ دو سال تک جاگیر و منصب کے بغیر رہے ۔ پندرھویں سال تربیت خاں صوبیدار کشمیر قحط سالی کا تدارک نہ کر سکا تو انھیں دوبارہ کشمیر کا صوبیدار بنا کر بھیجا گیا ۔ اٹھارھویں سال شاہجہان کشمیر گئے تو رعایا کے ساتھ ان کا اچھا سلوک دیکھ کر بہت خوش ہوئے اور ان کے منصب میں ایک ہزار سوار کا اضافہ کیا ۔ اس کے بعد کسی ناخوشگوار واقعے کی بنا پر خدمت شاہی سے محروم کر دیے گئے ۔ پچیسویں سال بحالی کے ساتھ سہ ہزاری ذات و ہزار و پانصدی سوار کا منصب عطا ہوا ۔ چھبیسویں سال (۱۰۶۳ھ) سردار خاں کی وفات کے بعد ٹھٹھہ کے حاکم متعین ہوئے ۔ اُنتیسویں سال ٹھٹھہ کی حکومت شاہزادہ سپہر شکوہ کو عطا ہوئی اور وہ دربار میں حاضر ہوئے ۔

اورنگزیب کے عہد سلطنت میں چالیس ہزار روپیہ سالانہ عطا ہوا ۔ ۱۰۷۳ھ میں لاہور میں فوت ہوئے اور اپنے والد کے مقبرے میں مدفون ہوئے ۔

ظفر خاں اگرچہ بظاہر پست قد و حقیر نظر آتے تھے لیکن تدبّر و فکر رسا میں یکتا تھے ۔ انھوں نے کابل میں مہابت خاں کا تسلّط توڑنے کے لیے نور جہان کے ساتھ تعاون کیا ۔

وہ داد و دہش میں بلند حوصلہ تھے ۔ اہل تشیع ہونے کی وجہ سے ایرانیوں پر بہت مال صرف کرتے تھے ۔ شعرا کے بہت قدردان تھے ۔ میرزا صائب تبریزی مدت تک ان کے دامن دولت سے وابستہ رہے ۔ چنانچہ انھوں نے کہا :

خانخانان را ببزم و رزم صائب دیده ام
در سخا و در شجاعت چون ظفر خان تو نیست

غلام علی آزاد لکھتے ہیں کہ انھوں نے صائب کے آٹھ قصاید دیکھے ہیں جن میں اس نے ظفر خاں کی تعریف اور اپنی نمک خواری کا ذکر کیا ہے ۔[1] ظفر خاں نے ایک مصوّر بیاض بنا رکھی تھی ۔ اس میں شعرا کے اشعار ان کے اپنے ہاتھ سے لکھوا کے رکھتے تھے اور ساتھ ہی مصوّر سے شاعر کی تصویر بنوا کر اس میں چسپاں کرواتے تھے ۔

۱۔ سرو آزاد ، غلام علی آزاد ، لاہور ۱۹۱۳ع ، ص ۹۵-۹۶ ، تذکرۂ شعرائے کشمیر ، تکملہ بخش اول ، حسام الدین راشدی ، کراچی ، ۱۳۴۶ ۔

ظفر خاں شعر کا بڑا اچھا ذوق رکھتے تھے - شعرا کی محفلیں جمتی تھیں - وہ خود بھی شعر کہتے تھے۔ ان کا دیوان مرتّب ہوا تھا جس کے قلمی نسخے ایشیاٹک سوسائٹی بنگال، کلکتہ، اوریئنٹل پبلک لائبریری بانکی پور، انڈیا آفس لائبریری، مسلم یونیورسٹی لائبریری علی گڑھ اور اوریئنٹل ریسرچ لائبریری سرینگر میں موجود ہیں -

مندرجہ ذیل تین مثنویاں بھی انھی کی تصنیف ہیں - ان کا ایک خودنوشت مصوّر نسخہ رائل ایشیاٹک سوسائٹی لندن میں موجود ہے -

۱- ھفت منزل -
۲- جلوۂ ناز -
۳- میخانہ -

بانکی پور لائبریری کا نسخہ ظفر خاں نے ۱۰۵۳ھ میں خود مرتّب کیا تھا - اس کے مشمولات کی تفصیل یہ ہے - کُل ۲۳۰ ورق ہیں -

دو دیباچے : ورق ۱۱ تک -
ساقی نامہ : ۱۲ سے ۱۶ تک -
غزلیات : ۱۷ سے ۱۵۰ تک -
رباعیات : ۱۵۱ سے ۱۵۴ تک -
مثنوی جلوۂ ناز : ۱۵۴ سے ۱۹۵ تک -
دیباچۂ دیگر : ۱۹۵ سے ۱۹۸ تک -
مثنوی میخانۂ راز : ۱۹۸ سے ۲۲۸ تک -

ظفر خاں، صائب تبریزی سے خاص طور پر متاثر تھے - غالباً وہ ان سے صلاح و مشورہ لیتے ہوں گے - چنانچہ انھوں نے صائب سے فیض یابی کے متعلق اپنے اس شعر میں اشارہ کیا ہے :

طرز یاران پیش احسن بعد ازین مقبول نیست
تازہ گوئی ھای او از فیضِ طبعِ صائب است

مختلف تذکروں میں ان کے مندرجہ ذیل اشعار منقول ہیں :

سروِ آزاد : (صفحہ ۹۶)

دلم بکوی تو امیدوار می آید
نگاہ دار کہ روزی بکار می آید

در گوشهٔ میخانه همین گفت و شنید است
یاران برسانید دماغی شبِ عید است

در بتانِ هند چون او دلبرِ خود کام نیست
رام رامم گرچه میگوید ولیکن رام نیست

شادم بدل شکستگیِ خود که پیشِ من
قدر دلِ شکسته چو زلفِ شکسته است

گوشهٔ چشمی اگر ساقی بما دارد بجاست
عمر ها در گوشهٔ میخانه خدمت کرده ایم

تذکرهٔ نصر آبادی : (صفحه ۵۷-۵۸)

باده عمرِ خضر می بخشد گلِ پیمانه را
سرو مینا سبز دارد گلشنِ میخانه را
دست ناصح کوته است از دامن اهل جنون
سنگِ طفلان شد حصارِ عافیت دیوانه را

دیده زلف تو مگر بی سر و سامانی را
که چنین گشت پریشان ز پریشانیِ ما

دید در بزم تو تا دیدهٔ ما را گریان
ابر برخاست ز هر سو بهواداریِ ما

این سخن از پیر کنعانم پسند افتاده است
دیدنِ روی عـزیزان دیده را روشن کند

بهر کجا که رسم وصف دوستان گویم
متاعِ یار فروشی دکان نمی‌دارد

رباعی

استاد مرا چون درسِ می نوشی گفت
اول سبقم حدیثِ بیهوشی گفت
تا خاطرِ عالمی پریشان گردد
احوال دلم زلف بسرگوشی گفت

لاہور اور کشمیر کے متعلق ان کے یہ اشعار مشہور ہیں :

الٰہی تا بود کشمیر آباد
تو از باغِ خراسانم مده یاد
بہر کس ، هرچه خواهد ، بی سخن ده
مرا کشمیر و بلبل را چمن ده

که بعد از اکبر آباد است لاهور
که در خوبی بعالم گشته مشهور

کلمات الشعرا : (ص ۵)

به تیغ بی نیازی تا توانی قطع هستی کن
فلک تا افگند از پا ترا ، خود پیش دستی کن

از سبزه تیغ بر کمر گل بهار بست
گر توبه ، خضر وقت شود ، جان نمی برد

ز بهر مستیم کی کار با جام شراب افتد
مرا از گفتگوی باده سرخوش میتوان کردن

تاریخ کشمیر اعظمی : (ص ۱۴)

جهان جوان شده عقدِ بهار می بندد
بهار پای چمن در نگار می بندد
مسافرانِ چمن نا رسیده در کوچ اند
شگوفه میرود و شاخ بار می بندد

ریاض الشعرا : (نسخهٔ خطی پنجاب یونیورسٹی لائبریری ، شماره ۴۵۳۶ ، ص ۴۶ ب) -

زهد خشکم چنگ و نی را در خروش آورده است
توبهٔ من خونِ مینا را بجوش آورده است

چو دیدم نخل بالای تو در گلزار ، دانستم
که موزون میکند این سرو آخر باغبانش را

سخت بیتابانه می آید بگزارش نسیم
پیشِ برگِ لالهاش لعلِ صبا در آتش است

میرود عمرش بباد و همچنان در خنده است
نالهٔ بلبل ز دست بی غمی های گل است

چون تبسم میکند بر طبع داغم می خورد
بی دماغم خندهٔ گل بر دماغم می خورد

بعهدِ قامتِ او سرو بارِ دل ازان دارد
که هر ساعت بتقریبی دلی سازد گرفتارش

ز معشوق تو کاری جز جفا کاری نمیدانی
رسومِ دلبری آئینِ دلداری نمیدانی

گر قاصدِ من دیر رسد ، زود نرنجی
چون نامه نویسم بتو مضمون رود از دل

ریاض الشعرا : (شماره ۱۴۸۶ ، ص ۳۳)

روشن‌تر است از گلِ خورشید داغِ ما
پرتو بکائنات رساند چراغِ ما

جز در درونِ سوختگان جا نمیکنم
از داغِ لاله پرس بگلشن سراغِ ما

از بخیه فراهم نشود چاکِ دلِ ما
در دیدهٔ زخمِ شهدا خواب نیاید

مبادا مست باشد از لبِ یار
دهان شیشه را بو کردم امروز

می ندانم جگر بود یا دل
نوگلی چند در کنارم هست

چو همرهِ گلِ خودروی خود بباغ شدم
نگاه گرم بهر گل که کرد داغ شدم

مجمع النفایس : (ص ۲۱ ب ، خطی ، شماره ۱۳۸۹)
چه ذوق از صحبتِ گل عندلیبی را که نتواند
بروز نسبت خود در بروی باغبان بستن

مقالات الشعراء : (ص ۳۸۰)
پردهای چشم بهرِ عیب پوشی داده اند
کور بادا دیدهٔ کو عیب را ظاهر کند

نیست جز جنسِ خجالت گر کشاید بار ما
وای گر پرسند روز حشر از کردار ما
آنچه ما با باغبان از چیدنِ گل کرده ایم
روزِ محشر گل کند از گوشهٔ دستار ما

شمع انجمن : (ص ۵۵)
بسکه بر خاکِ درش ناصیه سودیم احسن
آیهٔ سجده توان خواند ز پیشانیِ ما

☆ ☆ ☆

آشنا[1]

مرزا محمد طاہر نام ، آشنا تخلص اور عنایت خاں خطاب تھا - وہ عہدِ شاہجہانی کے عالی منصب صوبیدارِ کشمیر احسن اللہ خاں کا بیٹا تھا - وہ عہدِ شاہجہانی میں ہزار و پانصدی منصب رکھتا تھا - پہلے داروغہ حضور رہا ، بعد میں داروغۂ کتاب خانہ مقرر ہوا - بروایتِ مآثرالامرا ، عہدِ عالمگیری کے چھٹے سال میں اس کے لیے چوبیس ہزار روپیہ سالانہ مقرر ہوا اور وہ کشمیر میں گوشہ نشین ہو گیا[2] اور آخر وہیں ۱۰۸۱ھ میں فوت ہوا -

'مرآۃ العالم' میں مذکور ہے کہ عالمگیر نے اسے سرمدِ برہنہ کے اوضاع و اطوار دیکھنے کے لیے بھیجا - اس نے سرمد کا حال دیکھ کر فی البدیہہ یہ شعر کہا اور بادشاہ کی خدمت میں بھجوا دیا :

بر سرمد برہنہ کرامات تہمت است
کشفی کہ ظاہر است ازو کشفِ عورت است[3]

آشنا نے احوالِ سی سالۂ شاہجہان کا ملخّص لکھا - اس کا ایک حصہ قرنیۂ شاہجہاں بادشاہ کے نام سے بھی معروف ہے جس میں صرف آخری دس سالوں کا حال درج ہے - اس کا ایک خطی نسخہ بوہر لائبریری کلکتہ میں موجود ہے اور ایک قلمی نسخہ پنجاب یونیورسٹی لائبریری میں شمارہ ۱۷۷—H پر موجود ہے -

آشنا نے اپنا دیوان بھی مرتّب کیا تھا جس کے دو قلمی نسخے انڈیا آفس لائبریری میں شمارہ ۱۵۸۴ اور ۱۵۸۵ پر موجود ہیں - ایک نسخہ رضا لائبریری رامپور میں بھی موجود ہے -

آشنا کی دو مثنویاں خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں جو اس نے دارا شکوہ کے بنا کردہ شیش محل کے متعلق لکھی تھیں - صاحبِ 'ہمیشہ بہار' اسے "معنی بند و

۱- تذکرۂ شعرائے کشمیر ، تکملہ بخش اول ، سید حسام الدین راشدی ، کراچی ، ۱۳۴۶ھش ، ص ۱۲ - ۲۶ - گل رعنا ، مخطوطۂ پنجاب یونیورسٹی لائبریری ، مجموعۂ شیرانی ۱۴۹۰ ، ص ۳۳ - ۳۴ -

۲- مآثرالامراء ، ج ۲ ، ص ۷۶۲ -

۳- مرآۃ العالم ، مرتّبہ ساجدہ سلطانہ ، نسخۂ خطی پنجاب یونیورسٹی لائبریری ، ص ۲۷۰ -

خوش ادا'' کہتا ہے۔ 'مآثرالامراء' میں لکھا ہے: ''در معنی بندی و سخن سنجی استاد است۔'' اس کا دیوان شائع نہیں ہوا۔ مختلف تذکروں میں اس کے منتخبہ اشعار مندرج ہیں جنھیں ہم بھی یہاں محفوظ کیے لیتے ہیں:

تذکرۂ نصر آبادی: (ص ۵۸-۵۹)

تعریفِ کشمیر

بہار آمد، دلا ساغر بکف گیر　　زبان بکشا بوصفِ راہِ کشمیر
صعوبت بسکہ با این راہ یار است　　میان جادہ از تنگی کنار است
درین رہ نیست ممکن پیش رفتن　　مگر گاہی توان از خویش رفتن
بکوہِ آن ز بس سنگست دربار　　بغیر از جادہ کس نبود زمین دار

تعریفِ سخن

بختم کہ ز خواب بود سرشار　　گشت از سخن بلند بیدار

تعریف آئینہ خانہ

حبّذا این نشیمنِ والا　　کہ بود رشکِ عالمِ بالا
دل ز کف بردہ حسنِ دلجویش　　طاق آئینہ چشم و ابرویش
کردہ بنای این نکو منزل　　از یک آئینہ اش تمام چو دل

غزل

چشمم آن لحظہ کہ در ھجر تو بیمار شود
خار پشت مژہ ام غیرتِ گلزار شود
عقل ناچار کشد زحمت از آلائشِ نفس
دایہ پرھیز کند طفل چو بیمار شود

اشعار

الفت میانۂ دو ستمگر نمی شود
دندانِ مار دستۂ خنجر نمی شود
حظ از وصال نیست چو معشوق شعلہ خوست
ماھی در آبِ گرم شناور نمی شود

کدام چیز عزیزان ز یک دگر گیرند
بغیر ازین که ز احوال هم خبر گیرند

گشت نوروز و چو بلبل بط ِ می گویا شد
جام ِ زرّین ز میْ سرخ گل ِ رعنا شد

کی کسی را می فریبد واعظ و گفتار ِ او
بر سر ِ گورش بماند گنبد ِ دستار ِ او

ز دور ساختن ابرام سفله گردد بیش
که زود رستن ِ مو از پس ِ تراش بود

در سبکباریست آسایش سایه خوابیده قطع راه کند

دولت ، بوقت ِ تیرگی ِ بخت ، نکبت است
جاروب وقت ِ شام پریشانی آورد

رباعیات

آنرا که بود معرفت ِ حق حاصل
در صفوت ِ او خطر نگردد حائل
پاکان ، سبب ِ فساد هرگز نشوند
از آب ِ دهن روزه نگردد باطل

کم ظرف ز عشق خرمن ِ هستی سوخت
پُر حوصله نور ِ زندگانی اندوخت
کاهید خرد ز عشق و افزود جنون
از باد چراغ مرد و آتش افروخت

خالق نتوان هیچ احد را گفتن
مخلوق نمی توان صمد را گفتن
بی یک نبود هیچ عدد لیک یکی
جز یک نتوان هیچ عدد را گفتن

کلمات الشعراء : (ص ۵)

درد و درمان را دهد گر عرض عشق او بما
زخم برداریم و بگذاریم مرهم را بجا

ناقصان هم بدرش چشم طمع دوخته اند
کور پیوسته نظر جانب بالا دارد

بنشین بگوشهٔ اگر آزرده‌ای ز خلق
پای شکستهٔ تو بجای نرفته است

همیشه بهار :

منه ای طفل اشک از خانهٔ چشمم قدم بیرون
که می آیند مردم زادها از خانه کم بیرون

تاب نظاره ات آن دل دارد
که چو آئینه بود روئین تن
هر کرا نرم نباشد گفتار
بر دهن مشت خورد چون هاون

ریاض الشعراء : (خطی ، ص ۳۴ شماره ۱۴۸۳)

گر تو کردی دشمنی با من بجای دوستی
من همانم ز ابتدا تا انتهای دوستی

بسکه در راهِ فنا با خاک یکسان شد تنم
میتوان همچون غبار افشاند از پیراهنم

باز آسمان بکینه وری راهِ نو گرفت
در دست تیغ مغربی از ماه نو گرفت

چون دانهای سبحه نیاسودم از سفر
پیوسته راهِ طی شده آید مرا به پیش

از گمرهی خویش باو ره نمی بریم
گر تیر هرزه گرد نباشد نشان بجاست
یک بار آستان ترا بوسه داده ایم
با ما هنوز دشمنیِ پاسبان بجاست
از ما شکایتِ سگِ کوی تو عیب نیست
آری ز دوستان گلهٔ دوستان بجاست

همچو نرگس در گلستان از حیا
چشم را بر پشتِ پا کردم سفید

طرزِ آلینه خوش نکرد دلم
عیب پوشی به از نمد پوشی است

مجمع النفایس : (ص ۲۲ ، خطی ، شماره ۱۳۸۹)

گر پوستم چو نافه کشد آسمان بجاست
مُو شد سفید و تیرگیِ دل همان بجاست

سرو آزاد : (ص ۹۷ - ۹۸)

بیت از ساقی نامه :

حکیمانه ساقی به مجلس نشست
چرا نبض مینا نگیرد بدست

از حوادث گوهرِ مردانگی کمتر نشد
تیغ اگر در آب و آتش رفت بی جوهر نشد

هردم نویدِ لطف دگر میدهد مرا
دل میبرد ز دست و جگر میدهد مرا

کشتیِ بدست آور وقتِ کشت مهتاب است
مدّعای میخواران سیرِ عالمِ آب است

بیادِ روی تو شبها کنم نظارهٔ ماه
زرِ سفید بود از برای روز سیاه

خُلقِ خوشت مرا به ثناخوانی آورد
گل عندلیب را بسخندانی آورد

تیره طبعان بسینه صاف بد اند
ذوقِ آئینه نیست بد رُو را

ما بزندانِ غمت خو با نشستن کرده ایم
گاه گاهی نالهٔ بر خیزد از زنجیر ما

لقمهٔ چرب خوشامد نکند رام مرا
دلِ من از سگِ کوی تو وفادار تر است

مرد را تن آسانی باعثِ فنا گردد
زود بگسلد از هم رشتهٔ که بیتاب است

از بسکه دست من ز تعلق بریده است
رنگِ گرفته را به حنا باز می‌دهد

سامانِ دل ز قطعِ تعلق شود زیاد
گل بیشتر دهد چو کنی شاخ را قلم

طرزِ آئینه خوش نکرد دلم
عیب پوشی به از نمد پوشی است

هر کجا بود مرا نشه صفت باخود داشت
هرگزم می نتوانست که بیخود سازد

تا درون پُر بود از تفرقه دل وا نشود
چون پُر آشوب بود شهر دکان نکشایند

چشمم بسان آئنه در عیب خلق نیست
پیوسته همچو عکس خودم درکمینِ خویش

نیست نازک طینتان را طاقتِ سیهای خویش
دیدهٔ نرگس ندارد تابِ سیهای چراغ

چند چون رشتهٔ تسبیح شوی سرگردان
نتوان کرد سرِ رشته ز تقدیر برون

گلستانِ مسرت :

به سفر رفت ماه پارهٔ من
گردشی هست در ستارهٔ من

با آنکہ رفتنِ تو ز دل می برد قرار
رفتی و بیقراری من برقرار ماند (ص ۲۹۱)

سفلہ آبِ تفتہ را ماند چو یابد اعتبار
می تواند سوخت نتواند چراغ افروختن (ص ۵۲۸)

☆ ☆ ☆

بابا داؤد مشکواتی[۱]

داؤد بن مسعود بن فیروز غوری ، کشمیر کے نامور صوفی عالم تھے - وہ مولانا حیدر چرخی کے شاگرد ہوئے اور انھوں نے علوم عقلی و نقلی میں مہارت حاصل کی - خاص طور پر علم حدیث ، فقہ اور حکمت میں امتیاز حاصل کیا - چونکہ 'مشکٰوة' کی احادیث زبانی یاد تھیں اس لیے مشکٰوتی کے نام سے مشہور ہوئے - بابا نصیر الدین ابوالفقراء نصیب مسکین سے روحانی تربیت حاصل کی - سفر و حضر میں ان کے ساتھ رہتے - خواجہ خاوند نقشبندی اور ملا شاہ سے بھی صحبتیں رہیں - ۱۰۹۷ھ میں انتقال کیا -

انھوں نے موزوں طبیعت پائی تھی - اشعار کہہ لیتے تھے - 'منطق الطیر' کے تتبّع میں 'اسرار الاشجار' لکھی اور کشمیر کے اولیا و علما کے متعلق تذکرہ 'اسرار الابرار' تالیف کیا -

---

۱- تحائف الابرار فی ذکر الاولیاء الاخیار ، محی الدین مسکین ، امرتسر ۱۳۲۲ھ ، ص ۲۱۷ - تاریخ اعظمی ، از محمد اعظم ، لاہور ۱۳۰۳ھ ، ص ۱۷۶ - اسرار الابرار ، داؤد مشکٰوتی ، مخطوطہ پنجاب یونیورسٹی لائبریری ، مجموعۂ شیرانی ، شمارہ ۹۵۱ -

اسرار الابرار :

کشمیر کے اولیا و صوفیہ اور علما کا اہم تذکرہ ہے - اس میں تقریباً ۱۱۸ صوفیہ کا ذکر ہے - ان میں سات مجذوب بھی شامل ہیں - اکثریت کشمیر کے اولیا کی ہے - کچھ لوگ وہ ہیں جو باہر سے آئے اور یہاں مقیم ہوئے - کچھ وہ ہیں جو اصلاً کشمیری تھے ، بعد میں باہر چلے گئے - اول الذکر میں مخدوم جہانیاں کا ذکر موجود ہے - سب سے پہلے سید علی ہمدانی کا حال لکھا ہے - عموماً شرحِ احوال میں اختصار ہی مد نظر رہا ہے - ممکن ہے ان کے حالاتِ زندگی مختصر ہی ملتے ہوں - چند نامور اولیاء اللہ کا ذکر تفصیل سے کیا گیا ہے مثلاً سید علی ہمدانی ، شیخ حمزہ ، داؤد خاکی ، نصیب مسکین اور تقریباً تمام ریشی صوفیہ کا ذکر کیا گیا ہے -

مولانا داؤد چونکہ شاعر تھے اس لیے انھوں نے ہر صوفی کا حال بیان کرنے سے پہلے رباعی یا قطعہ بھی لکھا ہے - آخر میں بعض صوفیہ کے سنینِ وفات کے ساتھ منظوم تاریخ ہائے وفات بھی درج کی ہیں -

مصنف نے کوشش اور محنت سے ان بزرگوں کے حالات مستند مآخذ سے اکٹھے کیے ہیں - جن کتابوں سے مدد لی ہے ان کے نام بھی بتائے ہیں - مثلاً دستور السالکین در شرح قصیدۂ ورد المریدین ، ریشی نامہ ، نور نامہ ، مصنفاتِ شیخ یعقوب صرفی ، شیخ موسیٰ زہگیری اور شیخ حبیب اللہ نوشہری ، نیز فارسی و کشمیری زبانوں میں کتبِ تاریخ -

جن اشخاص کے حالاتِ زندگی کتابوں سے دستیاب نہیں ہو سکے ان کے متعلق زندہ اشخاص سے معلومات حاصل کی ہیں ؛ مثلاً خواجہ حیدر ، شیخ مجنون ابو محمد ، شیخ علی محمد نیازی اور مولانا شیخ علی کی زبانی روایات جمع کی ہیں -

☆ ☆ ☆

خواجہ اسحاق قاری[1]

خواجہ اسحاق کشمیر میں بلدیمر کے رہنے والے تھے ۔ ان کے والد ، والدہ اور بھائی خواجہ حسن قاری ، حضرت شیخ حمزہ کشمیری کے مرید تھے ۔ یہ بھی انھی کے مرید ہوئے ۔ انھوں نے علومِ ظاہری شیخ محمد علی رینہ سے حاصل کیے ۔ عوارف المعارف شیخ داؤد خاکی سے اور عین العلم خواجہ حسن قاری سے پڑھی ۔ چونکہ اپنے بھائی کی طرح انھیں علم قراءت میں مہارت حاصل تھی اس لیے قاری مشہور ہوئے ۔ خانقاہِ مرشد میں امامتِ نماز کے فرائض بھی انجام دیتے رہے ۔

انھوں نے مرشد کی اطاعت میں بڑے دکھ جھیلے ۔ ایک سال کے لیے گھوڑوں کو چارہ کھلایا ، بھیڑ کی کھال پہنی اور باورچی خانے کی خدمات انجام دیں ۔ ایک مرتبہ ان سے ایسی حرکت سرزد ہوئی جو درویشوں کے شایانِ شان نہ تھی ۔ چنانچہ مرشد نے سو کوڑے لگوائے ۔ انھوں نے صبر و تحمل دکھایا اور کوئی آہ و فریاد نہ کی ۔ پیر کے حکم سے بائیس سال تک گوشہ نشین رہے ۔ دن میں ضرورت کے لیے دو تین مرتبہ باہر نکلتے ۔ وہ زیارتِ حرمین کو گئے ۔ مدینہ منورہ میں ایک شخص نے انھیں انگوروں کا گچھا دیا ۔ انھوں نے پوچھا : ''مجھے پہچانتے ہو ؟'' اس نے کہا ''نہیں'' ۔ انھوں نے کہا : ''الحمد للہ کیا نعمت ہے کہ اس شہر میں مجھے کوئی نہیں پہچانتا ۔'' ڈیڑھ سال وہاں رہے ۔ وہیں انتقال فرمایا اور جنت البقیع میں دفن ہوئے ۔

ان کی معنوی یادگار کتاب ''چل چلۃ العارفین'' ہے ۔

وہ شعر بھی کہہ لیتے تھے ۔ چنانچہ اس کتاب میں اکثر جگہ انھوں نے اپنی منظومات شامل کی ہیں ۔

۱۔ اسرار الابرار ، داؤد مشکوٰتی ، مخطوطۂ پنجاب یونیورسٹی لائبریری ، مجموعۂ شیرانی ، شمارہ ۹۵۱ ، ص ۱۳۳ ۔ چل چلۃ العارفین ، خواجہ اسحاق قاری ، مخطوطۂ پنجاب یونیورسٹی لائبریری ، مجموعۂ شیرانی ، شمارہ ۱۲۹۳ ۔ تحائف الابرار فی ذکر الاولیاء الاخیار ، محی الدین مسکین ، امرتسر ، ۱۳۲۲ ، ص ۱۵۹ - ۱۶۰ ۔ تاریخِ کشمیر اعظمی ، ص ۱۲۱-۱۲۲ ۔

شیخ داؤد خاکی نے جب ''ورد المریدین'' مرتّب کی تو خواجہ اسحاق نے مشائخِ کبار کے اقوال بیان کرکے کتاب کو اور مدلّل بنا دیا۔

چل چلة العارفین :

اس کتاب کا ایک قلمی نسخہ پنجاب یونیورسٹی لائبریری کے مجموعہ شیرانی میں شمارہ ۱۲۹۳ پر موجود ہے۔ اس کے نام کے متعلق کچھ شبہ ہے۔ کاتب نے کلمات کو بے نقط لکھ کر شک میں ڈال دیا ہے۔ متذکرہ نسخے میں بعض جگہ ''چل چلة العارفین'' لکھا ہے۔ تیسرے باب کے عنوان میں "چہل چلہ" لکھا ہے لیکن تفصیل میں صوفی کے لیے چار قسم کی منزلیں بتائی ہیں۔ اول دعائے سیفی پڑھے، اسمائے جلالی و جمالی کا ورد کرے، مرشد کے بتائے ہوئے اذکار پڑھے، ماسوی اللہ کو خاطر میں نہ لائے۔ دوم حبسِ دم سے ذکر میں مشغول ہو۔ سوم محاسبہ و مراقبہ میں مشغول ہو۔ چہارم اپنے آپ کو بھلا کر خدا کا عین ہو جائے۔ ان چار منازل سے ظاہر ہوتا ہے کہ چہل سے چالیس چلّے نہیں بلکہ چار چلّے مراد ہیں۔ برٹش میوزیم کی فہرستِ مخطوطاتِ فارسی جلد دوم صفحہ ۹۷۲ پر خواجہ اسحاق قاری کی جس کتاب کا ذکر ہے اس کا نام ''حلیة العارفین'' بتایا گیا ہے۔ معنی کے لحاظ سے تو یہ نام درست ہے لیکن معلوم ہوتا ہے کہ نام پڑھنے والے کو کچھ اشتباہ ہوا ہے۔

یہ کتاب سات ابواب میں منقسم ہے جن کی تفصیل یہ ہے :

(۱) در ارادتِ خود بحضرتِ مخدوم شیخ حمزہ۔
(۲) در سلوک و طریقت و ریاضت و عبادت۔
(۳) در طریقِ چہل چلّہ و آدابِ آن۔
(۴) در تبدیلِ اخلاق و در خلاف نفس و رضای حق کہ عبادت عاشقانست۔
(۵) در اقوالِ معرفت کہ احوال و عبادت و طاعتِ عارفانست۔
(۶) در محویت و استغراق رحمانی۔
(۷) در مقامات و کرامات و مراتبِ شیخ حمزہ و از بعضی اصحابِ باکمال ایشان بطریق اختصار۔

پہلے باب میں اپنے ماں باپ، بھائی اور خود اپنی ارادت و بیعت کے متعلق تفصیلات بتائی ہیں کہ وہ کن حالات میں حضرت شیخ حمزہ کے مرید ہوئے۔

دوسرے باب میں طریقت و عبادت کے متعلق اساسی اصول بتائے ہیں ۔ تیسرے باب میں ریاضات کے ابتدائی مراحل بتائے ہیں ؛ یعنی درویش حلال کھائے ، کفن کی طرح لباس پہنے ، خلوت میں رہے ، رات دن میں سات غسل کرے ۔ اس کے بعد دو چار عبادتیں یا ریاضتیں بتائی ہیں جن کا ذکر ہم اوپر کر آئے ہیں ۔ چوتھے اور پانچویں باب میں ترکِ نفس اور ترکِ عالم کا ذکر ہے ۔ مثلاً لکھتے ہیں :

الدنیا حرام علی اھل الآخرۃ والآخرۃ حرام علی اھل الدنیا و ھما حرامان علی اھل اللہ تعالیٰ ۔ حب الدنیا رأس کل خطیئۃ ۔

مصنف ترکِ لذت کے متعلق خود اپنی نظم میں کہتے ہیں :[۱]

ز ہر لذت کہ در ہر دو جہانست — ترا در حضرت او پیش ازانست
چرا ترکِ دو عالم می‌نگیری — چو مشتاقان پی آن می نمیری
ہر آنکو در نبازد ہر دو عالم — نگردد در حریمِ خاص محرم

ذکر و عبادت کے متعلق فرماتے ہیں : ''احی اللہ تعالیٰ قلوب العارفین بدوام ذکرہ ۔'' نماز کے متعلق بتایا ہے کہ ''لاصلوٰۃ الا بحضور القلب ۔'' پھر نماز پر ایک تفصیلی نظم لکھی ہے جس کے چند اشعار یہ ہیں :[۲]

نمازِ عارفان در عرش باشد — کہ برخواننده حق بس مہربانست
نمازِ عارفان مقبولِ حضرت — اگرچہ سجدہ اش زین آستانست
نمازِ پیر ما از وصل قلب است — ز ترکِ این جہان و آن جہانست
نمازِ پیر ما را شاہ مرسل — چو معراج حضور مردمانست
نمازِ پیر ما مخدوم حمزہ — امام مقتدین وجہ جانست
شنو این چند بیت از قول اسحاق — کہ بر احوال پیر از واقفانست

چھٹے باب میں بتایا ہے کہ شغل اذکار و افکار کا ماحصل شوق و محبت و وصل ہے ۔ اس کے بعد ذاکر عینِ مذکور اور شاہد عینِ مشہود ہو جاتا ہے ۔ اپنے مرشد کے متعلق بتایا ہے کہ رسول اکرم صلعم کی طرح انھیں بھی ''لی مع اللہ وقت'' کا مقام حاصل ہے ۔

۱- چل چلۃ العارفین ، خطی ، شمارہ ۱۲۹۳ ، برگ ۱۲۰ (ا) ۔
۲- چل چلۃ العارفین ، خطی ، شمارہ ۱۲۹۳ ، برگ ۱۷۰-۱۷۲ ۔

ساتویں باب میں پیر و مرشد حضرت حمزہ کی زندگی کے تفصیلی حالات قلمبند کرکے ان کے مریدین و یاران طریقت کا مختصر ذکر کیا ہے۔ مثلاً محی الدین بن العربی الثانی شیخ احمد چاگلی ، ہروی بابا ریشی ، شیخ حیدر تیلہ مولی ، مولوی عبد العزیز ، داؤد خاکی ، خواجہ حسن قاری ، محمد علی رینہ وغیرہ۔

مصنف نے آخر میں بتایا ہے کہ یہ کتاب ۹۸۲ھ میں مرتب ہوئی ۔ اُس وقت حضرت شیخ حمزہ زندہ تھے۔

☆ ☆ ☆

نصیب مسکین[۱]

بابا نصیب الدین غازی المعروف بہ ابو الفقراء ۔ شیخ داؤد خاکی کے خلفا میں سے تھے ۔ مُلاّ یوسف اعمٰی سے ابتدائی تعلیم حاصل کی ۔ جوانی میں بابا داؤد خاکی کے مرید ہوئے ۔ ریاضاتِ شاقہ سے تزکیۂ باطن میں کامیاب ہوئے ۔ ساری عمر تجرّد میں گزاری ۔ جَو کی روٹی اور سبزی کھاتے ، گوشت کبھی نہ چکھا ۔ ان کا لنگر جاری رہتا ۔ ہر روز بیسیوں گائیں بکریاں ذبح ہوتی تھیں ۔ ایک رات کے لیے بھی نقد و مال اپنے پاس نہ رکھتے ۔

ترکِ لذات کا یہ عالم تھا کہ وہ ایک دفعہ بیمار ہوئے۔ طبیب نے خربوزہ کھانے کا مشورہ دیا ۔ انھوں نے کھانے سے انکار کر دیا ۔ فرمایا ایسا نہ ہو کہ خربوزہ شافی بن جائے ۔ اگر شفا نہ ہوئی تو نفس کو حلاوت کا مزہ آ جائے گا ۔

وہ اپنے وقت کے عالمِ باعمل تھے ۔ تمام زندگی شریعت و طریقت کی ترویج میں گزار دی ۔ تین چار سو مریدوں کے ہمراہ گاؤں گاؤں آتے جاتے ۔ حمام ، مساجد اور بیت الخلا تعمیر کرواتے ۔ انھوں نے تبّت اور لداخ کا سفر بھی کیا ۔

۱۔ اسرار الابرار ، بابا داؤد مشکٰوتی ، مخطوطہ پنجاب یونیورسٹی لائبریری ، مجموعہ شیرانی شمارہ ۹۵۱ ؛ ص ۱۵۱ - ۱۶۳ ، تحائف الابرار فی ذکر الاولیاء الاخیار ، محی الدین مسکین ، امرتسر ۔ ۱۳۲۲ھ ، ص ۱۸۷ - ۱۸۹ ۔

وقت کے دوسرے اولیاء اللہ سے بھی ان کی صحبتیں رہتیں ۔ 'اسرارالابرار' میں مذکور ہے[1] کہ بابا نصیب ایک مرتبہ کوہ ماران میں 'ملا' شاہ کو دیکھنے گئے۔ باہر لوگوں کا ہجوم ہو گیا ۔ 'ملا' شاہ نے پوچھا ''یہ حال اکثر ایسا ہوتا ہے یا صرف آج ایسا ہوا ہے ؟'' جواب دیا گیا : ''ہمیشہ ایسا ہی ہوتا ہے ۔'' 'ملا' شاہ نے بابا نصیب سے پوچھا : ''حال دل باین کثرت چونست ؟'' شیخ گفت : ''اہل دل را ازیں ہیچ نقصان نیست و کثرت عین جمع است کہ غیری درمیان نیست ۔''

رباعی

مجموعۂ کون را بقانون سبق
کردیم تفحّص ورقاً بعد ورق
حقّا کہ ندیدیم و نخواندیم درو
جز ذات حق و شئون و آیت حق

داؤد مشکٰوتی 'اسرار الابرار' کے مصنف لکھتے ہیں ''ہم نے بابا سے پوچھا کہ شاہ کو کیسے پایا ؟'' انہوں نے جواب دیا : ''موحّد علمی است و از حال خبری ندارد ۔ اگر موحّد حال بودی ایں کثرت را ہیچ نمی دیدی ۔''[1]

وہ ۱۰۴۷ھ میں وفات پا گئے ۔

وہ شعر بھی کہہ لیتے تھے ۔ ان کے چند اشعار یہ ہیں :

چہ بندی دل درین دنیا کہ روزی چند مہمانی
کہ ناگہ مرگ پیش آید خوری آن دم پشیمانی
نیاری یاد آن روزی کہ وقتِ مرگ درپیش است
چہ مغروری درین دنیا مگر مردن نمی دانی
یکی اندیشہ کن بنگر کیان بودند درین دنیا
کجا رفتند یارانی کہ بودند مونسِ جانی

بابا نصیب کے ملفوظات :

''اگرچہ مال دنیا بسیار است ، زرازہمہ مردار است ۔ اگر در سخن سامری زر نبودی ہیچکس بدان فریفتہ نشدی و گوسالہ پرست نگشتی ۔ کیمیا نہ

۱۔ اسرار الابرار مذکور ، ص ۱۵۹ ب ۔

آنست کہ خاک را زر کند ، آن پیشۂ قارون است ۔ کیمیا آنست کہ زر را خاک کند و آن کار موسیٰ و هارون است ۔ اگر در دنیا زر نبودی ، این شور و شر نبودی ۔ و اگر شور و شر نبودی نار سقر نبودی ۔ آبادی دوزخ معصیت است و آبادی بہشت طاعت ۔

دنیا چون سایہ است ، هر چند مرد باسایۂ خود بدود ، هرگز دنیا در دستش نیاید ۔ چون از ان بگریزد ، در پی او رود ۔ آنکہ در دنیاست ، در آب است ۔ پس بقدری کہ غرق آب است ، در عذاب است ۔ و آنکہ برکنار است ازان برخوردار است ۔ بی علم در راہ ، بی رسن در چاہ است ۔

علم مانند داروست کہ مرضِ جہل را دور کند اما شرط دارو پرهیز است کہ بسیار دارو بعدم پرهیز زهر قاتل گردد ۔ شرفِ آدم بعلم و ادب است نہ بمال و نسب و حسب ۔"[۱]

نور نامہ :

بابا نصیب مسکین نے 'نور نامہ' کے نام سے اولیاء کا ایک تذکرہ بھی مرتّب کیا تھا ۔ اصل میں تو یہ کشمیر کے ایک صوفی بزرگ نورالدین ولی کا تذکرہ ہے ۔ ضمناً اس زمانے کے دوسرے صوفیہ کا ذکر بھی موجود ہے ؛ مثلاً نور الدین ولی کے چار یار یعنی بابا نصر الدین ، بابا زین الدین ، بابا عبداللطیف الدین و بابا بام الدین کے احوال و کوائف پر بھی روشنی پڑتی ہے ۔ خاص طور پر سلسلۂ ریشی کے صوفی بزرگوں مثلاً بابا شمس الدین ، حنیف الدین ریشی ، نوری ریشی ، کنکی ریشی ، شنکر ریشی ، هروی بابا ریشی کے حالات بیان کیے گئے ہیں ۔ ان کے علاوہ صوفیۂ کبار میں شیخ حمزہ اور بابا داؤد خاکی اور ان کے مریدین کا بھی ذکر آیا ہے ۔

حضرت نور الدین ولی کے ارشادات اور کشف و کرامات کے ساتھ ساتھ کہیں کہیں تصوّف کے علمی مسائل کا ذکر بھی ملتا ہے ۔ مثلاً عام قاری کو سمجھانے کے لیے مقامات کی تشریح یوں کی ہے :

۱۔ مقام ناسوت را عالم خلق ، عالم شہادت ، عالم صورت ، عالم ظاهر و

۱۔ تحائف الابرار ، ص ۱۸۸ - ۱۸۹ ۔

عالم ارواح میگویند -

۲- مقام ملکوت را عالم امر ، عالم معقول ، عالم قلبی ، عالم غیب ، عالم معنی و عالم باطن خوانند -

۳- مقام جبروت را عالم روح ، عالم موجود بالقوۃ ، عالم ماہیات ، عالم کلیات ، عالم باطن باطن ، عالم غیب غیب و معنی معنی میگویند -

۴- مقام لاہوت - عالم لامکان -

اس کتاب کا ایک قلمی نسخہ پنجاب پبلک لائبریری میں شمارہ نور ۶۹ و ۲۹۷ پر موجود ہے - کل ۱۲۳ اوراق ہیں ، تقطیع ۱۰ × ۷½ انچ ہے -

☆ ☆ ☆

دیگر مصنفین

خواجہ معین الدین نقشبندی[1]

خواجہ خاوند محمود نقشبندی متوفی ۱۰۵۰ھ کے بیٹے تھے - پہلے اپنے باپ سے تعلیم حاصل کی ، پھر شیخ عبدالحق دہلوی سے فقہ و حدیث پڑھی - جب ان کے والد لاہور میں مقیم ہوگئے تو یہ ان کی سجادہ نشینی کے لیے کشمیر واپس چلے گئے اور اپنے سلسلے کی ترویج و اشاعت کی - حسن بصیرت کے ساتھ حسن صورت بھی رکھتے تھے - ۱۰۸۵ھ میں وفات پائی اور اپنی خانقاہ میں دفن ہوئے -

تالیفات : ۱- علمائے وقت مثلاً "ملا" طاہر ، "ملا" ابوالفتح کلو ، "ملا" یوسف مدرس ، "ملا" غلام نبی ، مفتی شیخ احمد کے تعاون سے فتاوائے نقشبندیہ

۱- تحائف الابرار فی ذکر الاولیاء الاخیار ، محی الدین مسکین ، امرتسر ، ۱۳۲۲ھ ، ص ۶۰ ، ۶۱ - تاریخ اعظمی ، محمد اعظم ، لاہور ، ۱۳۰۳ھ ، ص ۱۶۷-۱۶۸ -

کا مجموعہ مرتب کیا -

۲،۳ - رسالۂ رضوانی اور مرآتِ طیبہ : یہ دو رسائل اپنے والد خواجہ خاوند محمود کے احوال و کرامات کے متعلق لکھے -

۴- مقامات : سلسلۂ نقشبندیہ کے برگزیدہ اشخاص کا تذکرہ ہے -

۵- کنزالسعادت (فقہ)[1] -

مولانا حسین خبّاز[2]

وہ اپنے ایک دوست عزیز خبّاز کی دکان پر بیٹھا کرتے تھے - بعد میں لوگوں نے انھیں بھی خبّاز کہنا شروع کردیا - وہ خواجہ اسحاق کے ارادت مند تھے - حج سے واپسی کے بعد اکبر آباد میں انھوں نے خواجہ عبدالشہید اور حضرت عبدالخالق سے روحانی فیض حاصل کیا - کشمیر میں واپس آ کر ترویج شریعت و طریقت اور رفعِ بدعت میں مشغول ہوئے - بابا نصیب الدین ، مُلاّ حیدر علامہ ، خواجہ محمد امین صوفی ، محمد افضل منٹو بھی ان کی مجالس سے فیضیاب ہوئے - سماع کے متعلق خواجہ حبیب اللہ نوشہری کے ساتھ ان کا مناظرہ و مباحثہ مشہور ہے - وہ علم وعمل اور زہد و تقویٰ میں کامل تھے - ۱۰۵۲ھ میں انتقال کیا -

نثر میں ان کی کتاب 'ھدایۃ الاعمیٰ' مشہور ہے -

وہ شعر بھی کہتے تھے - ان کے چند اشعار یہ ہیں :

قبلۂ شاهان بود تاج و کمر   قبلۂ ارباب دنیا سیم و زر
قبلۂ صورت پرستان آب و گل   قبلۂ معنی شناسان جان و دل
قبلۂ زهاد محرابِ قبول   قبلۂ بد سیرتان کار فضول
قبلۂ تن پروران خواب و خورش   قبلۂ انسان بدانش پرورش
قبلۂ عاشق وصالِ بیزوال   قبلۂ عارف جمالِ ذوالجلال

۱- نزھۃ الخواطر ، عبدالحی ، حیدر آباد (دکن) ، ۱۹۵۵ع ، ص ۳۰۶ - ۳۰۷ -

۲- تحائف الابرار ، ص ۱۹۳ -

قبلۂ جبریل جانہا سدرہ ای   قبلۂ عبدالبطون شد سفرہ ای
تا تو از خود می نگردی دور دور   یار کی بینی تو اندر دل حضور

هر کہ نامشروع داند ای حسین (؟)
در شریعت هم حقیقت خون او باشد حلال
ای حسین اندر شریعت خاک شو
از غبارِ شرک و بدعت پاک شو

'هدایت الاعمیٰ' کا ایک قلمی نسخہ ایشیاٹک سوسائٹی بنگال کے فارسی مخطوطات میں موجود ہے - شمارہ ۱۳۰۵ ہے -

هدایت الاعمیٰ :

اس کا ایک قلمی نسخہ پشاور یونیورسٹی لائبریری میں بھی موجود ہے - کتاب میں شریعت و طریقت کے قواعد و ضوابط پر اصولی بحث کی گئی ہے - مصنف نے تصوف و طریقت کے مسائل سمجھانے کے لیے منطقی استدلال سے کام لیا ہے - اکثر مقامات پر مثالوں سے مطالب کو سمجھایا ہے - مصنف اہلِ سنت و الجماعت کے پیرو ہیں اور امام اعظم حضرت ابو حنیفہ کے معتقد - وہ ان کو 'سراجِ امت' کے لقب سے یاد کرتے ہیں - کتاب میں اکثر جگہ سوالات دیے ہیں اور پھر ان کے جوابات لکھے ہیں - تصوف کی عام کتابوں کی طرح اس میں بھی روایات نقل کرتے وقت وہی پرانا طریقہ روا رکھا ہے یعنی واقعہ نقل کرتے وقت کہتے ہیں : ''نقل است یا در خبر است'' اسلوبِ بیان تدریسی و تفہیمی ہے - جابجا سامع یا شاگرد کو مخاطب کرتے ہوئے ''ای عزیز'' یا ''پس باید دانست'' کے کلمات استعمال کرتے ہیں - آیاتِ قرآنی ، احادیثِ نبوی اور اقوالِ عرفاء اور اشعار کو استدلال کے لیے استعمال کرتے ہیں - تصوف سے متعلق مندرجہ اقوال کو بھی احادیث کہہ کر پیش کیا ہے :

من عرف نفسہ فقد عرف ربه
ان اللہ خلق آدم علی صورته
یا ابن آدم خلقت الاشیاء لک و خلقتک لی
خمّرت طینت آدم بیدی اربعین صباحاً

علماء امتی کانبیاء بنی اسرائیل

کتاب کی وجہ تسمیہ کے متعلق لکھا ہے: ''تا ہر اعمٰی کہ در تیہ ضلالت و الحاد و بدعت گرفتار است، خوانندہ و شنوندہ را راہ نماید۔ تا ہر عارف و عاشق و صادق درین کتاب مطالعہ نمایند و اصول و فروع توحید و معرفت بدانند و از عقاید شریعت بیرون نروند:

گفتار خوش از حسین کشمیر شنو — آثار ہدایت است تقدیر شنو
بجز از راہ شریعت نیابی راہ را — در شرع رو ای جوان ای پیر شنو
راہ کہ مستقیم است اینست — باللہ کہ راہ خداست ای میر شنو

کتاب اٹھارہ ابواب پر مشتمل ہے جن کی تفصیل یہ ہے:

۱- در بیان آنکہ از اجمال بتفصیل ظاہر می شود و از وحدت بکثرت و از احد بعدد۔
۲- در بیان جامعیت انسان کہ جامع است از ہمہ اشیاء۔
۳- در بیان ایمان۔
۴- در بیان معرفت حق تعالیٰ۔
۵- در بیان شریعت و طریقت و حقیقت و حقیقت الحقیقت کہ از وجہ فرائض و سنن و نوافل و اوراد و ادعیہ و اسماء است۔
۶- در بیان شریعت و طریقت و حقیقت الحقیقت کہ از وجہ نفی و اثبات باشد۔
۷- در بیان شریعت کہ از وجہ فنا و بقا باشد۔
۸- در بیان نبوت و ولایت و احوال آن۔
۹- در بیان کرامت و کہانت و استدراج و جنونیت و احوال آن۔
۱۰- در بیان علم و حقیقت آن کہ علم ظاہری و باطنی است۔
۱۱- در بیان توکل و حقیقت آن۔
۱۲- در بیان حقیقت وجد و سماع و حقیقت آن۔
۱۳- در بیان تغنا و مزامیر و آواز خوش شنیدن و مذمت آن و احوال آن۔
۱۴- در بیان حسن دیدن و حقیقت آن۔
۱۵- در بیان باغ و گلزار دیدن و احوال آن۔
۱۶- در بیان عبادت حق تعالیٰ۔

۱۷- در بیانِ مذمت بدعت و حقیقتِ آن -
۱۸- در بیانِ شرفِ شریعت و متابعتِ حضرت رسالت پناہ -

مصنف نظریۂ توحید اور ہمہ اوست کے متعلق اپنا نقطۂ نظر یوں بیان کرتے ہیں :

''صوفیانِ جاہل می گویند کہ ہمہ اوست - درمیان خودی و خدا فرق نمی کنند - در الحاد در می آیند - ذات و صفات و مظہر یکی میدانند ، ملحد می شوند -'' ص ۱۳ -

''صفات عین ذات نہیں ہیں لیکن غیر ذات بھی نہیں - اسی طرح حق تعالیٰ یگانہ است و از یگانگی او کثرت صفات او ظاہر شدہ است و از کثرت صفات او کثرت علم و از کثرت علم کثرت جہل - از کثرت جہل ادیان و ملل پیدا شدہ است -'' ص ۱۳ -

''در شریعت دانی کہ ہمہ ازوست و در طریقت دانی کہ ہمہ اوست و در حقیقت ہمہ او بینی و در حقیقت الحقیقت نہ خود باشی و نہ خدا بینی - عین خدا نباشی و غیر خدا ہم نباشی و درمیان حیران بمانی -'' ص ۴۸ -

اصطلاحات تصوف ناسُوت ، ملکوت ، جبروت اور لاہوت کی تشریح و توضیح نئے زاویے سے کی ہے - عالم ناسوت کو شریعت ، عالم ملکوت کو طریقت ، عالم جبروت کو حقیقت اور عالم لاہوت کو حقیقت الحقیقت سے تعبیر کیا ہے اور پھر ان کے معانی و خصایص یوں بیان کیے ہیں :

ناسوت : انقیاد اوامر الٰہی و اجتنابِ نواہی -

ملکوت : تزکیۂ نفس ، تصفیۂ دل و تجلیۂ روح -

جبروت : عشق و محبت ، یقین و معرفت ، ذوق و حلاوت -

لاہوت : علم اللہ ، الہام ربانی و تجلیات -

شیخ حسین وجد و سماع کے سخت مخالف تھے - اس کتاب میں بھی اُنھوں نے سماع کی مخالفت میں دلائل دیے ہیں - تاریخی شہادت سے ایک جگہ یوں استدلال کیا ہے :

''محمد رسول اللہ ، خلفاے راشدین و صحابہ و تابعین وجد و سماع نکردند و نسبت کردن این معنی از موجبات کفر است'' - (ص ۱۰۶)

امام ابو حنیفہ کا قول بھی اپنی حمایت میں پیش کیا ہے ۔ انھوں نے فرمایا ہے : ''السماع لعب و لیس اللعب حلال ۔'' (ص ۱۱۶)

اہلِ طریقت عموماً رجال الغیب کے معتقد ہوتے ہیں ۔ قطب ، ابدال اور ابطال کی اصطلاحات اکثر استعمال کی جاتی ہیں ۔ ھدایت الاعمیٰ میں مصنف نے اس کی تفصیل بتائی ہے جو قابلِ ملاحظہ ہے :

کل رجال الغیب ۳۵۶ ہیں ۔ ان میں سے :

۳۰۰ ابطال ہیں جو طریقِ ہوا و ہوس کو باطل کرتے ہیں ۔

۴۰ ابدال ہیں جو اخلاقِ ذمیمہ کو اخلاقِ حمیدہ میں تبدیل کرتے ہیں ۔

سیّاح ۷ ہیں جو سیر و سیاحت میں ارادتِ حق کے مطابق مخلوق کی کارسازی کرتے ہیں ۔

اہلِ ارشاد ۹ ہیں ۔ ان میں سے ۵ اوتاد ، ۴ غوث و قطب الاوتاد ہیں ۔

۱ قطب الاقطاب ہے جو نائب وہ رسول اللہ ہے اور بےواسطہ حضرت عزت سے مستفیض ہے ۔

فقرا و درویش عموماً امرا و سلاطین کی صحبت سے احتراز کرتے ہیں اور ان کا مال لینے سے پرہیز کرتے ہیں ۔ شیخ حسین کشمیری بھی اسی قسم کی تلقین کرتے ہیں کہ سلاطین کی روٹی نہ کھاؤ کیونکہ یہ مساکین کے خون سے گوندھی گئی ہے :

''لاتأکلوا اخباز الملوک فانہ عجین من دم مسکین ۔'' (ص ۵۱)

مُلّا محسن کھٹو[1]

یہ مُلّا محمد گانی اور مولانا محمد مراد بولاقی کے شاگرد اور مُلّا نازک نقشبندی کے مرید تھے ۔ انھوں نے تمام عمر تعلیم و تدریس میں صرف کی ۔ ان کی تالیفات میں شرح عین العلم ، ھدایۂ حکمت ، مطوّل و حواشی بے بدل ، ردِ شیعہ اور دیگر تعلیفات ہیں ۔

---

۱ ۔ تحائف الابرار ، ص ۲۹۸ ۔

ملاؔ احمد بن عبدالصبور[1]

صاحبِ وجد و حال بزرگ تھے۔ خواجہ ہاشم پلو اور خواجہ آفتاب سے کسبِ فیض کیا۔ کشمیر کے بزرگانِ دین کے متعلق 'خوارق السالکین' کے نام سے کتاب تالیف کی۔

شیخ محمد مراد[2] رفیعی بن شیخ محمد شریف کول

صاحبِ علم و عمل تھے۔ موزوں طبیعت پائی تھی۔ کمال درد و سوز رکھتے تھے۔ جوانی میں انتقال کیا۔ کتاب 'انتباہ در ذکر اولیاء اللہ' تالیف کی۔

محمد امین ڈار[3]

کشمیر کے تاجروں میں سے تھے۔ لاہور گئے تو کسی شاہزادے کی ملازمت کر لی۔ بعد میں نوکری چھوڑ کر فقیری و درویشی اختیار کر لی۔ میاں عبدالوہاب کے مرید ہو کر مراتبِ روحانی حاصل کیے اور کشمیر واپس آ گئے۔ خلوت پسند اور کم آمیز تھے۔ ان کی مجلس میں کوئی شخص بے مقصد بات کرنے کی جرأت نہیں کرتا تھا۔ علما سے بہت مانوس تھے۔ مجلس میں حقائق و معارف کی باتیں ہوتیں۔ شاہ اورنگ زیب عالمگیر سے بھی ان کی ملاقات ہوئی۔ بادشاہ نے پوچھا۔ ''کبھی کشف و کرامت بھی ظاہر ہوئی؟''۔ انھوں نے جواب دیا۔ ''اگر کشف و کرامت شرع کے مطابق ہو تو درست ہے ورنہ ناتمام۔''
۱۰۹۹ھ میں فوت ہوئے۔ تاریخِ وفات یہ ہے:

'عرش بود مسکنِ روح الامین'

کتاب 'قطرات' اور 'رسالۂ ضروریہ' ان کی تصانیف میں سے ہیں۔

۱۔ تحائف الابرار، ص ۲۱۹۔

۲۔ ایضاً، ص ۳۲۴۔

۳۔ تاریخ کشمیر اعظمی، لاہور، ۱۳۰۳ھ، ص ۱۷۷ - ۱۷۸۔

مولانا محمد امین گانی[1]

علمائے مدققین میں ان کا شمار ہوتا ہے ۔ قناعت و توکل سے درس و تدریس میں عمر صرف کی ۔ اکثر علماء مثلاً عنایت اللہ شال اور 'ملا' محسن ان کے شاگرد تھے ۔ انھوں نے کتبِ متداولہ پر حواشی لکھے ۔ مثلاً حاشیہ' شرح تہذیب 'ملا' جلالی ۔ علمِ فرائض پر بھی نظم و نثر میں جامع رسائل تالیف کیے ۔ ۱۱۰۹ھ میں انتقال کیا ۔

خواجہ ابوالفتح کلّو

جوانی میں مروجہ علوم کی تکمیل کی ۔ خواجہ حیدر چرخی سے صوری و معنوی کمالات حاصل کیے ۔ فقہی مسائل کے استخراج میں بے نظیر تھے ۔ تاریخِ وفات یہ ہے :

خواجہ ابوالفتح با هزار کمال　　　رفت اندر هزار یک صد سال

'رد شیعہ' میں ان کی تالیف 'سیف السائلین' معروف ہے ۔ اس کے علاوہ بھی تالیفات و تعلیقات ہیں ۔

☆ ☆ ☆

تواریخ کشمیر

بہارستانِ شاہی

کشمیر کی تاریخ آغاز سے ۱۰۲۳ھ تک ۔ مصنف کا نام معلوم نہیں ۔ اتنا معلوم ہے کہ وہ شاہ ابوالمعالی کشمیری کا ملازم تھا ۔ یہ شاہ ابوالمعالی سید مبارک خاں کے بیٹے تھے جو ۹۸۶ھ میں دو مہینے کے لیے کشمیر کے حکمران بنے ۔ ابوالمعالی نے کشمیر کی اندرونی کشمکشوں اور لڑائیوں میں عملی حصہ لیا ۔ جب کشمیر مغلیہ سلطنت میں شامل ہوگیا تو ان کو راجا مان سنگھ کے زیرِ قیادت چوبیس سال

۱۔ تاریخ کشمیر اعظمی ، ص ۱۹۱ ۔

تک خدمات انجام دینے کا موقع ملا - ۱۰۲۱ھ میں راجا مان سنگھ کی وفات پر وہ جہانگیر کے سامنے پیش ہوئے جس نے انہیں ٹھٹہ میں جاگیر عطا کی -

اس تاریخ کے شروع میں ہندو عہد حکومت کا مختصر ذکر ہے اور بیس بائیس صفحات کے بعد مسلم عہدِ حکومت کا بیان شروع ہو جاتا ہے - علی شاہ متوفی ۹۸۶ھ کے بعد آخر ۱۰۲۳ھ تک کے حالات و واقعات تفصیل سے بیان کیے گئے ہیں - 'نامۂ شاہان کشمیر' سے تاریخ تالیف نکلتی ہے -

اس کتاب کا قلمی نسخہ انڈیا آفس میں شمارہ ۵۰۹ پر موجود ہے اور برٹش میوزیم کی فہرستِ مخطوطاتِ فارسی میں بھی صفحہ ۲۹۷ پر مذکور ہے -

☆ ☆ ☆

تاریخ کشمیر

اس کا مصنف حیدر ملک بن حسن ملک بن ملک محمد ناجی سری نگر کے نزدیک چاروره یا چاڈوره گاؤں میں پیدا ہوا - چوبیس سال تک یوسف شاہ چک (۹۸۶ - ۹۹۳ھ) کی ملازمت میں رہا - بنگال میں یوسف شاہ کی جلاوطنی پر بھی اس کے ساتھ گیا - جن دنوں وہ جائس کا فوج دار تھا اس نے راجا بل بھدرا کے خلاف لشکر کشی کی - شیر افگن کے قتل کے بعد اس نے مہرالنساء (بعد میں ملکہ نور جہان) کی حفاظت کی - جہانگیر نے اسے چغتائی اور رئیس الملک کا خطاب دیا اور کشمیر کا ناظم مقرر کیا -

اس نے تاریخ کشمیر ۱۰۲۷ھ سے ۱۰۳۰ھ تک یعنی چار سالوں میں مکمل کی - اس تاریخ میں آغاز سے لے کر ۹۹۵ھ تک کے حالات و کوائف بیان کیے گئے ہیں - اس کے دو حصے ہیں - پہلا حصہ تو راج ترنگنی کا خلاصہ ہے - دوسرے حصے میں البتہ دوسری تواریخِ کشمیر کے مقابل میں اختلافات ہیں -

خاتمے کے دو حصے ہیں - پہلے حصے میں مصنف نے اپنے سوانح حیات بیان کیے ہیں - دوسرے حصے میں کشمیر کا جغرافیہ بیان کیا ہے - اس تاریخ کے

مخطوطات کے لیے دیکھیے :

Blochet, 625, 626, ، Rieu, 298-b ، Ethe, 2846, Browne, (Suppt), 245, Bodleian, 316, 317 ، Aumer, 267.

☆ ☆ ☆

تاریخ کشمیر

مصنفہ حسن بن علی کشمیری - یہ تاریخ جلال الدین ملک محمد ناجی بن ملک نصرت کی درخواست پر مرتب ہوئی - اس میں آغاز سے لے کر ۱۰۲۴ھ تک کے حالات مذکور ہیں - بوڈلین لائبریری آکسفورڈ میں اس کا قلمی نسخہ موجود ہے - کل ایک سو تیس اوراق ہیں - پہلے تیس اوراق میں ہندو عہدِ حکومت کا تذکرہ ہے ، باقی ماندہ حصے میں مسلم عہدِ حکومت کی تاریخ مندرج ہے - اس تاریخ کا پہلا حصہ تو یقیناً راج ترنگنی سے ماخوذ ہوگا لیکن اس کا حوالہ نہیں دیا گیا - دوسرا حصہ صرف مستقیم اسلوب بیان کی وجہ سے دوسری تاریخوں سے زیادہ قابلِ قدر ہے -

☆ ☆ ☆

مرکزِ سندھ

سندھ

سندھ کے حکمران :

عہدِ جہانگیر کے آغاز سے ہی میرزا غازی حاکمِ سندھ چلے آ رہے تھے - ان کی غیر حاضری میں خسرو خاں نظامت کا کاروبار سنبھالتے رہے - میرزا غازی خاں کی وفات کے بعد ۱۰۲۲ھ میں میرزا رستم بن سلطان حسین میرزا حاکمِ ٹھٹہ مقرر ہوئے لیکن وہ حکومت کا نظم و نسق اچھی طرح نہ سنبھال سکے اور معزول ہوئے - ان کے بعد میرزا مصطفیٰ خاں ناظمِ ٹھٹہ متعین ہوئے - ۱۰۲۸ھ میں میرزا بایزید بخاری اور ۱۰۳۵ھ میں شریف الملک معروف بہ شریف خاں یک چشم متعین ہوئے۔ شاہزادہ خرّم (شاہجہان) جب باپ سے ناراض ہو کر چند جاں نثاروں کے ہمراہ عراق عجم کے ارادے سے ٹھٹہ پہنچا تو شریف الملک نے اس کا راستہ روکا اور ان میں لڑائیاں بھی ہوئیں - جب شاہجہان تخت نشین ہوا تو اس نے شریف خاں کو قتل کروا دیا - ۱۰۳۷ھ میں مرزا عیسیٰ ترخان نظامتِ ٹھٹہ پر مامور ہوئے - کچھ عرصے بعد وہ قلعہ کرنال کی حراست کے لیے نامزد ہوئے - مرزا نے مکلی پہاڑ پر اپنے بزرگوں کے لیے مقابر و نشیمن بنانے شروع کیے - ابھی عمارات زیر تعمیر تھیں کہ وہ وفات پا گئے - شاہجہان کی تخت نشینی پر نواب امیر خاں بن نواب قاسم خاں نمکین متعین ہوئے - انھوں نے لوگوں کی خوشحالی اور آبادی کے لیے بہت کوشش کی - یہ عالی رتبہ امیر تھے - ان کے خاندان میں بڑی برکت ہوئی - وہ علم و فراست کے لیے مشہور تھے - امیر خاں کے بعد نواب مظفر خاں مسمیٰ بہ میر عبدالرزاق معموری ، پھر ابراہیم ولد میر بایزید بخاری اور اس کے بعد نواب مغل خاں ۱۰۵۷ھ میں ٹھٹہ کی حکومت پر مامور ہوئے - ۱۰۶۳ھ میں نواب ظفر خاں ناظم ٹھٹہ مقرر ہوئے - ۱۰۶۵ھ میں سپہر شکوہ ولد دارا شکوہ صوبے دار ٹھٹہ ہوکر آئے اور ناظم ان کے نائب ہوئے - ۱۰۶۹ھ میں قباد خاں نامزد ہوئے - اس کے عہد میں قحط اور وبا پھیلی - اسی دوران میں اورنگ زیب

کی فوجوں سے شکست کھا کر دارا شکوہ ٹھٹھہ پہنچے اور ان کے حکم سے دارالحکومت اور قلعہ ارک کو آگ لگا دی گئی - ۱۰۷۱ھ میں نواب لشکر خاں ۱۰۷۵ھ میں غضنفر خاں ، ۱۰۷۸ھ میں سید عزت خاں ، ۱۰۸۲ھ میں نواب ابونصرت خاں ، ۱۰۸۴ھ میں نواب سعادت خاں ، ۱۰۸۸ھ میں سید عزت خاں دوبارہ ، ۱۰۹۰ھ میں خانزاد خاں ، ۱۰۹۵ھ میں نواب سردار خاں اور ۱۰۹۹ھ میں سردار خاں کی معزولی کے بعد مرید خاں جدید الاسلام مقرر ہوئے - مرید خاں کے ہاتھوں مسلمانوں کو کافی اذیتیں پہنچیں - چنانچہ لوگوں کی شکایت پر وہ معزول ہوا اور ۱۱۰۴ھ میں ابونصر نصرت خاں متعین ہوا - ۱۱۰۳ھ میں نواب حفظ اللہ خاں پسر سعداللہ وزیر شاہجہان ناظم ٹھٹھہ مقرر ہوئے - یہ بڑے مخیّر انسان تھے - قلعہ حاکم نشین ٹھٹھہ کو انھوں نے تعمیر کرایا - وہ صاحبِ ذوق تھے اور شعر بھی کہتے تھے - ۱۱۱۲ھ میں لُو لگنے سے بیمار ہوئے اور وفات پا گئے - ۱۱۱۳ھ میں سعید خاں ، ۱۱۱۴ھ میں نواب میر امین الدین خاں ولد ابوالمکارم شہود ناظمِ ٹھٹھہ متعین ہوئے - یہ بھی بلند رتبہ امیر تھے - اکثر مطالعے میں مصروف رہتے اور علماء سے مجالست رکھتے - 'رشحات الفنون' اور 'معلومات الآفاق' ان کی تالیفات ہیں - ۱۱۱۵ھ میں نواب یوسف خاں ، ۱۱۱۶ھ میں نواب احمد یار خاں حاکمِ ٹھٹھہ نامزد ہوئے اور ۱۱۱۸ھ تک یعنی عالمگیر کی وفات تک وہی متعین رہے -

سندھ کے حکمرانوں اور ناظموں میں سے بعض ایسے برگزیدہ اشخاص بھی تھے جو خود بھی عالم تھے اور علم و فضل کے قدردان بھی - ان میں سے بعض خود بھی شاعر تھے اور بہت اچھا شعری مذاق رکھتے تھے ، اس لیے شعرا کی قدر و منزلت بھی کرتے تھے - مثلاً میرزا غازی خاں ، میر عبدالرزاق معموری ، امیر خاں بن قاسم خاں نمکین ، ظفر خاں احسن - ان میں سے بعض ایسے بزرگ ہیں جو عہد عالمگیری کے بعد تک زندہ رہے - ان کا ذکر ہم آئندہ جلد میں کریں گے - مثلاً میر امین الدین خاں ولد ابوالمکارم شہود اور احمد یار خاں یکتا - اول الذکر پائے کے عالم اور مؤخر الذکر عالی رتبہ شاعر تھے -

اب ہم ان چند ناظمانِ ٹھٹھہ کا مختصراً ذکر کرتے ہیں جن کی سخنوری اور سخن پردازی کے متعلق کچھ معلومات دستیاب ہیں -

خسرو خاں :

وہ بے نظیر امیر تھے ۔ خلق خدا کو اُن سے بہت فیض پہنچا ۔ سرزمینِ سندھ میں ان کی اتنی یادگاریں ہیں کہ کسی بادشاہ کی بھی اتنی نہ ہوں گی ۔ بقول مصنف 'تحفۃ الکرام' انھوں نے تین سو ساٹھ عمارتیں تعمیر کروائیں جن میں مساجد ، تالاب ، کنوئیں ، مقابر ، پل اور مسافر خانے شامل ہیں[1] ۔

سید عبدالقادر نے 'حدیقۃ الاولیاء' ان کے نام منسوب کی ۔ خسرو خاں کے یہ تین اشعار ان کے اپنے حسبِ حال ہیں :

خسروا خانی تو در وقتیکہ از جانِ کرم
هر صباح و شام میخوانی بسی اهلِ همم
خائن درگاه رب العالمین باشی اگر
از تو ناراضی رود جانی ز تن سوی عدم
جهد کن گرد آر دلهای خلائق وآنگهی
هرچہ باشی باش یکسانست گدا او محتشم

نواب ظفر خاں[2] :

۱۰۶۲ھ میں حاکم ٹھٹہ نامزد ہوئے اور چھ سال تک حکمران رہے ۔ مشکین باغ کی بنیاد انھی نے رکھی تھی ۔ عبدالحکیم عطا کی بھی انھوں نے تربیت کی ۔ چونکہ زیادہ عرصہ یہ کشمیر کے ناظم رہے اس لیے ہم نے مرکزِ کشمیر کے تحت تفصیل سے ان کا ذکر کیا ہے ۔ ان کے اشعار کا نمونہ یہ ہے :

پردهای چشم بہر عیب پوشی داده اند
کور بادا دیده ای کو عیب را ظاهر کند
نیست جز جنس خجالت گر کشائی بار ما
وای گر پرسند روز حشر از کردار ما

۱۔ مقالات الشعرا ، علی شیر قانع ، کراچی ، ۱۹۵۷ء ، ص ۲۰۱ ، ۲۰۲ ۔
تحفۃ الکرام ، ص ۹۱ ، ۹۲ ۔

۲۔ مقالات الشعرا ، ص ۳۸۰ ۔

آنچہ ما با باغبان از چیدن گل کردہ ایم
روزِ محشر گل کند از گوشۂ دیوار ما

خالہ زاد خاں[1] :

۱۰۹۰ھ سے ۱۰۹۵ھ تک ٹھٹہ کی نظامت ان کے سپرد رہی - ان کے یہ دو شعر مقالات الشعرا میں مذکور ہیں :

می نوش کہ ترتیب دماغی بہ ازین نیست
پروانۂ می شو کہ چراغی بہ ازین نیست
در بزم بکف بادہ چو گل بر سر شاخست
بلبل شو و می نال کہ باغی بہ ازین نیست

حفیظ اللہ خان[2] :

۱۱۰۳ھ سے ۱۱۱۲ھ تک صوبہ دار ٹھٹہ و سوستان -

بڑے مخیّر اور متواضع شخص تھے - ہر سال میلاد النبی کے موقع پر دعوتِ عام دیتے - کھانے سے پہلے اور کھانے کے بعد خود آفتابہ لے کر مہمانوں کے ہاتھ دھلاتے تھے - ٹھٹہ کا قلعہ بھی انھوں نے بنوایا تھا - شاہزادہ معز الدین کے لیے سوستان میں ایک پل تعمیر کروا رہے تھے اور خود موجود رہ کر اہتمام کر رہے تھے کہ لو لگ گئی اور ۱۱۱۲ھ میں وفات پا گئے - فلهم جنات الماوی نزلا بما کانوا یعملون کی قرآنی آیت سے تاریخ وفات نکلتی ہے - وہ صاحبِ استعداد شاعر تھے - مقالات الشعرا میں ان کے یہ اشعار منقول ہیں :

ای کہ میگویی کہ می‌آیم نمی آیی چرا
پای شوکت را مگر رنگِ حنا زنجیر پاست

گل عذار و گل آتش و گل ساغر
اگر غلط نکنم فصل گل ز مستانست

۱- مقالات الشعرا ، ص ۱۹۹ -
۲- مقالات الشعرا ، ص ۱۷۹ - گل رعنا ، خطی ، برگ ۱۰۸ -

بزم بیہوشیست دنیا خلوت هشیار نیست
خوابِ غفلت بردہ مردم را کسی بیدار نیست
چشمِ حق بین در تجلّی گاہِ طورِ اتحّاد
گر بصد آئینہ افتد در نظر جز یار نیست
بہرۂ معنی ندارد طاعت اہلِ ریا
تار تسبیح ریائی کمتر از زنّار نیست

بیفروغ است بی نم اخترِ چشم   نم چشم است آب گوہر چشم
چشم تر غفلت آشنا نشود   دیدبانست اشک بر درِ چشم

در نعت :

در انجمن دہر نخست آمدہ ای
زان گونہ کہ شائستۂ تست آمدہ ای
ای ختمِ رسل گرچہ در بزمِ وجود
دیر آمدہ ای ولی درست آمدہ ای

ای آنکہ سراپا ہمہ لطف و نمکی   جز شیر ز پستان ملاحت نمکی
بر برگِ گل تازہ چکیدہ نمکی   پیغمبر خوبانی و امّا نمکی

ان کے مصاحب مرزا لعل بیگ نے استاد کا یہ شعر پڑھا :

یک جلوہ کرد شمع جمال تو از ازل   پروانہا ہنوز پر و بال می زنند

نواب نے فی البدیہہ یہ شعر کہا :

یک صبحدم ز صحن گلستان گذشتہ ای   شبنم ہنوز بر رخ گل آب می زند

ایک رات نواب صاحب نے پوچھا :

از شب چہ قدر گذشتہ باشد

لعل بیگ نے برجستہ گرہ لگائی :

زلفش ز کمر گذشتہ باشد

سندھ میں فارسی ادب :

درباری اور سرکاری زبان ہونے کی وجہ سے فارسی ، علمی زبان کی حیثیت سے بھی ترقی کرتی رہی - چونکہ سندھ کے حاکموں اور ناظموں کو چند سالوں کے لیے ہی نظم و نسق کا کام سونپا جاتا رہا اس لیے فارسی ادب کے فروغ کے لیے ان کی طرف سے بھرپور کوشش نہیں ہوئی - البتہ جو حاکم خود شاعر اور عالم تھے ، انھوں نے اپنی بساط کے مطابق شعرا و علما کی قدردانی کی - چونکہ مرکزِ حکومت میں شاہنشاہوں کے دربار موجود تھے اور وسیع انعام و اکرام کی امیدیں بھی وہیں وابستہ کی جا سکتی تھیں اس لیے بلند پایہ اور نامور شعرا بڑے دربار سے متوسل ہونا اپنے لیے باعثِ فخر سمجھتے تھے - یوں بھی کوئی بڑا شاعر چھوٹے درباروں میں زیادہ دیر تک ملازم نہیں رہا - سندھ کے اس دور میں بہت کم شعرا ہوئے ہیں جن کے کامل دیوان ہم تک پہنچے ہوں - تذکروں اور تاریخوں کی مدد سے ان کے کچھ اشعار جمع ہو سکے ہیں - چند شعرا کے نام یہ ہیں :

میر عبدالرزاق ، ابوالمکارم شہود ، رضی الدین فدائی ، حفظ اللہ خاں ، غروری کاشانی ، سلامی ، شہرتی ، سعید قریشی ملتانی ، غازی ترخان ، عصمت - ان میں سے سعید قریشی مرکزی دربار سے وابستہ رہے -

شاعری کے علاوہ باقی فارسی ادب نجی اور قومی ضرورتوں کے پیشِ نظر وجود میں آیا - فارسی چونکہ مدرسوں اور مکتبوں میں پڑھائی جاتی تھی اور اس زبان میں لکھنا پڑھنا اور درسی کتابوں کا سمجھنا سمجھانا بھی ضروری تھا اس لیے بیشتر ایسی کتابیں لکھی گئیں جن کی عملی طور پر ضرورت تھی - مثلاً حل الفاظ کے لیے فرہنگ رشیدی اور منتخب اللغات شاہجہانی -

انشاء اور نامہ نگاری کے لیے منشاتِ تمکین ، نگار نامہ اور انشاء ہرکرن -

درسی کتاب سمجھانے کے لیے مفتاح المخزن اور شرح مخزن ، شرح مثنوی از محمد رضا ملتانی (۱۰۸۴ھ) -

مذہب اور اخلاق و تصوف کے مسائل سمجھانے کے لیے مخزنِ دعوت اور رسالۂ مسعودی -

قومی تاریخ کے تحفظ یا اپنے علاقے کی عزیز و گرامی شخصیتوں کے احوال و کوائف زندہ رکھنے کا جذبہ بھی موجود تھا - چنانچہ گزشتہ سندھ کے شاہی یا

حکمران خاندانوں کی تاریخیں لکھی گئیں اور امرا و اولیا کے تذکرے بھی مرتب ہوئے مثلاً :

تواریخ : بیگلار نامہ ، ترخان نامہ ، تاریخ طاہری ، مظہر شاہجہانی -

تذکرے : ذخیرۃ الخوانین ، حدیقۃ الاولیاء ، تذکرۂ مشائخ سیوستان -

شاعر اپنی علاقائی اور عوامی داستانوں کو بھی نہیں بھولے اور انھوں نے ان کہانیوں کو فارسی نظم میں پیش کیا تاکہ غیر مقامی اشخاص بھی ان سے آشنا ہو سکیں - اس دور میں اس قسم کی دو مثنویاں ہمارے مطالعے میں آئی ہیں :

مثنوی چنیسر نامہ اور زیبا و نگار (سسی و پنوں) -

سندھ کے بعض ایسے صاحبِ تصنیف علما و مشائخ کے نام بھی ملتے ہیں جو اصلاً سندھی تھے ، اور بعض کے ناموں کے ساتھ سندھی لکھا بھی جاتا ہے - لیکن ان کے آبا و اجداد برہان پور میں منتقل ہو گئے اور ان میں بعض کی پیدائش بھی وہیں ہوئی - وہ چونکہ اسی جگہ دفن ہوئے اس لیے ہم نے ان کو مرکز سندھ سے وابستہ مصنفین میں ذکر نہیں کیا - محمد مطیع اللہ راشد نے ''برہان پور کے سندھی علماء'' کے عنوان سے کتاب بھی لکھی ہے جو سندھی ادبی بورڈ نے ۱۹۵۷ء میں شائع کی تھی - ہماری اس کتاب کے مخصوص دور میں مندرجہ ذیل علماء شامل ہو سکتے تھے :

شیخ سلیمان سیفی سندھی ، م - ۱۰۰۵ھ

شیخ عیسیٰ جنداللہ ۹۶۲ھ — ۱۰۳۱ھ

شیخ بابا فتح محمد ، م - ۱۰۸۴ھ

مُلا محب علی سندھی (شاعر) اور شیخ اسماعیل فرحی -

اب ہم تفصیل سے الگ الگ مصنفین کا ذکر کرتے ہیں -

☆ ☆ ☆

میرزا غازی خاں ترخان[1]

میرزا غازی بیگ، مرزا جانی بیگ حاکمِ سندھ کے بیٹے تھے - مؤخرالذکر نے برہان پور میں (۱۰۰۹ھ) میں وفات پائی - شہنشاہ اکبر کے حکم سے میرزا غازی کو باپ کی جگہ والیِ سندھ تسلیم کیا گیا - مآثر رحیمی کے بیان کے مطابق اس وقت مرزا غازی کی عمر صرف چار سال تھی لیکن یہ غلط ہے - اس وقت اس کی عمر تیرہ چودہ سال تھی - دو سال بعد مرزا غازی دربارِ اکبری میں پہنچے اور انھیں باپ کی طرح تمام مراعات حاصل ہوئیں -

عہدِ جہانگیری میں خراسان کے سرحدی امرا نے قندھار پر حملہ کر دیا - شاہ بیگ حاکمِ قندھار قلعہ بند ہوگیا - جہانگیر نے مرزا غازی خاں کو قندھار جاگیر میں دے کر دیگر امرا کے ہمراہ قندھار کی طرف روانہ کیا تاکہ حملہ آوروں کی روک تھام کرے - مرزا نے کمال شجاعت کا ثبوت دیا اور ایرانیوں کو قندھار سے باہر نکال دیا - اس کامیابی کے بعد وہ واپس دربار جہانگیری میں آئے - ۱۰۱۷ھ میں انھیں پھر قندھار بھیجا گیا اور ٹھٹہ، قندھار، ملتان اور سہون[2] کے کچھ علاقے ان کی جاگیر میں دے دیے گئے - مرزا غازی خاں نے وہاں بڑی کامیاب حکومت کی - ہر ایک سے فیاضانہ سلوک کیا اور رعایا و سپاہ کو خوشحال رکھا - وہ ابھی پچیس سالہ جوان تھے کہ مرضِ قولنج سے جاں بحق ہوگئے - بعضوں کا

۱- 'مرزا غازی بیگ اور ان کی بزمِ ادب'، حسام الدین راشدی، کراچی ۱۹۷۰ھ - مآثر رحیمی، عبدالباقی نہاوندی، کلکتہ ۱۹۳۵ع، ج ۳، ص ۳۵۰-۳۵۷ - تذکرۂ میخانہ عبدالنبی، مرتبہ احمد گلچین معانی، ص ۲۹۸-۲۹۹ - توزک جہانگیری، ص ۱۰ - مقالات الشعراء، ص ۸۲۸ - ۸۳۷ - مآثر الامراء، ج ۳، ص ۳۴۶ - تحفۃ الکرام، قانع، ج ۳، ص ۷۸-۸۷ - ذخیرۃ الخوانین، شیخ فرید بھکری، کراچی، ۱۹۷۰ع، ص ۱۸-۳۱ - مجلہ' تاریخ و سیاست'، مئی، اگست ۱۹۵۴ع، مقالہ 'مرزا غازی خاں ترخان' از سید حسام الدین راشدی - روزِ روشن، صبا، بھوپال، ص ۱۸۹ -

۲- یہ لفظ تاریخ میں سہوان، سہیوان اور سیوھن کی شکل میں بھی استعمال ہوا ہے -

کہنا ہے کہ انھیں زہر دیا گیا ۔ مقالات الشعرا میں مذکور ہے کہ خسرو خاں کے بیٹے بھائی خاں نے نمک حرامی کی اور خانہ زاد غلام عبداللطیف کے ہاتھوں زہر دلوا دیا یا گلا گھونٹ کر مروا دیا ۔ میر محمد طاہر نسیانی نے تعمیہ سے تاریخ نکالی : ع

بر کشیدند کینہ و دادند زہر قاتلش

قاضی محمود نے ''کشتہٗ زہر جفا'' سے تاریخِ وفات نکالی یعنی ۱۰۲۱ھ ۔ لیکن شیخ فرید بھکری مؤلف 'ذخیرۃ الخوانین' نے بھائی خاں سے اپنی ملاقات کا ذکر کر کے بتایا ہے کہ اس نے قرآن اٹھا کر کہا کہ مرزا غازی کی موت میں اس کا ہاتھ نہیں تھا ۔ مرزا افراطِ شراب نوشی کی وجہ سے اپنی موت خود مرا ۔

مرزا غازی بڑی خوبیوں کے آدمی تھے ۔ علمِ ادوار اور موسیقی میں انھیں کمال مہارت تھی ۔ چنانچہ کہتے ہیں کہ انھوں نے دائرہ سے اصول ضرب الفتح اور مأتین ایجاد کیا ۔ طنبور بجانے میں بھی انھیں کمال حاصل تھا ۔ علم نجوم و ریاضی میں بھی کافی درک تھا ۔ وہ فنونِ سپہ گری میں بےمثال تھے ۔ اول درجے کے شمشیر زن تھے ۔ چوگان بازی اور قبق اندازی میں اہلِ خراسان و عراق سے بھی سبقت لے گئے تھے ۔ حکومت کے نظم و نسق میں بھی وہ ممتاز تھے ۔ جود و سخا میں بھی عالی ظرف تھے ۔ سب سے بڑا عیب افراطِ شراب نوشی و تفریطِ شہوت تھا اور یہی عیوب جاں لیوا ثابت ہوئے ۔

وہ خود فنونِ لطیفہ کے ماہر تھے اور ساتھ ہی علم و فن کے مربیّ بھی تھے ۔ سید حسام الدین راشدی نے ان کے وابستگانِ دربار کے احوال و کوائف جمع کیے ہیں ۔ ان میں علما ، ادبا اور شعرا شامل ہیں ۔ شعرا میں 'ملا'' احسن گیلانی ، عمادالدین محمود اسد آبادی ، بزمی کوز ، عطاء اللہ کشمیری رضوی ، سروری یزدی ، میر سنجر کاشی ، طالب آملی ، محوی اردبیلی ، مرشد بروجردی ، اسد قصہ خوان ، محمد طاہر نسیانی ، میر نعمت اللہ وصلی شیرازی شامل ہیں ۔ مرزا نے شانی تکلو اور 'ملا'' فصیحی انصاری کو زر و انعام بھیج کر ایران سے اپنے پاس بلایا تھا ۔ اگرچہ وہ نہ آئے لیکن غائبانہ اس کے مداح بن گئے ۔

میرزا غازی خاں نے شعر کا بھی بڑا اچھا ذوق پایا تھا ۔ وقاری تخلص کرتے تھے ۔ باپ کا تخلص حلیمی تھا ۔ اسی مناسبت سے انھوں نے اپنے لیے وقاری تخلص پسند کیا ۔ ٹھٹہ کا ایک شاعر خلدی بھی یہی تخلص کرتا تھا ۔ اسے

ایک ہزار روپیہ دے کر تخلص خرید لیا۔ انھوں نے دیوان مرتب کیا تھا جس میں پانچ ہزار اشعار موجود تھے۔ تذکرۂ میخانہ میں ان کا ساقی نامہ بھی مندرج ہے۔ مندرجہ ذیل منتخب اشعار ان کی یادگار رہ گئے ہیں:

گریہ ام گر سببِ خندۂ او شد چہ عجب
ابر چندانکہ بگرید لب گلشن خندد

مرا دلیست چو سیماب، اضطراب زدہ
ز خون و آبلہ چو بادۂ حباب زدہ

چشمم بدامن مژہ چندان گہر فشاند
کز چیدنش زکار دو دست زمانہ ماند
آوارگان کوی ترا تا نظارہ کرد
بلبل ز فکر ساختن آشیانہ ماند

پاک دامان ترم از مردمک دیدہ ولی
غوطہ در خونِ جگر خوردم و رسوا گشتم

بزمِ عشق است وقاری بادب باید بود
کہ دران جز بلب زلف تکلم کفر ست

طالب نے اس شعر کے جواب میں لکھا تھا:

مو بمو قفل دہان باش کہ در مذہب عشق
با بتان جز بلب زخم تکلم کفر ست

(مقالات الشعرا)

بیگانہ ز دہر و بندۂ خوی خودم
کس را نشناسم آشنای روی خودم

از بسکه ضعیف گشته از هجر تنم
چو چشم مقیم کج ابروی خودم
(مائر رحیمی)

در عهد تو ما را همه با غیر خطابست
سر پنجهٔ مژگان و گریبان عتابست

در بزم گهِ حیرت تو بی‌خبران را
کیفیتِ دیدار تو از جنسِ شرابست

آهم ز غمِ موی تو هم نافهٔ مشکست
اشکم ز گل روی تو هم طبع گلابست

از دیدن گل دیده اگر تیره نگشتی
آئینه چرا پیش تو با چشم پر آبست

از روز ازل نغمه پرستیم وقاری
دیوانگی ما گل مضراب ربابست

چندانکه سرِ زلف تو آشفته تر افتد
اندیشه ز اندیشهٔ آن در حذر افتد

بازارِ سحر بسکه ز رخسارِ تو گرمست
ترسم ز جهان سلسلهٔ شام بر افتد

بر من دو جهان بی رخ تو حلقهٔ میمست
جانی که ندارم ز فراقت بدو نیمست

رشک آیدم از گوشه نشینان غم عشق
تا اشک که در زاویهٔ دیده مقیمست

ز جام درد میِ خوشگوار تر نزدم
ز باغ جز گل آشفتگی بسر نزدم

گلی نچیدم در باغ ، کز فراقِ رخت
هزار دشنهٔ الماس بر جگر نزدم
بشاد بی نشدم آشنا که در ساعت
کلاه گوشهٔ غم را ز آه بر نزدم

رباعی

عشاق چو طرح سور می اندازند
خود را در صد فتور می‌اندازند
گر غنچهٔ دلی شگفته گردد بی دوست
همچو گل شمع دور می اندازند

تا مرا غنچهٔ غم از دلِ دیوانه دمد
سنبلت را گل آشفتگی از شانه دمد
اگر از شعشعهٔ مهر جمالت سوزد
گلِ خورشید ز خاکستر پروانه دمد
بشبستان الم در نظر میخواران
باده صبحیست که از مشرق پیمانه دمد
(عرفات العاشقین ، ماخوذ از حواشی تذکرهٔ میخانه)

کجاست یک دو سه همدم که همچو موسیقار
نشسته پهلوی هم بر کشیم آوازی

شاخِ جنون ز عشقِ توام سبز شد هنوز
این ابتداست گل به ازین خواهدم شگفت

آبِ حیوان چشمهٔ نوشِ شما　　دُر خوبی در بنا گوشِ شما

آیتِ خوبی مگر نازل شدہ در بیانِ لعلِ خاموش شما
(مقالات الشعراء)

☆ ☆ ☆

امیر ابو القاسم سلطان[1]

وہ شاہ قاسم خانِ زماں کا بیٹا تھا جو اکبری عہد کا عالی رتبہ امیر تھا - ترخان خاندان کے ساتھ ان کی رشتہ داری تھی - سرکار نصر پور ان کی جاگیر چلی آ رہی تھی -

امیر ابوالقاسم باپ کی طرح بہادر تھا - لیکن ساتھ ہی نخوت و پندار بھی رکھتا تھا - اس نے میرزا غازی بیگ ترخان کے خلاف بغاوت کی اور اس کی حکومت کا تختہ اُلٹنا چاہا - اس کے باپ نے ترخان خاندان کے ساتھ دیرینہ روابط کی وجہ سے قرآن پر قسم اٹھوا کر دونوں کے درمیان صلح کرا دی - لیکن میرزا غازی اس کی طرف سے بے خطر نہیں تھا اس لیے اس نے موقع پا کر اسے گرفتار کیا اور اس کی آنکھوں میں سلائی پھروا کر اندھا کر دیا - آخر وہ ۱۰۳۶ھ میں وفات پا گیا -

ادراکی نے اپنی مثنوی 'چنیسر نامہ' امیر ابوالقاسم سلطان کے نام منسوب کی تھی - وہ اپنی تاریخ 'بیگلار نامہ' میں ابوالقاسم کے متعلق لکھتا ہے :

''در فضیلت شعر شناسی و شعر گوئی و نکتہ دانی و سخنوری فہمِ عالی دارد - در دقایق نکات شعری موشگافی می نماید . . . بسیاری از اشعار دلپذیر بدستیاری طبع نقاد و خاطر وقاد در سلک نظم کشیدہ است و در قصاید و غزلیات خیالاتِ بلند و تشبیہاتِ ارجمند ایراد نمودہ -''

علی شیر قانع نے 'تحفۃ الکرام' میں اس کی شعر گوئی اور شعر فہمی کی تعریف

۱- ''میرزا غازی بیگ ترخان اور اس کی بزمِ ادب'' ، حسام الدین راشدی ، کراچی ، ۱۹۷۰ع ، ص ۳۵۷ - ۳۶۰ -

کی ہے اور مقالات الشعرا میں لکھا ہے کہ وہ :

''خوش منش ، شیرین زبان و نکتہ دان بود - باوجود کمال بہادری و مردانگی کہ ضرب المثل است در فنون کمال یگانہ بود - در دقایق شعر فہمی و شعر گوئی عدیلی نداشت -''[۱]

وہ بیگر تخلص کرتا تھا - مقالات الشعرا میں اس کے مندرجہ ذیل اشعار محفوظ رہ گئے ہیں :

هم نشین هم زبان. چہ خوش باشد
نازنین ، نکتہ دان ، چہ خوش باشد
گل رخم ، غنچہ سان بخندۂ خوش
گر گشاید دهان ، چہ خوش باشد
بیگر ، اندرین زمانۂ سخت
دلبری نکتہ دان ، چہ خوش باشد

تا خدنگ تو تیز تر گشتہ
سینۂ عاشقان سپر گشتہ
از برای دو لعل میگونش
قطرۂ ما دُر و دُرر گشتہ
این نہ سیّارہ بر فلک پیداست
از تفِ آہِ من شرر گشتہ
بی لبِ لعلِ یار سیمین تن
اشک ما سرخ ، چهرہ زر گشتہ
بیگر بہرِ شمعِ رخسارش
همچو پروانہ گردِ سر گشتہ

اس نے خواجہ سلمان ساوجی کے تتبّع میں دو رباعیاں لکھی تھیں :

ای آهوی چین ، نافہ بر آوردۂ تست
وای مشک ختن ، غالیہ پروردۂ تست

۱- مقالات الشعرا ، ص ۱۱۶ - ۱۱۸ -

ای خاکِ زمین ، سبزہ آوردۂ تست
ای بادِ صبا ، این ہمہ آوردۂ تست
ای ابرِ فلک ، قطرہ آوردۂ تست
در بطن صدف ، گوہر پروردۂ تست
در دامن گل ، بوی برآوردۂ تست
ای باد صبا ، این ہمہ آوردۂ تست

'ذخیرۃ الخوانین' میں اس کے قصیدے کے چند اشعار منقول ہیں جو اس نے اپنی گرفتاری کے بعد کہا تھا[1] :

نیک بختا ! با کسی از بہر دنیا بد مباش
چون ز مہر بیوفا ، ہرگز وفا را کس ندید
دل منہ بر طرفِ دنیا ہرگز ای پیر کہن
کین زنی مکارہ دارد میل بر مردِ جدید
از بنفشہ یاسمن گشتہ بنوبت کن نگاہ
ظلمتِ شب آخر آمد ، صبح صادق بر دمید
قامتی گویم چو سروی داشتی ای نوجوان
این زمان از ضعف پیری جانبِ پستی خمید

میرزا غازی نے ابوالقاسم سلطان کو اندھا کروا کر قید میں ڈلوا دیا تو اس نے اپنے باپ کو مخاطب کر کے ذیل کے اشعار لکھے جو ذخیرۃ الخوانین میں درج ہیں[2] :

آخر الامر چون پدر بودی
دادم از دست بر کفِ تو عنان
نظری کن ز روی کردۂ خویش
حذری کن ز سوگند قرآن

۱- ''میرزا غازی بیگ ترخان اور اس کی بزم ادب'' ، حسام الدین راشدی ، کراچی ، ۱۹۷۰ع ، ص ۴۵۹ -
۲- مقالات الشعراء ، علی شیر قانع ، کراچی ، ص ۴۱۶ - ۴۲۷ - بادشاہ نامہ ، عبدالحمید ، کلکتہ ، ج ۱ ، ص ۴۲۴ -

دُرِ یکدانہ را زدی بحجر
کہ بدہ زینت عروس جہان

کس نداده ز روی صرّافی
گوهری را بدستِ شیشہ گران

یا الٰہی ، بحقِ آلِ رسولؐ
باد پاینده شاه قاسم خاں

☆ ☆ ☆

میر عبدالرزاق[1]

عبدالرزاق ، میر ابوالبقا امیر خاں کے بیٹے تھے - شاہجہان کے عہدِ حکومت میں ہشت صدی و دو صد سوار کا منصب رکھتے تھے - وہ علوم عقلی و نقلی میں ماہر تھے - زبان پر وہ قدرت تھی کہ باید و شاید - قوتِ حافظہ بھی بلا کی تھی - ان کی زبان میں لکنت تھی - بولتے ہوئے یا کسی مسئلے پر گفتگو کرتے وقت اگر بعض حروف کی ادائگی میں رکاوٹ آتی تو وہ ان کے بجائے ان کے مترادف الفاظ استعمال کر جاتے اور سننے والے کو ان کی لکنت کا احساس تک نہ ہوتا -

'پادشاہ نامہ' کے ایک بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ انھوں نے ۲۴ شوال ۱۰۴۱ھ کو اپنے والد امیر خاں صوبے دار ٹھٹہ کی طرف سے کچھ تحائف بادشاہ کی خدمت میں پیش کیے -

میر عبدالرزاق ۱۰۶۲ھ میں وفات پا گئے -

'مقالات الشعرا' کے مصنف نے اُن کو شعرا کے زمرے میں شمار کیا ہے اور ان کے مندرجہ ذیل اشعار نقل کیے ہیں - ان اشعار سے ظاہر ہوتا ہے کہ ان میں

۱- تحفۃ الکرام ، علی شیر قانع ، ج ۳ ، ص ۱۱۹ - مقالات الشعرا ، علی شیر قانع ، کراچی ، ص ۳۴۹ - ۳۵۰ -

شاعرانہ اُپج موجود تھی:

می فروزد جان ما چون دست سوی می برد
می فزاید حالِ ما چوں لب بسوی نی برد
مخفیم در جوہر معنی چو معنی در سخن
دیدنِ من ہر کہ خواہد گو بمعنی پی برد
دردمندم قطرۂ خوی خواہم از زلف کجت
خواہشِ مبروص باشد تا ز افعی ق برد

☆ ☆ ☆

ابوالمکارم شہود[1]

ابوالمکارم ، میر ابوالقاسم النمکین مؤلفِ منشاتِ نمکین کے فرزند تھے - علومِ ظاہری میں خوب درک تھا - ان کے پاس علوم پر پانچ سو کتابیں موجود تھیں جو انہیں زبانی یاد تھیں - اگرچہ دولت و امارت کی فراوانی تھی لیکن وہ سادہ اور فقیرانہ زندگی گزارتے تھے - اپنی ضروریات کی چیزیں خود بازار میں خریدنے جاتے اور گھر کے کام بھی خود ہی انجام دیتے - ایک مرتبہ والد نے عتاب بھی کیا - جواب دیا کہ کوئی سنتِ نبوی سے کیسے انحراف کر سکتا ہے اور اسے عار سمجھ سکتا ہے - 'مقالات الشعرا' کے مصنف لکھتے ہیں کہ وہ صاحبِ کشف و کرامات بھی تھے - ۱۰۷۳ھ میں سوستان میں وفات پا گئے اور حضرتِ لعل شہباز کے پڑوس میں دفن ہوئے - وقتِ رحلت تاریخ وفات خود کہی :

کسی گر بپرسد ز تاریخِ ما   ہمیں گو "بجنت خداداد جا"

۱- تذکرۂ امیر خانی ، مرتبہ سید حسام الدین راشدی ، حیدر آباد ، ۱۹۶۱ھ ، ص ۱۸۷ - ۱۹۳ -

تصانیف :

۱۔ دیوان۔
۲۔ مثنوی پریخانۂ سلیمان۔
۳۔ بدیع الجمال و سیف الملوک ناتمام۔

دیوان ابھی تک دستیاب نہیں ہوا البتہ 'مقالات الشعرا' میں ان کے کچھ اشعار مندرج ہیں۔ سید حسام الدین راشدی نے بھی بعض دیگر ماخذ سے ان کے اشعار جمع کیے ہیں :[1]

مقالات الشعرا :

در وصفِ انبہ (مثنوی پریخانہ سلیمان سے منتخب)

ز وصفِ انبہ چون گویم کہ چون است
کہ از رشکِ شرابش شہد خون است
ز نامِ او چو گیرم لذتِ قند
زبان با کام و لب با لب شود بند
بسختی ہمچو لعل استا شکر بار
بنرمی چون طلای دست افشار
بطفلی چون دلِ معشوق سنگ است
بپیری چون رخِ من زرد رنگ است
ز شیرین کاریش چون خل عسل شد
زمرّد باز در یاقوت حل شد
شرابش بہتر از شیر و شکر ہست
گہی ہمرنگ سیم و گاہ زر ہست
بصورت مردم و جایش براشجار
کلیمِ آرزو را شعلۂ نار

ما آئینۂ جہان نمای یاریم
رختِ دگریم و زیبِ این بازاریم
چون سنگ ترازوئیم در پلۂ خویش
بیکار نشستہ ایم و ہم در کاریم

هرچند غبار را عروج سطع است
آخر چو نگه کنی تهِ پا نطع است
جمعیت دنیا ست پریشانی را
چون دوختنِ جامه که بهر قطع است

ابنای زمانه یکسر از بنده و حُر
باشند ز مالِ یک دگر مایده خور
چون شیشهٔ ساعتند در دستِ فلک
تا این نشود تهی نگردد آن پُر

در حیرتم که گوشه نشینانِ زیرِ خاک
دور از رخِ تو چون مژه برهم نهاده اند

ترا در دست آئینه مرا در سینه آئینه
بیا تا روبرو سازیم آئینه به آئینه
کرا امشب بخورشید رخش معراج خواهد شد
که دارد نردبانِ زلف در هر زینه آئینه

رباعی در تتبّع مولانا لطف الله نیشاپوری که هر مصرع مشتمل بر پنج چیز اعنی نام گلی و زمانه و سلاح و جواهر و عنصر است :

رباعی

گل داد پری درع فیروزه بباد
دی جوشن لعل لاله بر خاک فتاد
داد آب سمن خنجر مینا امروز
یاقوت سنان آتش نیلوفر داد

چنین فرمود :

گل داد پری قبای یاقوت بنار
دی باده بدرع لاله شد لعل نگار

امروز در آب در کلہ زد نسرین
فردا سازد سمن ز خاک فیروزہ ازار

تذکرۂ امیرخانی (ص، ۱۹۱) :

متفرق کلام (بیاضوں سے ماخوذ)

مست نوش لعل او کی دست سوی می برد
نغمہ ساز عشق او کی دست سوی نی برد

تبسّم در لبش چون خندۂ گل
فسون در نرگسش چون نشہ در مُل
چسان پنہان کنم رازِ خرابات
اشارت میکند مینا کہ قُل قُل
حجاب روی او ہم روی او شد
نقابِ غنچہ عینِ چہرۂ گل
ز کفر اسلام را گرم است بازار
کہ زینت نیست او را غیر کاکل
شہود از بس کہ در بستان غزل خواند
بہ بستان نام او خواند ز بلبل

عرق فشاند رخت بر زمین گلاب انداخت
غلط غلط کہ بہر قطرہ آفتاب انداخت

جمعیت دنیا ست پریشانی را (ص، ۱۹۲)
چون بافتنِ جامہ کہ بہر قطع است

باز امشب گرمی عشقست مطلوبِ مرا
تا نظر بر کیست یا رب چشمِ محبوب مرا

من اگر نیکم و گر بد نیستم نومید زو
با بدان هم هست چشمِ نیکوئی خوب مرا
تا نگردد گرمِ آغوش اضطرابی دل بجا ست
بوی پیراهن نداده سود یعقوب مرا
گر نقاب افگند از رو چشم در نظاره دار
هست در هر پرده کشفی تازه محبوب مرا
کی کشد بالِ کبوتر بار این نامہ شهود
بالِ عنقا بشکنند بندی چو مکتوبِ مرا

رباعی

روی تو چو مصحف است مشهود غلط (ص ، ۳۰۶)
بس کلک قضا نوشتہ از مشک غلط
چشم و دهنت آیہ و وقف ، ابرو مد
مژگان اعراب و خال و خط حرف و نقط

باز در جلوه درآمد بمن سرو قدی
دلبری ، ماه رخی ، تازه گلی ، سرسبدی
نسخہ از قامت و چشم و رخ و زلف تو گرفت
باغبان بہرِ چمن داشتہ عالی سندی
کوتہی کرد شبِ وصل تو ، هیهات مگر
خواهم از زلفِ سیاهت بہ درازی مددی
عشقم انداز جنون کرد بپا سلسلہ نیست
ای سرِ زلف خدا را مددی کن مددی

تا مرا عشقِ بلند اقبال در زنجیر داشت
پیچ و تاب من شکوہِ جوهر شمشیر داشت

یادِ ایّامی کہ از بیتابیِ مجنونِ ما
حلقۂ چشم غزالان ، نالۂ زنجیر داشت
حق اگر بندد دری ، دہ در کشاید در عوض
طفلِ بی مادر ز ہر انگشت جوی‌شیر داشت

عرق فشاند رخت ، بر زمین گلاب انداخت ، زمین معطر شد
غلط غلط کہ بہر قطرہ آفتاب انداخت ، جہان منور شد
ز لوح سینۂ ما بجر میتوان دیدن چو شمع در فانوس
مگر کہ عیش تو خورشید در شراب انداخت کہ ساغرم زر شد
مگر میِ دلِ عشاق نسبتی دارد با طلوع این بادہ ؟
مگر بہ ساغرِ ما ساقی آفتاب انداخت کہ جام کوثر شد
فروغ روی تو خورشید را بخاک انداخت چو گوی در میدان
سواد خط تو شیرازہ از کتاب افگند کہ جملہ ابتر شد
چو اوستاد ازل خواست انتخاب کند ، جمالِ خوبان را
ز حال او بجہان طرح انتخاب انداخت ، بروی دلبر شد

پریخانۂ سلیمان :

سید حسام الدین راشدی نے 'تذکرۂ امیر خانی' کے تعلیقات میں مثنوی پری خانۂ سلیمان کا تعارف کرایا ہے - انھیں جو مخطوطہ ملا ہے وہ شروع سے ناقص ہے - قیاساً مناجات و نعت و منقبت کے اشعار مفقود ہیں - نام و سالِ تالیف بتانے کے بعد شاہ جہان اور شاہزادوں کی مدح میں اشعار لکھے ہیں - بادشاہ کی مؤسسہ عمارات و باغات کی تعریف کی ہے - پھر خواب کا ذکر کیا ہے جس کی بنا پر انھوں نے بلقیس و سلیمان کا قصہ نظم کرنے کا ارادہ کیا - قصہ بیان کرتے ہوئے بلقیس کے شہر سبا ، اس کے حسن و جمال ، سلیمان کے محلات و فروش و حمام کی کیفیت بیان کی ہے - پھر بلقیس و سلیمان کی عقد بندی ، شبِ زفاف ، غسلِ بلقیس اور آرائشِ جمال بیان کرنے کے بعد دونوں کو پہلو بہ پہلو تخت پر جلوہ آرا کیا ہے -

بلقیس کے حسن و جمال کی تفصیل میں خوب خوب رنگ بھرا ہے - محبوب کے اعضا میں باہمی تقابل و رقابت دکھانے کے لیے مناظرے لکھے ہیں - مثلاً مناظرۂ قامت و گیسو ، جبین و رخسار ، خال و ابرو ، چشم و مژگان ، لب و بینی ، دہان و میان ، زنخدان و غبغب وغیرہ - شعری ادب کی تاریخ میں یہ اپنی نوعیت کی منفرد طبع آزمائی ہے -

مثنوی ۱۰۶۰ھ میں لکھی گئی ، مصنف نے خود تاریخ تصنیف کہی ہے :

پری خواندم ز بس نزد سلیمان — سزد نامش 'پری خوان سلیمان'
۱۰۶۰ھ

اس مثنوی کی تعریف میں انھوں نے خود لکھا ہے :

سخن از سینہ ام فوّارہ جوشد — بشعرم آسمان تحسین فروشد
نگارین مثنوی گفتم سراسر — ز احوال سلیمانِ پیمبر
درو ہر بیت شمعِ جاودانی — ہمہ آزادہ سرو بوستانی

پوری مثنوی پڑھے بغیر اس کی ادبی حیثیت کے متعلق رائے دینا مشکل ہے تاہم منتخب اشعار کے مطالعے سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ مصنف کے کلام میں توانائی ہے اور فکر و بصیرت کا جا بجا اظہار ملتا ہے - آم کی تعریف میں ہم ان کے اشعار نقل کر آئے ہیں جن سے ان کی قوتِ تخیّل اور قوتِ مشاہدہ پر روشنی پڑتی ہے - محبت کے متعلق ان کے یہ چند اشعار ان کی گہری نظر کا سراغ دیتے ہیں :

محبت گرچہ اول دردناک است — ولی آخر رفوی سینہ چاک است
محبت گرچہ اول ناگوار است — ولی آخر دوای دردِ یار است
محبت گرچہ اول تلخ باشد — مہِ عاشق ازو در سلخ باشد
ولی آخر چو گردد کامل البدر — شود در رتبۂ خود صاحب القدر
رخِ محبوب را آئینہ گردد — حضور افزای بزمِ سینہ گردد

☆ ☆ ☆

میر رضی الدین فدائی' یا فدا

میر رضی الدین ، میر ابوالمکارم شہود امیر خانی کے بیٹے تھے - مقالات الشعرا میں ان کے متعلق لکھا ہے کہ وہ اچھے صفات کے مالک تھے - سخنوری میں انہیں کمال حاصل تھا - دیوان بھی مرتب کیا تھا - وہ ۱۱۲۰ھ میں وفات پاگئے - قانع نے تاریخ لکھی ہے[۱] :

بسکہ بفوتش ہمہ گفتند ھی   'ھی رضی الدین' بود سال وی

۱۱۲۰ھ

مقالات الشعرا میں ان کے ایک مرصع قصیدے کا صرف ایک شعر نقل کیا گیا ہے :

عدوی خاندان او بشمع کشتہ می ماند
بسر خاک و بپا بند و برو اشک و بدل اخگر

سید حسام الدین راشدی نے دوسری قلمی بیاضوں سے مندرجہ ذیل اشعار تلاش کیے ہیں[۲] :

کہ ہست این قطرہ خون چون غنچہ محروم از چکیدنہا
نگہ سرشار گردد خیرہ در چشمم رمیدنہا
مگر گفتی صبا حرفی بگلشن از دھان او
ز حیرت خون بر آید غنچہ را از لب گزیدنہا
ز استادانہ وحشتہای چشم یار می بینم
بپای آھوی تصویر آموزد رمیدنہا
فدا از قحط سال آبروھا پر عجب نبود
کہ آید ماھی تصویر در دام طپیدنہا

جہان گردید مجنون تاب روی بی نقابش را
سرشک دیدۂ لیلیٰ ست شبنم آفتابش را

۱- تحفۃ الکرام ، علی شیر قانع ، ج ۳ ، ص ۲۰۸ -
۲- تذکرۂ امیر خانی ، مرتبہ سید حسام الدین راشدی ، حیدرآباد ، ۱۹۶۱ع ، ص ۲۱۹ - ۲۲۲ -

زبانِ خامه شق گردد بروی صفحه از حیرت
ز خط چون منتخب تفسیر بنویسد کتابش را
سرم پروانه جوهر باد در بزمِ شهیدانش
که می بینم زبانِ شعله شمشیر عتابش را
ز شوخیهای در آغوش دارد و هر لحظه می بوسد
که محرم کرد یا رب این چنین در پا رکابش را
فدا از شعر ناصر ، مصرع برجسته می خوانم
ندارد حیرتِ دل تاب حسن بی حجابش را
(ناصر علی سرہندی)

در اضطراب است دلِ دردمندِ ما
چون داغِ لاله ماند بر آتش سپند ما
گفتم بدام حلقهٔ زلف تو چشم چیست
گفتا که آهوی ست شکار کمند ما

همان خونی که بلبل داشت در دل از بهار او
همه از رنگ گل در رشک رخسارش چکید اینجا
فدا در شعر گفتنها مدد خواه از علی ناصر
درِ فیض است منشین از کشائش ناامید اینجا
(ناصر علی سرہندی)

شست و شو از رشک دادم دیدهٔ ادراک را
تا نگاه پاک افتد آن جمالِ پاک را
ای صبا خاکِ رهِ آن نورِ چشم ما بیار
تا شود کحل الجواهر دیدهٔ نمناک را

☆ ☆ ☆

دیگر شعرا

میر غروری کاشانی[1] ثم ٹھٹوی

کاشان کے سیّد تھے - خضرای نہاوندی کے ایام حکومت میں شیراز گئے - دارابجرد فارس میں محمد قلی خان پرناک کی ملازمت میں رہے اور مولانا مرشد بروجردی سے صحبت رہی - جب قسمت نے یاوری کی تو عبدالرحیم خانخاناں کی ملازمت کے لیے سر زمین پاک و ہند میں چلے آئے اور ان کی مدح میں قصاید لکھے - 'مآثر رحیمی' میں لکھا ہے کہ ''وہ بڑے عالی ہمت ، خوددار اور خود رائے ہیں - انھیں صوفیہ کی صحبت مرغوب ہے - حیدر آباد (گلکندہ) میں رہتے ہیں -''

'تحفۃ الکرام' میں مذکور ہے کہ میر غروری ، مرزا باقی خان ترخان کے عہد میں ٹھٹہ میں آ کر مقیم ہو گئے - جہانگیر کے عہد میں ضرابخانہ کے داروغہ مقرر ہوئے - عہد شاہجہان میں ان کی وفات کے بعد ان کے بیٹے محمد منعم حسین منصب مذکور پر فائز ہوئے - یہ بھی شاعر تھے اور حسینی تخلص کرتے تھے - مقالات الشعرا میں ان کے تین اور بیٹوں ، میر کامران ، میر جنگلی اور میر محمد اشرف کا ذکر ہے -

میر غروری دو تخلص کرتے تھے یعنی برہان اور غروری ، جیسا کہ ان دو شعروں سے ظاہر ہے :

گردید دعا خاتمۂ مدح غروری
زیرا کہ دعا سنّت اطوار فقیر است

برہان در اشتیاق زمین بوس درگہت
داغی کہ تازہ سوختہ بر وی گواہ کرد

عبدالباقی نہاوندی نے میر غروری کے متعلق لکھا ہے کہ وہ نادرہ گوئی اور ابداع معانی میں بے نظیر ہیں - خانخاناں کی مدح میں انھوں نے بہت سے قصاید

۱- مآثر رحیمی ، عبدالباقی نہاوندی ، کلکتہ ، ج ۳ ، ص ۱۱۳۳-۱۱۶۸ - تحفۃ الکرام ، علی شیر قانع ، ج ۳ ، ص ۱۰۳ - مقالات الشعرا ، علی شیر قانع ، مرتبہ حسام الدین راشدی ، ص ۴۶۶ -

لکھے ہیں ۔ مآثر رحیمی میں منقولہ قصاید کے مطلعے یہ ہیں :

۱- تا مطلع رخسار توام شمع ضمیر است
چون آئنہ سر تا قدمم عکس پذیر است

۲- آن کز نگاہ خانۂ مردم سیاہ کرد
بر ما بقدر حوصلۂ ما نگاہ کرد

۳- بانتظار دو عالم رقم چو زد تقدیر
سپاہ خیل ملک گشت و خانخانان میر

۴- نشان کعبہ اگر یابم از دلیل مجاز
رہش چو مرغ نظر طی کنم بیک پرواز

'مآثر رحیمی' میں ہی ان کا ساقی نامہ منقول ہے اور غزل کا یہ شعر بھی مندرج ہے :

خورشید رخسارت ز خط گل در گلستان خوش نکرد
تا حسن را زیور نشد چون ماہ نقصان خوش نکرد

مقالات الشعرا میں ان کے مندرجہ ذیل اشعار محفوظ ہیں :

نازک نہال من کہ خوشم با خیال او
قامت کشیدنست گران بر نہال او

چو افروزد رخ از می بر نخیزد از گرانباری
ز بس در دامنش بال و پر پروانہ میریزد

ہرگز بجدل چہرہ نیفروختہ ایم
خصمی بطریق دگر آموختہ ایم
آموختہ ایم شیوۂ کینہ ز شمع
با ہرکہ نشستہ ایم خود سوختہ ایم

از بخت چسان شکوہ توان کرد غروری
بیطالعی اہلِ ہنر رسمِ قدیم است

رسمِ طلبِ او نہ حقیقت نہ مجاز است
ہشدار کہ این زمزمہ افشاگرِ راز است
در کنہِ کمالِ تو رسیدن کہ تواند
در بزمِ ہما صعوہ کجا محرم راز است
خورشید شود ذرہ ز فیضِ نظرِ او
محمود ہرکس کہ نظر کرد ایاز است
تا چند توان سوختن از آتشِ بیداد
از داغ سراپای تنم سینۂ باز است
چرخ از سخنانم بسماع آمدہ گوئی
شیرازۂ این نسخہ ز ابریشم ساز است
احوال پریشانی دل با کہ توان گفت
سوگند بزلفِ تو کہ این قصہ دراز است
دریوزۂ ہر در نتوان کرد غروری
خواہش بدری بر کہ بروی ہمہ باز است

ساقی نامہ سے دو شعر :

مرا داغ ہا در دلِ پرگرہ — ہم آغوش چون حلقہای زرہ
چو عکسی کہ درآب دارد نشست — بہر جنبشی می خورم صد شکست

در ہجو نوکر خویش :

چاکر بندہ آنکہ بندہ زبیم — خدمتش بہتر از غلام کنم
تا مگر از خودش خجل سازم — تا رسیدہ باو سلام کنم
لقمہ ای گر بہ پیش می آرند — ہمچو راحت بخود حرام کنم
تاکی از بیکسی و دربدری — روزۂ شب غذای شام کنم
نوکرم را اگر شوم نوکر — خود بفرما چہ با غلام کنم

تذکرۂ نصر آبادی میں ذیل کے اشعار منقول ہیں : (ص ۲۹۱)

بسایۂ پر و بالش باضطراب روم
چو مرغِ نامہ بری رو بآن دیار کند

در عہد جمال تو نگیرند ز گل آب　　عکس تو بہر آب کہ افتاد گلابست

دور از تو چون پیران قدمی میکشم از ضعف
و انجا کہ توئی طفلم و رفتار ندارم

☆ ☆ ☆

داؤد بدینی ، حافظ[1]

قانع نے اسے مُلای متبرک لکھا ہے اور ۱۰۲۰ھ اس کا سالِ وفات بتایا ہے جو اِس مصرع سے نکلتا ہے : ''داؤدِ بدین رفت بفردوس ابد''۔ اس کا یہ شعر نقل کیا ہے :

دیدہ اندر راہِ وصلش بسکہ باشد منتظر
گر غباری خیزد از روی زمین دانم کہ اوست

☆ ☆ ☆

ذہنی ، محمد روشن ٹھٹوی[2]

یہ ذہنِ روشن اور طبع رسا رکھتا تھا۔ مرزا غازی کی وفات کے بعد گوشہ نشین ہو گیا۔ سالِ وفات ۱۰۰۹ھ ہے جو ''مرد ذہنی'' سے نکلتا ہے۔ اس کا ایک

۱۔ مقالات الشعرا ، ص ۲۱۲ ۔
۲۔ ایضاً ، ص ۲۲۰ ۔

شعر یہ ہے :

بہ ذہنی حاصل است از بی نیازی وقار از درگہ مرزای غازی

☆ ☆ ☆

عصمت[1]

قبیلۂ ترخان سے اس خاتون کا تعلق تھا - یہ شاید پہلی سندھی خاتون ہے جس نے فارسی میں اشعار کہے ہیں - مقالات الشعرا میں اس کے یہ دو شعر محفوظ رہ گئے ہیں :

نیست درعالم خبر از دردِ عشق گوئیا نبود بدنیا مردِ عشق[2]

بہ بحر شعر نبود ہمچو داہی کسی در عہد ما کشتی تباہی

وہ شاعری میں کسی کو خاطر میں نہ لاتی تھی - چنانچہ متذکرہ صدر دوسرا شعر داہی شاعر کی ہجو میں لکھا ہے - وہ ۱۰۶۷ھ میں فوت ہوئی - ''ہی عصمت شد ز عالم'' سے تاریخِ وفات نکلتی ہے -

☆ ☆ ☆

قیصر بدینی[3]

بدین ضلع حیدر آباد میں ایک قصبہ ہے جہاں کے یہ رہنے والے تھے - عبداللطیف نام تھا - غریب آدمی تھے مگر صاحبِ استعداد تھے - بختاور خاں نے

۱- مقالات الشعرا ، ص ۴۴۰ -

۲- نسخہ : ''گوئی در دنیا نبودہ مرد عشق''

۳- مقالات الشعرا ، ص ۶۵۴ - ۶۵۶ -

مرآۃ العالم میں لکھا ہے کہ وہ حدتِ فہم اور جودتِ طبع سے متصف تھے - وہ ہر چھ مہینے بعد نی ڈیر کی جانماز بنا کر عالم گیر کے لیے تحفہ لے جاتے جس سے انھیں کچھ رقم مل جاتی اور وہ اپنے اہل و عیال پر صرف کرتے ۔ ایک مرتبہ انھوں نے بادشاہ کے حضور یہ شعر پیش کیا :

سلطنت ختم است بر تو چو نبوّت بر نبی
پادشاهی بر تو زیبا چون خدائی بر خدا

بادشاہ سن کر برہم ہوئے اور حکم دیا کہ اس کے لیے ٹھٹہ میں دو روپے روزینہ لگا دیا جائے تا کہ یہاں نہ آئے -

ان کے چند اشعار یہ ہیں :

یار در دل جلوه گر ، دل در بدر داریم ما
صندل اندر آستین و درد سر داریم ما
گوهر آسایش از بحری تمنّا میکنیم
کز کمند موج بر ساحل خطر داریم ما
ما نمی دزدیم تن از تیغِ آتشبارِ عشق
داغهای سینه گلهای سپر داریم ما
لاله آسا شمع خود از خون خود افروختیم
منّت روغن ز گیتی چند برداریم ما
عمر جاویدان نمی خواهیم قیصر در جهان
خوش خیال برق پروازی بسر داریم ما

بختاور خاں بتاتے ہیں کہ قیصر نے اس کی مدح میں ایک قصیدہ اور ایک رباعی کہی تھی - قصیدے کا مطلع یہ ہے :

هر کہ خواهد مدد از بخت و نصیب از دوران
گو نهد سر بدرِ دولتِ بختاور خان

رباعی یہ ہے :

بخت است کلید گنج دولت بجهان
بخت است فرازندۀ اقبال مهان
نازد همه کس به بخت و مینازد بخت
چون جسم بجان بذات بختاور خان

ایک اور شعر یہ ہے :

رنگ از چہرۂ گل در صددِ پرواز است
میتوان یافت کہ جانانِ مرا ذوق حناست

بقول بختاور خان قیصر نے دیوان بھی مرتّب کیا تھا ۔

☆ ☆ ☆

سلامی ٹھٹوی[1]

ایک ظریف ، نکتہ سنج اور بذلہ گو شخص تھا ۔ اس کے لطائف مشہور ہیں ۔

ایک رات وہ میرک عبدالوہاب کے ہاں مہمان تھا ۔ انھوں نے سونے کے لیے دھَر[2] ابریشمی اور قالی پری دیے ۔ یہ صبح اٹھے اور دونوں چیزیں سمیٹ کر اپنے گھر لے گئے ۔ فراش پیچھے تقاضے کے لیے پہنچا تو سلامی صاحب ، میرک کے پاس آئے اور فی البدیہہ یہ شعر پڑھا :

تو کرم کردی و فراش تقاضا سر کرد
دھَر را دھر گزشت پری هم پر کرد

میرک خوش ہوگئے اور اسے انعام سے سرفراز کیا ۔

ایک دن یہ صاحب حاکم وقت کی مجلس میں پہنچے ۔ نواب صاحب کے بیٹوں میں سے ایک نے مذاقاً کہا :

''ملای خبیث آمده'' دوسرے نے کہا : ''مخنث رسیده'' ۔ جب نواب صاحب آئے تو میاں سلامی کو مغموم پا کر حال پوچھا ۔ اس نے وہیں کھڑے ہو کر اس کے دونوں بیٹوں کی طرف ، جو اب نواب صاحب کے دائیں بائیں بیٹھے تھے ،

۱۔ مقالات الشعرا ، ص ۳۰۴ - ۳۰۶ ۔
۲۔ دھَر : کلمہ سندھی بمعنی توشک ۔

اشارہ کر کے کہا :

بخدمتِ تو سلامی حدیث میگوید
یکی 'مخنّث' و دیگر 'خبیث' میگوید

یہ دو شعر بھی اسی کے ہیں :

کس بر دہانِ تنگِ تو ہرگز نبردہ راہ
مکشا بخندہ پردۂ راز نہفتہ را

ساقِ سیمین او بلورِ یمن
گر غلط گفتہ ام بگردنِ من

☆ ☆ ☆

شُہرتی[1]

دانشور نام تھا - بعض اس کو قبیلۂ مغل اور بعض قبیلۂ مخادیم سے منسوب کرتے ہیں - وہ میر عبدالرزاق معموری ، مرزا مظفر خاں ، میر منعم ، نواب مغل خاں ، میر ابوالمکارم شہود ، نواب لشکر خاں اور قباد خان حاکمانِ ٹھٹہ کا معاصر ہے اور اس نے ہر ایک کی مدح میں قصاید لکھے ہیں - اپنا دیوان بھی مرتّب کیا تھا - ایک دوست کی وفات پر یہ برجستہ تاریخ نکالی تھی :

'داغ بدل دادہ'
۱۰۵۵

اس کے چند اشعار یہ ہیں :

بسینہ عشق تو ہرچند دل نہان میکرد
کنون چہ چارہ کہ افتادہ طشت از بام است
درون میکدہ می جویمش نمی یابم
کجاست مست خرابات شہرتی نام است

۱- مقالات الشعرا ، ص ۳۴۸ - ۳۴۹ -

افسوس کہ فیض از جہان رفت
ذوقِ کرم از جہانیان رفت
کم ماند شگفتگی بعالم
بلبل بفغان ز گلستان رفت

☆ ☆ ☆

سید عبدالقادر[1]

سید عبدالقادر ولد سید محمد ہاشم بن سید محمد الحسینی، 'حدیقۃ الاولیا' کے مصنف ہیں ۔ انھوں نے یہ تذکرہ امیر خسرو خاں سے منسوب کیا ۔ وہ شعر بھی موزوں کر لیتے تھے ۔ انھوں نے خسرو خاں کی مدح میں یہ اشعار کہے ہیں جن سے ان کی استعدادِ فکر کا پتا چلتا ہے :

جمالِ صورت و معنی ، کمال دین و دُول
نہال دولت جاہ و گل حدیقۂ جان
خلیل خلق و مسیحا نفس ، علی ہمّت
جلیل قدر و رفیع‌المکان ، عظیم الشان
زہی کریم کہ دست سخاش غارت کرد
ہمہ ذخایر بحر و ہمہ دفاین کان
سحاب دست نوالش چو قطرہ بار شود
ز قطرہ قطرہ شود رشحہ قلزم عمان

☆ ☆ ☆

۱- مقالات الشعرا ، ص ۴۲۴ -

عبدالقیوم[1]

یہ صاحب میر عبدالرزاق مظفر خاں معموری کے معاصر تھے - انھوں نے اہل ٹھٹہ کی ہجو میں شہر آشوب لکھا جس کے دو شعر حسب ذیل ہیں :

گرچہ در سندم ز خیل نوکران پادشہ
میر معموری مظفر خاں شہا را بندہ ام
میخورد گویند یک مرغ و دو نان نواب ما
باوجود کیف افیون اشتہا را بندہ ام

☆ ☆ ☆

ضیائی ملتانی[2]

اکبر بادشاہ کے عہد میں زندہ تھا - مولانا اوحدی نے اس سے ملاقات کی تھی - 'مخزن الغرائب' میں اس کے یہ دو شعر منقول ہیں :

شہید تیغ ستم را بحشر وعدہ مدہ
کہ کشتگان ترا ذوق خوں بہا اینجاست
محبت است کہ پیمانہ میدھد بمراد
کہ از صراحی زرین و از سبوی گلیست

☆ ☆ ☆

۱- مقالات الشعرا ، ص ۴۲۵ -
۲- مخزن الغرایب ، قلمی ، ص ۱۹۸ -

نشاط ، محمد بیگ ترک ٹھٹوی

مقالات الشعرا میں اس کا ایک شعر درج ہے[۱] :

بسکہ دارم بہ جگر نشتر فصّاد غمش
هر زمان دیدۂ من چشمہ ٔ خون میگردد

☆ ☆ ☆

رضی ، میر عبداللہ سلطان سبزواری ٹھٹوی[۲]

سید ابوالمکارم سیوستانی کا بیٹا تھا ۔ وہ میرزا غازی بیگ کا مصاحبِ خاص تھا اور اس کی طرف سے شاہ عباس والیِ ایران (۹۸۵ - ۱۰۳۸ھ) کے دربار میں سفیر کی حیثیت سے گیا ۔ میرزا غازی کی وفات کے بعد وہ ٹھٹہ میں سرکاری منصب پر مامور تھا ۔ عہدِ شاہجہانی میں شریف الملک کی معزولی پر یہ بھی ترکِ منصب کر کے گوشہ نشین ہوگیا ۔

تحفة الکرام میں لکھا ہے :

''شعر برگزیده دارد ۔ بجامعیت فنونِ انسانیت در شاعری مشارٌ الیہ وقت بود ۔''

مقالات الشعرا میں اس کے یہ اشعار درج ہیں :

پی نادیدنی عیبِ من و تو مژه مسمار شد بر روزن چشم

ساده دل بودم ، بنامت قرعہ ای انداختم
آنچنان کت بوده ای از سادگی نشناختم

۱- مقالات الشعرا ، ص ۸۱۳ -
۲- 'مرزا غازی بیگ ترخان اور اس کی بزمِ ادب' ، حسام الدین راشدی ، کراچی ، ۱۹۷۰ع ، ص ۴۲۵ - ۴۲۸ - مقالات الشعرا ، ص ۴۳۶ - ۴۳۷ -

خواستم تا با تو بازم یک رهی نرد مراد
خود غلط کردم کہ با تو باختم تا باختم

☆ ☆ ☆

محمد سعید قریشی ملتانی[1]

محمد سعید نام تھا ۔ قریشی النسب تھے ۔ بعد میں سلطان مراد کی طرف سے خان کا لقب عطا ہوا تو سعید خاں بھی معروف رہے ۔ وہ ملتان میں ۱۰۲۲ھ میں پیدا ہوئے ۔ وہیں تعلیم و تربیت حاصل کی ۔ خواجہ بہاء الدین زکریا ملتانی کے مزار مقدس کی روحانی برکتوں سے فیض یاب ہوئے ۔ ۱۰۵۱ھ میں وہ بعض اعیان سلطنت کے توسط سے شاہجہان کی ملازمت میں لیے گئے ۔ کئی مرتبہ عسکری خدمات پر مامور ہوئے ۔ سالاران سپہ یا شاہزادگان عالی مرتبت کے زیر قیادت کوہ شوالک میں کفار کی سرکوبی کی مہم میں شریک ہوئے ۔ قندھار ، بست ، بلوچستان اور سیوستان کی مہمات میں شامل رہے ۔ شاہزادہ اورنگ زیب کے ساتھ فتح بلخ میں بھی شرکت کی ۔ ۱۰۵۸ھ میں شاہجہان کے حکم سے سلطان مراد کے دربار سے وابستہ ہو گئے اور امور سلطنت میں اسے مشورے دیتے رہے ۔ پہلے اس کے ہمراہ

۱۔ سعید خاں ملتانی : ڈاکٹر محمد بشیر حسین ، مقالہ مطبوعہ ارمغان دانشگاہ بمناسبت جشن دو ہزار و پانصد سالۂ شاہنشاھی ایران ، اکتوبر ۱۹۷۱ع ، ص ۱۷۵ - ۲۳۴ ۔ مرآۃ الخیال ، شیر خاں لودھی ، بمبئی ، ص ۱۶۱ - ۱۷۵ - مجمع النفایس ، سراج الدین علی خان آرزو ، مخطوطۂ پنجاب یونیورسٹی لائبریری ، ص ۱۷۸ ب ۔ عمل صالح ، محمد صالح کنبو ، کلکتہ ، ج ۳ ، ص ۴۳۲ - ۴۳۳ - مخزن الغرائب ، احمد علی ، مخطوطہ پنجاب یونیورسٹی لائبریری ، برگ ۱۵۹ - ۱۶۰ - ہمیشہ بہار ، کشن چند اخلاص ۔ نتائج الافکار ، قدرت اللہ ، ص ۳۳۷ ۔ شمع انجمن ، ص ۱۹۹ ۔ گل رعنا ، قلمی ، برگ ، ۱۴۶ - ۱۴۷ -

برہانپور اور بعد میں گجرات گئے - شاہزادہ نے انھیں بخشی گری اور واقعہ نویسی کی خدمات پر مامور کیا - وہ کچھ عرصے کے لیے کابل میں بھی خدمات انجام دیتے رہے - انھیں شاہزادۂ مراد کا گہرا تقرّب حاصل رہا - چنانچہ شاہزادہ اورنگ زیب کے پاس ملتان اور اکبر آباد میں اور شجاع کے پاس پٹنہ ، اکبر آباد اور بنگال میں امورِ سفارت کی انجام دہی کے لیے انھیں بھیجا جاتا رہا - اس طرح ان شاہزادوں کے درباروں اور ان کے متوسلین سے بھی ان کے روابط قائم ہوئے - ١٠٦١ھ میں شاہزادہ مراد نے اسے 'خان' کے خطاب سے نوازا -

١٠٦٦ھ میں دربار شاہجہانی سے ایک امیر علی نقی ، شاہزادہ مراد کا دیوان و اتالیق مقرر ہو کر آیا - اسے شاہزادے کے ساتھ سعید خاں کا تقرّب ایک آنکھ نہ بھایا - چنانچہ اس کی تحریک پر شاہزادے نے سعید خاں کو اپنی ملازمت سے الگ کر دیا - وہاں سے رخصت ہو کر سعید خاں اکبر آباد میں پہنچے اور داراشکوہ کی ملازمت میں لے لیے گئے - دارا شکوہ کے قتل پر وہ چاہتے تھے کہ اپنے وطن جا کر گوشہ نشین ہو جائیں لیکن اورنگ زیب نے ١٠٧٠ھ میں انھیں اپنے پاس بلایا اور چار صدی منصب دے کر مُنشیانِ دیوان شاہی میں شامل کر لیا - اپنی گوناگوں صفات کی وجہ سے وہ اورنگ زیب کے اتنے قریب ہو گئے کہ کبھی کبھی خلوت میں بھی بادشاہ کی صحبت میں رہتے تھے - آخر ١٠٧٣ھ میں وہ ملتان آ گئے - یہیں اُنھوں نے اپنے لیے عالی شان عمارت اور جامع مسجد تعمیر کرائی - آخر ١٠٨٧ھ میں وفات پا گئے اور اپنے بنا کردہ مقبرے میں دفن ہوئے -

شیر خاں لودھی مؤلف تذکرۂ 'مرآۃ الخیال' کے والد علی امجد نے کلیات سعید کے خاتمے پر سعید خاں کے بلند اخلاق کی بڑی تعریف کی ہے اور انھیں ''معدنِ جود و احسان ، نورِ ناصیۂ شرافت ، سراپا حیا و رافت'' لکھا ہے اور بتایا ہے کہ حوادثِ روزگار کے سامنے بھی ان کے پائے استقامت میں تزلزل نہیں آیا - وہ ریاضت و عبادت اور مطالعۂ کتب و سخن سرائی میں مشغول رہتے - چونکہ فنِ کتابت سے بھی آشنا تھے اس لیے قرآن مجید کی کتابت کرتے اور کلام مجید کی تفسیر بیان کرتے - اُنھوں نے ١٠٧٢ھ میں 'کیمیائے سعادت' کا ایک نسخہ بھی نقل کیا -

شیخ سعید تعبیرِ خواب اور آدم شناسی یعنی علمِ فراست میں کمال مہارت رکھتے تھے - کہتے ہیں کہ ان کے قیاسات میں بہت کم غلطی ہوتی تھی - محمد صالح نے لکھا ہے : ''در شگفتہ روئی و آشنا پرستی ھمتا ندارد'' -

شیخ محمد سعید قریشی ملتانی بڑی خوبیوں کے آدمی تھے - وسیع المشرب ، بلند اخلاق ، تقریر و تحریر میں ماہر - بخت یاور تھا اس لیے بادشاہوں اور شہزادوں کا قرب حاصل رہا - زندگی بھر حاسدوں کی نظروں میں کھٹکتے رہے - سلطان مراد بخش بن شاہجہان کے ملازم ہوئے تو تھوڑے عرصے میں اس کے مقربین میں شمار ہونے لگے - شاہزادے کی مدح میں بلند پایہ قصاید لکھے - آغازِ ملازمت کے ایام میں ایک روز شاہزادے کی خدمت میں حاضر ہونے کے لیے جا رہے تھے کہ داروغۂ غسلخانہ نے اندر جانے سے روکا - شیخ نے یہ رباعی لکھ کر اندر بھجوائی :

ای شاہ جنابت چو جناب اللہ است
ہر حکم تو چون حکم کتاب اللہ است
این چیلۂ دیو فعل منّاع درت
ابلیس صفت مانع باب اللہ است

سلطان کو یہ مذاقِ سخن پسند آیا - فرمایا ''محل کے حرم کے سوا شیخ کو ہر جگہ آنے کی اجازت ہے -''

شیخ کی حاضر جوابی اور بدیہہ گوئی بھی بے نظیر تھی - سلاطین و امرا فریفتہ ہو جاتے تھے - ایک مرتبہ شاہزادے نے عید اضحیٰ کے موقع پر اپنے ہاتھ سے قربانی دی - ذبیحہ کی آنکھیں کھلی تھیں اور شاہزادہ اس کو دیکھ رہا تھا - اسی وقت شیخ صاحب کی طرف دیکھا - شیخ نے فی‌البدیہہ یہ شعر کہا :

عید قربان است میخواھم کہ قربانت شوم
ھمچو چشمِ گوسفندِ کشتہ حیرانت شوم

۱- تذکرۂ مرآۃ الخیال ، بمبئی ، ص ۱۷۰ - ۱۷۵ - مخزن الغرایب ، قلمی برگ ۱۵۰ - ۱۶۰ -

ایک مرتبہ عیدالفطر کے موقع پر عید گاہ گئے ہوئے تھے۔ شاہزادے نے پوچھا ''تہنیت کے لیے کچھ لکھا ہے؟'' شیخ نے کچھ نہیں لکھا تھا۔ خیال تھا کہ نماز سے فراغت تک غزل ہو جائے گی۔ لیکن اب شاہزادہ سے کہہ دیا کہ غزل لکھی ہوئی ہے۔ اس نے کہا۔ ''اچھا پڑھیے''۔ شیخ نے جیب سے سفید کاغذ نکالا اور فی البدیہہ اشعار پڑھنے شروع کر دیے:

روزِ عید است لبِ خشک می آلود کنید
چارۂ کارِ خود ای تشنہ لبان زود کنید

دیر گھی است کہ از دیر مغان دور تریم
زود باشید و بکف جام زر اندود کنید

حرف بی صرفۂ حافظ نتوان کرد بگوش
گوش بر زمزمۂ چنگ و نی و عود کنید

ہست بہبود شما بندگیِ شاہِ مراد
بہتر آنست کہ اندیشۂ بہبود کنید

شیوۂ صدق چو سرمایۂ ہر سود بود
ہست امید کزین شیوہ بسی سود کنید

بدرش یافت رہ از طالع مسعود سعید
سعی دریافتن طالع مسعود کنید

غزل ختم ہوئی تو شاہزادے نے کہا۔ ''کاغذ ہمیں دے دو''۔ شیخ نے مجبوراً سفید کاغذ دے دیا۔ شاہزادہ سفید کاغذ دیکھ کر حیران رہ گیا۔ اس نے کہا: ''معلوم ہوتا ہے رات غزل کہنا بھول گئے تھے اور ابھی فی البدیہہ کہی ہے۔'' شیخ نے کہا: ''ہاں''۔ شاہزادے کی نظروں میں شیخ کی قدر و منزلت اور بھی بڑھ گئی۔

شاہجہان کو جب خبر ملی کہ شاہزادہ مراد امورِ مملکت میں تساہل سے کام لیتا ہے تو انھوں نے ایک عالی قدر منصب دار علی نقی کو دیوان سرکار بنا کر بھیجا اور شاہزادے کو تاکیداً فرمایا کہ مشارٌ الیہ کے صلاح و مشورہ کے بغیر کوئی کام انجام نہ دیں۔ علی نقی اور شیخ صاحب کی شروع سے ٹھن گئی۔ علی نقی

کو شیخ کا تقرب کھٹکا کیونکہ جب شیخ صاحب شاہزادے کے پاس ہوتے تو وہ بالکل دوسرے کاموں کی طرف متوجہ نہ ہوتا۔ ایک دن ان حالات کی تاب نہ لا کر وہ دو حکم نامے لکھ کر شاہزادے کے پاس لے گیا۔ ایک پر اپنی بر طرفی اور دوسرے پر شیخ سعید کی بر طرفی کا حکم تھا کہ ان میں سے ایک پر دستخط فرما دیجیے وگرنہ میں ابھی اس خنجر سے اپنے آپ کو ہلاک کر ڈالوں گا۔ شاہزادے کو یہ معلوم تھا کہ علی نقی بادشاہ کا منصبدار ہے اس لیے مجبوراً شیخ کی برطرفی کے فرمان پر دستخط کر دیے۔ جب شیخ کو معلوم ہوا تو وہ احمد آباد سے باہر نکل آئے۔ شاہزادے کو شیخ کی مفارقت شاق گزری۔ وہ ابھی اجمیر پہنچے تھے کہ شاہزادے نے ان کی واپسی کے لیے عرضداشت بھیجی لیکن شیخ نے جواب میں یہ غزل ارسال کی:[1]

مشکل بود بکوی تو دیگر نشستِ ما
پیچیدہ است زلف تو بہرِ شکستِ ما

چون سبزہ در رہِ تو بجز پا فتادگی
ای سرو من بگو کہ چہ خیزد ز دستِ ما

دردم کہ با رقیب تو خاطر نشان کند
جز تیر بی خطا کہ برآمد ز شست ما

فارغ ز دین و کفر شدہ بعد ازین سعید
ما و سرِ نیاز و بتِ خود پرست ما

شیخ سعید کو وہ قدرتِ بیان حاصل تھی کہ باید و شاید۔ مشکل بحروں میں بھی شگفتہ شعر نکال لیتے تھے۔ بعض غزلوں میں صنایع بدایع کا ایسا التزام کیا ہے کہ متقدمین سے بھی نہیں ہو سکا۔ ان کا دیوان پروفیسر مولوی محمد شفیع مرحوم کے نجی کتب خانے میں موجود ہے جس کا تفصیلی تعارف ڈاکٹر بشیر حسین نے اپنے مقالے میں کرایا ہے۔ دیوان کا ایک نسخہ رائل ایشیاٹک سوسائٹی بنگال، کلکتہ کے کتب خانے میں شمارہ ۱۷۷ پر موجود ہے۔ مولوی محمد شفیع مرحوم والے

۱۔ تذکرۂ مرآۃ الخیال، ص ۱۰۲۔

نسخے کی تفصیل یہ ہے :

۱- دیباچۂ کلیات ، جس میں سعید خاں کی زندگی کے حالات درج ہیں : تقریباً ۲۵ ورق -

۲- دیباچۂ محمد صالح کنبوہ ، مکتوبہ ۱۰۷۱ھ : ۹ صفحات -

۳- دیباچۂ غیر منقوط ، نثر و نظم میں ، جو سلطان مراد کی فرمائش پر لکھا گیا -

۴- قصاید ، کل تعداد ۵۰ - توحید ، نعت ، منقبت اور مدحِ شاہ ان کا موضوع ہے - اکثر قصاید کے عنوانات موجود ہیں ، مثلاً عروۃ الوثقٰی ، خلاصۃ العقاید ، شمس المعانی ، مرآۃ الصفا ، حصول المقاصد ، فتح مبین ، طریق الہدیٰ ، حدیقۃ الرجا ، مفتاح الفتوح وغیرہ -

۵- قطعات ۲۵ ، ایک ترجیع بند ، ایک ترکیب بند ، ایک عرضداشت اور ایک نامۂ منظوم -

۶- رباعیات ۹۱ -

۷- ساقی نامہ ، ۵۰۰ اشعار -

۸- مثنوی شوقیہ ، عرفانیہ اور عشقیہ ، تقریباً ۷۰۰ اشعار -

۹- خاتمۂ دیوان منثور ، سعید خاں کے دوست علی امجد کے قلم سے : تین صفحے -

۱۰- رسالہ خطاب و جواب ، کل ۸۰ صفحات پر مشتمل ہے - منظوم و منثور ، کچھ خطوط ہیں اور ان کے جوابات ، کچھ غزلیں اور نظمیں ہیں جو دوستوں کو لکھی گئیں اور اسی طرح ان کے جوابات ہیں - قطعات تاریخ وغیرہ -

۱۱- غزلیات ، کل تعداد ۲۲۰ -

۱۲- خاتمۂ دیوان از شکراللہ -

ان کے متعلق اور ان کی شاعری کے متعلق محمد صالح کنبو نے جامع رائے دی ہے - انھوں نے لکھا ہے :

''رنگین سخن و تازہ گفتار است - بسیار خوش صحبت و نیکو طبع و پاکیزہ روزگار . . . خوبی سخن از کلامش پیداست و زیبائی معنی از لطف ادایش ہویدا -''

دیوان کے مطالعے کے بغیر ان کے کلام پر رائے نہیں دی جا سکتی - البتہ تذکروں میں منقول ان کے متفرق اشعار سے اسلوبِ بیان اور فنی مہارت کا کچھ اندازہ ہو سکتا ہے - چنانچہ نمونے کے طور پر ہم ان کے چند اشعار نقل کرتے ہیں :

غزل

نفس نفس مکن ای بوالہوس ہوس ہوس
مرو چو مرغ اسیر از قفس قفس بقفس
بفریاد خدا ہر نفس کہ میگذرد
ندامتی است مرا ازان نفس نفس بنفس
گذشت قیس حزین و ہنوز میگوید
حدیث او زبان جرس جرس بجرس
رموز بدمنشان بد منش نکو داند
کند سخن بزبان مگس مگس بمگس
بہم بسنج سعید این سخن کہ می تازند
بآزمودن گام فرس فرس بفرس

غزلِ منقوطہ

بغضب چین بجبین جبینش بین ۔ زیب بخش جبینش چینش بین
این غزل ہفت بیت منقوط است ۔ پر ز گنج سخن زمینش بین
کردہ منظوم فی البدیہہ سعید ۔ حدّتِ طبع خردہ بینش بین

چرا ما با تو در یکجا نباشیم ۔ چرا ہر جا تو باشی ما نباشیم
چرا شبہا کہ خلوت می نمائی ۔ تو باشی غیر باشد ما نباشیم
(مخزن الغرایب ، قلمی ، ص ۱۶۰ ب)

چہ دولت است کہ باین قد خمیدۂ خویش
ببرکشیدہ‌ام آن سرو سر کشیدۂ خویش
ز فرقتِ تو چہ گویم کہ قصۂ طوفان
شنیدہ ای تو و من دیدہ ام بدیدۂ خویش
(عملِ صالح ، ج ۳ ، ص ۴۲۲ ، لاہور)

مردمان گویند کہ بیگانہ بهتر ز آشنا ست
نیست جای دم زدن ما آشنا هم دیده ایم
نیست آرامِ دلِ ما جز بکنج بیکسی
صحبتِ درویش و بزم پادشاه هم دیده ایم
(مجمع النفایس ، قلمی ، ص ۱۷۸ الف)

هر کرا از هجر خوبان میدهد پیغام غم
از دلش چون آهوی وحشی کند آرام رم
گردش پیمانۂ چشم تو گر دیدی به بزم
از خجالت می شکستی بر سر خود جام جم
چشمۂ چشمی کہ دارد گریۂ شام و سحر
رفتہ رفتہ می شود از گردش ایام یم
پایۂ نظمِ سعید از طبع معجز دستگاه
بر گذشت از سحر و افسون بلکہ از الهام هم
(تذکرۂ معراج الخیال ، قلمی ، ص ۵۳ الف)

☆ ☆ ☆

عوامی داستانیں

سندھ میں بھی نظامی ، خسرو اور جامی کی مثنویوں کے تتّبع سے ہٹ کر مقامی عشقیہ داستانوں کو منظوم کرنے کا رواج ہوا ۔ بعض نے ان کو نثر میں لکھا ۔ مثلاً محمد طاہر نسیانی نے عمرو ماروی اور سید علی ٹھٹوی نے سسی و پنوں کے عشقیہ رومان کو نثر میں لکھا ۔ محمد مقیم نے قصۂ عشق موہل و میدرہ کو "ترنم عشق" کے نام سے ، ادراکی بیگ نے داستانِ چنیسر کو "چنیسر نامہ" کے عنوان سے ، محمد رضا رضائی نے قصۂ سسی و پنوں کو "زیبا و نگار" کے نام سے

اور ابوالمکارم شہود نے ''قصۂ سیف الملوک و بدیع الجمال'' کو نظم میں لکھا ۔ اس وقت ہم ''زیبا و نگار'' اور ''چنیسر نامہ'' کا تعارف پیش کرتے ہیں ۔

☆ ☆ ☆

زیبا و نگار مصنفۂ رضائی ٹھٹوی[1]

مصنف نے اس خیال سے کہ فارسی دانوں کو سسی و پنوں کے نام نامانوس معلوم نہ ہوں ، سسی و پنوں کے بجائے ''زیبا و نگار'' نام رکھ دیا ۔ اصل قصہ سسی و پنوں کا ہے ۔ رضائی کی زندگی کے متعلق ابھی تک کسی ماخذ سے اطلاعات فراہم نہیں ہو سکیں ۔ 'مقالات الشعرا' میں ان کا صرف ایک شعر درج ہے :

پیکانِ جگردوز مژہ ہای تو امروز
از چشم کہ گذشت کہ در دل نخلیدست

مثنوی ۱۰۵۳ھ میں تمام ہوئی ۔ انھوں نے خود تاریخ کہی :

'گل اندر باغ' خواندم از حسابش کہ هم تاریخ باشد هم خطابش
۱۰۵۳ھ

مثنوی شروع کرنے سے پہلے حمد و مناجات ، صفتِ شبِ معراج اور شیخ نظام الحق و الدین کی تعریف لکھی ہے ۔ اصل قصے میں سسی ایک بادشاہ کی بیٹی ہوتی ہے لیکن رضائی نے اسے ایک برہمن کی بیٹی ظاہر کیا ہے ۔ جب باپ کو علمِ نجوم کے ذریعے معلوم ہوا کہ یہ لڑکی بڑی ہو کر مسلمان ہو جائے گی تو اس نے صندوق میں بند کر کے اسے دریا میں بہا دیا ۔

رضائی نے سسی اور پنوں کی وفات کے متعلق دو روایات کا ذکر کیا ہے ۔ پہلی یہ کہ سسی ، پنوں کی تلاش میں ریگستان میں پیاس سے نڈھال ہو کر مر گئی ۔ ایک گڈریے نے اس کی قبر بنا دی ۔ جب پنوں وہاں پہنچا تو سسی

۱۔ ''پنجابی قصے فارسی زبان میں'' ، محمد باقر ، لاہور ، ۱۹۶۰ع ، ج ۲ ، ص ۱۔۱۴ ۔

کی وفات کا حال سن کر اُس نے آہ کھینچی اور وہیں جاں بحق ہو گیا - دوسری یہ کہ پنوں سسی کی قبر پر پہنچا تو اس نے عجز و زاری سے خدا سے دعا مانگی - سسی کی قبر پھٹ گئی اور وہ بھی اسی قبر میں زندہ دفن ہوگیا -

رضائی نے قصہ، سسی و پنوں کی وفات پر ختم نہیں کیا - بلکہ آگے لکھا ہے کہ لوگ پاک نیت سے ان کے مزار پر جاتے ہیں تو سسی قبر سے نکل کر ان کا استقبال کرتی اور انھیں جنّتی کھانا کھلاتی ہے - ایک مرتبہ اس واقعے کی تصدیق کے لیے سید علی چند درویشوں کے ہمراہ قبر پر گئے - سسی نے قبر سے نکل کر انھیں کھانا کھلایا - سید علی نے کہا "کیا یہ ممکن ہے کہ آپ مہربانی فرما کر ہمیں اپنے محبوب، نگار (پنوں) کو بھی ایک نظر دیکھ لینے دیں - زیبا (سسی) نے کہا : اہل کیچ اونٹنی سوار تھے - انھوں نے ہمیں دھوکہ دیا اور میرے نگار کو چھین کر لے گئے - تم بھی اونٹنی سوار ہو اس لیے تم پر مجھے اعتماد نہیں - ایسا نہ ہو کہ تم بھی مجھے دھوکہ دو -"

رضائی نے ہر نیا عنوان شروع کرنے سے پہلے ساقی کو مخاطب کر کے قصے کے مطابق موزوں اشعار لکھے ہیں -

رضائی کی نظر میں سندھ محض مردم خیز خطہ ہی نہیں بلکہ حسن آباد اور مرکز عشق بھی ہے - چنانچہ وہ لکھتے ہیں :

تو گویی زاد بوم عشق سند است
کہ آباد از رسوم عشق سند است
متاع حسن در سند است بسیار
بود ناچار عشق آنجا خریدار

چونکہ وہ خود بھی اسی سرزمین سے وابستہ تھے انھیں اپنے وطن کی ہر چیز سے عشق تھا اور خود بھی عشق و مستی سے سرشار تھے اس لیے انھوں نے اس کہانی کو بڑے سوز و اخلاص سے لکھا - وہ اپنے متعلق لکھتے ہیں :

وجودم مظہر عشق خدائی است — ولی بدنام در عالم رضائی است
بدل عشقست دارم بر زبان عشق — خیال من بود عشق و بیان عشق
بگویم داستان تازۂ عشق — کزو گردد بلند آوازۂ عشق

رضائی نے زبان کو فارسی محاورے کے مطابق لکھا ہے اور دیسی یا مقامی الفاظ و محاورات کو استعمال نہیں کیا - اسلوب میں بھی قدیم اساتذہ کی محض تقلید نہیں کی

بلکہ اپنے انداز میں ایک جدت اور تازگی پیدا کرنے کی کوشش کی ہے - ان کو خود بھی اس کا احساس تھا - چنانچہ وہ لکھتے ہیں :

ولی چون شعر من شعر جدید است
در او یک لذت دیگر پدید است
ز ہر کہنہ دل بیرون نیاید
جوانی نو رسی دل می رباید

اس مثنوی کے تین خطی نسخوں کے متعلق اطلاعات حاصل ہو سکی ہیں - برٹش میوزیم میں، ریو، ج ۳، ص ۶۸۴ - کتب خانہ ایشیاٹک سوسائٹی بنگال میں، ایوانو، ص ۳۳۶ - کتب خانۂ شخصی سید حسام الدین راشدی، کراچی -

☆ ☆ ☆

چنیسر نامہ¹ از ادراکی بیگ

ادراکی بیگ لاری، ''چنیسر نامہ'' کے مصنف، ارغون ترکوں سے تعلق رکھتے تھے - ان کی زندگی کے متعلق بہت کم معلومات ملتی ہیں - علی شیر قانع نے مقالات الشعرا اور تحفۃ الکرام میں بہت ہی مختصر الفاظ میں ان کا ذکر کیا ہے - مقالات الشعرا میں ''چنیسر نامہ'' سے ہی چند اشعار نقل کیے گئے ہیں - ادراکی بیگ تاریخ ''بیگلار نامہ'' کے بھی مؤلف ہیں - علی شیر نے تو اس کا بھی ذکر نہیں کیا - بدایونی نے 'منتخب التواریخ' میں اور طاہر محمد نسیانی نے 'تاریخ طاہری' میں 'چنیسر نامہ' کو میر ابوالقاسم سلطان کی تصنیف بتایا ہے جو صحیح نہیں -

'چنیسر نامہ' لوک کہانی ہے - تاریخ میں سومرہ خاندان کا ایک حاکم چنیسر نامی گزرا ہے جس کا عہدِ حکومت ۶۹۶ - ۷۰۰ھ تک رہا ہے لیکن قصے کا انداز کہتا ہے کہ یہ کہانی تاریخی نہیں - کہانی میں جن شہروں یا قصبوں کا ذکر آیا

۱- چنیسر نامہ : مرتبۂ سید حسام الدین راشدی، سندھ ادبی بورڈ، ۱۹۵۶ع، دیباچہ -

ہے ان میں سے دیبل، پٹن اور پارکر کی جغرافیائی حیثیت متعین کی جا سکتی ہے۔ دوسرے نام جن کا ایک سفر کے دوران میں ذکر کیا گیا ہے مثلاً نواره، تالون، آب جوی بر پشت وغیرہ تاریخوں میں یا جغرافیاے قدیم میں کہیں مذکور نہیں ہیں۔ یہ قصہ سندھ میں مقبول رہا ہے۔ ادراکی کے بعد قانع نے تحفۃ الکرام میں اسی قصے کو نثر میں لکھا ہے۔ سندھ کے عظیم صوفی شاعر شاہ لطیف بھٹائی نے اس کو بیان کر کے لطیف نکات پیدا کیے ہیں۔ سندھی شاعروں میں شاہ کان اگہ، شاہ جی زمانی اور شاہ کان پوہ جی نے بھی اسی قصے پر طبع آزمائی کی ہے۔ 'چنیسر نامہ' ۱۰۱۰ھ میں منظوم ہوا۔

ذیل میں کہانی کا خلاصہ دیا جا رہا ہے جس سے اصل واقعات کی نشاندہی ہوگی اور نتائج سمجھنے میں مدد ملے گی۔

رانا کھنگار کی ایک خوبصورت بیٹی کونرو تھی۔ ایک دن اس کی عم زاد بہن جمنا نے اسے کہا کہ زرین چرخہ بنواؤ تاکہ سہیلیاں اکٹھی بیٹھ کر چرخہ کاتیں اور مجلس جائیں۔ وہ چرخہ کات رہی تھیں اور کونرو شوخی سے اُچھلتی کودتی اور مذاق کرتی تھی۔ اچانک اس کی ٹانگ سے اُلجھ کر جمنا کا تکلا ٹوٹ گیا۔ اس نے کونرو سے طنزاً کہا کہ یہ ناز و کبر نہ دکھاؤ۔ کیا تم چنیسر کو اپنا شوہر بنانا چاہتی ہو۔ یہ طعن سن کر کونرو غصے میں آ گئی اور اپنی ماں مرکھی سے اس کا ذکر کیا۔ اس نے کہا۔ اچھا چنیسر سے تیری شادی ہوگی اور تیرا منگیتر یعنی جمنا کا بھائی تیرا چہرہ نہیں دیکھ پائے گا۔ باپ کو اس کی اطلاع ہوئی تو وہ بھی اپنی بیٹی کی تکمیل آرزو کے لیے راضی ہو گیا۔ چنانچہ خدم و حشم اور برہمن کے ہمراہ لڑکی اور اس کی سہیلیوں کو ساز و سامان دے کر چنیسر کے پاس دیول میں شادی کا پیغام بھیجا۔ جب یہ اس کے دارالسلطنت پٹن میں پہنچے تو انھوں نے اپنے آپ کو سوداگر ظاہر کیا۔ کونرو اپنی ہمجولیوں کے ساتھ ایک باغبان کے مکان میں ٹھہر گئی۔ باغبان کی بیوی سے کہا کہ جس طرح بھی ہو ہماری خواہش کا اظہار چنیسر سے کرو۔ عورت نے بتایا کہ چنیسر کا ایک وزیر جکرہ نامی ہی اس کا پیغام چنیسر کے پاس لے جا سکتا ہے۔ جکرہ، کونرو اور اس کی ماں کو راستے میں ہی مل گیا۔ جکرہ ان کا پیغام چنیسر کے پاس لے گیا۔ چنیسر کی پہلے سے ایک محبوب بیوی لیلا تھی جسے وہ دل و جان سے چاہتا تھا۔ چنیسر نے دوسری عورت کا نام لینے سے بھی منع کر دیا۔

جب کونرو کو اس بات کی اطلاع ملی تو وہ بہت مایوس و مغموم ہوئی۔ پھر کونرو اور اس کی ماں نے ایک تدبیر سوچی۔ وہ دونوں لیلا کے پاس گئیں اور اس کے گھر میں خدمت پر مامور ہو گئیں۔ ایک دن کونرو غم زدہ بیٹھی اپنی حالت پر غور کر رہی تھی اور اپنے آپ سے باتیں کر رہی تھی کہ لیلا نے متعجب ہو کر اس کا حال پوچھا۔ آخر اس کے اصرار پر اس کو اپنی اصلیت بتانی پڑی۔ کونرو کے پاس ایک نولکھا ہار اور ایک گوہر شب چراغ تھا۔ لیلا نے اس کے حاصل کرنے کی آرزو کی۔ کونرو نے کہا کہ ایک رات کے لیے اپنے شوہر چنیسر کو میرے پاس بھیج دو۔ زیور کے لالچ میں لیلا نے یہ بات قبول کر لی۔ رات کو چنیسر شراب کے نشے میں گھر آیا تو اس نے نئے مہمان کی محبت اور بے قراری کا ذکر کرکے اسے کونرو کے پاس جانے کے لیے کہا۔ وہاں کونرو دلھن بنی بیٹھی تھی۔ رقص و سرود کی محفل جمی تھی۔ چنانچہ دونوں کا عقد باندھا گیا۔ چنیسر نیم خوابی میں تھا۔ صبح تک سویا رہا۔ اٹھا تو اس نے کونرو سے بیزاری کا اظہار کیا اور کہا کہ لیلا کے سوا میرے دل میں کوئی نہیں سما سکتا۔ کونرو نے چنیسر کی بے التفاتی کا حال ماں کو سنایا۔ اس نے کہا کہ اس کی بیوی نے گوہر شب چراغ اور نولکھے ہار کے عوض اس کو بیچ دیا تھا۔ اگر وہ غیرت مند ہوتا تو تیرے ساتھ محبت کرتا۔ جب چنیسر پر یہ راز کھلا تو وہ لیلا سے متنفر ہو گیا اور کونرو کے ساتھ عیش و نشاط میں مشغول ہوگیا۔

لیلا یہ تغیّرِ احوال دیکھ کر مغموم ہوئی۔ دوسرے دن وہ خود چنیسر سے ملنے گئی اور زار زار رو کر منت سماجت کی لیکن وہ متوجہ نہ ہوا۔ اس نے کہا کہ تو نے اپنے شوہر کو زیور کے عوض بیچ دیا ہے۔ لیلا نے کونرو کو لعنت ملامت کی اور کہا کہ تو نے مکر و فریب سے کام لیا، نمک حرامی کی اور میری زندگی تباہ کر دی۔ میں تم سے ضرور انتقام لوں گی۔ کونرو نے کہا ''یہ تیرا اپنا قصور ہے۔ تو نے خود زیور کے لالچ میں اپنے شوہر کو دینا کیوں قبول کر لیا۔ جاؤ اب گوشہ نشین ہو جاؤ اور صبر کرو۔ قسمت تم سے روٹھ گئی ہے۔'' چنیسر نے بھی اسے ڈانٹا اور کہا کہ تیری جیسی ہوس پرست عورت نے عورت کی ناموس برباد کر دی اور شوہر کے مقابلے میں زیور پسند کیا۔ لیلا یہ جلی کٹی سن کر گھر لوٹ آئی۔ ایک دفعہ اس نے چنیسر کو مدہوش کر کے اپنے گھر لانے کی تدبیر کی لیکن وہ اس کے دروازے پر پہنچ کر کونرو کے گھر کی طرف

پھر گیا ۔ آخر لیلا غم غلط کرنے کے لیے اپنے رشتہ داروں کے پاس چلی گئی ۔ اس واقعے کو کئی سال گزر گئے ۔

ایک مرتبہ جکرہ وزیر لیلا کے قبیلے میں اپنی نسبت پکی کرنے کے لیے گیا تو لیلا نے شرط لگائی کہ پہلے تو چنیسر کو اپنے ساتھ یہاں مہمان بنا کر لا تب تیری سگائی ہو سکے گی ۔ چنانچہ وہ اپنی خدمات کا واسطہ دے کر چنیسر کو اپنے ہمراہ لے آیا ۔ محفل میں جب دلھن کی سہیلیاں آئیں تو لیلا بھی نقاب اوڑھ کر آئی ۔ وہ چنیسر سے ہم کلام ہوئی اور شیریں زبانی سے اسے متأثر کیا اور کہا کہ اگرچہ تم نے ہمارے قبیلے کی لیلا کے ساتھ بے وفائی کر کے اسے برباد کر دیا لیکن ہم چاہتے ہیں کہ ہمارے خاندان کا رشتہ تمھارے ساتھ استوار رہے ۔ اگر تم چاہو تو ایک اچھی سی لڑکی سے تمھارا ناطہ کر دیں ۔ چنیسر نے یہ گفتگو سن کر کہا کہ میں تجھے ہی چاہتا ہوں ۔ پردہ اٹھاؤ تا کہ تمھارے ساتھ عقد باندھ لوں ۔ لیلا نے چہرے سے پردہ ہٹایا اور کہا ”میں وہی ہوں جس کے ساتھ تو لطف و کرم سے پیش آتا تھا لیکن تو نے ایک اجنبی کو آغوش میں لے لیا ۔“ چنیسر نے لیلا کو دیکھا ، ایک آہ کھینچی اور وہیں جان دے دی ۔ جب لیلا نے یہ ماجرا دیکھا تو اس نے بھی ایک آہ کھینچی اور وہیں جان دے دی ۔ چنانچہ دونوں کو سپرد آتش کر دیا گیا ۔

مصنف نے اس کہانی سے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ دونوں کا عشق سچا تھا ۔ اس لیے انھوں نے ایک دوسرے کے لیے جان دے دی :

کمال عشق باشد جاں سپردن
چہ خوش در زیر پای دوست مردن

ز عشقِ پاک ماند در جہان نام
چہ دانند از حقیقت مردمِ عام

لیکن کہانی کے آخر تک یہ نتیجہ اور تأثر قاری کے ذہن میں نہیں آتا ۔ چنیسر ایک ہرجائی آدمی معلوم ہوتا ہے ۔ لیلا کے قبیلے میں آ کر وہ کسی اور لڑکی کی باتیں سن کر اس پر فریفتہ ہو جاتا ہے ، اسے اپنانے کے لیے بے قرار ہو جاتا ہے اور اپنی محبوب بیوی کی آواز بھی نہیں پہچان سکتا ۔ پردہ ہٹانے کے بعد ہی وہ لیلا کو پہچان سکا ۔ اب جان دینے کا ایسا کون سا موقع تھا ۔ آخر یہ وہی عورت تو تھی

جس کو چھوڑ کر وہ ایک دوسری عورت سے وابستہ ہو گیا تھا ۔ اب اچانک اس کے عشق نے کیسے جوش مارا اور اس نے جان دے دی ۔

مثنوی 'چنیسر نامہ' "یوسف زلیخاے جامی" کی بحر میں لکھی گئی ہے ۔ ابتدا میں مناجات ، نعتِ رسول ، مدح چار یاران اور میر سید قاسم شاہ ممدوح کی ستایش لکھی ہے ۔ اور آخر میں در بیان حروف تہجی و بیان حسنِ خیالات کے علاوہ اتمامِ کتاب پر تاریخ کہی ہے ۔ درمیانی حصے میں قصہ بیان کیا ہے ۔

ادراکی کی شاعری کے متعلق تمام تذکرے خاموش ہیں ۔ یہی مثنوی ان کی شاعری کا حاصل ہے ۔ انہیں خود بھی اپنے اشعار پر ناز ہے ۔ وہ لکھتے ہیں :

بود ہر بیت من نقش و نگاری شگفتہ نو گلی در نو بہاری

پھر خود ہی کہا ہے کہ شاعری میرا پیشہ نہیں ہے :

نباشد شاعریم کار و پیشہ دہم داد سخن لیکن ہمیشہ

اپنی مثنوی کا تعارف پیش کرتے ہوئے اس کی خصوصیات کی طرف بھی اشارہ کیا ہے :

سلیس و سادہ و موزون و مرغوب
موادش واضح و مضمونِ او خوب
کلامش بس بلیغ و نظم نادر ز طبعِ اہلِ دل گردیدہ صادر

درو لفظِ خوش و رنگین عبارت
ز عشق و عاشقی در وی اشارت

یہ درست ہے کہ مثنوی کا بیان کہیں سادہ ہے ، کہیں رنگین لیکن تمام کا تمام کلام پختہ نہیں ۔ کئی جگہ بیان میں جھول ہے ۔ بعض جگہ الفاظ نے بیان کا ساتھ نہیں دیا ۔ مثلاً :

۱- نشستہ بود لیلا با لباسی (ص ۵۰)
۲- اگرچہ گفت کونرو گوش بودی (ص ۵۳)

بعض باتیں بلاغت کے بھی منافی ہیں یعنی جس بیان میں وہ بات کہی گئی ہے وہ مقتضاے وقت کے مطابق نہیں ۔ مثلاً کونرو باغبان سے چنیسر کا پتا پوچھتی ہے :

بدو گفتا چنیسر شوہر من نباشد جز ہوایش در سر من (ص ۵۳)

اگر چنیسر اس کا شوہر تھا تو کیا اسے اپنے شوہر کا گھر بھی معلوم نہیں تھا ۔

کونرو اپنی ماں سے چنیسر کی بے التفاتی یوں بیان کر رہی ہے :

ع : بہ الماسی نہ سفتہ گوہر من

ع : نہ کردہ دست خود را بر انارم

ع : نہ بردہ دست بر بند ازاری

کیا کوئی بیٹی اپنی ماں سے اس قسم کی گفتگو کر سکتی ہے؟

لڑکیوں کے حسن کی تعریف میں جو تشابیہ و استعارات استعمال کیے گئے ہیں وہ نئے نہیں ، پرانے اور گھسے پٹے ہیں ۔ ان میں تکرار بھی موجود ہے ۔ مثلاً ایک جگہ لکھا ہے :

دهانش تنگ گویا پیچ در پیچ

پھر دوسری جگہ لکھتا ہے :

ز غنچہ تنگ تر بودہ دهانش

تیسری جگہ لکھا ہے :

سرموی توان گفتن دهانش

مجلس زفاف کے بیان میں جو تشابیہ و استعارات استعمال کیے ہیں ان میں سے اکثر یوسف و زلیخا سے ماخوذ ہیں ۔ راشدی صاحب نے چنیسر نامہ کے دیباچے میں اس موضوع پر دونوں مثنویوں کے اشعار نقل کیے ہیں ۔

بعض مقامات پر مثلاً چنیسر اور لیلا کی گفتگو یا کونرو اور لیلا کی گفتگو میں عورت کی رقابت کے متعلق جذبات و احساسات کو جوش و ولولہ سے بیان کیا گیا ہے ۔

بہرحال سندھ کے ایک شاعر و مؤرخ سے فارسی زبان میں سندھ کی یہ لوک کہانی ایسے دلچسپ انداز میں بہت غنیمت ہے ۔ اس سے پہلے سندھ میں ایک اور رومانی مثنوی کا سراغ ملتا ہے جو محمد مقیم نے 'ترنم عشق' کے نام سے میرزا جانی بیگ حاکم ٹھٹہ کے عہد میں لکھی ۔

☆ ☆ ☆

بیگلار نامہ

یہ تاریخ شاہ قاسم بن امیر سید قاسم بیگلار کے نام منسوب ہونے کی وجہ سے 'بیگلار نامہ' کے نام سے مشہور ہوئی - بیگلار اس کے ممدوح کا خاندانی نام تھا - اس سے مراد ترکی بیگلر بیگ نہیں جو حاکم صوبہ یا نائب السلطنت ہوتا تھا - خاندان بیگلار کا اصلی وطن ترمذ تھا - بعد میں اس کے افراد سمرقند میں مقیم ہوئے اور آخر میں سندھ کی طرف ہجرت کر آئے - بیگلار خاندان کے کسی فرد کا تعلق ترکوں سے رہا تھا اس لیے ان کو ارغون بھی کہتے تھے -

شاہ قاسم کے والد، شاہ حسین ارغون کے زمانے میں سندھ میں آئے - عمر کوٹ کے بھٹی راجپوت خاندان میں شادی کی - یہیں شاہ قاسم پیدا ہوئے - شاہ قاسم نے شاہ حسین ارغون سے لے کر میرزا جانی بیگ کے دورِ حکومت تک خدمات انجام دیں - فتح سندھ کے بعد وہ جانی بیگ کے ہمراہ اکبر کے سامنے حاضر ہوئے - بعد میں وہ میرزا غازی بیگ کے ہمراہ سندھ میں متعین ہوئے اور لمبی عمر تک اپنے خاندان کے ساتھ زندہ رہے -

کتاب میں ۱۰۳۵ھ تک کے واقعات کا ذکر ہے - ممکن ہے یہی سالِ تکمیل ہو - ایلیٹ کا نسخہ ۲۷۵ صفحات پر مشتمل تھا - ہر صفحے میں ۱۷ سطریں تھیں، تقطیع ۹"×۱۷" -

کتاب کے مشمولات اس طرح ہیں:

سندھ کی ابتدائی تاریخ کا ملخّص حملۂ عرب تک، ۲۲ صفحات -

خاندانِ ارغون کا مختصر ذکر، میر قاسم بیگ کے حالاتِ زندگی، ۱۸ صفحات -

بعد میں خاندان ترخان کے افراد کی باہمی جنگ کا ذکر ہے جس میں شاہ قاسم بھی شامل رہے ہیں -

کتاب میں سندھ کے بعض علاقوں کا بالتفصیل ذکر ہے جس سے وہاں کے گاؤں اور ندی نالوں کے علاوہ قبیلوں اور ان کے رسوم و رواج اور اس زمانے کے علاقائی تمدن پر روشنی پڑتی ہے -

'بیگلار نامہ' کے قلمی نسخوں کے لیے دیکھیے :

Blochet, 1, 631 ; Bankipur, vii : 598, Rieu, iii : 9496, I. O. 4398.

☆ ☆ ☆

مظہر شاہجہانی[1]

مصنّف :

'مظہر شاہجہانی' کے مؤلف یوسف میرک کے آباء و اجداد خراسان میں سبزوار کے رہنے والے تھے - یوسف کے والد میر ابوالقاسم اپنے وطن کو چھوڑ کر پہلے کابل میں میرزا حکیم بن ہمایوں کے ملازم ہوئے، بعد میں سر زمین پاک و ہند میں جلال الدین اکبر بادشاہ کے دربار سے منسلک ہوئے - ایک مرتبہ انھوں نے نمکسر (پنجاب) سے نمک کا طشت بنوا کر بادشاہ کے پاس بھیجا جو ان کی نمک حلالی کا مظہر تھا - اکبر نے خوش ہو کر اسے نمکین کا لقب عطا کیا - سرزمین سندھ ان کو خوب راس آئی - وہ اپنے خاندان کے ساتھ بھکر میں مقیم ہو گئے - پھر خاندان کے کچھ لوگ ٹھٹہ میں آباد ہو گئے - وہاں ان کے ایک بیٹے امیر ابوالبقا کے نام سے محلہ امیر خانی مشہور ہوا -

اس خاندان کے افراد تقریباً اڑھائی سو سال تک حکومت کے مختلف عہدوں پر فائز رہے اور اُن میں سے بعض عالم فاضل اور شاعر بھی تھے - بعض نے مسجدیں، قلعے اور مقابر تعمیر کروائے -

یوسف میرک کے حالاتِ زندگی، ان کی تصنیف 'مظہر شاہجہانی' سے ہی اخذ کیے جا سکتے ہیں - عموماً وہ اپنے والد کے ہمراہ رہے - وہ بھکر، گجرات، سوستان اور باجوڑ میں مقیم رہے - جب والد میرزا غازی خاں کے ہمراہ قندھار گئے تو اپنے بیٹے میر ابوالبقا کو سوستان میں انتظام کے لیے چھوڑ گئے - یوسف میرک

۱- مظہر شاہجہانی، مرتّبہ سید حسام الدین راشدی، سندھی ادبی بورڈ، ۱۹۶۲ع، دیباچہ -

اپنے بڑے بھائی کے ہمراہ سوستان میں رہے - جب ابو البقا دربار میں چلے گئے تو یوسف میرک جزوی مددِ معاش پر قناعت کر کے سوستان میں رہ گئے - وہ تقریباً ۱۰۱۶ھ سے ۱۰۳۸ھ تک یہیں مقیم رہے - احمد بیگ حاکمِ سوستان کے دورِ حکومت میں وہ بھکر ہوتے ہوئے بڑے بھائی میر ابوالبقا کے پاس ملتان گئے لیکن ۱۰۳۹ھ میں اس کے ساتھ واپس سہوان آ گئے اور اپنی زیرِ نظر کتاب ۱۰۴۴ھ تک مکمل کی - ان کا سالِ وفات معلوم نہیں -

کتاب کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ یوسف میرک کا مطالعہ وسیع تھا - نظر غائر تھی - ملک داری کے معاملات خوب سمجھتے تھے - نثر و نظم دونوں پر انہیں قدرت حاصل تھی - عقاید کے لحاظ سے وہ اہلِ تسنّن تھے :

مظہرِ شاہجہانی کی وجہِ تسمیہ :

اس کتاب کا پہلا نام 'مظہر التدبیر' تھا - بعد میں 'مظہر شاہجہانی' رکھا گیا کیونکہ یہ کتاب 'فریادِ عوام' کے طور پر داد رسی کے لیے شاہجہان کے حضور میں پیش کی جانے والی تھی - لیکن یہ معلوم نہیں ہو سکا کہ کتاب بادشاہ کی خدمت میں پیش ہو سکی یا نہیں -

کتاب کے دو حصے ہیں - پہلے حصے میں بادشاہ ، اس کے عادات و خصائل ، امور مملکت کے متعلق اس کی ذمے داریاں ، عمال و حکام ، خدم و حشم کی تربیت اور اصولِ حکمرانی کے متعلق اصول و قواعد بتائے گئے ہیں - اس حصے میں چار ابواب ہیں - پہلے باب میں دو فصلیں ہیں - دوسرے باب میں کوئی فصل نہیں - تیسرے میں چار اور چوتھے میں بیس فصلیں ہیں -

اس کا قلمی نسخہ پنجاب یونیورسٹی لائبریری میں شمارہ Ph III, ۱۷ پر موجود ہے جو ۱۷۸ اوراق پر مشتمل ہے - ہر صفحے میں ۱۵ سطریں ہیں - اس میں اس کا نام 'مظہر شاہجہانی' کے بجائے 'دستور العمل' دیا گیا ہے -

اس میں عدالت و رعایا پروری کے ضمن میں سلاطین ، وزرا و عمالِ سلطنت سے متعلق دلچسپ و عبرت انگیز حکایات بیان کی گئی ہیں - اسلاف میں سے سلطان محمود ، سلطان سنجر اور سلطان ملک شاہ ، سندھ کے حکمرانوں میں سے میرزا عیسیٰ ترخان اور میرزا باقی ترخان کے متعلق حکایات بیان کی گئی ہیں - نصیحت اور یاددہانی کے طور پر رعایا پروری کے متعلق معقول اور دلپذیر اقوال

پیش کیے گئے ہیں، مثلاً:

الملک بالملک و الملک بالجند و الجند بالمال و المال بالرعیت و الرعیت برفاہیت العمال۔

ہر کہ از خدا بترسد ہمہ کس از وی بترسد۔

بہترین انعام آنست کہ عام باشد۔

الانسان عبید الاحسان۔

تیسرے باب کا وہ حصہ جس میں منصب داروں کی تربیت کے متعلق تفصیل سے گفتگو کی گئی ہے، سلاطین و حکامِ وقت کے لیے دستاویز کا حکم رکھتا ہے۔ اس میں صوبے دار، قاضی، مفتی، صدر و محتسب کے علاوہ اہلِ تقوی و اہلِ زاویہ، سادات و شیوخ اور فقرا و مساکین کی خوشحالی کے لیے بھی ضروری مسائل کی طرف توجہ دلائی گئی ہے۔ چوتھے باب میں اُن بیس خصائل کا ذکر ہے جو ایک بادشاہ کا زیور ہیں۔ ذاتی خصایص کے علاوہ ان عادات و اطوار کا ذکر ہے جن کو اپنانے اور ان پر عمل پیرا ہونے کی نصیحت کی گئی ہے۔ مثلاً صحبتِ اخیار، کتمانِ اسرار، اغتنامِ فرصت، مشاورت، طلبِ نیکنامی و دفعِ اشرار وغیرہ۔

کتاب میں آیاتِ قرآنی سے بھی استدلال میں مدد لی گئی ہے۔ شعرا میں سے فردوسی، ہاتفی، سعدی اور نظامی کے اشعار سے بھی استفادہ کیا گیا ہے۔ بادشاہ کے خصائل بیان کرتے ہوئے خاص طور پر توکل، شجاعت، علوِ ہمت اور جد و جہد کے متعلق 'اخلاقِ محسنی' سے اقتباسات دیے گئے ہیں۔

'مظہر شاہجہانی' کا دوسرا حصہ تاریخی ہے۔ یہ بھی چار ابواب پر مشتمل ہے۔ صرف چوتھا باب مزید پانچ فصلوں میں منقسم ہے۔ آخر میں تین رکن ہیں اور خاتمہ کا نوٹ ہے۔ پہلے تین ابواب میں بھکر، سیوی اور ٹھٹہ کی تاریخ و جغرافیہ کا مختصر بیان ہے۔ چوتھے باب میں سہوان کا مفصل تذکرہ ہے۔ آخری باب میں مصنف نے اپنے چشم دید احوال و کوائف بیان کیے ہیں۔

'مظہر شاہجہانی' کا دوسرا حصہ صحیح معنوں میں تاریخ ہے۔ مصنف نے ہر علاقے کی جغرافیائی تقسیم بتائی ہے۔ انتظامی اکائیاں مثلاً سرکار، پرگنے، چک اور گاؤں کا ذکر کیا ہے۔ زمینوں کی زرعی تقسیم، کاشتکاری، جمع بندی، مالگزاری کے قواعد بیان کیے ہیں۔ ان علاقوں میں بسنے والی اقوام و قبائل کے عادات و خصائل بتائے ہیں، حکام و عمال کی کارگزاریوں کا ذکر کیا ہے۔ سہوان کے سترہ

عمال کے دورِ حکومت کا مختصر حال بیان کیا ہے ۔ خاص طور پر میرزا احمد بیگ کے دورِ حکومت میں عوام و خواص ، ادنیٰ و اعلیٰ کی مظلومیت اور پریشان حالی کی دردناک داستان بیان کی ہے ۔ اصل میں میرزا احمد بیگ کا بھائی میرزا یوسف تمام ملکی امور کا نگران تھا ۔ اس نے دولت جمع کرنے کے لیے وہ ظلم و ستم ڈھائے کہ پناہ بخدا ۔ ملک کی یہ درگت دیکھ کر مصنف کا دردمند دل تڑپ اٹھا اور اس نے یہ تاریخ مرتب کرکے ارادہ کیا کہ وہ عوام کا نمائندہ بن کر ان کی فریاد بادشاہِ عادل کے حضور میں پیش کرے ۔ کتاب کے آخر میں باغی و سرکش قبائل خاص طور پر سمیجہ اونر ، چانڈیہ بلوچ اور نھمردی قبائل کا قلع قمع کرنے کے لیے مختلف تدابیر بتائی ہیں ۔

'آئین اکبری' کے بعد 'مظہر شاہجہانی' اپنی نوعیت کی پہلی تاریخ ہے جس میں صحیح معنوں میں اُس وقت کی معاشرتی ، سیاسی اور اقتصادی زندگی کا نقشہ پیش کیا گیا ہے ۔

اس زمانے کی تاریخ نگاری کے مروجہ متکلفانہ اسلوبِ نگارش کے برعکس یہ تاریخ سادہ ، رواں اور مستقیم طرزِ نگارش کی حامل ہے ۔ مصنف نے جابجا سرزمین سندھ کی مصطلحات اور سندھی زبان کے الفاظ بھی استعمال کیے ہیں ؛ مثلاً چبوتو ، دکہ خورد (دھکا) ، چپر (چھپر) وغیرہ ۔

☆ ☆ ☆

محمد طاہر نسیانی[۱]

محمد طاہر نام اور نسیانی تخلص تھا ۔ وہ ۹۹۰ھ میں پیدا ہوئے ۔ ان کے والد سید حسن ، مرزا باقی خاں ترخان کے ملازم تھے ۔ محمد طاہر بھی اپنے باپ کی طرح

۱۔ ''میرزا غازی بیگ اور اس کی بزم ادب'' ، سید حسام الدین راشدی ، کراچی ، ۱۹۷۰ع ، ص ۵۶۱ - ۵۸۸ ۔ مقالات الشعرا ، علی شیر قانع ، کراچی ، ۱۹۵۶ع ، ص ۳۷۶ - ۳۷۷ ۔

ترخان خاندان سے وابستہ ہوئے اور جوانی میں ہی مرزا غازی بیگ کے ملازمین میں شامل ہو گئے - ۱۰۱۵ھ میں جب جہانگیر نے مرزا کو قندھار کی مہم پر روانہ کیا تو محمد طاہر اجازت لے کر لاہور سے ٹھٹہ آ گئے اور اپنے تکمیل علم میں مصروف ہو گئے - اس وقت ان کی عمر ۲۵ سال تھی - انھوں نے مولانا محمد اسحاق بھکری سے مولانا روم، سعدی اور جامی کا کلام پڑھا اور میر ظہیر الدین ثانی سے خاقانی اور انوری کے قصاید کے معانی و مطالب سمجھے اور اس طرح اپنے ادبی ذوق کی تربیت کی - ایک سال بعد جو کمک ٹھٹہ سے قندھار بھیجی گئی اس میں محمد طاہر بھی شامل ہو کر قندھار گئے اور میرزا غازی کی وفات تک (۱۰۲۱ھ) وہیں رہے - پھر اپنے وطن دربیلہ میں واپس آ گئے - وہ ۱۰۶۱ھ میں اکسٹھ سال کی عمر میں فوت ہوئے اور اپنے خاندانی قبرستان مکلی میں دفن ہوئے -

محمد طاہر کو تصنیف و تالیف کا بھی شوق تھا - انھوں نے قصہ عمرو ماروی کو 'ناز و نیاز' کے نام سے فارسی نثر میں لکھا - ان کی اہم تالیف سندھ کی تاریخ ہے جو 'تاریخ طاہری' کے نام سے معروف ہے -

تاریخِ طاہری :

محمد طاہر نے یہ تاریخ اپنے ممدوح و مربی میرزا شاہ محمد بیگ عادل خاں بن شاہ بیگ خاں ملقب بہ خانِ دوران کی اجازت سے لکھی اور اسی کے نام منسوب کی - یہ کتاب ۱۰۳۰ھ میں مکمل ہوئی -

یہ تاریخ دس طبقات میں منقسم ہے - پہلے طبقے میں سمرا، دوسرے میں سمّہ، تیسرے میں ارغون اور باقی طبقات میں ترخان خاندان کے احوال و کوائف مذکور ہیں - قندھار میں میرزا غازی بیگ کی موت یعنی ۱۰۲۱ھ تک کے حالات و واقعات بھی شاملِ کتاب ہیں -

تاریخ کا وہ حصہ قابلِ قدر اور اہم ہے جس میں مؤلف نے وہ حالات و واقعات درج کیے ہیں جو انھوں نے اپنے والد، ان کے احباب یا ایسے اصحاب سے معلوم کیے جو خود ان واقعات کے چشم دید گواہ تھے - مثلاً :

۱- مرزا باقی کی خودکشی کے متعلق تفاصیل درج ہیں جو کسی دوسری کتاب میں محفوظ نہیں -

۲- خانخانان اور مرزا جانی بیگ کے درمیان جنگ کے واقعات جزئیات

کے ساتھ بیان ہوئے ہیں۔

۳۔ میرزا غازی بیگ کی وفات کے متعلق بھی وقیع اطلاعات پر روشنی پڑتی ہے۔

محمد طاہر شعر بھی کہہ لیتے تھے۔ اس تاریخ میں مندرج اشعار سے اس کی تصدیق ہوتی ہے۔ یادگار کے طور پر ہم انھیں یہاں نقل کیے لیتے ہیں تاکہ ان کی طبع موزوں کا اندازہ ہو سکے۔

ز عدلِ جہانگیر گردون سریر دگر بار گشتہ جوان دھر پیر

گلِ نوشگفتہ ز ہر نوک خار مبادا خزان بر چنین نوبہار

بہار جہان را مباد آن خزان بدورِ جہان شاہ فرمان روان

'تاریخ طاہری' کا آغاز حمدِ خدا سے کیا ہے:

رخ مہ وشان را ازان آبروست گل بوستان را ازو رنگ و بوست
گر او دلبران را نمیداد آب کہ کردی دلِ عاشقان را خراب
ور او گل ببستان نمی آفرید ز بلبل سحرگہ کہ دستان شنید
بتان را ببتخانہ رونق ازوست بمسجد ہم او، ہم ببتخانہ اوست

شاہ بیگ عادل خان حاکمِ قندھار کے ذکر میں مصنف یوں رقم طراز ہے:

رقمہای کلک زبان آوران دھد جان بنام فرو رفتگان
من این نامہ کز خامہ کردم رقم بہ امداد صاحب فرشتہ نشان
بسی مردگان را بدادم حیات بسی سروران را سپردم روان

مقالات الشعرا (ص ۳۷٦ - ۳۷۷) میں محمد طاہر کے مندرجہ ذیل اشعار مندرج ہیں:

ز آبِ حیاتِ قلم ہر کہ زیست نمیرد، بود زندہ تا زندگیست
دلی مردہ در زندگانی کسیست کہ در نامہ نامش ندانند کیست

ز دل نقشِ غمش زائل نگردد سویدا خط انسانی نباشد

✩ ✩ ✩

ترخان نامہ یا ارغون نامہ[1]

اس کے مصنف سید جمال بن میر جلال الدین حسینی شیرازی نے ۱۰۶۵ھ میں اسے مکمل کیا ۔ اگرچہ اس نے کتاب کا نام اپنے ممدوح و مربی[2] مرزا محمد صالح ترخان کے نام کی وجہ سے 'ترخان نامہ' رکھا لیکن یہ تاریخ اکثر 'ارغون نامہ' کے نام سے معروف رہی ۔

مرزا محمد صالح ، مرزا عیسیٰ ترخان کا بیٹا تھا ۔ یہ بڑے مرزا عیسیٰ ترخان بانیِ خاندان ترخان کا پوتا تھا ۔ وہ ٹھٹہ اور گجرات کا صوبے دار رہا ۔ جب اس نے شریف الملک کو ٹھٹہ میں گرفتار کیا تو شاہ جہان نے اس کی قدر افزائی کی اور اس کے منصب میں اضافہ کیا ۔ اس نے ۱۰۹۵ھ میں ۹۵ سال کی عمر میں وفات پائی ۔

مؤلف نے اپنی تاریخ کے لیے تاریخ طبری ، روضۃ الصفا ، ظفر نامہ ، تاریخ ہمایونی ، اکبر نامہ ، انتخاب بے بدل بوسفی ، تاریخ گزیدہ ، نگارستان ، تاریخ طاہری ، اور مجمع الانساب سے استفادہ کیا ہے اور حضرت نوح[4] سے لے کر قبیلہ[5] ترخان تک کے قبائل کے آباء و اجداد کا سراغ لگایا ہے ۔ خاندان ترخان اور خاندان ارغون کی تاریخ کا بیشتر حصہ تاریخ سندھ مؤلفہ میر معصوم نامی سے ماخوذ ہے ۔ بعض جگہ تو اس کی عبارات اور جملے تک اپنا لیے گئے ہیں ، لیکن مؤلف نے اپنے مآخذ میں اس تاریخ کا نام نہیں لیا ۔

کتاب کا قلمی نسخہ ۱۳۷ صفحات پر مشتمل ہے ۔ ہر صفحے میں ۱۷ سطریں ہیں اور تقطیع ۱۲" × ۹" ہے ۔

اس کتاب کا دیباچہ ۲ صفحات پر مشتمل ہے ۔

حضرت نوح سے مرزا صالح ترخان تک کا نسب نامہ اور دوسرے کوائف ۳۸ صفحات میں مندرج ہیں ۔ خاقانِ ترکستان ، چنگیز خان اور اس کے جانشینوں کی تاریخ ۲۳ صفحات میں بیان کی گئی ہے ، اور باقی صفحات میں خاندان ترخان کی تاریخ مرزا عیسیٰ ترخان تک مرقوم ہے ۔

☆ ☆ ☆

1. Elliot and Dowson, History of India, Vol. I, pp. 300-326.

شیخ فرید بھکری[1]

'ذخیرۃ الخوانین' کے مؤلف شیخ فرید بھکر میں پیدا ہوئے - ان کے ماموں محمد اسحاق، گجرات میں نظام الدین احمد کے وکیل اور دیوان کے فرائض انجام دیتے رہے - انھی کے توسط سے میر معصوم، نظام الدین احمد سے متعارف ہوئے اور انھوں نے 'طبقاتِ اکبری' کی تالیف میں ان کی مدد کی - شیخ فرید کے والد شیخ معروف تیموری دورِ حکومت میں بھکر کے صدر تھے - جب بھکر نواب مرتضٰی خان کی جاگیر میں تھا تو اس نے چار ہزار بیگھہ زمین ائمہ کی مددِ معاش کے لیے وقف کر دی اور مستحقین میں اس کی تقسیم شیخ معروف کی صوابدید پر چھوڑ دی -

شیخ فرید نے میر ابو القاسم نمکین سے عروض و کتابت کی تعلیم حاصل کی - ان کے ایک اُستاد مُلا" مصطفٰی جونپوری بھی تھے -

شیخ فرید اچھے شعر بھی کہہ لیتے تھے - مثلاً محمد خان نیازی، منصب دار جہانگیری کے متعلق ان کی یہ رباعی قابلِ داد ہے :

ایام بہار است و گل و لالہ و نسرین
از خاک بر آیند تو در خاک چرائی
چو ابرِ بہاران شوم و زار بگریم
بر خاک تو چندان کہ تو از خاک بر آئی

شیخ فرید کو قطعاتِ تاریخ لکھنے کا بھی شوق تھا - چنانچہ 'ذخیرۃ الخوانین' میں ان کے چند قطعات موجود ہیں -

شیخ فرید مشائخ و اولیا سے خاص عقیدت رکھتے تھے - وہ بہاء الدین زکریا سہروردی اور شیخ جنید گجراتی (پٹنی) کے خاص ارادت مند تھے -

شیخ فرید عرصے تک تیموری عہدِ حکومت میں سرکاری خدمات پر مامور رہے - وہ ابو الفتح دکنی پنج ہزاری کے وکیل رہے - انھوں نے بتایا ہے کہ

۱- ذخیرۃ الخوانین، فرید بھکری، مرتبہ سید معین الحق، کراچی، ۱۹۶۱ع، دیباچہ انگریزی -

وہ صوبہ برار میں آٹھ سال تک دیوان و بخشی و امین و واقعہ نویس کی خدمات سرانجام دیتے رہے - ۱۰۱۹ھ میں وہ خان جہان لودھی کے ہمراہ دکن کی مہم میں شریک تھے - ۱۰۲۳ھ میں وہ نواب نور النساء بیگم کے دیوان تھے - ۱۰۳۸ھ میں خان جہاں لودھی کی سرکار کے بخشی کُل رہے - خان جہاں کے بعد سپہ سالار مہابت خاں کے ملازمین میں شامل ہوئے - دولت آباد کی فتح کے موقع پر ۱۰۴۳ھ میں وہ وہاں موجود تھے - چنانچہ انھوں نے اس فتح کے متعلق مندرجہ ذیل برجستہ و موزوں تاریخیں نکالیں :

۱- قلعہ مفتوح شد

۲- دولت آباد فتح نمودند

۳- دیوگیر فتح شد

۴- سرو پای نظام الملک شکستہ

شیخ فرید سرانداز خاں قلاق کے بھی ملازم رہے جو لکھنؤ کے بہتّر پرگنوں کا فوجدار تھا - اس نے علماء و مشائخ پر اتنا خرچ کیا کہ سپاہیوں کو تنخواہیں بھی نہ مل سکیں - اس شکایت پر بادشاہ نے شیخ فرید کو سرانداز خاں کی سرکار کا وکیل مطلق العنان مقرر کر دیا - ایک ہزار روپیہ تنخواہ اور دو روپے یومیہ غذا کے لیے الاؤنس مقرر ہوا - شیخ نے سرکار کا بہت اچھا انتظام کیا لیکن پرانے خدام کی شکایت پر سرانداز خاں نے ان کے ساتھ اچھا سلوک نہ کیا -

شیخ فرید ۱۰۵۹ھ میں دکن میں بارہ قلعوں کے امین و واقعہ نویس تھے - وہ ۱۰۶۱ھ تک اسی منصب پر مامور رہے -

'ذخیرۃ الخوانین' کے علاوہ شیخ فرید نے اپنی دو اور تالیفات کا ذکر بھی کیا ہے - ایک تاریخ شاہجہانی اور دوسری تحفہ' سرانداز خانی - لیکن ان دو کتابوں کا کہیں سراغ نہیں ملتا -

ذخیرۃ الخوانین :

اس کتاب کا دوسرا نام 'تذکرۃ الامرا' ہے - یہ کتاب تین ابواب میں منقسم ہے - ان میں بالترتیب اکبر ، جہانگیر اور شاہجہان کے منصب داروں اور امرا

کا ذکر کیا گیا ہے ۔ کتاب کی پہلی جلد یا پہلا باب ۱۹۶۱ء میں شائع ہو چکا ہے ۔ اس میں ۱۸۴ امرا کا ذکر موجود ہے ۔ بعض کے متعلق ایک ایک دو دو سطریں لکھی ہیں ۔ بعض کے متعلق تفصیل سے لکھا ہے ؛ مثلاً بیرم خاں ، عبدالرحیم خانخاناں ، ابوالفضل ، راجہ مان سنگھ ، شیخ فرید بخاری ، محمد خاں نیازی وغیرہ ۔ اگرچہ یہ امرا اکبر کے عہد ِ حکومت سے متعلق ہیں لیکن ان میں سے بعض ۱۰۶۱ھ یعنی کتاب کے سال ِ تکمیل تک زندہ تھے ۔ اس لیے مؤلف نے جا بجا بعض کے متعلق اس سال تک کے حالات شامل کر لیے ہیں ۔

یہ پہلی کتاب ہے جس میں صرف امرا کے احوال و کوائف جمع کیے گئے ہیں ۔ اس سے پہلے اولیا و شعرا کے تذکرے لکھنے کا تو رواج تھا لیکن اس قسم کی کتاب تدوین و تالیف نہیں ہوئی تھی ۔ البتہ تواریخ میں تذکرۂ امرا کے لیے چند صفحات مختص کیے جاتے تھے ۔ آئین اکبری ، طبقات ِ اکبری ، بادشاہنامہ ، عمل صالح وغیرہ میں امرا کے احوال و کوائف بھی بیان کیے گئے ہیں ۔

اس کتاب کی تاریخی اہمیت اس لیے بھی زیادہ ہے کہ شیخ فرید خود بعض معرکوں میں شریک تھے اور بہت سی نمایاں شخصیتوں کے ساتھ ان کا واسطہ رہا ۔ وہ مختلف صوبوں میں اہم مناصب پر مامور رہے ۔ اس لیے انھوں نے یا تو چشم دید گواہ کی حیثیت سے واقعات بیان کیے ہیں اور یا پھر ان لوگوں سے سن کر لکھے ہیں جو ان واقعات کے شاہد تھے ۔ انھوں نے تاریخ کی بعض کتابوں سے بھی استفادہ کیا ہے ؛ مثلاً طبقات ِ اکبری ۔

مؤلف نے بعض مشہور شخصیتوں کے اخلاق و عادات کے متعلق بے باکی سے اپنی رائے کا اظہار کیا ہے ۔ مثلاً عبدالرحیم خانخاناں کے متعلق لکھا ہے کہ وہ تند مزاج تھا ، طالب ِ دنیا تھا اور اس کا عقیدہ تھا کہ دشمن کے ساتھ دوستی کے لباس میں دشمنی کرنی چاہیے ۔

مہابت خاں کے متعلق لکھا ہے کہ وہ روزہ اور نماز کا پابند نہیں تھا ۔ سفاک و بے باک تھا ۔

ابوالفضل کے اخلاق و عادات اور دکن میں اس کی خدمات کے متعلق جو بیانات دیے ہیں وہ کسی اور تاریخ میں موجود نہیں ۔ نور جہاں کی شادی کے متعلق جو کچھ لکھا ہے اس سے بھی تصدیق ہوتی ہے کہ شادی سے پہلے جہانگیر

کے ساتھ اس کا کوئی عشق وغیرہ نہیں تھا ۔ جہانگیر کے ساتھ اس کی شادی تخت نشینی کے چھٹے سال میں ہوئی ۔

'ذخیرۃ الخوانین' کی زبان سادہ اور اسلوبِ بیان واضح ہے ۔ شیخ فرید بعض جگہ اُس وقت کی مقامی زبان کے الفاظ بھی استعمال کرتے ہیں ۔ مثلاً چودھری ، چوڈول ، چوکی ، کٹرہ ، چوپر بازی وغیرہ ۔ ایک آدھ جگہ مقامی زبان کا کوئی شعر یا مصرع بھی ملتا ہے ۔ مثلاً ایک جگہ کہتے ہیں :

آگ لگنتی جھونپڑہ جو نکلے لابھ

'ذخیرۃ الخوانین' کا دوسرا باب یعنی دوسری جلد پاکستان ہسٹاریکل سوسائٹی کی طرف سے ۱۹۷۰ع میں شائع ہوئی ۔ اس میں عہدِ جہانگیری کے ۲۲۶ امرا کا تذکرہ ہے ۔ اس میں بعض ایسے منصب دار بھی آ گئے ہیں جو عہدِ شاہجہانی میں بھی زندہ تھے ۔ سب سے زیادہ تفصیلی حالات مہابت خاں خانخاناں کے لکھے ہیں جو مطبوعہ کتاب کے ۱۱۶ سے ۱۷۲ صفحات تک پھیلے ہوئے ہیں ۔ اس سے کمتر تفصیلی حالات خان جہاں لودھی ، نور جہاں بیگم ، آصف خاں اور مرزا غازی بیگ ترخان کے ہیں جو صفحہ ۱۸ سے ۱۱۵ تک پھیلے ہوئے ہیں ۔ باقی امرا کا حال مختصر لکھا ہے ۔ اس جلد کے کل ۳۱۲ صفحات ہیں ۔

بعض بڑی شخصیتوں کے متعلق جو نجی اور اندرونِ خانہ باتیں لکھی ہیں وہ کسی اور تاریخ یا تذکرے میں مرقوم نہیں ۔ معاصر مؤرخین مثلاً ابوالفضل ، عبدالقادر بدایونی ، اخوند درویزہ اور مؤلف دبستان المذاہب نے پیر روشن با یزید انصاری کو بے دین ، مرتد ، فاسق اور رہزن لکھا ہے ۔ لیکن شیخ فرید نے ان کے متعلق لکھا ہے کہ :

''تا زیست بہ عبادت حق و رواج سنّتِ نبی برحق قیام داشتہ ، مخالفت در امر معروف و نہی منکر نکرد ۔'' (ص ۲۲۳)

ان کی تصنیف 'خیر البیان' کے متعلق لکھا ہے کہ :

''آن کتاب مدل بر اثبات وحدت وجود است و دلایل و حجّت ساطع و برہان قاطع از روی نص و احادیث و اقاویل بزرگان سلف آوردہ ۔''
(ص ۲۲۳)

مؤلف 'ذخیرۃ الخوانین' نے امرا کی زندگی کے حالات اور واقعات کے متعلق سنین لکھنے کا اہتمام نہیں کیا - لیکن یہ کمی حواشی و تعلیقات کے اضافے سے پوری ہو سکتی تھی - اسی طرح اما کن کی تعیین و تفصیل لکھنے سے بھی کتاب کی افادیت میں اضافہ ہو سکتا تھا -

☆ ☆ ☆

میر ابوالقاسم نمکین[1]

میر ابوالقاسم نمکین کے والد "ملا" میر سبزواری حضرت امام موسیٰ رضا کے مزار کے متولی تھے - اوزبکوں کے حملے کے دوران میں وہ قندھار منتقل ہوئے اور وہیں دار بقا کو چل دیے - میر ابوالقاسم کے متعلق اتنا معلوم ہے کہ وہ ابتدا میں اکبر بادشاہ کے بھائی میرزا محمد حکیم کے ملازم تھے - پھر ہندوستان میں آ کر اکبر کے دربار سے وابستہ ہو گئے - بھیرہ و خوشاب ان کو جاگیر میں ملے - ایک مرتبہ میر صاحب نے نمک کی رکابی اور پیالہ اکبر کی خدمت میں بھیجا - اکبر نمک حلالی کا اشارہ سمجھ کر خوش ہوئے اور انھیں نمکین کا لقب عطا کیا -

اکبری دربار میں ان کو خاصا قرب حاصل رہا - وہ جنگی خدمات پر بھی مامور ہوتے رہے - ۹۸۰ھ میں وہ کرم علی کے ہمراہ مظفر گجراتی کے تعاقب میں گئے تا کہ اسے دربار میں حاضر کریں -

---

۱- تذکرۂ امیر خانی ، حسام الدین راشدی ، حیدر آباد ، ۱۹۶۱ع - تحفۃ الکرام ، علی شیر قانع ، ج ۳ ، ص ۱۳۷ - مآثرالامرا ، ج ۳ ، ص ۷۳ - ۷۵ - اکبر نامہ ، ج ۳ - مظہر شاہجہانی ، یوسف میرک ، ج ۲ - ذخیرۃ الخوانین فرید بھکری -

۹۸۲ھ میں راجہ ٹوڈر مل ، قبا خاں اور نظر بہادر وغیرہ کے ہمراہ بنگال کے داؤد خاں کی سرکوبی پر مامور ہوئے - ایک مرتبہ داؤد کے چچیرے بھائی جنید کے مقابلے میں ان کو شکست بھی ہوئی لیکن بعد میں داؤد کے خلاف عظیم معرکے میں فتح ہوئی - ۹۸۹ھ میں میرزا حکیم یورش کے خیال سے کابل سے پشاور کو آ رہے تھے - اکبر نے شاہزادہ مراد کے ہمراہ دیگر امرا کے ساتھ میر ابوالقاسم کو بھی روانہ کیا تاکہ میرزا کو روکیں - ۹۹۱ھ میں قتلو خاں کی بغاوت کو فرو کرنے کے لیے جو امرا مامور ہوئے ، ان میں ابوالقاسم نمکین بھی شامل تھے - ۹۹۴ھ میں اسماعیل قلی خاں کے ہمراہ بلوچوں کی سرکوبی پر مامور ہوئے - ۹۹۶ھ میں وہ میر آصف خاں کے زیر قیادت یوسف زئی قبیلہ کے ساتھ جنگ میں شریک تھے - کالو خاں افغان کو شکست ہوئی تو وہ کالو خاں کو ہمراہ لے کر اکبر کے پاس حاضر ہوئے - انھی کی سفارش پر اس کی جان بچی اور اسے قید خانے میں بھجوا دیا گیا - ۱۰۰۱ھ میں وہ بھکر کے حاکم تھے - اسی سال انھیں سیوی کے قلعے پر قبضہ کرنے کا حکم ہوا -

۱۰۰۵ھ میں ابوالقاسم کشمیر میں تھے - ۱۰۰۶ھ میں وہ کشمیر سے واپسی پر لاہور میں اکبر کی خدمت میں حاضر ہوئے - ۱۰۰۷ھ میں جب سیوہن میں اپنی جاگیر پر واپس آئے تو وہاں انتظامی ابتری کی اصلاح کی - ۱۰۱۱ھ میں ان کو حکم ہوا کہ میرزا غازی خاں ترخان اور ان کے غلام خسرو خاں کو دربار میں بھیجیں - ۴ ماہ مہر الٰہی ۱۰۱۳ھ کو وہ سعید خاں اور میرزا غازی خاں کے ہمراہ دربار اکبری میں حاضر ہوئے - وہ کچھ عرصے کے لیے قندھار کے حاکم ہوئے - ۱۰۱۴ھ میں وہ گجرات کی جاگیر کے منتظم تھے - ۱۰۱۵ھ میں جب خسرو پرویز نے جہانگیر کے خلاف بغاوت کی تو میر نے خسرو اور ان کے ساتھیوں کو گجرات میں روک لیا اور وہ بادشاہ کی نظر میں مقبول ہوئے - مآثرالامراء کے بیان کے مطابق ان کو سہ ہزاری منصب عطا ہوا - ۱۰۱۶ھ میں وہ قلعہ باجوڑ کے قلعدار تھے - ۱۰۱۷ھ میں سردار خاں حاکم بھکر فوت ہوا تو ان کو دوبارہ وہاں کا حاکم نامزد کیا گیا - ۱۰۱۹ھ یعنی اپنے سال وفات تک وہ وہاں کے منتظم اعلیٰ رہے - ۱۰۱۷ھ میں جب میرزا غازی ترخان حاکم قندھار مقرر ہوئے تو وہ میر ابوالقاسم کو بھی مشیر کے طور پر اپنے ہمراہ لے گئے - ایک سال تک وہاں قیام رہا - پھر رخصت لے کر واپس آ گئے -

میر صاحب کی ساری زندگی شاہی خدمات کے ہنگاموں میں صرف ہوئی - وہ ۴۳ سال اکبر کے دورِ حکومت میں اور ۵ سال جہانگیر کے عہدِ حکومت میں مختلف خدمات پر مامور رہے - اُنھوں نے بڑی کامیاب زندگی گزاری - وہ باہر سے آئے تھے لیکن سندھ کی سرزمین ان کو ایسی پسند آئی کہ یہیں کے ہو رہے - ان کے ہاں سات بیٹے اور ایک لڑکی ہوئی ، پھر ان کے بھی کئی نامور فرزند ہوئے - تقریباً دو سو سال تک ان کا خاندان نامور رہا - ان کی بنائی ہوئی بعض عمارات اور قبرستان آج تک محفوظ ہیں - میر ابوالقاسم نے مندرجہ ذیل عمارتوں کی بنیاد رکھی :

۱- بھکر کی جامع مسجد -
۲- بھکر کا بازار -
۳- سکھر کی عید گاہ -
۴- روہڑی کی عید گاہ -

ان کے خاندان میں سے 'مظہر شاہجہانی' کے مصنف یوسف میرک ، متوفی ۱۰۴۴ ، عبدالکریم مصاحبِ عالمگیر و شاعر ، میر ابوالمکارم شہود (م - ۱۰۷۳) بلند پایہ شاعر اور مثنوی پریخانہ' سلیمان کے مصنف ، سید اشرف خان رقائم کرائم کے مؤلف ، میر رضی الدین فدائی (م - ۱۱۲۰ھ) شاعر ، امین الدین خان حسین مصنفِ معلومات الآفاق اور رشحات الفنون اپنے علمی و ادبی کارناموں کی وجہ سے نامور ہوئے - ۱۲۷۸ھ تک ان کے خاندان کے باقیات کا نام و نشان ملتا ہے - ۱۱۲۰ھ تک وفات پانے والوں کے علمی و ادبی کارناموں کا ذکر ہم اس موجودہ جلد میں کریں گے -

یوسف میرک کے بیان کے مطابق[۱] ابوالقاسم نمکین بڑے علم دوست اور علما و فضلا کے قدردان تھے - علما کو مددِ معاش عطا کرنے کا طریقہ انھوں نے رائج کیا - چنانچہ سہوان کے اہلِ علم و فضل کا روزینہ انھی کی کوشش سے مقرر ہوا - اپنی ساختہ عمارت 'صفہ' صفا' میں چاندنی راتوں میں علما فضلا کے ساتھ بزم آراستہ کرتے اور موضع نار کے خربوزے مل کر کھاتے - شیخ فرید بھکری نے لکھا ہے کہ انھوں نے بھکر میں ابوالقاسم سے کتابت اور عروض کی تعلیم حاصل کی -[۲]

۱- مظہر شاہجہانی ، یوسف میرک ، ج ۲ ، ص ۳۱۰ -
۲- ذخیرة الخوانین ، کراچی ، ص ۱۲۰ -

اس بیان سے ظاہر ہے کہ وہ شعر بھی کہہ لیتے ہوں گے لیکن ان کی صرف ایک نثری یادگار 'منشآت نمکین' کے عنوان سے باقی رہ گئی ہے ۔ انڈیا آفس لائبریری میں اس کا ایک نسخہ موجود ہے[1] ۔

منشآتِ نمکین :

یہ کتاب ۱۰۰۶ھ میں مکمل ہوئی اور اکبر بادشاہ سے منسوب کی گئی ۔ یہ آٹھ ابواب اور خاتمے پر مشتمل ہے ۔ ابواب کے عنوانات یہ ہیں :

۱۔ در ابتدای صنعتِ کتابت و ذکر ابتدای مکاتیب باسماء اللہ تعالٰی ۔
۲۔ در ترقیم فرامین و مناشیر سلاطین عدالت آئین و اجوبۂ لطائف تزئین آنحضرت ۔
۳۔ در تحریر ادعیہ صفاتیہ و فردیہ و صحائف و مکاتیب ۔
۴۔ در ترسیم عرایض (سوالیہ و جوابیہ) ۔
۵۔ در تسطیر صحائف مرشد و مسترشدین و والدین و اساتیذ و اخوان و اخوات و اولاد و در گلہ مندی و شکایت از عدم مراسلہ و مایتعلق بہا ۔
۶۔ در تنمیق صحایف تہانی و تعازی ۔
۷۔ در تصدیر قبالات و تمسکات و نکاح و طریق بستن نکاح و سجلات شرعیہ و غیر آن ۔
۸۔ در بیان ارتسام صحایف قبل الملاقات و بعدہ و مطایبات مضحکہ و متفرقات ۔

خاتمہ : در تضمین مسائل بنای مسلمانی و سببِ وجوبِ نماز و نیت آن و آداب و قرأت آن و کیفیت نماز عیدین و خطبات جمعہ و عیدین و نماز استسقا و خطبہ و ادعیۂ کسوف و خسوف . . . الخ ۔

میر ابوالقاسم کی ایک اور کتاب کا انکشاف ہوا ہے جس کا نام 'جوامع الجواہر'

۱۔ فہرست مخطوطات انڈیا آفس ، ج ۱ ، ص ۱۱۴۱ - ۱۱۴۳ ۔

ہے ۔ اس کا موضوع فلسفۂ اسلامی ہے ۔ یہ کتاب میرزا غازی بیگ ترخان کے نام معنون ہوئی ۔[1]

☆ ☆ ☆

نگار نامہ[2]

'نگار نامہ' کے مؤلف منشی لال چند ملتانی معروف بہ ملک زادہ ہیں ۔ یہ کتاب ۱۰۹۴ھ-۱۰۹۵ھ میں تالیف ہوئی ۔ مؤلف کے متعلق اتنا معلوم ہے کہ شہزادہ معظم کا منشی تھا ۔ وہ کابل کی مہم میں شرکت کے لیے روانہ ہوا تھا لیکن خرابیِ صحت کی وجہ سے اس کو پشاور سے واپس جانے کی اجازت مل گئی ۔ وہ رحمت خاں دیوان دکن کے پاس بھی ملازم رہا ۔ ملازمت سے الگ ہونے کے بعد اس نے یہ کتاب ترتیب دی ۔

'نگار نامہ' میں اورنگ زیب کے فرامین ، امرا ، شاہزادوں اور ان کی بیگمات کے مکتوبات اور خود مؤلف اور دوسرے منشیوں کے ذاتی خطوط مندرج ہیں ۔

یہ کتاب نہایت اہم دستاویزات کا مجموعہ ہے ۔ اس سے اورنگ زیب کے عہد کی مالی اور انتظامی صورتِ حال پر واضح روشنی پڑتی ہے ۔ ٹیکسوں کی وصولی ، جزیہ کی تعیین ، خزانے کی معموری اور منتقلی ، ٹکسال کا انتظام ، رائج سکہ کے معیار کے متعلق نہایت مفید اطلاعات ملتی ہیں ۔ انتظامی افسروں مثلاً دیوان ، عامل ، کوتوال ، امین ، کروڑی ، فوطہ دار ، مقدّوم ، فوجدار اور واقعہ نویس کے فرائض اور ان کی بجا آوری کے متعلق اورنگ زیب نے ہدایات مرتّب کی تھیں ۔ ان سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس زمانے میں رعایا کی خوش حالی کے لیے ہر ممکن کوشش کی جاتی تھی ۔ اورنگ زیب نے پندرہ اصولوں پر مشتمل ایک دستور العمل مرتب

۱۔ "میرزا غازی بیگ ترخان اور اس کی بزم ادب" ، حسام الدین راشدی ، کراچی ، ۱۹۷۰ع ، ص ۵۹۷ ۔

۲۔ مجلہ برہان ، ماہنامہ ، دہلی ، فروری ۱۹۶۹ع ، مقالہ بعنوان 'نگار نامہ' از ڈاکٹر نور الحسن ۔

کیا تھا - اس میں زمینوں کی کاشت کاری اور آبپاشی کے وسائل کے متعلق احکام درج تھے -

ان مراسلات سے بعض درباری رسوم کے متعلق بھی معلومات حاصل ہوتی ہیں - ایک مراسلے میں فیل خانے کی دیکھ بھال کے متعلق تفصیلات بتائی گئی ہیں -

☆ ☆ ☆

انشای ہرکرن

'انشای ہرکرن' کا مصنف ہرکرن ولد متھرا داس کنبوہ ملتانی ، نواب اعتبار خاں[1] جہانگیری کا منشی تھا - اس کی زندگی کے متعلق تفاصیل نہیں ملتی ہیں -

انشائی ادب میں 'انشای ہرکرن' مقبول کتاب شمار ہوتی رہی ہے - یہ کتاب بہ تفصیلِ ذیل سات ابواب میں منقسم ہے :

۱- نامہ‌ها کہ سلاطین بسلاطین بنویسند -

۲- در اصدارِ فرامین -

۳- در شرح پروانجات -

۴- در نوشتنِ عرایض -

۵- در مکتوبات کہ ابنای روزگار بیکدیگر نویسند -

۶- در نوشتنِ خط قبالہ شرعی -

۷- در نوشتن دستک و سرنامہ -

فرامین میں وہ حکم نامے شامل ہیں جو بادشاہ یا حاکم کی طرف سے صوبے دار ، قاضی یا کوتوال کے تقرر پر لکھے جاتے تھے - راہداری کے نمونے بھی اسی عنوان کے تحت درج ہیں -

---

۱- دیکھیے مآثرالامرا ، شاہنواز خاں ، کلکتہ ، ج ۱ ، ص ۱۳۴ ، ۱۳۵ -

پروانے چھوٹے پیمانے پر منصب داروں کے نام حکم نامے ہیں ، مثلاً فوجدار یا میرآخور کے نام یہ حکم ہے کہ استغاثے کی پیروی کی جائے ۔ فلاں شخص کا قرض واپس دلایا جائے ۔

عرض داشتوں کے نمونوں میں وہ رپورٹیں شامل ہیں جو سپہ سالار اور سردار سپہ جنگوں اور فتوحات کے متعلق مرکزی دفتر کو بھیجتے ہیں ، یا اپنے اپنے علاقوں میں امن و امان کے متعلق احوال و کوائف لکھ کر ارسال کرتے ہیں ، یا لشکر کی ضروریات کے متعلق تفصیل لکھتے ہیں ۔ کتاب میں اس قسم کی ۱۸ عرض داشتیں مرقوم ہیں ۔

نجی خطوط کے ۳۴ نمونے دیے ہیں ۔ مراتب و تعلقات کی بنا پر ہر ایک خط میں الگ الگ طرزِ تخاطب اور طرزِ اختتام لکھا ہے ، مکتوب الیہ کا پتا لکھنے کا طریق بھی بتایا ہے ۔ مثلاً :

"بشرف مطالعہ نواب . . . مشرف باد"

این نامہ (عریضہ ، مکتوب ، کتاب ، اشتیاق نامہ) بخدمت والا — برسانند ۔

دستک وہ چھوٹی چھوٹی تحریریں ہیں جو افسر عوام کے نام لکھا کرتے ہیں ۔ یہ گویا محکمۂ قضا ، عدالت اور کوتوال کی طرف سے سمن یا نوٹس ہیں ۔ مثلاً :

"دستک باسم بیوپاریان . . . آنکہ بمجرد رسیدن دستک بچبوترہ کوتوالی آمدہ حاضر شوند و اہمال نورزند ۔"

'انشای ہرکرن' سے ظاہر ہے کہ ہندو بھی مسلمان انشاپردازوں کی طرح منشی ، دبیر یا سیکرٹری کا کام انجام دے سکتے تھے ۔ انھوں نے اپنے آپ کو اسلامی آداب و شعائر سے اس قدر مانوس کر لیا تھا کہ وہ مسلمانوں کی طرح حمد و ثنا کے بعد پیغمبرؐ پر بھی درود و سلام لکھتے تھے ۔ ہرکرن نے بھی یہی روش اختیار کی ہے مثلاً ایک جگہ لکھتے ہیں :

"بعد از ادای وظایف درود و تحیت نبی المختار و سید الابرار محمد ۔"[1]

'انشای ہرکرن' تاریخی نقطۂ نظر سے بھی اہم ہے کیوں کہ اس میں اس زمانے کے دفتری و منصب داری نظام کی جھلک نظر آتی ہے ۔ ایک جگہ منصب داروں کے فرایض بتائے ہیں ، دوسری جگہ محاصل اور معاوضات کے نام لکھے ہیں ۔ مثلاً

---

۱ ۔ انشای ہرکرن ، مترجمہ بالفور ، کلکتہ ، ۱۷۸۱ع ، ص ۲ ۔

قتلقہ، پیشکش، جریبانہ، ضابطانہ -

دو تحریروں سے ظاہر ہے کہ اس زمانے میں بکریوں بھیڑوں کی طرح کنیزیں بھی فروخت ہوتی تھیں اور ان کے لیے رسیدیں لکھی جاتی تھیں - اگر تحریر کے نمونے میں مندرجہ رقم صحیح ہے توچھوٹی بڑی کنیز بیس تیس روپے میں مل جاتی تھی - چنانچہ صفحہ ۱۶۱ پر مذکور ہے کہ ایک سہ سالہ کنیزک بیس روپے اکبری میں فروخت کی گئی -

'انشای ہرکرن' کی تحریروں میں تکلفات کم ہیں - ابہام اور پیچیدگی بھی نہیں - اگرچہ دستور کے مطابق نجی تحریروں میں ادب کی چاشنی موجود ہے اور کہیں کہیں مسجّع و مقفٰی عبارتیں لکھنے کا بھی التزام کیا ہے لیکن زبان مشکل نہیں - شاید اسی لیے انگریزوں کو فارسی انشا سکھانے کے لیے یہ کتاب منتخب کی گئی اور فرانسس بالفور نے انگریزی ترجمے کے ساتھ ۱۷۸۱ع میں اسے کلکتے میں شائع کیا - کاروباری اور اداری تحریروں میں مقامی زبان کے الفاظ بھی استعمال کیے گئے ہیں مثلاً چبوترہ، کوتوال، بیوپاریاں، کوٹھڑی، خزانہ، دفتری خانہ، چوکیدار، اوچکہ وغیرہ -

اس کی تحریر کا نمونہ درج ذیل ہے - یہ عزیز و محبوب کے نام ایک خط ہے:

"ای ماہ آسمان خوبی و ای سرو گلستان محبوبی، ای نور دیدۂ عشاق، ای سرورِ سینۂ مشتاق، از روی تلطف و مہربانی وعدہ فرمودہ بودی کہ کلبۂ احزان ترا بنور حضور موفور السرور منور می‌سازم - حقا کہ ازان یار دیدۂ امید بر شارع انتظار است -

ازان روزیکہ گفتی خواہم آمد، دیدہ بر راہست
چہ می سوزی بداغِ انتظارم چون نمی آئی

اگر بحسبِ وعدہ از دیدار فرحت آثار دیدۂ انتظار دوستان را پیرایۂ نورانی بخشند، از وفور مہربانی چہ عجب!

بیا بیا کہ بصد جانب آرزومندم
بیا کہ بگسلم از خویش و با تو پیوندم"[۱]

☆ ☆ ☆

۱- انشای ہرکرن، ص ۱۵۸ -

مُلّا عبدالرشید ٹھٹوی

'منتخب اللغات' کے دیباچے میں انھوں نے اپنا پورا نام عبدالرشید بن عبدالغفور الحسینی المدنی التتوی لکھا ہے - وہ ٹھٹہ میں پیدا ہوئے - ان کی علمی فضیلت اس سے ظاہر ہے کہ انھوں نے تین قسم کے لغات، مرتّب کیے - ایک خاص فارسی کا لغت یعنی 'فرہنگ رشیدی'، دوسرا عربی و فارسی لغت یعنی 'منتخب اللغات' اور تیسرا 'معرّبات - وہ شعر بھی موزوں کر لیتے تھے - چنانچہ شاہجہان کی تخت نشینی پر انھوں نے مندرجہ ذیل اشعار لکھے :

برشده بر تخت باقبال و بخت　　شاهجهانِ ثانیِ صاحبقران
آن شہِ دین پرور کز فیضِ او　　گشت جهان غیرتِ باغِ جنان
باغِ جهان خرّم و سرسبز شد　　از کرمِ پادشہِ کامران
آمده تاریخ جلوسش ز غیب　　شاهِ جهان باشد شاهِ جهان[1]

تاریخِ ولادت کے متعلق یہ قطعہ لکھا ہے :

شاهنشہِ زمانہ دانشورِ یگانہ
اسکندرِ نخستین صاحبقرانِ ثانی

دین پرور معظم شاه جهان کہ باشد
از جبہ اش هویدا فرِّ جهان ستانی

روزی کہ عالم پیر از مقدمش جوان شد
میتافت از جبینش نورِ خدایگانی

از چار و 'نہ نیاید دیگر چو او چہ بوئی
کامد قرین حکمش تائیدِ آسانی

از چار و 'نہ گزر کن تا عقل بر تو خواند
تاریخِ مولدش را صاحبقرانِ ثانی[2]

۱- مخزن الغرائب ، احمد علی ، مخطوطہ پنجاب یونیورسٹی لائبریری ، مجموعہ شیرانی ، ص ۱۱۴ -
۲- منتخب اللغات ، دیباچہ ، ص ۷ -

۱- فرہنگ رشیدی :

یہ لغت ۱۰۶۴ھ میں مکمل ہوا - مؤلف نے خود تاریخ لکھی ہے :

گشت تاریخ وی از روی قبول "باد فرہنگ رشیدی مقبول"

مؤلف نے فرہنگ کے دیباچے میں بتایا ہے کہ ان کے زمانے میں فارسی کے دو لغت یعنی 'مجمع الفرس سروری' اور 'فرہنگ جہانگیری' جامع و مستند سمجھے جاتے تھے - انھوں نے ان دونوں لغات کا غائر مطالعہ کر کے مندرجہ ذیل نقائص کی نشاندہی کی ہے :

۱- لغات حل کرنے میں اطناب سے کام لیا گیا ہے - بے فائدہ تکرار عبارات اور بے مقصد زاید اشعار لائے گئے ہیں -

۲- بعض الفاظ کے معانی اور ان کے اعراب صحیح نہیں لکھے گئے -

۳- فارسی الفاظ کے ساتھ ساتھ عربی و ترکی الفاظ بھی شامل کیے گئے ہیں لیکن ان الفاظ کے ساتھ یہ وضاحت نہیں کی گئی کہ وہ فارسی نہیں -

۴- بعض الفاظ کی تصحیف کر کے انھیں کئی الفاظ شمار کیا گیا ہے - اس قسم کی غلطیاں 'سروری' میں زیادہ ہیں اور 'جہانگیری' میں کم ہیں - مثلاً :

'کُراز' کے معنی بیماری لکھے ہیں حالانکہ یہ لفظ 'کُزاز' ہے -

اسی لفظ کے معنی 'کوزہ' بتائے ہیں حالانکہ وہ لفظ کُراز ہے -

'جہانگیری' میں 'زیرقان' کے معنی ماہ لکھے ہیں حالانکہ یہ لفظ 'زبرقان' (عربی) ہے - "ملا" عبدالرشید نے ان دونوں لغات کے الفاظ کی دوبارہ تحقیق و تدقیق کی ہے - زائد عبارات اور اشعار کو حذف کر دیا ہے - استثنائی صورتوں کے بغیر غیر فارسی الفاظ ترک کر دیے ہیں اور جو جو الفاظ شامل کیے ہیں ان کے ساتھ ان کی اصلیت کی وضاحت کر دی ہے -

مؤلف کی محنت قابلِ داد ہے - انھوں نے بڑی محنت ، کاوش اور احتیاط سے الفاظ کی تحقیق کی ہے اور ایک قابلِ اعتماد مستند فرہنگ پیش کیا ہے - چنانچہ متاخرین فرہنگ نویسوں نے بھی اس کو سند کے طور پر استعمال کیا ہے - سراج الدین علی خاں آرزو جیسے محتاط شاعر ، مؤرخ ، زبان دان و دستور دان لغت نگار نے اس کو مستند جانا ہے اور 'سراج اللغات' میں اس کا حوالہ دیا ہے -

ترتیب میں حرفِ اول کو باب اور دوسرے حرف کو فصل قرار دیا ہے اور نہایہ جزری ، حیٰوۃ الحیوان دمیری اور فائق زمخشری کی تدوین کو مدّ نظر رکھا ہے - ہر فصل کے آخر میں مرکبات و استعارات کو یکجا لکھا ہے اور ان کے معانی بتائے ہیں - ساتھ ہی شعرا کے کلام سے معانی کی تصدیق کے لیے اشعار بھی پیش کیے ہیں -

مؤلف نے فرہنگ کے دیباچے میں مفید املائی و دستوری قواعد کے علاوہ حروف کے فوائد بھی بیان کیے ہیں - مثلاً وہ حروف جو دوسرے حروف میں تبدیل ہو جاتے ہیں - وہ کلمات جو زینت اور حسنِ کلام کے لیے استعمال ہوتے ہیں اور معانی میں دخل انداز نہیں ہوتے - وہ لاحقے (پسوند) جو صاحب ، فاعل ، انبوہ یا کثرت ، مانند ، تصغیر ، محافظت ، اتصاف ، نسبت ، رنگ ، حاصل مصدر اور ظرفیت کے معنوں میں استعمال ہوتے ہیں - آخر میں ایک فصل میں بیان عقد انامل مندرج ہے جو رسالہ "ملا" شرف الدین علی سے منقول ہے اور دوسری فصل میں بیان لفظ پارس و انواعِ زبان فرس ہے -

۲- منتخب اللغات شاہجہانی :

یہ عربی و فارسی لغت ہے - مؤلف نے ضروری کثیر الاستعمال عربی الفاظ کے معانی 'عام فہم اور خاص پسند' فارسی میں بیان کیے ہیں - الفاظ و معانی قاموس ، صحاح اور صراح جیسی مستند عربی لغات سے منتخب کیے ہیں - ترتیب میں پہلا حرف باب ، دوسرا اور آخری فصل قرار دیا ہے - ریشے اور اشتقاق کو مدِ نظر نہیں رکھا - آخر سے زائد حروف کو گرا دیا ہے - ہر لفظ کا اعراب عبارت میں لکھا ہے - لفظ کے مختلف معانی بھی بتائے ہیں - عموماً اختصار کو مدِ نظر رکھا ہے - سند کے لیے فرہنگ رشیدی کی طرح اشعار پیش نہیں کیے گئے - مؤلف دیباچے میں لکھتے ہیں کہ قاموس سمندر ہے تو یہ لغت نہر - وہ باغ ہے تو یہ گل - پھر قاموس کے ان نقائص کی نشاندہی کی ہے جس کی وجہ سے عام آدمی یا متوسط لیاقت کا آدمی اس سے فائدہ نہیں اٹھا سکتا - مثلاً :

۱- الفاظ کے معانی اصل لفظ سے بھی زیادہ مشکل اور مغلق الفاظ میں بیان کیے گئے ہیں -

۲- ایک لفظ کے معانی مشترک الفاظ میں بیان کیے ہیں کہ معلوم نہیں

ہوتا کہ کون سے معانی مراد لیے ہیں -
۳- اطناب سے کام لیا ہے ، مثلاً طبّی اصطاحات کو تفصیل سے بیان کیا ہے -
۴- جب تک کسی لفظ کا ریشہ معلوم نہ ہو ، لفظ تلاش نہیں کیا جا سکتا -
۵- الفاظ کے بیان میں ایسی اصطلاحات استعمال کی ہیں کہ جب تک ان اصطلاحات کے معانی نہ آتے ہوں ، الفاظ کے معانی سمجھ میں نہیں آسکتے -
۶- بعض جگہ کلمۂ اول پر حرکت نہیں لکھی گئی -
۷- اعراب بتانے کے لیے دوسرے الفاظ کو مثال کے طور پر پیش کیا گیا ہے - لیکن اگر دوسرے لفظ کے اعراب نامعلوم ہوں تو دیے ہوئے لفظ کو کیسے صحیح پڑھا جا سکتا ہے -

مؤلف نے اپنے لغت میں ان نقائص کو دور کر کے معانی کو واضح کر دیا ہے تا کہ ادنیٰ و اعلیٰ قابلیت کا آدمی یکساں فائدہ اٹھا سکے -

۳- معرّبات رشیدی :

محمد عباسی مصحّح و مرتّب نے 'فرہنگ رشیدی' کے ساتھ ضمیمے کے طور پر 'معربات رشیدی' کو بھی شائع کیا ہے - اس کا ایک منفرد نسخہ انھیں جناب آقای سلطانی کی مملوکہ 'فرہنگ رشیدی' کے ساتھ مکتوبہ ملا - اس نسخے میں صرف ردیف 'ی' مفقود تھی - یہ کمی مرتّب نے 'المعرب جوالیقی' سے پوری کر دی ہے -

تعریب کے موضوع پر فارسی زبان میں یہ سب سے پہلی مستند تصنیف ہے جو مصنف نے بڑی تحقیق و تلاش سے مرتّب کی ہے -

مقدمے میں مؤلف نے تعریب کی تعریف کی ہے اور پھر تفصیل سے تعریب کے قواعد بتائے ہیں - مثلاً :

اگر لفظ اس وزن و حروف میں موجود ہو تو عربی میں اسے بعینہ استعمال کرتے ہیں -

معرّب کرتے وقت لفظ پر تنوین یا لامِ تعریف وغیرہ کے احکام جاری کرتے ہیں -

ایک حرف کو دوسرے سے تبدیل کرتے ہیں جو عربی میں موجود نہ ہو -

حرکت و سکون کو تبدیل کرتے ہیں -

تبدیلِ حرف کے لیے اسقاطِ حرف یا زیادتِ حرف ، تشدید ، تخفیف یا تقلیب استعمال کرتے ہیں -

اجتماع دو قسم یا اس پر اضافہ کرتے ہیں -

ہائے مختفی کو جیم یا قاف سے بدلتے ہیں یا حذف کرتے ہیں -

اگر کلمے کے آخر الف یا واؤ ہو تو قاف یا جیم بڑھاتے ہیں -

صیغہ فعلول کے وزن پر کلمات کو ف پر پیش اور فعایل کے وزن پر کلمات کو ف کے نیچے زیر سے پڑھتے ہیں - کیوں کہ یہ اوزان زیر کے ساتھ عربی میں موجود نہیں -

ابواب کو حرفِ آخر کی ہجائی ترتیب سے درج کیا گیا ہے -

☆ ☆ ☆

مفتاح المخزن

یہ کتاب 'مخزن اسرار' مصنفہ نظامی گنجوی کی مختصر شرح ہے - اس کے مصنف کتاب کے دیباچے میں اپنا نام محمد حبیب اللہ بن عبدالحفیظ الہاشمی الحسنی الملتانی ثم لاہوری لکھتے ہیں - یہ شرح اُنھوں نے ۱۰۸۰ھ میں اپنے فرزند دل بند نجم الدین[1] کے اصرار پر لکھی تھی -

مصنف نے اورنگ زیب کی مدح میں اپنے قصیدے کے چند اشعار بھی درج کیے ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ کسی نہ کسی سلسلے میں حکومت کے ملازم رہے ہیں :

برگ کاهی گر بدورانش در آتش افگنی
از نهیب عدل او آتش نسوزد برگ کاه
مرغ گر بر بادِ حفظش بیضه بیند در هوا
حفظ او آن بیضه را اندر هوا دارد نگاه

۱- پنجاب یونیورسٹی لائبریری میں 'مفتاح المخزن' کے مخطوطے میں بیٹے کا نام حبیب اللہ لکھا ہے (A pi VI 18 A)

اندرین مدت کہ بودم از غلامانِ درش
بندۂ با اعتقاد و داعیِ بی اشتباہ
لیک تا باشد رمق اندر تنم ہر صبح و شام
پیشہ ام باشد دعای خسروِ عالم پناہ
تا بود نام و نشانِ جن و انس اندر جہان
باد بر تختِ خلافت صاحبِ تاج و کلاہ

یہ 'مخزن اسرار' کی کامل شرح نہیں ہے - بہت سے اشعار چھوڑ دیے گئے ہیں - شروع میں تو توضیح و تشریح تفصیل سے لکھی ہے مگر آخر میں اختصار سے کام لیا ہے - تمام تلمیحات کی وضاحت کی ہے - الفاظ کی تشریح کے ساتھ ساتھ ان کا تلفظ بھی بیان کیا ہے - بعض مطالب کی وضاحت کے لیے دوسرے شعرا کا کلام بھی پیش کیا ہے - مثلاً خاقانی ، عرفی ، ظہیر فاریابی ، حافظ سنائی کے اشعار سند کے طور پر پیش کیے ہیں - بعض جگہ صنایع لفظی کی طرف بھی اشارہ کیا ہے - الفاظ و مطالب کی تشریح کے لیے جن کتابوں سے مدد لی ہے ان کا حوالہ بھی دیا ہے : مثلاً صراح ، فرہنگ رشیدی ، بحرالجواہر ، اصطلاحات عبداللطیف گجراتی ، مؤید الفضلا ، شرح اوراد از مولانا حسام الدین غوری ، مقاصد الاولیاء ، مشارق الانوار ، سراج القلوب ، تفسیر زاہدی وغیرہ -

کتاب کا ایک مکمل نسخہ پنجاب یونیورسٹی لائبریری لاہور میں موجود ہے جو ۱۳۲ صفحات پر مشتمل ہے - ہر صفحے میں ۲۱ سطریں ہیں اور ہر سطر میں چودہ پندرہ الفاظ ہیں -

☆ ☆ ☆

شرح مخزن

'مخزن الاسرار' نظامی کی ایک اور شرح ابراہیم بن اسماعیل تتوی (ٹھٹوی) نے لکھی ہے - اس کا ایک قلمی نسخہ پنجاب پبلک لائبریری لاہور میں موجود ہے جو ۲۵۱ اوراق پر مشتمل ہے - ہر صفحے میں ۱۷ سطریں ہیں اور ہر سطر میں بارہ تیرہ

الفاظ - شارح نے اسے ۴۵ سال جلوس اورنگ زیب یعنی ۱۱۱۴ھ میں تالیف کیا ہے اور بتایا ہے کہ اس نے اسے چند راتوں میں ہی مکمل کر لیا تھا - اس نے تقریباً تمام تلمیحات کو تفصیل سے بیان کیا ہے - قرآن و احادیث کے حوالے دیے ہیں - کتابوں میں سے جوامع الحکایات اور طبایع الحیوان سے استفادے کا ذکر موجود ہے - شعرا میں سے سعدی و حافظ کے اشعار سند کے طور پر پیش کیے ہیں - اس نے سابق شرحوں کو بھی مد نظر رکھا ہے لیکن ان سے بہت کم استفادہ کیا ہے - اشعار کی تشریح میں زیادہ تحقیق و تدقیق سے کام نہیں لیا -

اسی شارح نے 'بوستان سعدی' کی شرح 'النہارالاسرار' کے نام سے مرتب کی - اس کا ایک قلمی نسخہ سندھ یونیورسٹی لائبریری میں موجود ہے -

☆ ☆ ☆

مخزن دعوت

اس کے مصنف اسماعیل بن محمود سندھی شطاری قادری ہیں -

یہ کتاب ۱۰۳۷ھ میں تالیف ہوئی اور حضرت مسیح الاولیاء عیسیٰ بن قاسم سے منسوب کی گئی ہے - مصنف نے حصن الحصین ، سراج السالکین ، کشف الانوار ، اسرار الدعوت اور اوراد صوفیہ جیسی کتابوں سے استفادہ کیا ہے -

اس کتاب کا ایک نسخہ ایشیاٹک سوسائٹی بنگال کے مجموعۂ کرزن میں موجود ہے - شمارہ ۴۳۷ -

کتاب سات ابواب میں منقسم ہے - عنوانات سے بھی اس کے موضوعات روشن ہیں :

۱- در اذان و استنجا و وضو و غسل و مقدار آب هر یک و ادعیہ و نوافل و اوراد - (برگ ۴ ب)
۲- در استخاره و فال مصحف بنوعیکہ در حدیث صحیح وارد شده و بعض نوافل و اوراد - (برگ ۳۸ ب)
۳- دعوت اسماء عظام - (برگ ۵۲ ب)

۴- در ضبط اعراب اسماء اصول و بعضی ادعیه غیر زبان عربی - (برگ ۲۸۳)
۵- در اذکار مع شرح هر یک - (برگ ۳۰۲)
۶- در مراقبات - (برگ ۳۱۲)
۷- در بیان بیعت کردن و کلاه و خرقه دادن و اوصاف پیر و مرید و تعریف خلوت و عزلت و فواید و آداب آن -

کل ۳۴۵ برگ ہیں -

تیسرے باب میں ۳۴ فصلیں ہیں جن میں جادو ، منتر ، طلسم ، سیف وغیرہ قسم کی دعائیں اور عبارتیں مندرج ہیں -

☆ ☆ ☆

رسالۂ مسعودی

اس کے مصنف منصور ملتانی ہیں - اس کا ایک قلمی نسخہ ایشیاٹک سوسائٹی بنگال کے مجموعۂ کرزن میں موجود ہے - یہ نسخہ ۱۰۸۹ھ میں لکھا گیا ہے - اس سے ظاہر ہے کہ اس کی تالیف اس تاریخ سے قبل ہوئی ہے - کل ۴۸ برگ ہیں - ابواب کی تفصیل یہ ہے :

العلم والعلماء	برگ ۱ ب
التوبه	برگ ۵ ب
التوکل	برگ ۲۲
الصحبة	برگ ۲۷ ب
العزلت	برگ ۲۸ ب
المجاهده	برگ ۳۳
العبادة	برگ ۳۵
المحبة	برگ ۴۱
المتفرقات	برگ ۴۱ ب

☆ ☆ ☆

نصرۃ بن جمال الملتانی[1]

نصرت ۱۰۴۰ھ کو ملتان میں پیدا ہوئے - دس سال کی عمر میں اپنے دادا کے ہمراہ جونپور گئے - شیخ محمد رشید العثمانی سے تعلیم حاصل کی - ۱۰۵۸ھ میں انھی کے ہاتھ پر بیعت کی - ۱۰۵۹ھ میں انھی کے حکم سے شادی کی - پھر بنارس گئے اور فوجی ملازمت کر لی - آخر ان کی حالت میں تغیّر ہوا تو وہ شرمندہ ہوئے اور ۱۰۶۰ھ میں دوبارہ شیخ سے بیعت کی - ۱۰۷۳ھ میں ملازمت چھوڑ کر اودھ میں دریائے گومتی کے کنارے خانقاہ بنائی اور نیکی و پرہیزگاری کی زندگی بسر کی - وہ ۱۰۹۰ھ میں وفات پا گئے -

انھوں نے ''گنج ارشدی'' کے نام سے اپنے مرشد کے ملفوظات قلبند کیے -

☆ ☆ ☆

راحت المؤمنین

از واعظ عبداللہ ملتانی - مصنف کا صرف نام ہی معلوم ہو سکا ہے جس کا اس نے اس رسالے کے دیباچے میں خود ذکر کیا ہے - مصنف خود واعظ ہے اس لیے یہ رسالہ بھی گویا چند مواعظ پر مشتمل ہے - یہ رسالہ ۱۱۱۲ھ میں تالیف ہوا - یہ تاریخ بھی مؤلف نے خود ہی لکھ دی ہے - اس کا ایک قلمی نسخہ دوسرے رسائل کے ساتھ ایک جلد میں پنجاب یونیورسٹی لائبریری کے مجموعۂ شیرانی میں شمارہ ۲۷۰ پر موجود ہے - یہ رسالہ ۳۱ سے ۴۵ ورق تک درج ہے -

یہ مختصر سی کتاب ابواب و فصول میں منقسم نہیں - اس کا موضوع بھی متعین نہیں بلکہ لوگوں کو نیکی کی طرف راغب کرنے اور برائیوں سے روکنے کے لیے احادیث و روایات لکھی ہیں - مصنف نے بعض اساطیری قصے بیان کیے ہیں جو روایات کی کتابوں سے منقول ہوں گے - مثلاً آدمؑ سراندیپ میں اترے -

---

۱- نزہۃ الخواطر ، عبدالحی ، حیدر آباد (دکن) ، ۱۹۵۵ع ، ج ۵ ص ۱۶ -

حوّا عرفات میں اتریں - پھر تین سو سال بعد ملاقات ہوئی - حارث و فارث دو فرشتے بیل بنے ، ایک فرشتہ حامد نے اسباب زراعت مہیا کیے - آدمؑ کو زراعت کا پیشہ سکھایا - غلہ صاف کرنا اور پتھر سے آٹا پیسنا سکھایا - ہابیل و قابیل نے بھیڑ بکریاں پالنا اور چرانا سیکھا ، وغیرہ -

معراج کے وقت جنت اور عرش و کرسی کی بھی فرضی تفاصیل بتائی ہیں - ایک پرندہ چونچ میں پورا دریا کھینچ کر لے جاتا تھا اور پھر اسے چھوڑ دیتا تھا۔ وہ یہ کام اس لیے کرتا تھا کہ روز قیامت اسے زیارت رسول اکرمؐ اور ان کا سایۂ عاطفت نصیب ہو - رسول اکرمؐ نے عزرائیل سے بھی ملاقات کی اور اس سے جاں کنی کے کوائف دریافت کیے - عزرائیل کے قد و قامت کا کیا اندازہ ہو سکتا ہے - اگر اس کے نتھنے میں ایک پرندہ پچاس ہزار سال تک پرواز کرے تو بھی اسے خبر نہ ہو کہ وہ کہاں اڑ رہا ہے - پل صراط تیس ہزار سال میں طے ہوگا -

جاں کنی کے عذاب سے بچنے کے لیے جن اعمال کی ضرورت ہے ان پر عمل کرنے والے کی جان اس طرح نکل جائے گی جیسے سوئے ہوئے بچے کے منہ سے ماں کا پستان نکل جاتا ہے - وہ اعمال یہ ہیں :

۱- نماز کے بعد درود پڑھے -

۲- پنج وقتی نماز پڑھے -

۳- عالم کو دیکھے تو خوش ہو -

۴- رکوع کے بعد سیدھا کھڑا ہو اور بعد میں سجدہ کرے -

۵- مستی سے توبہ کرے -

۶- ماں باپ کو خوش رکھے -

۷- بڑھاپے میں توبہ کر لے -

اس کے برعکس جو شخص مندرجہ ذیل افعال کا مرتکب ہوگا ، اس کی جان ایسے نکلے گی جیسے اس پر تلوار کے ہزار زخم لگے ہوں اور وہ درد سے کراہ رہا ہو :

۱- نماز قضا کرے -

۲- نجومی سے غیب پوچھے -

۳- غلہ خریدے اور گراں ہونے تک اسے روکے رکھے -
۴- اپنے شہر میں نماز جمعہ فوت کرے -
۵- زکٰوۃ نہ دے -
٦- اپنی بیٹی کو قتل کرے -
۷- دو بیویوں میں عدل نہ کرے -

عملی زندگی کے بعض معمولات کی نشان دہی کی ہے جن پر عمل کرنے والا قرض دار نہیں ہوگا ، کسی کا محتاج نہیں ہوگا اور ہمیشہ اس کا رزق فراخ ہوگا :

۱- نمازِ وتر کے بعد دعاے قنوت پڑھے -
۲- ہر نماز کے بعد آیۃ الکرسی پڑھے -
۳- نماز مغرب کے بعد تین سو مرتبہ بسم اللہ کے ساتھ کلمۂ طیبہ پڑھے -
۴- شبِ جمعہ کو نماز وتر گھر پر پڑھے -
۵- ہر نماز کے بعد دس مرتبہ درود پڑھے -

مؤلف نے بعض جگہ تو رسول خدا ؐ کی احادیث نقل کی ہیں اور بعض جگہ دوسرے رسائل و کتب کے حوالے دیے ہیں جن میں شاید اسی قسم کے مسائل ہوں ، مثلاً تذکرۃ الصالحین ، زاد المؤمنین ، حصن الایمان ، شجرۃ الایمان ، جناح النجاح ، منہاج الابرار ، شرح چہل حدیث از مولانا محمد حسین -

☆ ☆ ☆

اسباب المغفرت و دلیل الاحسان

(فرمودات واعظ عبداللہ ملتانی -)

اس کتاب کے مؤلف مستقیم ولد غیاث الدین ، ساکن نمکسار ، شاگرد عبداللہ ملتانی ہیں - وہ دیباچے میں لکھتے ہیں کہ یہ کتاب ان ارشادات پر مشتمل ہے جو میں نے فصیح اللسان قطبِ زمان مولوی معنوی میاں عبداللہ متوطن دارالامان بلدۂ ملتان کی زبان سے قصبہ بھیرہ خوشاب میں سنے اور ان کو

کتاب کی صورت میں مرتّب کیا ۔

کتاب آٹھ ابواب میں منقسم ہے ۔ آغاز میں موضوعات کے اعتبار سے فہرست اس طرح دی ہے :

۱- توحید باری تعالیٰ ۔
۲- در نعت حضرت محمد مصطفیٰ ؐ ۔
۳- در فضیلت و صفت چہاریار ۔
۴- در نصیحت خلق اللہ و حق قرابتیان و ہمسایگان بجا آوردن ۔
۵- در قناعت و محنت فقر و فاقہ حضرت محمد ؐ ۔
۶- در فضیلت دعاهای و درودها وغیرہ ، اوراد و وظیفہ ها ۔

کتاب کے متن میں مندرجہ بالا موضوعات کے علاوہ بھی بعض موضوع زیر بحث آئے ہیں ۔ مثلاً باب چہارم میں موضوعات کے عنوان یہ ہیں :

فضیلت نماز خواندن ۔ در فضیلت نماز و درجات ۔ در فضیلت میوه های انار بہشتی ۔ در بیان ریاضت بی بی رابعہ بصری ۔ در بیان آنہا کہ زکوٰة مال ندهند ۔ در فضیلت توبہ ۔ در فضیلت سخاوت ۔

باب ہفتم میں حالات مذہب رافضی اور باب ہشتم میں فضیلت بسم اللہ الرحمن الرحیم ، ضمنی اور اضافی مضامین ہیں ۔ فضیلتِ درود خواندن کے لیے باب نہم کا الگ باب قائم کیا گیا ہے ۔

عنوانات سے ظاہر ہے کہ میاں عبداللہ واعظ نے شرعی مسائل بیان کرتے ہوئے ترغیب و ترهیب کی باتیں بھی کی ہیں اور ساتھ ہی صحابہ و عرفا کے متعلق خرق عادت واقعات بھی بیان کیے ہیں ۔ ان میں سے اکثر ایسی روایات ہیں جن کی اصل تواریخ اور مستند احادیث میں نہیں ملتی ۔ مثال کے طور پر یہ واقعہ دیکھیے :

(ص ۲۰ - ۲۱) : ایک قبر پر عذاب ہو رہا تھا ۔ حضرت علیؓ نے دو رکعت نماز نفل پڑھی اور تین دفعہ قرآن پڑھا اور میّت کی روح کو بخشا لیکن عذاب ختم نہ ہوا ۔ حضرت علیؓ ، رسول خدا ؐ کے پاس گئے اور ان کو اپنے ساتھ لے کر قبر پر گئے ۔ اس وقت عذاب نہیں ہو رہا تھا ۔ معلوم ہوا کہ صدیق اکبرؓ نماز کے لیے وضو کر رہے تھے اور داڑھی میں کنگھی کر رہے تھے کہ داڑھی کا ایک بال الگ ہو کر قبر پر جا پڑا ۔ اس کی برکت سے تمام قبرستان کو بخش دیا گیا ہے ۔

کتاب کا ایک قلمی نسخہ پنجاب یونیورسٹی لائبریری کے مجموعۂ شیرانی میں شمارہ ۲۱۱ پر موجود ہے۔

☆ ☆ ☆

تجوید القاری

از محمد بخش ملتانی۔ اصولِ قراءت و تجوید کے موضوع پر ایک مختصر رسالہ ہے۔ مصنف کے بارے میں معلومات میسر نہیں۔ رسالہ انتیس صفحات پر مشتمل ہے۔ تقطیع $7\frac{1}{2}" \times 4\frac{1}{2}"$۔ ہر صفحے میں پندرہ سطریں ہیں۔ قلمی نسخہ پشاور یونیورسٹی لائبریری میں شمارہ ۳۲۷ پر موجود ہے۔

مصنف نے دیباچے میں علمِ قراءت کی اہمیت کے متعلق نظم میں مندرجہ ذیل اشعار نقل کیے ہیں:

هر آن کو حروف از مخارج نگفت شریعت نمازش کند نادرست
اگرچہ بخواند علومِ جهان شریعت کند نامش امّی روان

مصنف نے امام عاصم کی قراءت کو افضل سمجھتے ہوئے اپنے رسالے کی بنیاد انھی کی قراءت پر رکھی ہے اور بتایا ہے کہ ان کے دو راوی تھے: ابوبکر و حفص۔ امام عاصم کی سند قراءت زید بن ثابت تک یوں منقول ہے۔ ابی عبدالرحمٰن سلمی، عثمانؓ بن عفان، علیؓ بن ابی طالب، زید بن ثابت۔

رسالہ بارہ ابواب پر مشتمل ہے۔ موضوعات کی تفصیل یہ ہے:

باب اول : در مخارجِ حروف۔
باب دوم : در صفاتِ الفاظ۔
باب سوم : در احکام نون ساکن و تنوین۔
باب چهارم : در میم ساکن۔
باب پنجم : در ادغام متماثلین و متقاربین۔
باب ششم : در تفخیم و ترقیق۔
باب هفتم : در بیان وقف باسکان در دم و اشمام۔

باب هشتم : در مد و قصر -
باب نہم : در بیان هائے ضمیر -
باب دھم : در بیان رموز وقف -
باب یازدهم : در محاسن و معائب قراءة -
باب دوازدهم : در رسم خط -

خاتمے میں تجوید فاتحہ کے متعلق ۵۷ نکات بتائے ہیں کہ پڑھتے وقت ان کا خیال رکھنا ضروری ہے -

☆ ☆ ☆

ذکر الحسین

تالیف ۱۰۷۹ھ ، مصنف عبدالشکور ولد مخدوم مرحوم عبدالواسع منشی ٹھٹوی -

مؤلف نے 'روضۃ الشہدا' اور دوسری معتبر کتابوں سے ایجاز و اختصار کے ساتھ شہادت حسینؑ کے واقعات قلمبند کیے ہیں - ان کے خیال میں 'روضۃ الشہدا' میں بسط کلام ملال آور تھا - وہ دیباچے میں لکھتے ہیں کہ یہ کتاب ان دوستوں کی فرمائش پر لکھی گئی ہے جو خارجیوں کے عقائد سے مبّرا ہیں اور شتم و سب یا افراط و تفریط سے ان کی زبانیں آلودہ نہیں - کتاب کے مندرجات کے عنوان یہ ہیں :

ولادت حسین ، مناقب حسین ، خبر دادن جبرئیل حضرت را از شہادت امام حسینؑ -
ذکر سبب برآمدن امام حسین و عبداللہ بن زبیر از مدینۂ طیبہ بمکۂ مبارکہ -
ذکر فرستادن کوفیان نامہ ها را و طلب نمودن آن امام عالی مقام را بکوفہ - فرستادن امام حسین مسلم بن عقیل را و شہادت مسلم - رسیدن نامۂ مسلم بن عقیل بامام حسین و توجہ نمودن امام حسین بجانب

کوفہ و رسیدن بدشتِ کربلا - ذکر فرستادن ابن زیاد لشکر را باستقبال امام حسین - ذکر محاربۂ علی اکبر و امام حسین و شہادت قرۃ العین حضرت رسول الثقلین - ذکر کرامات و خوارق عادات اہلِ بیت و بیان عقوبات قاتلانِ شہید کربلا -

حسین واعظ کاشفی کی 'روضۃ الشہدا' سے مناسب موقعوں پر اشعار بھی نقل کیے گئے ہیں -

☆ ☆ ☆

تاریخ دوازدہ امام

یہ بھی عبدالشکور مؤلف 'ذکر الحسین' کی تالیف ہے - سال تالیف ۱۰۷۵ھ ہے - کتاب نواب غضنفر خاں ناظم ٹھٹہ کے نام منسوب ہے - یہ بارہ ابواب اور مقدمے پر مشتمل ہے جس کی تفصیل حسبِ ذیل ہے :

مقدمہ در ذکر مناقب و مفاخر خطیبِ منبرِ سلونی ، وارثِ مرتبۂ ہارونی امیر المومنین علی[۴] -

باب اول در بیان احوال . . . اسداللہ الغالب علی بن ابی طالب -

پہلے باب میں بارہ فصلیں ہیں :

فصل اول : در بیانِ ولادتِ آن شاہ عالی جاہ -

فصل دوم : در تزویج شاہِ اولیا با فاطمۃ الزہرا -

فصل سوم : در تردد و شجاعت حیدر کرار -

فصل چہارم : در ترددات ِ نمایان و شجاعت ہای بی پایان -

فصل پنجم : در طالع شدن آفتاب بعد از غروب جہتِ رعایت ادای نماز عصر -

فصل ششم : بر دوش گرفتن حضرت رسالت پناہ ، ولایت دستگاہ را جہت ِ فرود آوردنِ اصنام از مواضع بلند کعبہ در روز فتح مکہ -

فصل هفتم : در ویران شدن بتخانهٔ عظیم بزور بازوی آن شاه -

فصل هشتم : در بیان حواله فرمودن نبی ... اوائل سورهٔ برات با علی ... که بمکه بر مردم خواند و تعلیم مناسک حج -

فصل نہم : در آگاهی یافتن حضرت از انتقال خویش و دست گرفتن امام ... و خواندن من کنت مولاه ... و تهنیت گفتن صحابه -

فصل دهم : ذکر بعضی از شجاعتهای امیرالمومنین در صحرای صفین - ... جنگ جمل و جنگ صفین ، جنگ نهروان -

فصل یازدهم : در بیان پرسیدن بعضی چیز های مضر از حضرت ولایت پناه -

فصل دوازدهم : در ذکر واقعه هائله امیر المومنین - در بیان اولاد - ۱۲ ذکور - ۱۵ اناث - ۹ ازواج -

باب دوم : (ص ۱۲۱ ب) در ذکر سبط رسول ... امام حسن :

باب سوم : در ذکر امام سوم امام حسین -

باب چهارم : در ذکر امام چهارم زین العابدین -

باب پنجم : امام پنجم محمد باقر -

باب ششم : امام ششم جعفر صادق -

باب هفتم : در ذکر امام هفتم موسیٰ کاظم -

باب هشتم : در ذکر امام هشتم علی موسیٰ رضا -

باب نہم : در ذکر امام نہم محمد تقی -

باب دهم : در ذکر امام دهم علی نقی -

باب یازدهم : در ذکر امام یازدهم حسن عسکری -

باب دوازدهم : امام دوازدهم مهدی -

مندرجہ بالا کتابوں کے قلمی نسخے پنجاب یونیورسٹی لائبریری کے مجموعهٔ شیرانی میں شمارہ ۱۳۰۵ پر موجود ہیں ۔ ذکر الحسین ۱ سے ۸۹ برگ تک اور تاریخ دوازدہ امام ۹۰ سے ۱۴۳ برگ تک مرقوم ہے -

☆ ☆ ☆

حدیقۃ الاولیاء

حدیقۃ الاولیاء ، سندھی اولیاے کرام کا تذکرہ ہے جو ۱۰۱۶ھ میں تالیف ہوا ۔ مؤلف نے خود تاریخِ تالیف لکھی ہے :

رسید این نامہ در حد تناہی
ز ھجرت بود الف و شانزدہ سال

اس کے مصنف سید عبدالقادر بن سید محمد ہاشم ہیں جو میرزا جانی بیگ ترخان (۹۹۳ھ - ۱۰۰۸ھ) کے معاصر تھے اور جنھوں نے اس کی مدح میں قصاید بھی لکھے اور 'سیر السلاطین' کے نام سے ایک کتاب بھی اس سے منسوب کی ۔

سید عبدالقادر نے یہ تذکرہ امیر خسرو خان حاکمِ سندھ کے نام منسوب کیا جو ایک بہادر ، درویش دوست اور صاحب خیر و توفیق شخص تھا ۔

یہ تذکرہ سندھی اولیاے کرام کے متعلق قدیم ترین تذکرہ شمار ہوتا ہے ۔ اس سے پہلے ایک 'تذکرۃ الاولیاء' قاضی محمود ٹھٹوی نے ۹۸۰ھ میں تالیف کیا تھا لیکن اب وہ تقریباً نایاب ہے ۔ 'حدیقۃ الاولیاء' میں ۱۴ بزرگوں کا ذکر ہے ۔ ان میں حضرت بہاء الدین زکریا ، شیخ صدر الدین عارف (مؤلف نے صدر الدین قتال لکھا ہے) ، شیخ رکن الدین ، شیخ حسام الدین ملتان کے ہیں ۔ باقی تقریباً موجودہ صوبہ سندھ کی حدود میں واقع شہروں اور بستیوں سے متعلق ہیں ۔ ان میں بالا اور مکلی میں مدفون بزرگ نمایاں ہیں ۔

سید عبدالقادر شاعر بھی تھے ۔ چنانچہ تذکرے کے دیباچے اور متن میں جابجا ان کے اشعار منقول ہیں ۔ شیخ عثمان مروندی ، شیخ پتہ ، پیر مراد اور سید علی شیرازی کے پورے احوال و کوائف مثنوی میں منظوم کیے ہیں ۔ مصنف اسلوبِ بیان میں اپنے عربی علم و فضل کا اظہار چاہتے ہیں ۔ چنانچہ بہت سے غریب اور نامانوس الفاظ بھی استعمال کرتے ہیں ۔ مثلاً استناسی ، تمساح ، اقتناص ، اصیاد ، تجبیل ، محط ، حجرات ، گاوی را معقود ساخت وغیرہ ۔

مؤلف نے اکثر جگہ کرامات اور خارق العادت واقعات کا بیان کیا ہے جو آج کل بظاہر غیر حقیقی اور خلافِ عقل نظر آتے ہیں ۔ اس قسم کے واقعات 'نقل است' کہہ کر بیان کیے گئے ہیں ۔ ظاہر ہے کہ یہ روایات سینہ بہ سینہ چلی آتی ہوں گی ۔ حالات بیان کرنے میں سنین مذکور نہیں ۔ البتہ تمام بزرگوں کے

مدفن کا بالالتزام ذکر کیا ہے - بزرگوں کے متعلق توصیفی بیانات زیادہ ہیں -

سید عبدالقادر کا ایک اور رسالہ ''در شرح حال سید عبد الہادی معروف بہ جمیل شاہ گرناری'' بھی نثر میں موجود ہے جو سید حسام الدین راشدی صاحب نے 'حدیقۃ الاولیاء' کے ساتھ ضمیمے کے طور پر شائع کر دیا ہے - سید صاحب نے 'حدیقۃ الاولیاء' کے دیباچے میں بڑی کاوش و جستجو سے تقریباً ان تمام معلوم تذکروں اور دیگر کتب و رسائل و ملفوظات و مکتوبات کی نشاندہی کی ہے جن میں سندھ کے اولیاء کے احوال و کوائف مندرج ہے - ان میں بعض عمومی تذکرے ہیں اور بعض خاص مقامات ، جیسے مکلی ، ہالہ سے متعلق ہیں -اور بعض خاص بزرگوں یا سلسلوں مثلاً مخدوم نوح ، گیلانی ، قادریہ اور کھڑو سے متعلق ہیں -

☆ ☆ ☆

'یمن البرکت'

مؤلفہ مہتہ مول چند - سال تالیف ۱۰۷۲ھ -

مہتہ مول چند ، سیوہن کے ایک صوفی منش ہندو تھے - اس کتاب میں لال شاہباز قلندر کے سوانح مرقوم ہیں لیکن غیر مستند ہیں - مؤلف نے اپنے خاندان کا شجرۂ نسب دیا ہے اور درگاہ سے اپنے تعلقات کے بارے میں معلومات فراہم کی ہیں -

اس کتاب کا قلمی نسخہ مرحوم ڈاکٹر داؤد پوتہ (م - ۱۹۵۸) نے سندھی ادبی بورڈ کو ہدیے کے طور پر دیا تھا - اس کے کل ۲۱۷ صفحات ہیں اور تقطیع ۹"×۵" ہے - ابتدائی اوراق میں مختلف شعرا کا کلام مندرج ہے - انھی میں ایک ہندو شاعر کرپال کا ایک قصیدہ لال شاہباز کی مدح میں بھی موجود ہے -

☆ ☆ ☆

۱- حدیقۃ الاولیاء ، عبدالقادر ، مرتّبہ سید حسام الدین راشدی ، سندھ ادبی بورڈ ، حیدر آباد ، ۱۹۶۸ع ، مقدمہ ، ص ۹ -

رسالہ فتحیہ[1]

سال تالیف ۱۰۱۹ھ ہے جو 'فتوحات سندی' سے نکلتی ہے - اس کے مصنف مخدوم فتح محمد ہیں جو مخدوم نوح ہالائی کے پوتے ہیں - فتح محمد شاعر بھی تھے اور فقیر تخلص کرتے تھے - یہ کتاب تین جلدوں میں ہے - مصنف نے ۶۵۸ صفحات تک تصوف کے متعلق گفتگو کی ہے ، اس کے بعد مخدوم نوح کے سوانح حیات تحریر کیے ہیں - کتاب کا قلمی نسخہ مخدوم محمد زمان کے کتب خانے میں موجود ہے -

☆ ☆ ☆

دلیل الذاکرین[2]

مؤلف حاجی پھنور ، سال تالیف ۱۱۰۶ھ ہے - یہ کتاب مخدوم محمد زمان اول (۱۰۵۰ - ۱۱۱۷ھ) کی زندگی میں تالیف ہوئی - اس کتاب کی اہمیت اس لیے بھی ہے کہ اس میں اس زمانے کے معاشرتی اور سیاسی حالات پر بھی روشنی پڑتی ہے - بزرگوں کی باہمی صحبتوں کا ذکر ہے جن سے ان کے ذاتی کردار کی جھلک نمایاں ہوتی ہے - بعض تاریخی مساجد کے متعلق بھی معلومات حاصل ہوتی ہیں - کتاب چار ابواب پر مشتمل ہے - پہلے باب میں حضرت مخدوم نوح کے اسلاف کے حالات بیان ہوئے ہیں اور باقی تین ابواب میں حضرت مخدوم نوح اور معاصر مشائخ کا ذکر کیا گیا ہے -

☆ ☆ ☆

۱- حدیقۃ الاولیا مذکور ، ص ۱۴ -
۲- ایضاً ، ص ۱۵ -

بیان العارفین[1]

اس کتاب کے مؤلف محمد رضا بن عبدالواسع عرف میر دریائی ہیں ۔ یہ کتاب ۱۰۳۸ھ میں تالیف ہوئی ۔ کتاب میں ایک مقدمہ ، سات ابواب اور ایک خاتمہ ہے ۔ سات ابواب میں گیارہ فصلیں ہیں جن میں شاہ کریم کے سوانح زندگی ، ملفوظات ، اوراد اور وقت کے دیگر مشائخ کا ذکر مندرج ہے ۔

☆ ☆ ☆

تذکرۂ مشائخ سیوستان

اس تذکرے کے مصنف عبدالغفور بن حیدر ہیں ۔ جیسا کہ نام سے ظاہر ہے ، اس میں ان اولیاء اللہ کا ذکر ہے جو سیوستان یعنی سیوہن میں مدفون ہیں ۔ مصنف نے یہ تذکرہ سید محمد بھوہ ملقب بہ دیندار خاں ، حاکم سرکار سیوستان کی آمد پر اور وہاں کے صوفیائے کرام کے متعلق احوال پوچھنے پر تحریر کیا ۔ گویا یہ تذکرہ ۱۰۳۹ھ سے ۱۰۴۳ھ کے درمیان تالیف ہوا کیونکہ دیندار خاں اسی مدت کے دوران میں حاکمِ سیوستان رہے ۔

یہ تذکرہ ایک مختصر رسالہ ہے جو ۲۱ اوراق پر مشتمل ہے اور اس کی تقطیع $6\frac{1}{4}'' \times 2\frac{3}{4}''$ ہے ۔ ہر صفحے میں سولہ سطریں ہیں ۔ ڈاکٹر نبی بخش بلوچ (سندھ یونیورسٹی) نے اس کا تعارف پیش کیا ہے ۔ (دیکھیے مجلہ المعارف ، لاہور ، فروری ۱۹۷۰ع) ۔

اس رسالے میں مندرجہ ذیل صوفیہ کا ذکر ہے :

۱۔ حضرت مخدوم عثمان قلندر ، لعل شاہباز ۔

۲۔ حضرت شیخ چُھٹا عمرانی ۔

۱۔ حدیقۃ الاولیاء مذکور ، ص ۴۲ ۔

۳- مخدوم قاضی برہان الدین -
۴- شیخ مُخرج -
۵- سید محب افغانی -
۶- حاجی سردہ لاکھا -
۷- شیخ دودہ -
۸- قاضی دتہ بن مخدوم راہو -
۹- قاضی ادریس (برادرِ قاضی دتہ) -
۱۰- شیخ ٹوپن -
۱۱- مخدوم اسکندر -
۱۲- سید سالار غازی -
۱۳- شیخ احمد سندانی -
۱۴- سید میاں جلال -

مصنف نے صرف مخدوم لعل شاہباز (م - ۶۷۳ھ) کے حالات لکھنے کے لیے تذکرۂ مشائخ سندھ سے استفادہ کیا - باقی اولیاء اللہ کے متعلق اس نے ذاتی کوشش سے معلومات حاصل کی ہیں - اس لیے مصنف کی کوشش قابل ستایش ہے کہ اس تالیف سے ان بزرگوں کے حالات مفقود ہونے سے بچ گئے -

مخدوم لعل شاہباز کے روضے اور اس سے ملحقہ مساجد و عمارات پر کتبوں کو سب سے پہلے اسی تذکرے میں منضبط کیا گیا ہے - ان میں سندھ کے تین قدیم ترین کتبے شامل ہیں - محمد بن تغلق کی قبر پر قبے کی تعمیر کا قطعہ تاریخ بھی مندرج ہے -

☆ ☆ ☆

مرکزِ وادیِ پشاور

سیاسی پس منظر :

جلال الدین اکبر کے عہد میں وادیِ پشاور میں امن و امان کی صورتِ حال بہتر نہ ہوئی - سوات اور بنیر کے یوسف زئی ، مغلوں سے مغلوب نہ ہو سکے - اکبر نے اٹک کا مضبوط قلعہ بنایا ، زین خاں کوکہ نے چکدرہ اور مالا کنڈ میں ، راجہ مان سنگھ نے ویہند میں اور شاہ بیگ نے باڑہ میں قلعے تعمیر کیے - ان قلعوں کی تعمیر کا مقصد یہ تھا کہ اندرونی بغاوتوں کو فرو کرنے اور بیرونی حملوں کو روکنے کے لیے فوری کمک پہنچائی جا سکے -

پیرِ روشن بایزید انصاری اور ان کے بیٹے جلالہ کے ساتھ مغل فوج کی ٹکر ہوتی رہی - جلالہ نے ۱۵۸۵-۸۶ءمیں قلعۂ بگرام (پشاور) کا محاصرہ کیا اور سید حامد بخاری کو قتل کر دیا -[۱] ۱۵۸۶-۸۷ء میں مغل فوج جلالہ کو زیر کرنے میں مصروف رہی - جلالہ چترال کی پہاڑیوں میں پناہ گزین ہوا اور ۱۰۰۸ھ میں لڑتا ہوا مارا گیا -[۲] اس کی وفات کے بعد بھی روشنیہ تحریک جاری رہی - احداد انصاری اور عبدالقادر نے ۱۶۱۳ء میں پشاور پر حملہ کیا ، جس میں قلیج خاں مارا گیا - ۱۶۳۰ء میں انھوں نے دوسرا حملہ کیا جس میں سپہ سالار مظفر خاں کو شکست ہوئی - شاہجہان کے عہد میں بایزید کا آخری نامور خلیفہ عبدالقادر ، مغل دربار سے وابستہ ہوگیا تو یہ سیاسی تحریک ختم ہو گئی -

شاہجہاں کے عہد میں وادی پشاور میں امن کی صورت بہتر ہو گئی تھی - بادشاہ کی طرف سے یوسف زئیوں کو فرمانِ امن جاری ہوا - اٹک سے پشاور تک کا راستہ خٹک قبیلے کے سردار کی نگرانی میں تھا - شاہجہان کے بعد تخت کی جانشینی کے لیے داراشکوہ اور اس کے بھائیوں میں جو لڑائیاں ہوئیں ان میں وادی پشاور کی سربرآوردہ شخصیتوں میں سے بعض نے دارا شکوہ اور بعض نے اورنگ زیب

۱- منتخب التواریخ ، عبدالقادر بدایونی ، کلکتہ ، ج ۲ ، ص ۳۵۴ -

۲- اکبر نامہ ، ابوالفضل ، نولکشور ، ۱۲۸۴ھ ، جلد سوم ، ص ۸۳۵ -

کی حمایت کی - بہاکو خاں یوسف زئی نے دارا شکوہ کی حمایت کی - جب اورنگ زیب نے جنگ جیت لی تو اس نے اپنے نقطۂ نظر سے انتظامی امور میں رد و بدل کیا - مہابت خاں حاکمِ کابل کو تبدیل کرکے امیر خاں خوافی کو نامزد کیا اور پشاور میں عبدالرحیم اس کا نائب مقرر ہوا - خٹک اور یوسف زئی قبایل کی پرانی رقابت پھر زندہ ہوئی - ہزارہ فوجدار اٹک کی جاگیر میں تھا - بہاکو خاں نے مزید مالی فائدہ حاصل کرنے کے لیے ہزارہ پر فوج کشی کی - اورنگ زیب نے داراشکوہ کے حامی کے خلاف اقدام کیا - ہنڈ اور شاہباز گڑھی میں زبردست معرکے ہوئے جن میں یوسف زئی پسپا ہوئے اور مغلوں کے ساتھ مصالحانہ رویے سے کچھ مدت کے لیے امن ہو گیا -

پشاور کے نئے گورنر عبدالرحیم نے یوسف زئیوں کی حمایت کی - اس طرح خٹک سردار خوشحال خاں اور مغلوں کے درمیان کشمکش پیدا ہو گئی - خوشحال خاں کو اٹک سے پشاور تک شاہراہ کی نگہداشت کے عوض محصول وصول کرنے کا موروثی حق حاصل تھا جس سے وہ محروم کر دیا گیا - پھر اس کو گرفتار کرکے دہلی بھجوا دیا گیا - اورنگ زیب نے اسے چار سال تک قید میں رکھا - رہائی کے بعد پختونی غیرت و انتقام نے خوشحال کے دل میں آگ لگا دی - وہ مغلوں سے بدظن ہو کر اپنے اشعار میں پٹھانوں کو غیرت دلاتا رہا - اس نے مہمندوں اور آفریدیوں کو اکٹھا کرکے خیبر میں امین خاں حاکم پشاور کو زبردست شکست دی - لیکن اورنگ زیب نے انعام و اکرام اور تالیف قلوب سے خوشحال کے بیٹے بہرام کو اپنی طرف مائل کر لیا - ۱۷۰۷ء یعنی اورنگ زیب کی وفات تک وادیِ پشاور میں مغلوں کا تسلط رہا -

فارسی ادب :

وادیِ پشاور میں دو علمی و ادبی زبانیں تھیں ، یعنی عربی اور فارسی - دین سیکھنے کے لیے عربی کی تعلیم لازمی تھی لیکن فارسی چونکہ سرکاری زبان تھی اور عام مروج تھی اس لیے اس کا سیکھنا بھی ضروری تھا - دوسرے اس زبان میں علم و ادب و تاریخ کا ذخیرہ بھی موجود تھا اس لیے بھی اس کا جاننا ضروری تھا - پشتو چونکہ اس خطے کی مقامی زبان تھی اور اپنی زبان میں شعر کہنا طبعاً پسندیدہ ہے اس لیے اکثر شعرا نے پشتو میں شعر کہے ، لیکن کبھی کبھی فارسی کو بھی

وسیلۂ اظہار بنایا - ان شعرا میں خوشحال خاں خٹک اور ان کے بیٹوں اشرف خاں اور گوہر خاں کے نام سربرآوردہ ہیں -

زیرِ بحث دور میں مذہب اور تصوف و طریقت کے موضوعات پر اکثر کتابیں لکھی گئیں - علما اور اولیا کے تذکرے بھی مرتّب ہوئے - مصنفین میں اخوند درویزہ اور ان کے فرزند اخوند عبدالکریم کے نام معروف ہیں - صوفیاے کرام میں شیخ رحمکار اور حاجی بہادر صاحب بڑے نام آور ہوئے - بیشتر کتابیں انھی کی زندگی اور تعلیمات کے متعلق مرتّب ہوئیں -

☆ ☆ ☆

اخوند درویزہ

درویزہ نام تھا لیکن اخوند درویزہ کے مرکب نام سے معروف ہوئے - بعض نے لکھا ہے کہ نام عبداللہ یا اللہ داد تھا اور درویزہ لقب ہے - اخوند کے معنی عالم فاضل اُستاد کے ہیں - ان کے والد کا نام گدا تھا - دادا سعدی ننگر ہار کے رہنے والے تھے - دادا کی وفات کے بعد خاندانی قبیلہ مہمند میں اٹھ آیا - درویزہ کی والدہ قراری بنت نازو خاں ، عابدہ و زاہدہ خاتون تھیں - ان کا سلسلۂ نسب قبیلۂ یوسف زئی سے ملتا تھا - درویزہ صاحب خود اپنی زندگی کے بعض احوال و کوائف کے متعلق لکھتے ہیں : میں بچپن میں رات دن روتا رہتا - ماں اکثر مجھے طمانچے مارتی - کیونکہ وہ میری اس گریہ و زاری سے تنگ آ جاتی - میں اپنی اس حالت کی تعبیر نہیں بتا سکتا تھا کہ یہ رونا قبر کی تنگی و تاریکی کے خوف سے ہے - جب میں بڑا ہوا تو میں نے روزہ ، نماز ، قیامِ شب و دوامِ وضو ، انجامِ اوامر و اجتنابِ نواہی میں استقلال دکھایا ، یہاں تک کہ مجھے تزکیۂ بدن اور تصفیۂ باطن حاصل ہوا - امورِ غیب پر بھی اطلاع ہوئی لیکن اس وقت میں وارداتِ شیطانی اور حقانی میں فرق نہیں کر سکتا تھا اس لیے میں تعلیم حاصل کرنے میں مشغول ہو گیا -

تھوڑے عرصے کے بعد مجھے حق و باطل میں امتیاز کرنا نصیب ہوا ۔[1]

درویزہ نے ابتدائی تعلیم استاد "ملا" مصر احمد سے حاصل کی ۔ انھوں نے خود بتایا ہے کہ "ملا" نے تختی پر حروفِ تہجی لکھ کر دے اور میں نے عشا تک حروفِ تہجی کے سات قواعد سمجھ لیے ۔ میں ہر روز دو سورتیں پڑھتا تھا ۔ پھر ہر روز ایک سورت پڑھتا ۔ ایک سال کے اندر چند کتابوں کے ساتھ قرآن مجید پڑھ لیا ۔ جو کچھ میں پڑھتا ، قوتِ حافظہ کی مدد سے یاد رکھتا ۔[2] مزید تعلیم "ملا" جمال الدین ہندوستانی سے حاصل کی ۔ میں تحصیلِ علم کے لیے کشمیر بھی گیا ۔[3]

درویزہ نے اگرچہ علم اور زہد و ریاضت میں کافی ترقی کر لی تھی لیکن انھیں روحانی سکون میسر نہیں ہوا تھا ۔ انھوں نے اپنی اس روحانی بے قراری کا ذکر استاد "ملا" سنجر سے کیا جو انھیں شیخ الاسلام سید علی ترمذی عرف پیر بابا (م - ۹۹۱) کے پاس لے گئے ۔ انھوں نے فرمایا :

"اقدام نمودن بر ریاضت بی اذن شیخ فانی فی اللہ عاقبت آدمی را بضلالت اندر آرد ، زیرا کہ مبتدی را باید کہ اول علم زھد و ریاضت بر ھیئتی بجا آرد کہ از گفتار و کردار حضرت خیر البشر علیہ الصلٰوۃ و السلام معلوم باشد ۔"[4]

آخر سید علی ترمذی نے ان کی روحانی رہنمائی کی ۔ شرائطِ توبہ کی تجدید کی ۔ اوامر واجب کا حکم دیا ۔ روزۂ ایام بیض ، نماز اوّابین اور نماز باجماعت کی تلقین کی ۔ انھوں نے اپنے مرشد سے علمِ تصوف اور اس کی ماہیت کو سمجھا اور لمعات ، دیوان قاسم انوار اور جام جہاں نما ان سے پڑھیں ۔ سید علی ترمذی تصوف کے پانچ سلسلوں سے متعلق تھے ، یعنی کبرویہ ، چشتیہ ، سہروردیہ ، شطاریہ اور حلاجیہ ۔ انھوں نے اخوند درویزہ کو صرف پہلے چار سلسلوں سے اپنے آپ کو منسوب کرنے کی اجازت دی ۔

۱۔ تذکرۃ الابرار و الاشرار ، اخوند درویزہ ، پشاور ، ۱۹۶۰ ، ص ۱۱۳-۱۱۴ ۔
۲۔ ایضاً ، ص ۱۲۰ ۔
۳۔ ایضاً ، ص ۲۲۰ ۔
۴۔ ایضاً ، ص ۱۲۲ ۔

اجازت ملنے کے بعد مرشد کے حکم پر وہ اطرافِ عالم کی سیر کو نکلے اور امر بالمعرف اور نہی عن المنکر کو شعار زندگی بنایا ۔

سفر سے واپسی کے بعد انھوں نے اپنے مرشد کی زندگی میں ان کی معیت میں اور ان کے بعد خود تنہا اعلاے کلمۃ الحق کا کام سنبھالا ۔ انھوں نے خود بتایا ہے کہ افغان کم علم ، جاہل اور سریع الاعتقاد لوگ ہیں ۔ پیروں فقیروں کے پیچھے آسانی سے ہو لیتے ہیں ۔ سرحدی قبایل میں ایسے پیروں فقیروں کی کمی نہ تھی جو صحیح علم دین نہیں رکھتے تھے لیکن سادہ لوح افغانوں کو اپنے عقایدِ باطلہ کے پیرو بنائے ہوئے تھے ۔ جناب اخوند نے تذکرۃ الابرار والاشرار میں پیر پہلوان ، بابا قلندر رافضی ، شیخ حسن تیراہی ، خواجہ خضر افغانی ، شیخ قاسم غوری ، پیر قاسم و بایزید انصاری اور چند دوسرے اشخاص کا ذکر کیا ہے جن کے خلاف انھوں نے آواز اٹھائی ۔ بحث و جدال سے ان کے عقاید کی تردید کی ۔ مباحثہ و مناظرہ میں ان کو شکست دی اور بعض کو مثلاً بایزید انصاری پیر روشن اور میر قاسم کو ذلیل و رسوا کیا ۔ آخر ان کی تبلیغ و جہاد کا یہ اثر ہوا کہ جب کبھی افغانوں میں کوئی شیخ و عالم ابھرتا ، جب تک اس کے عقاید و اقوال کی تصدیق درویزہ نہ کرتے وہ قبول نہ کیا جاتا ۔ قبیلے کے سربراہ نووارد کو بحث و امتحان کے لیے ان کے سامنے پیش کرتے تاکہ اس کے صحیح عقاید کا حال معلوم ہو سکے ۔

جناب اخوند اپنے آپ کو اہل السنۃ و الجماعۃ میں شمار کرتے تھے ۔ ان کے عقیدے کے مطابق اہل السنۃ و الجماعۃ افضل الخلق بعد الانبیاء تھے ۔[۱]

ان کی زندگی میں ان کا رعب و جلال تھا ۔ چہرے سے خشیتِ الٰہی واضح تھی ۔ ذکر الٰہی کے ساتھ رو دیتے تھے ۔ رسولِ خدا ﷺ سے محبت کا یہ عالم تھا کہ درود پڑھتے اور آہیں بھر بھر کر روتے تھے ۔ انھوں نے ۹۲ سال کی عمر پا کر ۱۰۴۸ھ میں وفات پائی ۔ ان کا مزار پشاور سے ایک میل کے فاصلے پر واقع ہے اور مرجع خاص و عام ہے ۔

۱۔ تذکرۃ الابرار والاشرار مذکور ، ص ۵۶ ۔

تصنیفات و تالیفات :

ان کی تصانیف میں سے مندرجہ ذیل دستیاب ہوئی ہیں :

۱- تذکرۃ الابرار والاشرار -
۲- ارشاد المریدین -
۳- ارشاد الطالبین -
۴- مخزن الاسلام -
۵- شرح قصاید امالی -
۶- شرح اسماء الحسنیٰ - (خدا کے ننانوے ناموں کی تشریح و توضیح فارسی میں) -
۷- ردالبدع -
۸- برہان الانبیاء والاولیاء -
(مؤخر الذکر دو کتابیں نایاب ہیں) -

تذکرۃ الابرار والاشرار : (تاریخ تالیف ۱۰۲۱ھ) -

اخوند درویزہ کی یہ کتاب ہنگامہ خیز تالیف ہے اس لیے کہ اس میں بدعت و الحاد اور اختلافی مسائل کے متعلق بے باک رائے کا اظہار کیا گیا ہے - ابرار میں اخوند کے اپنے مرشد شیخ علی ترمذی ، عبدالرحیم ، عبدالوہاب ، عبدالرحمن جیسے علماء و اتقیا کا ذکر ہے اور اشرار میں بایزید پیر تاریک ، ملا ولی ، پیر پہلوان اور حاجی محمد جیسے لوگوں کے احوال و سوانح مندرج ہیں - ایک باب میں افغانوں کی اصلیت اور ان کی تاریخ کا آغاز و ارتقاء بیان کیا ہے - ان کے مختلف قبائل اور ان کی شاخوں کی تفصیلات بتائی ہیں - لیکن بہت سی تفاصیل کے متعلق لکھا ہے کہ ''سماع است'' - یوسف زئی ، خٹک ، مندر ، گگیانی ، غوری خیل ، تیراہی وغیرہ کے ایک ایک قبیلے کا نام لیا ہے - ان قبائل میں اہلِ سنت و جماعت کے علما و اتقیا کا نام بنام ذکر کیا ہے - اور جن قبائل میں بدعتی غیب دانی کے دعوے دار اور جنوں کے پیرو ہیں ان کا بھی نام بنام ذکر کیا ہے - اور کسی لاگ لگاؤ کے بغیر افغانوں کی جہالت ، سفاہت ، کورانہ تقلید اور لامذہبیت کے متعلق اظہارِ خیال کیا ہے -

بایزید کو وہ پیر تاریک کہتے ہیں - ان کے متعلق تفصیل سے لکھا ہے اور ان کے عقاید پر بحث کی ہے - ان کے ساتھ اپنے مرشد سید علی ترمذی کے مباحثے

و مجادلے کا حال بھی بیان کیا ہے - بعض جگہ جبریہ عقاید ، تناسخ اور حلول کے خلاف بھی عقلی و نقلی دلائل پیش کیے ہیں -

اس کتاب سے مصنف کے اپنے عقاید پر واضح روشنی پڑتی ہے - وہ اہلِ سنت والجماعت سے تعلق رکھتے ہیں - قرآن ، حدیث ، فقہ ، اجماع و قیاس پر عمل کرتے ہیں ، ائمہ اربعہ کو صحیح مانتے ہیں - امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کو زندگی کا شعار سمجھتے ہیں ، مدعیانِ کذب سے مباحثہ و مجادلہ کر کے لوگوں میں ان کی تحقیر و تذلیل کرتے ہیں اور ان کو ملعون و مفسد قرار دیتے ہیں -

وہ اپنے عقاید کی تحکیم و تثبیت اور اپنے دلائل کی سند کے لیے عموماً مندرجہ ذیل کتابوں سے استدلال کرتے ہیں اور یہی ان کا محور مطالعہ رہی ہیں :

ارشاد الطالبین از جلال تھانیسری ، ردالبدع از عبدالرحیم مانکراوی ، دافع الملحدین از عبدالرحیم مانکراوی ، مقصد الاقصی ، جامع العلوم ، خلاصۃ الملوک ، مشارق و شرح آن ، تفسیر چرخی ، عوارف المعارف ، رسالۃ المکیہ ، رسالہ قشیریہ ، شرح القدوری ، تفسیر شہاب الدین ، تفسیر درۃ البیضا ، حاشیہ بزدوی ، تیسیر الکلام ، رسالہ در ردِ روافض ، تفسیرِ زاہدی ، الامالی و شرح ، تحفۃ الفقہا ، سراج الہدایہ ، رسالہ عمر نسفی ، انیس العاشقین ، دلیل العارفین ، تحفۃ المسلمین ، عمدۃ الاسلام ، جناح النجاح ، لباب المعنوی ، گلستانِ سعدی ، تمہید ابو شکور سلمی ، الاصول لابن حاجب ، شرح فصوص ملا عبدالرحمن جامی ، مناقب الخلفاء ، البستان از ابواللیث سمرقندی ، مکتوبات شرف الدین یحیٰی ، ذخیرۃ الملوک ، رسالہ برہان الجلی فی معرفۃ الولی -

بعض مسلمان حلقوں میں اور خاص کر صوفیہ میں یہ اعتقاد عام ہے کہ پیرو مرشد کے بغیر رہنمائی حاصل نہیں ہو سکتی - چنانچہ اس قسم کی روایات مشہور ہیں کہ قبیلے میں پیر کا وجود ایسا ہی ہے جیسا کسی قوم میں نبی کا - اخوند درویزہ نے اس قسم کے اعتقادات کی مخالفت کی ہے اور کہا ہے کہ یہ حضرت خیرالبشر پر افتراء ہے - ان میں سے ایک روایت یہ ہے : من لاشیخ لہ فالشیطان شیخہ - وہ اپنا ایک معتدل نظریہ پیش کرتے ہیں اور لکھتے ہیں :

"پیر گرفتن فرض و واجب و سنت و مستحب نیست بل از نوافل امور اسلام است -"

وہ تصوف فروشوں ، غیب دانوں اور جھوٹے پیروں کے سخت مخالف ہیں -

چنانچہ کہتے ہیں :

صوفی و سبز پوشی و شیخی و چلہ دار
این جملہ شدی ولی مسلمان نشدی

اخوند درویزہ نے ایک ایسے نظریے کا اظہار کیا ہے جو عموماً علما و صوفیہ کے پیشِ نظر نہیں رہا ۔ اسلام کے عام معتقدین بھی اس کو نظر انداز کرتے رہے ہیں ۔ عام عقیدہ یہ ہے کہ دین الگ اور سیاست الگ ہے ۔ یہ اکٹھے نہیں ہو سکتے ۔ ہمارے زمانے میں اقبال نے اس خیال کی مخالفت کی ہے اور کہا ہے : ع

جدا ہو دیں سیاست سے تو رہ جاتی ہے چنگیزی

یا

وہ ثبوت ہے مسلماں کے لیے برگ حشیش
جس ثبوت میں نہیں شوکت و حشمت کا پیام

اخوند درویزہ ، رسول خدا ؐ کی ایک حدیث کی طرف توجہ دلاتے ہیں جو اس خیال کی مؤید و مؤکد ہے ۔ یعنی ''الملک و النبوۃ توأمین ۔'' ایک جگہ اس خیال کا اظہار کیا ہے کہ دین کے استحکام کے لیے حکومت کا ہونا ضروری ہے ۔ اوامر و نواہی پر عمل کرانے کے لیے مسلم بادشاہ کا ہونا لازمی ہے ۔ انھوں نے لکھا ہے :

''قوام دین محمدی بی سیاست بادشاہ اسلام ممکن نیست ۔''

شیخ مبارک اور ان کے بیٹوں ابوالفضل اور فیضی نے اس نظریے کے تحت اکبر کو دین و سیاست کا مظہر قرار دیا تھا اور علمائے ظواہر پرست کی طرف سے سخت مخالفت ہوئی تھی ۔ لیکن اخوند درویزہ جیسے متعصب اہلِ سنت والجماعت پٹھان عالم کی طرف سے اس قسم کے نظریے کی حمایت کرنا تعجب انگیز ہے ۔

مصنف نے اس کتاب میں ترغیب و ترہیب کی روایات کو قبول کر لیا ہے اور بعض ایسے فتاوی پیش کیے ہیں جن سے اختلاف کی بہت گنجائش ہے ۔ مثلاً :

۱۔ اہل السنۃ و الجماعۃ افضل الخلق بعد الانبیاء ۔

۲۔ مہتر یعقوب گوسالۂ مادہ گاو را کشتہ بود و حکمتِ الٰہی آن اقتضا کرد کہ او را بفراق یوسف مبتلا گردانید ۔

۳۔ ہر کہ زنِ بیگانہ را مصافحہ کند انگشت دوزخ بر دستِ او نہند تا از گرمیِ آن مغزِ سرِ او چون دیگ مسین بجوشد ۔

۴- هرکہ اندوهناک نشود بمرگ علماء ، او منافق است و هر آن مومنی کہ اندوهناک باشد بمرگ عالم ، بنویسند او را ثواب هزار عالم و هزار شهید -

۵- هرکہ فرزند خود را علم نیاموزاند پس هر گناهی کہ از فرزند در وجود آید در حیاتِ پدر یا بعدِ وفاتِ پدر آثمی و بزہ کاری پسر و پدر برابر باشد -

۶- هرکہ حق را بگوید در محل خوف ہلاک ، اگر هلاکش کردند ، ثواب هفتاد شهیدان یابد -

ارشاد المریدین :

کتاب کے نام سے ظاہر ہے کہ یہ رسالہ مریدوں کی ہدایت کے لیے لکھا گیا ہے - لیکن پہلے پچیس صفحوں میں ذاتِ الٰہی ، صفاتِ الٰہی ، تخلیقِ حیات اور تکوینِ کائنات کے متعلق تصوف اور فلسفہ کی اصطلاحات میں تفصیل بیان کی ہے جو ایک عام قاری کے فہم سے بالاتر ہے - شروع میں توحید و تجرید کی تعریف کی ہے - پھر واحد ، احدیت اور واحدیت کے مفہوم کی وضاحت کی ہے - اس کے بعد کلیات اسما و صفات کی تشریح دوائر بنا کر کی ہے - وہ اسماء و صفات یہ ہیں : بدیع ، باعث ، باطن ، ظاہر ، حکیم ، محیط ، عقلِ کل ، نفسِ کل ، طبیعتِ کل ، جوہرِ ہبا ، شکلِ کل ، شکور ، غنی الدہر ، مقتدر ، رب ، علیم ، قاہر ، جسمِ کل ، عرش ، کرسی ، فلک البروج ، فلک المنازل ، فلکِ زحل ، نور ، مصوّر ، محصی ، مبین ، قابض ، حی ، فلکِ مشتری ، فلکِ مریخ ، فلکِ شمس ، فلکِ زہرہ ، فلکِ عطارد ، محی ، ممیت ، عزیز ، رازق ، مذل ، قوی ، فلکِ قمر ، کرۂ آتش ، کرۂ ہوا ، کرۂ آب ، کرۂ خاک ، مرتبۂ جماد ، لطیف ، جامع ، رفیع الدرجات ، مرتبۂ نبات ، مرتبۂ حیوان ، مرتبۂ جن ، مرتبۂ انسان اور مرتبۂ جامع - اس بیان کے آخر میں وحدت و کثرت کا تعیّن اور انبیا و اولیا کا فرق و امتیاز بتایا ہے - مصنف لکھتے ہیں کہ اولیا کبھی انبیاء کا مرتبہ نہیں پا سکتے - اور جب کبھی 'انا الحق' اور 'سبحانی ما اعظم شانی' جیسے کلمات موحّد کی زبان سے نکلتے ہیں ، اس وقت وہ اپنے آپ سے بے خبر ہوتا ہے - اس پہلے تمہیدی حصے میں بعض مقامات پر اصطلاحات کی جو تشریح و

توضیح کی گئی ہے وہ مبہم اور پیچیدہ ہے ۔ مثلاً یہ عبارت دیکھیے :

''سمع او عبارت است از تجلی او بعلم خویش کہ متعلق است بحقیقت کلام ذاتی در مقام جمع الجمع و اعیانی در مقام جمع و تفصیل ظاہراً و باطناً بطریق شہود ۔''[۱]

اس کتاب کے نام کی مناسبت سے اصل مضمون تمہید کے بعد شروع ہوتا ہے جو چھ نکات یعنی چھ فصلوں اور ایک خاتمے پر مشتمل ہے ۔ اس حصے میں عموماً وہی عقاید بیان کیے گئے ہیں جو صوفیہ کے نزدیک بنیادی اور اہم ہوتے ہیں ۔ صوفی کی منزل فنا فی اللہ ہے اور مرشدِ کامل اس کا وسیلہ ہے ۔ پیروں اور مریدوں کے لیے فرض قرار دیا گیا ہے کہ وہ اوامر و نواہی کا علم رکھتے ہوں ، احکامِ شریعت کی پابندی کرتے ہوں ۔ پیر کے متعلق لکھا ہے کہ وہ جب تک مرید میں طلبِ صادق نہ دیکھے ، اسے مرید نہ بنائے ۔ پیر کو خلیفۂ خدا اور خلیفۂ قرآن کہا ہے اور پیر کا یہ فریضہ بتایا ہے کہ وہ اپنے مریدوں کے دلوں میں دین قائم کرے :

''الشیخ ھو الذی یقرر الشرع والدین فی قلوب المریدین ۔'' (ص ۱۴)

مصنف کا عقیدہ ہے کہ صوفی کتنا ہی اعلیٰ مرتبہ کیوں نہ حاصل کر لے اور کتنا ہی قربِ الٰہی کا دعویٰ کیوں نہ کرے ، وہ شرعی احکام کی پابندی سے بے نیاز نہیں ہو سکتا ۔ ایک جگہ لکھتے ہیں :

''اگر مقربی گوید کہ مرا از سبب صفای قلب چیزی از معانی غامضۂ قرآن مفہوم آمد کہ آن مخالف مشرب شریعت و مذہب است ، او را مقرب نگویند بل کافر و ملحد و مضل خوانند ۔'' (ص ۳۷)

مصنف کا یہ بیان اعلاے کلمۃ الحق کے مترادف اور صوفیہ کے عمومی مسلک کے سراسر خلاف ہے ۔ اس عقیدے کے مطابق جناب ملاؔ شاہ بدخشی خلیفۂ حضرت میاں میر کی تفسیر اس زد میں آتی ہے اور ان کا فتویٰ حضرت ملاؔ شاہ پر صادق آتا ہے ۔ بعض صوفیہ کا یہ قول ہے کہ ''لا دین لہ لمن لا شیخ لہ'' ۔ مصنف کہتے ہیں کہ جو شخص عامل و عاقل ہے اگر اس کا ایمان سالم ہے تو وہ بہشت کا مستحق ہے ، اگرچہ اس نے پیر و شیخ کو آنکھ سے نہ بھی دیکھا ہو ۔ (ص ۲۷)

۱۔ ارشاد المریدین ، لاہور ، ۱۲۸۳ھ ، ص ۲۳ ۔

ایک فصل میں ایمان کے اجزا ، اس کے احکام اور اس کی شرایط بیان کی ہیں ۔ قرآن مجید میں مومن کے لیے ایمان کی پانچ شرایط بیان کی گئی ہیں ۔ اللہ ، ملائک ، کتب ، رسل اور یوم الاخرت پر ایمان ۔ مصنف نے تقدیر خیر و شر کا اضافہ اپنی طرف سے کیا ہے ۔

ایک فصل میں اُن عربی عبارات کا ترجمہ لکھا ہے اور مشکل مقامات کی تشریح کی ہے جو عموماً نماز میں پڑھی جاتی ہیں ۔

مصنف نے جرأت سے کام لے کر لکھا ہے کہ تصوف کا لفظ قرآن مجید میں نہیں ملتا ۔ لفظِ صوفی کا وجود بعد میں ہوا اور اس کے معنوں میں بھی اختلاف ہے ۔ سالکِ طریقت کے لیے جلائے باطن حاصل کرنے کے لیے عموماً جو قواعد و ضوابط مقرر ہیں ، مصنف نے بھی انھی کو دہرایا ہے ۔ تزکیۂ نفس یا تصفیۂ قلب کے لیے مکارمِ اخلاق سے آرایش اور اخلاقِ ذمیمہ سے انقطاع کے بعد اذنِ پیر سے اذکار و اوراد و نوافل سے اشتغال بنیادی امور ہیں جن پر عمل کرنے سے قربِ خداوندی حاصل ہوتا ہے ۔

بعض مریدوں کو اپنے پیر پر اس قدر کامل بھروسہ ہوتا ہے کہ وہ اس کو اپنی نجات کا وسیلہ سمجھتے ہیں ۔ مصنف ایسے اشخاص کو کافر کہتے ہیں ۔ انھوں نے لکھا ہے :

”۔۔لاف میزنند کہ ما از مریدان فلاں پیریم ، او ما را نجاتی خواهد داد ۔ پس کافر می گردند ۔“ (ص ٦٧)

لوگ اکثر پیروں کی کرامات کے معتقد ہوتے ہیں اور اس کا بڑا چرچا کرتے ہیں ۔ مصنف کہتے ہیں کہ پیر کے لیے اس قسم کا دعویٰ جائز نہیں ۔ ان کا فتویٰ یہ ہے کہ :

”دعویٔ حصول کشف و کرامات کفر است ۔“

مصنف نے اس رسالے کی تالیف میں مندرجہ ذیل کتابوں سے استفادہ کیا ہے :

”عوارف المعارف ، رسالۂ مکیہ ، تفسیر بیضاوی ، احیاء العلوم ، تفسیر کواشی (؟) ، تفسیر اللباب ، رسالہ غجدوانیہ ، مجموع نوادرات ، تفسیر چرخی ، حقایق الدقایق ، مثنوی ”ملا“ روم ، تفسیر الزاہدی ، رسالۂ شطاریہ ، تذکرۃ الاولیاء ، مناقب الابرار ، برہان الجلی فی معرفت الولی ، تمہید ابو شکور سلمی ، مکتوبات شیخ شرف الدین منیری ۔“

مصنف نے اپنی دو کتابوں یعنی 'رد البدع' (ص ۴) اور 'برہان الانبیاء والاولیاء' (ص ۲۵) کا بھی ذکر کیا ہے کہ قاری بعض نکات کی تفصیلات کے لیے ان کی طرف رجوع کرے۔

ارشاد الطالبین :

'ارشاد الطالبین' اخوند درویزہ کی ایک اور کتاب ہے جس میں شریعت و طریقت کے عقاید و مسائل پر گفتگو کی گئی ہے۔ یہ کتاب چار ابواب پر مشتمل ہے۔ ہر باب فصول میں منقسم ہے۔ مختلف موضوعات کا جائزہ لینے کے لیے ہم ابواب و فصول کا ذکر کرتے ہیں۔ کل چار ابواب ہیں، ہر باب میں تین فصلیں ہیں۔ باب اول کی مندرجہ ذیل فصلیں ہیں :

۱- بیانِ توحید۔ ۲- بیانِ ایمان۔ ۳- بیانِ ادعیہ۔

بابِ دوم کی تین فصلیں اس طرح ہیں :

۱- بیان انواع توبہ۔ ۲- علاماتِ پیر کامل۔ ۳- بیان چہار علم۔

باب سوم کا موضوع سیر سلوک ہے۔

باب چہارم کی تین فصلیں یوں ہیں :

۱- در اخلاقِ حمیدہ۔ ۲- در اخلاقِ ذمیمہ۔ ۳- در بیانِ صبر۔

'خاتمۃ الکتاب' میں دو فصلیں ہیں۔ پہلی میں علاماتِ قیامت کا بیان ہے اور دوسری میں متفرق مسائل کے متعلق سوالات اور جوابات درج ہیں۔

متذکرہ بالا عنوانات کے تحت نماز، روزہ، اذکار و ادعیہ اور دوسرے فقہی مسائل کے متعلق بے شمار معلومات آ گئی ہیں۔ جابجا انبیا و اولیا کی زندگی کے واقعات و کوائف بیان کیے گئے ہیں۔

مصنف نے عقاید و مسائل کی تائید و توثیق کے لیے عموماً مندرجہ ذیل کتب و رسائل کو مآخذ کے طور پر استعمال کیا ہے۔

تفاسیر : تفسیر جلالین، تفسیر منیر، تفسیر مدارک، تفسیر کامل، تفسیر ابواللیث۔

فتاویٰ : مجموع خانی، فتاوای سراجیہ، مجموعۂ سلطانی، فتاوای خانیہ، فتاوای نادر، فتاوای غرائب۔

فقہ : قدوری ، شرح وقایہ ، تحفۂ شامی ، دستور القضاۃ ، تحفۃ الفقہ ۔

تصوّف : طوالع شموس ، شرح فصوص ، عوارف المعارف ، اجتناب الفقراء ۔

دیگر کتابیں : کیمیای سعادت ، مصباح العاشقین ، ذخیرۃ الملوک ، عمدۃ الاسلام ، نظام المومنین ، معراج نامہ ، رسالۂ عصمت الایمان ، شرح مشارق ، رسالۂ شاہ قاسم بدر الدین ، شرح ابوالمکارم ، عمدۃ الاخبار ، فوزالنجاۃ ، انیس العاشقین ، مفتاح الجنان ، معرفۃ المذاہب ، انیس الواعظین ، فواید المسلمین ، اخبار الملوک ، تحفۃ المذکورین ، تحفۃ الاخبار ، تحفۃ الاسلام ، نتیجۃ الانوار ، رسالہ ابو علی رودباری ، وقایع البدعۃ از شیخ الاسلام لہانوری ، شرح وجہی ، مجالس اسلام قاضی شمس الدین ۔

مصنف کی علمی فضیلت میں کوئی شک نہیں ۔ قرآن ، حدیث ، تفسیر اور فقہ پر ان کی نظر ہے اور وہ محکم یقین سے ان کتابوں سے استدلال کرتے ہیں ۔ لیکن اُن کا اندازِ بیان ایک سخت مقلّد کا انداز بیان ہے ۔

کتاب میں بعض جگہ اساسی عقاید کے متعلق اختلافات بھی پائے جاتے ہیں ۔ مثلاً :

ص ۴۷۔ ایمان بعمل زیادہ نشود و بگناہ کم نقصان نپذیرد ۔

ص ۵۳۔ حج بیت اللہ اگرچہ فرض است اما از پادشاہ و امرا و سلاطین بسبب عدل و انصاف خلق ساقط گردانیدہ است ۔ زیرا کہ درین امر حق الناس از حق اللہ اسبق است ۔

ص ۲۵۳۔ اگر آیت کلام اللہ و حدیث نبوی بہم مخالف باشند ، شاید کہ عمل باحادیث کند ۔

اگر احادیثِ نبوی و روایتِ فقہ اختلاف شوند ، عمل بروایتِ فقہ می توان کرد ۔

ص ۳۱۰۔ ہر چہار مذہب برحق اند و دانستن ایشان فرض است و اختلاف در بیان ایشان اختلاف برحمت است ۔ ہنگام ضرورت از مذہبی بمذہبی انتقال کردہ می شود ۔

گوشت اسپ بقول ابی حنیفہ روا نیست اما بقول شافعی رواست ۔

مخزن الاسلام :

یہ کتاب پشتو میں ہے - ضمناً کہیں کہیں عنوانات فارسی میں ہیں - بایزید کے حالاتِ زندگی فارسی اور پشتو دونوں زبانوں میں لکھے ہیں -

مصنف اپنے آپ کو اہل السنۃ و الجماعۃ میں شمار کرتے ہیں اور لکھتے ہیں کہ اہلِ سنت کے چار مذہب ہیں لیکن وہ حنفی مسلک کے پیرو ہیں - انھوں نے تمہید میں احکامِ اسلام کے متعلق اشارات کے بعد افغانی (پشتو) میں نماز کا ترجمہ کیا ہے -

تیسری فصل میں مخارجِ حروف کے متعلق گفتگو کی ہے اور اپنا عقیدہ بیان کیا ہے کہ قرآن کو بلا ادائے مخارجِ حروف و اعراب پڑھنا ممنوع ہے - جیسا کہ رسول خدا نے فرمایا ہے : ''من قرأ القرآن برائہ فلیتبوأ مقعدہ من النار -'' اس فصل کے بعد نجم الملت والدین عمر النسفی کے ایک رسالے کا ترجمہ افغانی میں کیا ہے - اس میں ایک جگہ لکھتے ہیں : اس زمانۂ فساد میں ایک فریق حق پر ہے اور گیارہ فریق ضلالت و بدعت پر ہیں - پھر ان گیارہ فرقوں کی خصوصیات بیان کی ہیں -

ایک فصل میں امام محمد بوصیری کے مشہور قصیدۂ بردہ کی تشریح و توضیح کی ہے - دوسری فصل میں خلاصۂ کیدانی کے حوالے سے امام محمد شامی کے عقاید بیان کیے ہیں - درویزہ صاحب لکھتے ہیں :[1] بعض ملحدوں نے حروف تہجی کی مختلف تاویلیں کرکے مخالفِ شریعت عقائد پھیلائے ہیں - انھوں نے حروف کو خدا ، رسول اور دین کے بنیادی عقاید کے ساتھ منسوب کرکے اسماء کی تشریح کی ہے - مثلاً الف سے اللہ - ح سے حی - خ سے خوف و رجا - ص سے صفات ذات وغیرہ -

اسی طرز پر ان کے فرزند اخوند کریم داد نے بھی حروف تہجی کی نسبت سے عقاید و مسائل شرعیہ بیان کیے تھے - وہ رسالہ بھی ساتھ ہی مندرج ہے - مسائل میں سے ارکان ایمان ، مجمل و مفصل ، نماز کے فرائض ، واجبات ، مکروہات ، رسول خدا اور ان کے شمائل ، خلفائے اربعہ اور ان کے فضائل مختصراً بیان کیے ہیں -

'ارشاد المریدین' کی طرح اس کتاب میں بھی حقیقی پیروں اور مریدوں کی خصوصیات بیان کی ہیں اور دنیا پرست اور غلط عقاید رکھنے والوں کی مذمت

۱- مخزن الاسلام ، دہلی ، ۱۳۰۰ھ ، ص ۹۵ -

کرکے ان سے بچنے کی نصیحت کی ہے - آخر میں بایزید انصاری کے حالاتِ زندگی بیان کرکے ان کے عقاید پر سخت نقطہ چینی کی ہے اور ان کو کافر و ملحد قرار دیا ہے - درویزہ صاحب نے بایزید انصاری کے متعلق جو عقاید بیان کیے ہیں ان کی رو سے تو ان کی بے دینی میں کوئی شک و شبہ نہیں رہتا - لیکن ہم نے 'پاکستان میں فارسی ادب' کی پہلی جلد میں بایزید کی تصنیفات کے مطالعے سے یہ ثابت کیا ہے کہ وہ ایک پابندِ شریعت صوفی مشرب مسلمان تھے اور ان کی تالیفات میں ایسے عقاید بیان نہیں ہوئے جن کی وجہ سے ان پر کفر و الحاد کے فتوے لگائے جائیں -

درویزہ صاحب لکھتے ہیں کہ 'مخزنِ اسلام' لکھنے کا مقصد ہی یہ تھا کہ میں افغانوں کو ایسے "ملا" پیروں سے خبردار کروں اور ان کو شریعت کے بنیادی اور ضروری عقاید سے باخبر رکھوں -

شرح قصیدۂ امالی :

اخوند درویزہ صاحب تمہید میں لکھتے ہیں کہ یہ عربی قصیدہ محمد نجم الدین عمر النسفی سے منسوب ہے - چونکہ اس قصیدے کے تیسرے شعر میں 'امالی' کا لفظ آیا ہے اس لیے یاد رکھنے کے لیے یہ قصیدہ اسی نام سے معروف ہو گیا ہے - وہ شعر یہ ہے :

یقول العبد فی بدء الامالی   لتوحید بنظم کالآلی

اس قصیدے میں خدا ، توحید ، رسولؐ ، فضیلتِ خلفاے راشدین ، قیامت ، حشر ، حساب ، عذابِ قبر اور شفاعت وغیرہ جیسے عقاید بیان کیے گئے ہیں - شارح نے عربی الفاظ کی تشریح کرکے معانی بتائے ہیں اور ساتھ ہی ان مسائل کی جزئی تفاصیل بیان کی ہیں - نیز مذکورہ عقاید کے خلاف عقیدہ رکھنے والوں کو کافر کہا ہے -

درویزہ صاحب کے پاس شاید اکبر بادشاہ کے دعویٔ نبوت کی افواہ پہنچ چکی تھی اس لیے نبوت کا دعویٰ کرنے والوں اور ان پر اعتقاد رکھنے والوں کے لیے ان کا فتویٰ یوں ہے :

"اگر کسی بعد از پیغمبر آخر الزمانؐ خود را پیغمبر گوید کافر گردد ، و اگر دیگر کسی پیغمبری او را قبول کند او نیز کافر گردد ، و اگر

شخص دیگر در کافر شدن، این هر دو کس شک آرد او نیز کافر گردد ۔"
(ص ۱۶)

اجتہادی مسائل کے متعلق شارح نے ایک مقام پر متضاد رائے کا اظہار کیا ہے ۔ مثلاً ایک جگہ کہتے ہیں :

"پس مستی اگر کلمات کفر بگوید او را کافر نمی توان گفت ۔" (ص ۲۸)

دوسری جگہ فرماتے ہیں :

"اگر مست در حالتِ مستی زنِ خود را طلاق بگوید ، زنِ او را طلاق خواهد شد ۔" (ص ۲۹)

شارح نے آخر میں کفر کا ایک ایسا فتویٰ بھی دیا ہے جس کی زد سے ایک عام جاہل مسلمان تو ہرگز نہیں بچ سکتا ۔ وہ فرماتے ہیں :

"اگر کسی یک سخن کفر و یک کار کفر را بغافلی یا بنادانی کند و یا بفراموشی کند نیز کافر گردد ۔" (ص ۳۸)

شرح قصیدہ امالی ، مطبع فاروقی دہلی میں ۱۳۰۱ ہجری میں چھپی تھی ۔

☆ ☆ ☆

عبدالکریم پشاوری

اخوند درویزہ کے تین بیٹے تھے : ۱۔ اخوند کریم داد ۔ ۲۔ میاں پایندہ محمد ۔ ۳۔ میاں عبداللہ ۔ کریم داد یا عبدالکریم نے باپ سے ظاہری و باطنی تربیت حاصل کی ۔ 'حدایق الحنفیہ' میں لکھا ہے کہ انھوں نے میر سید علی غواص کے مرید ہو کر خرقہ' خلافت حاصل کیا ۔[۱] وہ بھی باپ کی طرح صاحب شریعت و طریقت و حقیقت ہوئے ۔ 'مخزن الاسلام' مصنفہ' اخوند درویزہ پر انھوں نے جو اضافات کیے ہیں ان سے ان کا علمی مرتبہ آشکار ہے ۔ غلام سرور 'خلاصۃ البحر' کے حوالے

۱۔ حدایق الحنفیہ ، فقیر محمد ، نولکشور ، ص ۴۱۷ ۔

سے بتاتے ہیں کہ انھیں 'محقق افغانستان' کہا گیا ہے۔[۱] صاحب 'معارج الولایت' عبداللہ خویشگی نے 'مخزن الاسلام' کی شرح لکھی اور اس کا نام 'کلمات الوافیات' رکھا۔ 'ملا' عبدالکریم ۱۰۷۲ھ میں وفات پا گئے۔ مزار قبیلہ یوسف زئیاں کے علاقے میں ہے۔

اخوند کریم داد نے اپنے والد کی تصانیف کو ترمیم و تصحیح کے بعد مرتب کیا۔ 'مخزن الاسلام' کا وہ نسخہ موجود ہے جس میں انھوں نے تصحیح و اضافہ کیا ہے۔ 'ارشاد المریدین' کے دیباچے میں انھوں نے لکھا ہے:

"فقیر حقیر کثیر التقصیر عبدالکریم، باندازۂ وقوف خود میخواهد تا تمام رسائل را بصحت رساند۔ این رسالہ ششم است آنکہ این راقع نعال صلحاء بصحت رسانیده۔ و امید از علما و اتقیا آنکہ بر صحت و فساد این واقف گردند بمضمون خذ ما صفا و دع ما کدر، آنچہ صحیح یابند، مؤلف و مصحح را بدعای ایمان و امن از نیران و وصول بجنان و محفوظ آمدن بلقائے رحمان یاد فرمایند، و آنچہ فاسد است رسانند و از برای این فقیر آمرزش خوانند۔"

ان کی اپنی ایک تصنیف 'کتابِ مسائلِ زنان' ہے جس کا ایک قلمی نسخہ کتاب خانۂ ایشیاٹک سوسائٹی بنگال، کلکتہ کے مجموعۂ کرزن میں موجود ہے۔ شمارہ ۱۰۷۷۔

مکتوبات:

ان کے مکتوبات کا ایک مجموعہ اسلامیہ کالج پشاور کی لائبریری میں شمارہ ۱۰۰۶ پر محفوظ ہے۔ یہ کل چودہ مکتوبات ہیں اور ستر اوراق پر مشتمل ہیں۔ ہر صفحے میں اُنیس سطریں ہیں۔ تقطیع "۷×"$\frac{1}{2}$۹ ہے۔ افسوس کہ اوراق مسلسل و مربوط نہیں۔ مثلاً مندرجہ ذیل مکتوبات مختلف صفحات پر منتشر ہیں۔

مکتوب الاول : ۱، ۶-۱۷، ۱۸-۲۱

مکتوب الثانی : ۲-۵، ۲۲-۲۳، ۵۸

۱- خزینۃ الاصفیا، غلام سرور، لکھنؤ، ۱۲۹۰ھ، ج ۱، ص ۴۷۹ - معارج الولایت، عبداللہ خویشگی، مخطوطہ پنجاب یونیورسٹی لائبریری، لاہور۔

مکتوب الخامس : ۵۶ ، ۵۷ ، ۶۳ ، ۷۰

مکتوب السادس : ۶۴ ، ۶۸ ، ۷۰ ، ۷۱

مکتوب السابع : ۳۰ ، ۴۴ ، ۶۸ ، ۶۹

مکتوب حادی عشر : ۲۴ ، ۵۵

اوراق کے نچلے حصوں کی مرمّت کرتے وقت موٹا کاغذ استعمال کیا گیا ہے جس سے الفاظ چھپ گئے ہیں -

یہ تمام خطوط تقریباً علمی ہیں - بعض میں خاص مسائل کی وضاحت کی گئی ہے اور علماء کے بعض خاص گروہوں کو مخاطب کر کے لکھے گئے ہیں - مثلاً خط نمبر ۷ ، ۸ علمائے ننگنھاری کے نام ، خط نمبر ۳ علمائے کابل کے نام ، خط نمبر ۶ آئمۂ ہزارہ کے نام خط اور نمبر ۱۴ علمائے ہشت نگر کے نام ہے - ایک تفصیلی خط قاضی یار محمد کے بیٹے کو مخاطب کر کے لکھا گیا ہے - دو تین خط منصبداروں کے نام ہیں مثلاً ایک میرک مقصود بیگ ، دوسرا سلطان کوچک اور تیسرا خانخانان (؟) کے ایک وکیل کے نام ہے - ان میں وعظ و نصیحت ہے -

ایک بڑا مسئلہ جس پر ان مکتوبات میں اظہارِ خیال کیا گیا ہے ، وہ اس علاقے میں پیری مریدی ، شیخی اور صوفی گری کا ہے - شیخ عبدالکریم بھی اپنے باپ اخوند درویزہ کی طرح مذہبی معاملات میں متشدّد ہیں - انھوں نے علمائے ننگنھاری کے نام مکتوبات میں میاخانی اور بایزید انصاری کے دینی عقاید کے خلاف رائے دی ہے - وہ دونوں کو ملحد و کافر کہتے ہیں - میاخانی کے متعلق لکھتے ہیں : ''میاخانی از جملہ ملاحدہ است کہ قائل است بحلول حق در خلق و قائل است باتحاد بودن میان حق و خلق و قائل است بتجزی بودن اللہ تعالیٰ -''

پیر روشن بایزید انصاری کے متعلق لکھا ہے : ''آیت ھا را کہ پیر تاریک لعین بلفظ تاویل کردہ و رسالہا ساختہ ، آن رسالہا را با خود گردانیدہ حجت ساختہ ، عوام الناس را بالحاد دعوت میکند . . . او میگوید کہ نورِ محمد از نور خدا جدا شدہ - این کفر تمام است'' (ص ۵۴) - میاخانی کے عقاید کا تو ہمیں علم نہیں کیونکہ ان کی کوئی تصنیف ہمارے پیشِ نظر نہیں ، البتہ بایزید انصاری ، جنھیں شیخ صاحب نے 'پیر تاریک' کہا ہے کی تصانیف موجود ہیں جن سے ان کے عقاید پر روشنی پڑتی ہے - ہم نے 'پاکستان میں فارسی ادب' کی پہلی جلد میں ان کے عقاید کا تفصیلی جائزہ پیش کیا ہے - ان کے ملفوظات سے کفر و الحاد کے الزام کی تائید

نہیں ہوتی ۔

ایک خط میں اپنے علاقے والوں کے لادینی رجحانات پر بھی تبصرہ کیا ہے ۔ وہ لکھتے ہیں : بعض ایسے آدم صورت شیطان سیرت اشخاص ہیں جنھوں نے متمرّد عوام اور جہلا کو بے دلیل مقلد بنا لیا ہے اور مخالفِ شریعت رسائل لکھ کر رقص و غنا ، مذہبِ اعتزال و قلندری کو جائز قرار دیا ہے ۔" (ص ۴۸)

ایک جگہ یوسف زئیوں کے متعلق تحقیق کر کے لکھا ہے : "تارکِ صوم و صلواۃ ، تن برہنہ ، ریش تراشیدہ ، خمر خوردہ ، مردار خوردہ ، گوشتِ خوک و خروسک و گربہ از منہیات را مرتکب آمدہ ۔ تن پوشیدہ (؟) نماز و روزہ بجا می آرند و علماء را حقیر و ذلیل میگیرند بل دشنام میدھند ۔ میگویند پیر ما بہشتی است ۔ با اھلِ ضلالت محبت میکنند ۔ نماز روزہ برپا میدارند و میگویند ۔ اگر پیر ما . . . قبول داریم و الا ازو بیزاریم ۔" (ص ۵۴)

شیخ صاحب کے بیانات سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کی تنقید کی وجہ سے لوگ ان کے مخالف ہو گئے تھے ۔ چنانچہ اس قسم کے لوگوں کو جواب دیتے ہوئے اپنے علم و عقاید کے متعلق یوں وضاحت کرتے ہیں :

> لوگ مجھے جہالت و سفاہت سے متّہم کرتے ہیں ۔ اگرچہ میں اپنے قصورِ علم کا معترف ہوں لیکن میں حق شناس ہوں اور حق کو باطل سے پہچانتا ہوں ۔ چاہتا ہوں کہ جسے اعتراض ہو وہ میرے پاس آئے اور میرے عقاید کو جانے اور فقیر پر بہتان نہ لگائے ۔" (ص ۵۴)

ایک خط میں پیر کے اوصاف بیان کرتے ہوئے لکھا ہے :

> "شیخ باید کہ با خاصان و طالبان و صادقان و عاشقان باشد ۔ سفیہان و دنیا جویان را بصحبت خود راہ ندھد ۔ شیخ مرید را ضامن افعال او باشد ۔"

اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ان کے نزدیک پیر و مرشد کا مقام کتنا بلند ہے ۔

☆ ☆ ☆

ظواہر

'ظواہر' کتاب کا تاریخی نام ہے جس سے سالِ تالیف ۱۱۱۲ھ نکلتا ہے۔ اس کے مصنف محمد عمر بن ابراہیم الپشاوری ہیں۔ کتاب میں شیخ سعدی لاہوری کے حالات و کوائف اور ان کے خوارق و مناقب تفصیل سے بیان کیے گئے ہیں۔ شیخ سعدی (م - ۱۱۰۸ھ) سلسلۂ نقشبندیہ کے بزرگوں میں شمار ہوتے ہیں۔ وہ شیخ آدم بنوری کے مرید تھے۔ کتاب کی ابتدا میں اسلاف نقشبندیہ کا ذکر ہے۔ آخر میں شیخ سعدی کے اخلاف و اولاد کے حالات و کوائف جمع کیے گئے ہیں۔ مصنف نے اپنے مرشد اور دوسرے عرفاء و اولیاء کے ملفوظات بھی درج کیے ہیں۔ تصوف و طریقت کے بعض رموز پر بھی روشنی ڈالی ہے۔

'خزینۃ الاصفیاء' کے مصنف نے اس کتاب کا نام 'جواہر الاسرار' بتایا ہے (ص ۸۴۴، جلد اول، مطبوعہ کانپور، ۱۹۱۴ع) لیکن کتاب کے متن میں اس کا نام 'ظواہر' ہی بتایا گیا ہے۔ اصل عبارت یوں ہے:

''چون ظواهر این سخنان مشعر و مبنی بود از کمالات سرایر بواطن اهل الله، پس این مجموعه را که متضمن آن سخنان بود، مسمی و نامیده شد به 'ظواهر'۔ و از نوادر اتفاقات آنکه تاریخ اتمام کتاب 'ظواهر' از مدد حروف وی که یک هزار و یک صد و دوازده است، اتفاق افتاد۔''

کتاب کا قلمی نسخہ پنجاب یونیورسٹی لائبریری کے مجموعۂ شیرانی میں شمارہ ۳۸۸ پر موجود ہے اور ۲۰۴ اوراق پر مشتمل ہے۔

☆ ☆ ☆

تذکرۃ الاولیاء

اس کتاب کے مؤلف جمیل بن شاہباز خان افغان خٹک مرید شیخ رحمکار افغان خٹک ہیں۔ وہ مشہور پشتو شاعر خوشحال خان خٹک کے بھائی ہیں۔ اس کتاب کا ایک قلمی نسخہ پشتو اکیڈیمی لائبریری پشاور میں موجود ہے۔ اس کو دیکھنے

سے معلوم ہوا کہ یہ تذکرہ محض تذکرۃ الاولیا مصنفہ شیخ فرید الدین عطار کا خلاصہ ہے اور جمیل بیگ نے تبرک اور سعادت کے لیے اسے آسان فارسی میں لکھا ہے - وہ خود اس کتاب کے بارے میں لکھتے ہیں :

"این کتاب نوشتہ شد از نفس 'تذکرۃ الاولیاء' و این کتاب را دلِ تذکرۃ الاولیاء نام کردہ شد تا اهل خسران روزگار اهل دولت را فراموش نکنند و گوشہ نشینان و خلوت گرفتگان را طلب کنند و بر ایشان رغبت نمایند -" (ص ۸)

اس کتاب کی برکتوں کے متعلق لکھتے ہیں :

این کتابیست کہ مخنثان را مرد کند و مردان را شیر مرد کند و شیر مرداں را فرد کند و فرداں را عین درد گرداند -"

کتاب کی ابتدا میں اپنے پیر و مرشد شیخ رحمکار کی درویشانہ زندگی ، ان کے اخلاق و عادات ، عبادات و نوافل ، ان کی بخشش و فیاضی کے کارناموں پر روشنی ڈالی ہے - ان کے روحانی کمالات کے سلسلے میں ان کی فیض رسانی کا ذکر کیا ہے کہ وہ لعابِ دہن سے سگ گزیدہ ، مار گزیدہ اور دوسرے بیماروں کا علاج کرتے تھے - ایک جگہ لکھتے ہیں :

"شیخ رحمکار گرسنہ و تشنہ و سوختہ بناز عشق و زخم خوردہ و کشتہ شدہ و شہادت یافتہ -" (ص ۷)

مؤلف کا نام جمیل بیگ تھا لیکن اپنے نام کے ساتھ فقیر بھی لکھتے تھے - فقیر کی وجہِ تسمیہ کے متعلق کہتے ہیں کہ : ایک دفعہ میرے شیخ نے مجھے فقیر کہا اس لیے میرا یہی نام مشہور ہو گیا - اپنی روحانی کیفیت کے متعلق مزید بیان کرتے ہیں کہ : چند سال بعد مجھ پر وجد طاری ہوا - عوام نے کہا ، یہ دیوانہ ہو گیا ہے - مرشد نے کہا : کاش اس جیسے ایک دو اور دیوانے ہوتے -" (ص ۸)

☆ ☆ ☆

مراقباتِ رحمکار

یہ کتاب حضرت شیخ رحمکار (م - ۱۰٦۳ھ) کے احوال و مناقب پر مشتمل ہے - اس کے مؤلف اخوند اسماعیل، شیخ رحمکار کے مرید تھے اور چہار باغ سوات کے رہنے والے تھے۔ انھوں نے یہ کتاب ۱۰۷۹ھ اور ۱۰۸٦ھ کے درمیان مرتّب کی - یہ کتاب رحمکار کے متعلق سب سے زیادہ قدیم اور مستند تالیف ہے۔ اس میں اخوند اسماعیل کے بیٹے مظفر کی دو نظمیں بھی شامل ہیں -

☆ ☆ ☆

مقاماتِ قطبیہ و مقاماتِ قدسیہ[1]

یہ کتاب بھی حضرت شیخ رحمکار کے احوال و کوائف پر مشتمل ہے - پہلے حصے میں ۱۴ باب ہیں اور یہ حصہ تمام کا تمام سوانحی معلومات پر مشتمل ہے - دوسرے حصے میں بیس مقالے ہیں جن میں تصوف و طریقت کے مسائل بیان کیے گئے ہیں - مصنف نے بحر المعانی، رسالہ قشیریہ، عوارف المعارف اور مکتوبات شاہ شرف الدین یحییٰ منیری سے استفادہ کیا ہے -

کتاب کے مصنف شیخ عبدالحلیم، حضرت شیخ رحمکار کے صاحبزادے تھے - علم و فضل اور زہد و ورع میں معروف تھے اور 'دانشمند'، 'سپین بابا' اور 'صاحبِ ہندوستان' کے القاب سے یاد کیے جاتے تھے -

☆ ☆ ☆

۱- رسالہ کاکا صاحب، سرفراز خاں، بنوں، ۱۹٦۴ع، ص ٦ -

اسرار السالکین[1]

یہ کتاب بھی حضرت شیخ رحمکار کے فضائل و مناقب کے متعلق ہے - ساتھ ہی تصوف و سلوک کے مسائل بھی بیان کیے گئے ہیں - اس کے مصنف خواجہ شمس الدین ہروی ، حضرت رحمکار کے مرید تھے -

☆ ☆ ☆

تحفۃ السالکین

حضرت حاجی بہادر صاحب کوہاٹی کے متعلق تالیف ہے - اس کے مصنف محمد درویش ترین بن عبداللہ بن عبدالرحمٰن ساکن لاہور ہیں - سال تالیف ۱۰۷۲ھ ہے - اس میں سوانحی معلومات کم ہیں - زیادہ تر مناقب و کرامات بیان کی گئی ہیں -

☆ ☆ ☆

خوشحال خاں خٹک

خوشحال خان خٹک پشاور کی تحصیل نوشہرہ کے ایک گاؤں اکوڑہ میں ۱۰۲۲ھ/۱۶۱۳ع کو پیدا ہوئے - ان کے پردادا اکوڑئی خٹک قبیلے کے سردار تھے - جلال الدین اکبر نے ان کے اثر و رسوخ کے پیش نظر ان کو منصب دار مقرر کیا - اٹک سے پشاور تک کی شاہراہ کی حفاظت ان کے سپرد تھی - ان کے بیٹے یحییٰ خاں اور ان کے پوتے شاہباز خاں یعنی خوشحال خاں کے والد بھی اس

۱- رسالہ کاکا صاحب ، سرفراز خاں ، ۱۹۶۴ع ، ص ۶ -

عہدے پر سرفراز رہے - شاہباز خان ۱۶۴۱ع میں وفات پا گئے تو خوشحال خان اس موروثی خدمت پر مامور ہوئے - شاہجہان ان کو قدر و احترام کی نظر سے دیکھتا تھا - وہ دہلی دربار میں گئے اور امانت خان اور اصالت خان امرا سے وابستہ ہو گئے اور کانگڑا ، بلخ اور بدخشاں کی مہموں میں ان کے ساتھ شریک رہے - ۱۶۴۹ع میں لنڈائی دریا کے شمال میں یوسف زئیوں کے چند گاؤں بھی خوشحال خان کی جاگیر میں شامل کر دیے گئے تاکہ خٹک یوسف زئیوں پر اپنی برتری ثابت کر سکیں ، لیکن یوسف زئیوں کا سردار بھاکو خان داراشکوہ کے توسط سے اپنے گاؤں واگزار کرانے میں کامیاب ہو گیا - اس طرح قبائلی رقابت میں دربار کی سازش بھی شامل ہو گئی - تخت نشینی کی جنگ میں یوسف زئیوں نے دارا شکوہ کی حمایت کی لیکن خوشحال خان نے مخالفت کی - اورنگ زیب نے تخت سنبھالنے کے بعد خوشحال خان کو ان کے منصب پر بحال رکھا -

۱۶۶۱ع میں سیّد امیر کابل کا گورنر مقرر ہوا اور عبدالرحیم اس کا نائب متعین ہوا - عبدالرحیم نے یوسف زئیوں کی حمایت کی اور اورنگ زیب سے دریائے سندھ پار کرنے کا محصول معاف کروا دیا - اسی طرح خوشحال خان اس آمدنی سے محروم ہو گئے جو ان کے خاندان میں وراثتاً چلی آ رہی تھی - اس واقعے سے باہمی کشمکش شروع ہو گئی - ۱۶۶۴ع میں سید امیر نے انھیں پشاور بلایا اور پا بہ زنجیر دہلی بھجوا دیا - وہ گوالیار اور رنتھنبور کے قلعوں میں چار سال تک قید رہے - ۱۶۶۸ع میں سید امیر کی جگہ مہابت خان گورنر متعین ہوا تو رہائی کے بعد خوشحال خان کو گھر واپس آنے کی اجازت مل گئی - ۱۶۷۰ع میں محمد امین گورنر بنا - اس کی سخت گیری اور ظالمانہ روش کی وجہ سے آفریدی مہمند اور شنواری قبائل مخالفت پر آمادہ ہو گئے - چنانچہ خوشحال خان نے پٹھانوں کو اتحاد و اتفاق پیدا کرنے اور مغلوں کے خلاف محاذ قائم کرنے کے لیے اشعار لکھ کر ابھارا - خوشحال خان نے یوسف زئیوں کے ساتھ صلح کر لی کیونکہ پرانی دشمنی کے باوجود انھوں نے قید کے زمانے میں خوشحال خان کے خاندان والوں کو پناہ دی تھی - ۱۶۷۴ع میں اورنگ زیب شمالی سرحد کا فوجی نظم و نسق دیکھنے کے لیے خود آئے - مہابت خان نے خوشحال خان کی حمایت حاصل کرنے کی کوشش کی لیکن وہ کامیاب نہ ہوا - خوشحال خان کی باقی زندگی سیاسی رقابتوں اور مغلوں کے خلاف معرکوں میں گزر گئی - ان کے اپنے بیٹے بہرام نے مغلوں کی حمایت کی جس پر ان کو صدمہ ہوا - خوشحال خان ۱۶۸۹ع میں وفات

پا گئے -

سیاسی اور ادبی نقطۂ نظر سے خوشحال خاں کو بلند مقام حاصل ہے - انھوں نے پٹھانوں میں اتحاد پیدا کرنے اور غیرتِ ملی" بیدار کرنے کے سلسلے میں قابلِ تحسین خدمات انجام دیں - علامہ اقبال نے ان کی شخصیت کو جس انداز میں سمجھا وہ ان کے ذیل کے اشعار سے واضح ہے :

خوش سرود آن شاعرِ افغان شناس ہرچہ بیند باز گوید بی ہراس
آن حکیمِ ملّتِ افغانیاں آن طبیبِ علّتِ افغانیاں
راز قومی دید و بے باکانہ گفت حرف حق از شوخیِ رندانہ گفت
اشتری یابد اگر افغانِ حُر با یراق و ساز و با انبار دُر
ہمّتِ دونش ازآن انبار دُر می شود خوشنود با زنگِ شتر

خوشحال خاں نے شاعری کے متعلق خود ہی اپنا نقطۂ نظر پیش کیا ہے - وہ کہتے ہیں :

فن شعر مجھے عطا ہوا ہے ، یہ تحصیل کا نتیجہ نہیں - میں تو اتنا مصروف رہتا تھا کہ ایک ساعت درس میں صرف ہوتی تو بیس ساعتیں شکار کی نذر ہوتی تھیں - شعر در حقیقت حیض الرجال ہے - یہ ایک ضرر رساں کام ہے - شعر بذاتِ خود برا نہیں - برائی تو اشعار میں ناپسندیدہ موضوع کی وجہ سے پیدا ہوتی ہے - شعر میں وزن اور عروض ضروری ہے - بے وزن و بے عروض شاعری آوارہ کتوں کے بھونکنے سے مشابہ ہے -

شعر گوئی کی مشکلات کو بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں :

شعر گوئی ہر فاسق و فاجر کا کام نہیں - نہ یہ ہر گرسنہ چشم کنگال کے بس کی بات ہے - شعر گوئی یا تو سالک کا کام ہے یا مالک کا یا عاشقِ دردمند کا کام ہے یا ابدال کا -

فکرِ شعر انسان کا زہرہ آب آب کرتا ہے - شعر گوئی یا تو بادشاہوں کا کام ہے یا ہرزہ سراؤں کا -

میری طبیعت کو شعروں سے کوئی مناسبت نہیں لیکن کیا کروں یہ کتے کی طرح میرے پیچھے دم ہلاتے چلے آتے ہیں - شعر گوئی کتنا ہی قابلِ تعریف کام کیوں نہ ہو لیکن اس میں انفعالی کیفیت ضرور پیدا

ہوتی ہے -

جہان میں شاعری سے برا کام دوسرا نہیں - خدا انسان کو اس جنجال میں نہ ڈالے -[1]

خوشحال خاں بنیادی طور پر پشتو کے شاعر ہیں - وہ فارسی کے مقابلے میں پشتو کو ترجیح دیتے ہیں - انھوں نے اس کی وجوہ بھی بتائی ہیں - چنانچہ وہ لکھتے ہیں :

عزم و ہمت ، جانبازی و جاں سپاری کے لیے جس زورِ بیان اور شدت و تاکید کی ضرورت ہے اس سے فارسی کا مزاج ناآشنا ہے - خالص فارسی کی نرمی و لطافت ، فلسفہ ، تصوف اور عشق و محبت ہی کے لیے مخصوص ہے -

وہ فارسی کے متعلق کہتے ہیں :

میں فارسی بھی جانتا ہوں اور اس میں سب کچھ کہنے کا سلیقہ بھی آتا ہے - لیکن میں نے شعر گوئی پشتو میں پسند کی کہ ہر شخص کو اپنی چیز ممتاز نظر آتی ہے -[2]

خوشحال خاں کی فارسی غزلوں میں بھی اگرچہ غزل کا روایتی انداز موجود ہے اور شراب و ساقی اور غمِ جاناں کی باتیں ہیں لیکن ان کا انداز سپاٹ نہیں - بات کہنے میں شاعرانہ چمک ضرور ہے - پشتو شاعری کی طرح فارسی میں بھی اکثر اشعار ایسے ہیں جن میں وہ دلِ سوختہ اور آہِ سرد کا ذکر کرتا ہے ، ہمتِ بلند اور عزمِ راسخ کا سبق دیتا ہے ، ناامیدی میں حوصلہ سکھاتا ہے اور رحمتِ حق کا امیدوار ہونے کی تلقین کرتا ہے[3] :

بیرون بیا ببین کہ جہان بر تو تنگ نیست
تاکی درونِ گوشۂ خلوت غنودہ ای
عفوِ خدا ز جرم من و تو زیادت است
"لا تقنطوا" ز آیتِ قرآن شنودہ ای

۱- خوشحال و اقبال ، عبدالصمد خاں ، پشاور ، ص ۹۵ - ۹۷ -

۲- ایضاً ، ص ۱۰۲ - ۱۰۴ -

۳- ایضاً ، ۱۰۵ - ۱۰۸ -

ہم نمونے کے طور پر ان کے کچھ اشعار نقل کرتے ہیں جن سے شاعر کے اسلوبِ بیان کا اندازہ ہو سکے گا :

پیرِ ما از می‌پرستی توبہ فرماید چرا
اللہ اللہ وقتِ گل این توبہ می شاید مرا
ہر کہ از نظارۂ روی بتان منعم کند
پندِ او گیرم بدل ، در دل نمی‌آید مرا

نظر بر روی خوبان گر گناہ است
ندارم طاقتی پس جز گناہی

عاشقی چیست غم و درد و بلا را بودن
سالہا شد کہ ز روی تو کشید این دلِ من
اہل نایاب چون عنقا شدہ در دورِ قمر
زین سبب از ہمہ آفاق برید این دلِ من
شاہباز است کہ مر ساعدِ شہ را شاید
گرچہ بیہودہ بہر گوشہ پرید این دلِ من

گذر ز قصۂ فردوس و جنت طوبیٰ
کہ این متاع گرامی بہای یک موئیست
اگرچہ تیر عدو جانستان بود خوشحال
مرا خدنگِ بلا آن دو چشم جادوئیست

نوبہار و می و معشوق و جام است اینجا
زہد و پرہیز و ورع را چہ مقام است اینجا

ساقی بیار بادہ کہ فرداست آن طہور
دل را ز بہر نسیہ چہ محزون کند کسی

غم چو آتش دل سمندر وار می رقصد ز درد
راستی جز غم کنون خاطر نیاساید مرا

شمع سان سوختن آموختہ ام
چہرۂ خویش بر افروختہ ام
تا سحر آہ کشان نالہ کنان
فرق تا پای بدل سوختہ ام

بر فرازِ نہ فلک پروازِ ماست
باش تا شہباز ما پر وا کند

من غلام ہمتِ آن کو طمع را سد بہ بست
گرچہ نانِ جو ندارد جانِ من اسکندر است

☆ ☆ ☆

اشرف خاں ہجری و خٹک[1]

اشرف خاں ، خوشحال خان خٹک کا بیٹا تھا - ۱۰۴۴ھ میں پیدا ہوا - وہ بھی باپ کی طرح صاحبِ سیف و قلم تھا - لیکن وسعتِ نظر اور علم و تجربہ میں باپ سے کمتر تھا - پشتو شاعری میں بھی اس کا نام بہت کمتر معروف ہے - وہ بھی باپ کے دوش بدوش مغلوں اور مغلوں کے حامی قبائل کے خلاف لڑائیوں میں شریک رہا - ۱۰۶۱ھ میں ڈوڈہ کے مقام پر خٹک اور بنگش قبائل کے درمیان جنگ ہوئی - اسی لڑائی میں باپ بیٹے یعنی خوشحال خان خٹک اور اشرف خاں میں غلط فہمی پیدا ہوگئی - خوشحال خاں ، اشرف خاں کے مشورے کے بغیر محال تری

۱- ادبیات سرحد ، جلد اول ، 'پشتو ادب' ، رضا ہمدانی ، پشاور ، ۱۹۱۳ع ، ص ۱۹۵ - ۱۹۷ -

و بولاق کو چلا گیا - اور یوٹ میں مقیم ہو گیا - خوشحال خاں نے قلعۂ لاچی میں اشرف خاں کے آدمیوں کو محصور کر لیا - افضل خاں پسر اشرف خاں نے اپنے دادا کے پاس جا کر صلح کی کوشش کی - خوشحال خاں کا دوسرا بیٹا بہرام خاں درپردہ اس کوشش میں تھا کہ بھائی کا منصب اور جاگیر اسے مل جائے - امیر خاں صوبے دار کابل بھی اشرف خاں کا مخالف ہو گیا - مخالفت کی بنیاد اشرف خاں کا رشتہ دار آزاد گگیانی تھا جس نے سوات سے دوآبہ پر حملہ کر کے ابتری پھیلا دی تھی - وہ اشرف خاں کے اشارے پر ہندوستان چلا گیا اور امیر خاں کے بلانے پر اس کے پاس نہ آیا - اشرف خاں نے اس کے اہل و عیال کو اپنے پاس پناہ دے رکھی تھی - آخر امیر خاں نے اشرف خاں کے ایک دوست سید بھولا ولد شہامت خاں کے توسط سے ۱۰۹۲ھ میں اسے پشاور میں گرفتار کر لیا - پہلے گوالیار میں رکھا ، بعد میں بیجاپور بھیج دیا گیا - قید خانے میں ہی اس نے ۱۱۰۶ھ میں انتقال کیا -

اشرف خاں بیشتر پشتو میں شعر کہتے تھے اور ہجری تخلص کرتے تھے - لیکن چونکہ فارسی سرکاری ، درباری اور علمی زبان تھی اور درباروں سے متعلق شعرا فارسی میں لکھتے تھے اس لیے اشرف خاں بھی کبھی کبھی فارسی میں لکھتے تھے - برٹش میوزیم میں شمارہ ۲۸۰۰ - OR پر ان کا دیوان موجود ہے - پشتو اکیڈیمی پشاور میں اس نسخے کا روٹوگراف دیکھنے کا موقع ملا - ہر ردیف میں پشتو غزلیات کے بعد فارسی غزلیات مندرج ہیں - دیوان میں فارسی کی کل انیس غزلیں اور تین قطعاتِ تاریخ موجود ہیں - اشرف خاں نے فارسی غزل میں ختک تخلص اختیار کیا ہے جو بعض جگہ 'خطک' بھی لکھا گیا ہے -

اتنی کم تعداد میں غزلوں سے ان کی فارسی شاعری پر کوئی جامع رائے قائم نہیں کی جا سکتی اور نہ ان اشعار کے پیشِ نظر ان کے فکر و نظر کا پورا جائزہ لیا جا سکتا ہے - موجودہ اشعار سے اتنا معلوم ہوتا ہے کہ اساتذہ کے اشعار ان کے پیشِ نظر رہتے تھے - چنانچہ ایک غزل میں کہتے ہیں :

انشای غزل برین قوافی   پیرو شده شعرِ انوری را

وہ اپنے معاصر شاعر شادمان کے مدِ مقابل ہونے کا بھی دم بھرتا ہے :

دارد بلی نمک غزل شادمان ولیک
خطک جوابِ آن نہ خلافِ صواب داد

حافظ کا یہ شعر اس کی نظر میں تھا :

اگر آن ترک شیرازی بدست آرد دلِ ما را
بخالِ هندواش بخشم سمرقند و بخارا را

جب اس نے لکھا :

اگر دستِ ما رسد بہ لب و خال یار خود
هندوستان و دکن و کابل فدا کنم

اپنے اشعار کی مقبولیت کا بھی اسے احساس تھا :

آفرین ای خطک بہ نظم دری
نزدِ اربابِ فضل منظوری

اور وہ جانتا تھا کہ شعر کہنا آسان نہیں ۔ اس کے لیے جوش و درد کی ضرورت ہے :

اشعار دری نہ کار خوبیست(؟)
این همہ موج جوش و درد است

اشرف کے ہاں اگرچہ غزل کے روایتی مضامین ہیں لیکن اس کے بیان میں کچھ ولولہ ضرور ہے ۔ مثلاً بہار و ساغر کے مضامین میں اس کے یہ اشعار ملاحظہ کیجیے :

ساقی بده پیالہ کنوں موسم گل است
هنگامِ نوبهار هوای هوا گل است

شراب و شاهد و گل اندرین دیارِ سپنج
طلب کہ صیقل منظار خاطر زنگ اند

اسے ابر و باراں اور اس کے بعد سبزی و شادابی کا خوب احساس تھا ۔ اس لیے اس کے معنوی حسن کو وہ تشبیہ و استعارہ کے طور پر کام میں لاتا ہے ۔ مثلاً

این دم کہ ز لطفِ ابرِ نیسان
هر سو زر و نقره راغ دارد

آن گل رخشندہ بین بر تارک مشکین او
کو نماید بدر در میغ سیہ بر خضر بام

اشرف کی تشبیہیں اس کے کوہستانی ماحول ، پشتو معاشرے اور جنگجویانہ پس منظر کی مظہر ہیں ۔ مثلاً :

مفاصلِ جسدم شدہ جدا بہ تیغ فراق
ز ہم بضرب گہی پای گاہ دست افتاد

پیش ازان کو کشد ز دستت موت
کن بدر از نکاح این زن زال

ہرکس کہ نوش وصل غزا کرد یک دمی
آخر خورد ز ہجر رکابِ زقوم را

بعض جگہ غریب و غیر مانوس الفاظ بھی دیکھنے میں آتے ہیں ۔ مثلاً :

داروی تلخ وعظ میدہمت ای کز اوجاع سلف رنجوری
ماہی کہ دلم ربودۂ اوست مابین دو گرزہ کاغ است

اشرف نے عالمگیر کے متعلق مندرجہ ذیل اشعار لکھے ہیں - معلوم ہوتا ہے کہ وہ اس کی سخت گیری کو بھی جانتا ہے اور اس کے لطف و کرم کا بھی امیدوار ہے :

ہر آن غریب کہ منظور شہریار شود
ز ترس شاہ نحوست ز وی کنار شود

زہی کرامت زنجیر شاہ عالمگیر
کہ طیر لال ز تہدید آن ہزار شود
ز لطف شاہ زمان میرسی خطک بمراد
اگر گناہ تو از یک دو لک ہزار شود

اشرف نے اپنے والد کی وفات پر یہ قطعۂ تاریخ کہا :

رفت آن میر ردہ شاہ ختک کہ بخوبی امیر افغان بود
بلکہ افغان ہمہ چو تن بودہ اندرون او برتبۂ جان بود

ماہ و تاریخ فوت او جستم — خردم زین قبل سخن ران بود
روز آدینہ از ربیع دوم — بیست و ہشتم اوان آذان بود
سال ہجران او اگر خواہی — موطن خیر و مجد و احسان بود
= ۱۱۰۰ھ

خوشحال خاں کا ایک اور بیٹا گوہر خاں بھی فارسی میں شعر کہتا تھا ۔ اس نے اپنے والد کی وفات پر ذیل کا قطعہ تاریخ لکھا[1] :

خان خانان و قدوۂ افغان
آن حکیمی سرِ خردمندان
چون بہ ہفتاد و ہشت سال شدہ
چون الف بود ہمچو دال شدہ
روز آدینہ بود چون ز جہان
رفت و ماندیم ما بہ آہ و فغان
غُرّۂ ماہ و مہر بود آن حوت
کہ بلب می نہاد مہر سکوت
بیست و ہشتم ربیع آخر بود
کہ امین جان پاک او بربود
چون ز تاریخِ فوت خاں خبرم
شد ، ”ز ما رفت زین جہان پدرم“

☆ ☆ ☆

۱- ادبیاتِ سرحد ، ج ۱ ، رضا ہمدانی ، پشاور ، ۱۹۵۳ع ، ص ۱۷۳ - ۱۷۴ -

مرکزِ بنگال

مغلیہ دور میں صوبہ دارانِ بنگال

منعم خاں	:	۱۵۷۴ء
خان جہاں	:	۱۵۷۵ء
مظفر خاں تربتی	:	۱۵۷۹ء
عزیز کوکہ	:	۱۵۸۱ء
شہباز خاں	:	۱۵۸۳ء
وزیر خاں	:	۱۵۸۶ء
صادق خاں	:	۱۵۸۷ء
مان سنگھ	:	۱۵۹۴ء
قطب الدین کوکہ	:	۱۶۰۶ء
جہانگیر قلی	:	۱۶۰۷ء
اسلام خاں	:	۱۶۰۸ء
قاسم خاں	:	۱۶۱۳ء
ابراہیم خاں فتح جنگ	:	۱۶۱۷ء
مہابت خاں	:	۱۶۲۵ء
مکرم خاں	:	۱۶۲۶ء
فدائی خاں	:	۱۶۲۷ء
قاسم خاں جوینی	:	۱۶۲۸ء
اعظم خاں	:	۱۶۳۲ء
اسلام خاں مشہدی	:	۱۶۳۵ء
شاہزادہ شجاع	:	۱۶۳۹ء—۱۶۴۸ء
نواب اعتقاد خاں	:	۱۶۴۸ء—۱۶۵۰ء

شاہزادہ شجاع	:	١٦٥٠ع
نواب معظم خاں	:	١٦٦٠ع
شائستہ خاں	:	١٦٦٣ع
فدائی خاں	:	١٦٧٨ع
شاہزادہ اعظم	:	١٦٧٨ع
شائستہ خاں	:	١٦٨٠ع
خان جہاں	:	١٦٨٨ع
ابراہیم خاں	:	١٦٨٩ع
شاہزادہ عظیم الشان	:	١٦٩٧ع
خان عالم	:	١٧١٢ع
عبیداللہ	:	١٧١٣ع
مرشد قلی خاں	:	١٧١٦ع
نواب مرشد قلی	:	١٧١٧ع

بنگال کا سیاسی پس منظر :

مغلیہ دور میں بنگال ایک وسیع و عریض صوبہ تھا ۔ اس میں بہار اور اوڑیسہ کے علاقے بھی شامل تھے ۔ خاندان قرارانی کے آخری فرمانروا داؤد شاہ بن سلیمان نے ١٥٧٦ع میں مغل فوج کے ہاتھوں شکست کھائی اور اس وقت سے بنگال میں مغلیہ صوبے دار نامزد ہو کر آتے رہے ۔ اورنگ زیب کی وفات (١٧٠٧ع) تک بتیس تینتیس صوبے دار مقرر ہوئے ۔ ان میں سے بعض کا دورِ اقتدار ایک ایک دو دو سال رہا اور بعض پانچ پانچ سال یا اس سے بھی زیادہ مدت کے لیے حکم راں رہے ۔ ان میں سے تین شاہزادے بھی تھے ؛ یعنی شاہ شجاع بن شاہجہان ، محمد اعظم اور عظیم الشان پسران اورنگ زیب ۔ دوسرے صوبے داروں میں سے منعم خاں ، خان جہاں ، صادق خاں ، مان سنگھ ، اسلام خاں اور ابراہیم خاں فتح جنگ ، قاسم خاں ، اسلام خاں مشہدی ، شائستہ خاں اور ابراہیم خاں نامور ہوئے ۔ اور ان کی کوششوں سے اس صوبے میں امن و امان قائم رہا ۔

صوبے دار خود تعلیم یافتہ اور مہذب تھے ۔ فنونِ لطیفہ کا اچھا ذوق رکھتے تھے اور علم و فن کے قدردان تھے ۔ دیوان ، بخشی ، قضاۃ ، صدور اور علما و شعرا

ان کے دامنِ دولت سے وابستہ تھے۔

فارسی سرکاری و درباری زبان تھی اس لیے مقامی لوگوں کو بھی حکام کی زبان سیکھنا لازمی ہو گیا تھا۔ چنانچہ حکومت کی طرف سے مساجد و مکاتب اور مدارس قائم ہوئے جن میں بچوں کی تعلیم کا انتظام ہوا۔ جہانگیر نگر، یعنی ڈھاکہ، اکبر نگر یا راج محل، عظیم آباد اور مرشد آباد تعلیم و تربیت کے بڑے مرکز تھے۔[1]

بنگال میں فارسی ادب :

اس دور کے دو مؤرخوں یعنی محمد صادق اور مرزا ناتھن کے توسط سے بنگال میں ادبی تصنیف و تالیف کا مختصر حال معلوم ہوا ہے۔ محمد صادق نے اپنی تاریخ 'صبح صادق' میں ان شعرا و فضلا کا ذکر کیا ہے جن سے اس نے ملاقات کی یا وہ جو اس کے والد کے ہم عصر تھے۔ صوبے داروں اور دوسرے نامور منصب داروں میں سے محمد قاسم خاں، میر علاء الملک اور امیر ابوالمعالی کے نام ملتے ہیں جو صاحبِ تصنیف بھی تھے اور شعر بھی کہتے تھے۔

تاریخ کی تین کتابیں تالیف ہوئیں :

بہارستان غیبی، از مرزا ناتھن۔

صبح صادق، از محمد صادق۔

تاریخ شاہ شجاع، از میر محمد معصوم۔

چند ایک رزمیہ نظمیں بھی 'جنگ نامہ' کے عنوان سے لکھی گئیں۔[1] چنانچہ مولانا لقمان نے ڈاک چرا اور لکشیا کی فتح کے موقع پر جنگ نامہ لکھا۔

مولانا لقمان نے ہی افتخار خاں کے ہاتھوں علی اکبر کی شکست پر جنگ نامہ لکھا۔

ملک مبارک نے بایزید پر فتح یابی اور کوچ کی تسخیر پر دو جنگ نامے لکھے۔

پہلی جلد کی تکمیل کے بعد گزشتہ دور سے متعلق مندرجہ ذیل کتابوں کا

---

1. Social and Cultural History of Bengal, M. A. Rahim, Karachi, 1967, Vol. II, p. 261.

سراغ ملا ہے - ضمیمے کے طور پر ہم اس کتاب میں ان کا مختصر تعارف پیش کرتے ہیں۔

مقامات[1] :

تصوف پر ایک نایاب کتاب ہے۔ اس کے مصنف مولانا شریف الدین ابو توامان (م-۰۰ ۷ھ) ہیں۔ سنار گاؤں میں ان کا مدرسہ اپنے وقت کا مشہور علمی مرکز شمار ہوتا تھا۔ برعظیم پاک و ہند میں اس کتاب کی بڑی شہرت ہوئی۔ چنانچہ 'انشای ماہرو' میں سید ناصرالدین مقطع لاہور کے نام خط موجود ہے جس میں اس سے 'مقامات' کا ایک نسخہ بھجوانے کی درخواست کی گئی ہے - پھر ایک اور خط میں نسخہ 'مقامات' وصول پانے کے بعد اس کا شکریہ ادا کیا گیا ہے۔[2]

نامِ حق :

ایک فقہی منظوم رسالہ ہے جس میں عام مسلمانوں کو روزمرہ کے دینی عقاید کے متعلق معلومات فراہم کی گئی ہیں -

اس کتاب کے مصنف شرف الدین ابو توامان کے مرید تھے - انہوں نے لکھا ہے کہ یہ کتاب ۶۹۳ھ/۱۳۰۵ع میں تالیف ہوئی - کتاب کے تیرہ ابواب ہیں - پہلے تین میں حمد و نعت اور منقبتِ خلفا ہے۔ باقی دس ابواب میں وضو ، غسل ، نماز ، روزہ ، فرض ، سنت ، واجب ، مستحب اور مکروہ کے متعلق مسائل بیان کیے گئے ہیں اور بعد میں اوامر و نواہی کی تفصیل بتائی ہے -

شرحِ نزهت الارواح :

اس کے مصنف شیخ علی شیر ہیں جو شیخ نورالہدیٰ کی اولاد میں سے تھے - شیخ نور الہدیٰ ، شیخ جلال سلہٹی کے رفقا میں سے تھے - علی شیر فارسی

---

1. Social and Cultural History of Bengal, M. A. Rahim, Karachi, 1967, Vol. I, P. 167, 168, 189.

۲- انشای ماہرو ، عین الملک عبداللہ بن ماہرو ، مرتبہ عبدالرشید ، لاہور ، ۱۹۶۵ع ، ص ۸۹ - ۹۰ -

اور تصوف کے عالم تھے - اس کتاب کا کوئی نسخہ دستیاب نہیں ہوا - شیخ محمد غوثی نے اپنے تذکرۂ اولیاء مسمی بہ 'گلزار ابرار' میں اس کتاب سے استفادہ کرنے کا ذکر کیا ہے اور علی شیر کے متعلق لکھا ہے کہ وہ بنگال کے صوفیہ میں سے تھے - وہ ۹۷۰ھ/۱۵۶۲ع میں فوت ہوئے -[۱]

☆ ☆ ☆

شعرا :

سید مرتضیٰ شاہ

سید مرتضیٰ شاہ کے والد کا نام سید حسن تھا - سید مرتضیٰ مرشد آباد کے ایک قصبہ بالی گھاٹ میں پیدا ہوئے اور جنگی پور سٹیشن کے موضع سوتی میں ۱۰۷۳ھ میں فوت ہوئے - ان کا قیام راج محل میں رہا جو شاہ شجاع بن شاہجہاں کے عہدِ حکومت میں بنگال کا صدر مقام تھا -

سید مرتضیٰ سماع کے بہت رسیا تھا - سماع کے دوران میں ان پر وجد کی حالت طاری ہو جاتی تھی - وہ خود بھی توحید خداوندی کے گیت گاتے تھے - ان کی بعض ریاضتیں جوگی طریقوں سے مماثل تھیں - شاہ نعمت اللہ (م - ۱۰۷۵ھ) ان پر معترض بھی ہوا کرتے تھے -

سید مرتضیٰ شاہ صوفی اور شاعر کی حیثیت سے مشہور ہیں - بنگالی ادب میں ان کا بڑا نام ہے - ان کی دو کتابیں : یوگ قلندر اور پداولی مشہور ہیں - فارسی میں بھی شعر کہتے تھے - ان کی ایک غزل یہ ہے :

فارغ از سود و بی غم از ضررم   دو جہان را بہ نیم جو نہ خرم
از فریب جہان خبردارم   تا نہ گوئی کہ مردِ بیخبرم
قانعم ہمچو شیر در بیشہ   نہ چو سگ بہرِ جیفہ دربدرم

۱- گلزار ابرار مترجمہ بعنوان اذکار ابرار ، فضل احمد ، آگرہ ، ۱۹۰۹ع ، ص ۳۰۸ -

سرخ رویم چو لعل رمانی زر ازان روست زرد در نظرم
گزر آن است مرتضیٰ دنیا بہتر آنست تیز تر گزرم

میرزا محمد صادق مینا اصفہانی نے اپنی کتاب 'صبح صادق' کے اختتام پر اپنی زندگی کے حالات و کوائف بیان کیے ہیں اور ان علما، فضلا اور شعرا کا ذکر کیا ہے جن سے ان کی ملاقات ہوئی - ان میں وہ شعرا بھی ہیں جو اس زمانے میں بنگال میں موجود تھے - 'صبح صادق' کی اس مفید فصل کو شفیق اورنگ آبادی نے اپنے تذکرہ 'گل رعنا' میں نقل کیا ہے - چونکہ 'صبح صادق' اور 'گل رعنا' کے نسخہ‌ہاے خطی کم یاب ہیں اس لیے سید حسام الدین راشدی نے اس کی افادیت کے پیش نظر انجمن روابط فرہنگی پاکستان و ایران، کراچی کے مجلہ' پارس شمارہ خصوصی اکتوبر ۱۹۶۷ع میں اسے شائع کر دیا ہے - ہم نے اسی مجلہ سے استفادہ کیا ہے -

☆ ☆ ☆

قاسم خاں

مراد جوینی کے فرزند، منیجہ بیگم ہمشیرۂ میرزا ابوالحسن آصف خاں کے شوہر - ۱۶۲۸ع میں بنگال کے گورنر مقرر ہوئے - علما و فضلا کے قدردان تھے - ۱۰۴۱ھ میں وفات پا گئے - دیوان اور مجموعۂ منشآت ان کی یادگار ہے -
(ذخیرۃ الخوانین و مآثر الامرا، ۳ : ٦٤)

دیوان قاسم منیجہ، علی گڑھ یونیورسٹی لائبریری کے مجموعۂ آزاد میں موجود ہے - ڈاکٹر محمد شمعون اسرائیلی نے اسے شائع کیا، ڈاکٹر ضیاء الدین ڈیسائی (ناگپوری) نے اس پر مقالہ لکھا اور کچھ اشعار کا اضافہ کیا (دیکھیے مجلۂ علوم اسلامیہ، جون ۱۹۶۲ع، دسمبر ۱۹۶۳ع) -

'گلِ رعنا' میں ان کے یہ دو شعر دیے گئے ہیں[۱] :

نمونۂ جرس بیدلم ، صدا نکنم
ز بس شکستہ دلم ، لب بخندہ وا نکنم
مرغ ہر شاخی نیم ، ای باغبان ! بالم مبند
عندلیبم ، سایۂ گلبن قفس باشد مرا

☆ ☆ ☆

امیر علاء الملک

اپنے عہد کے بزرگ علما میں سے تھے - نیک سیرت - پاک نفس - اپنے والد سید نور اللہ مرعشی سے تعلیم حاصل کی - پھر شیراز میں تکمیلِ تعلیم کر کے ہند میں واپس آئے - کچھ عرصے کے لیے درس و تدریس میں مشغول رہے ، پھر شہزادہ شاہ شجاع کی تعلیم پر مامور ہوئے - دربار میں ان کا بڑا وقار و احترام تھا - ان کی تصانیف یہ ہیں :

مہذب در منطق ، انوار الہدیٰ در علمِ الٰہی ، صراط الوسیط در اثباتِ واجب -

کبھی کبھی شعر بھی کہتے تھے - ان کے دو شعر یہ ہیں :

شب چشم تو بہ بسترِ خود خواب کند
زلفِ تو بروز سیر مہتاب کند
رو را ہمہ کس بسوی محراب کند
جز چشمِ تو ، کو پشت بمحراب کند

☆ ☆ ☆

۱- گل رعنا ، شفیق اورنگ آبادی ، مطبوعہ مجلہ پارس ، کراچی ، اکتوبر ۱۹۶۷ -

امیر ابو المعالی[1]

علاء الملک کے بھائی تھے - یہ بھی صاحب فضیلت و کمال تھے - ۱۰۴۶ھ کو بنگال میں فوت ہوئے - ان کی تصانیف یہ ہیں: تفسیر سورۂ اخلاص، رسالۂ عدالت، انموذج العلوم، دیوان شعر - میرزا صادق کے متعلق ان کی یہ رباعی منقول ہے:

امروز چو دید میرزا صادق را
شد سرمۂ نور دیدۂ عاشق را
یارب زانجا کہ هست لطف تو، مباد
جز وصل، نصیب عاشق صادق را

☆ ☆ ☆

خواجگی محمد شریف محققی[1]

ان کے والد خواجہ حسن علی شوستری کثرت مال کی وجہ سے مشہور تھے - جونپور میں والد کی وفات کے بعد محمد شریف بنگالہ میں چلے آئے - صوبے دار ابراہیم خاں فتح جنگ نے ان کی بہت قدر کی اور ان کے لیے جاگیر مقرر کی - اپنے زمانے میں بلند پایہ شاعر شمار ہوتے تھے - ان کے چند اشعار یہ ہیں:

چشم نرگس کہ ندارد بغنودن کاری
گوئیا رستہ ز آب مژہ بیداری

روشن دلی جو شمع درین بزم بایدی
کز تن بکاہدی و بجان در فزایدی

۱- گل رعنا مذکور -

هستی ما ست بر رخ آئینہ وجود
چون تیرگی دم کہ دمی هم نبایدی
یک نقطہ بیش نیست سپہر عجوبہ کار
وین دائرہ ز سرعتِ دوران نبایدی

گفتی کہ جہاں چیست نمودِ بی بود
حق است ولی منکرِ حس نتوان بود
چون جوهر لفظ لاست هستی دوکون
صورت موجود و معنیش نفی وجود

(صبح گلشن ، ص ۳۷٦)

☆ ☆ ☆

حسن بیگ گرامی شاملو

صوبے دار قاسم خاں کے عہد میں بنگال میں آیا ۔ اچھے شعر نکال لیتا تھا :

ز پا افتادۂ عشقت ، امید از چشم تر دارد
کہ آید سیل اشکی تا سرش از خاک بردارد

نیم دور از تو چون بوی تو برگرد تو میگردم
اگر روزی فراموشم کنی سر در گریبان کن

(گل رعنا)

شمع انجمن میں اس کے یہ اشعار مندرج ہیں :

بخاطر می رسانی هرکجا گم گشتہ ای داری
همین از خاطرت ، جانِ گرامی ، من فراموشم

یار می آید و هنگام نثارست مرا
یکدم ای جان گرامی مرو ، کارست مرا

مست آمده بودم خبر از بام و درم نیست
یاران رهِ بیرون شدنِ خانه کدام است

در آ در سینه و دل را خلاص از سوز هجران کن
خلیلی ! میتوانی ، آتشی بر من گلستان کن

بوی تو با نسیم بهار آشنا نشد
گلها شگفت بندِ قبای تو وا نشد

چو شمع شکوه گرامی ز غیر نیست مرا
هر آنچه دیده‌ام از چشمِ خویشتن دیدم

تذکرهٔ نصر آبادی میں مندرجہ ذیل اشعار منقول ہیں :

داغ بر دل ز غمِ لاله عذاری دارم
پیچ و تاب از کششِ زلفِ نگاری دارم
یار می آید و هنگام نثار است مرا
مرو ، ای جان گرامی بتو کاری دارم

بغیر داد گر اول ، شراب ، یار ، چه شد
پیالهٔ مر مینا بخاک می‌ریزند

خانهٔ دل را گرامی جام کاری میکند
هر که جامی میدهد امروز یاری میکند

رباعی

بی سیل غمی خراب تا کی باشی　　بی سوز دلی کباب تا کی باشی
بیداریت ار بخواب ممکن نبود　　در بیداری بخواب تا کی باشی

کلمات الشعراء میں ایک شعر مذکور ہے :

آسمان گو خلعت منّت مپوشان بر تنم
زانکہ همچون نغمہ تاری بس بود پیراهنم

☆ ☆ ☆

عباسی

صوبے دار قاسم خاں کے مصاحبین میں سے تھا - اسی کے عہد میں وفات پا گیا - لطیف طبیعت پائی تھی - اس کا ایک شعر یہ ہے :

چہ شد شکست پیالہ ، چہ شد نماند صراحی
سرِ کدو چو بریدی صراحی است و پیالہ

☆ ☆ ☆

میر عبدالقیوم فنی

والد کا نام سید محمد فراہانی - صوبے دار قاسم خاں کے ملازمین میں تھا - قاسم خاں کی وفات (۱۰۳۳ھ) کے بعد جہانگیر نگر (ڈھاکہ) میں فوت ہوا - اس کے اشعار یہ ہیں :

دل دشمن جان بود هلاکش کردم　　از خنجر آه چاک چاکش کردم

از خونِ جگر شستم و پا کش کردم   در مشهدِ آرزو بخا کش کردم

☆ ☆ ☆

مُلاّ دوست محمد کشمیری

میرزا ابو سعید نبیرۂ اعتماد الدولہ کے ملازم تھے جو قاسم خان کے ہمراہ بنگال میں آیا ۔ "مُلاّ" شطرنج میں خوب مہارت رکھتے تھے ۔ بنگال میں ہی وفات پا گئے :

ای خوی کجت ، نماز جان را محراب
ابروی تو مسجدِ جہان را محراب
گردید بگردِ ما فلک خم ، یعنی
ہر سو است نمازِ عارفان را محراب

بلاست از تو بما ہر زمان جفای دگر
جفا کہ بر دل ما می کنی بلای دگر

(صبح گلشن ، ١٦٥)

☆ ☆ ☆

ابراھیم اصفہانی

امرائے بنگالہ میں سے آقا محمد زمان کی خدمت میں رہتا تھا ۔ اس کا ایک شعر یہ ہے :

آرائش دیوانۂ گل داغِ جنون بس
از سر ہوس طرۂ دستار نہادیم

☆ ☆ ☆

ملا محمد جان

میرزا انور اللہ کے پاس ملازم تھا ۔ ظرافت پسند آدمی تھا ۔ اس کا ایک شعر محفوظ ہے :

چون رشتۂ غمِ تو بسوزن درآورم
دلق فراق پوشم و بر تن درآورم

☆ ☆ ☆

متھرا داس ہندو

جہانگیر نگر میں رہتا تھا ۔ اس قسم کے اشعار نکال لیتا تھا :

دستِ ما تا گرفت دامنِ دوست   دگر از آستین ما بگریخت
چون دولابم ز چرخِ پر فن   سر در چاه و رسن بگردن

خان زمان بن مہابت خاں ناظمِ بنگالہ کے حکم سے قید ہوا تو حکیم رکنا مسیح کو یہ غزل لکھ کر بھیجی :

سلام من کہ رساند حکیم رکنا را
ز دردِ من کہ خبر بر دهد مسیحا را
منم فتاده بدامِ بلا بجرمِ سخن
سخن ، اسیرِ قفس کرد مرغِ گویا را
شفاعتِ منِ کافر مگر مسیح کند
کہ با مسیح تولا بود نصاری را

☆ ☆ ☆

منعم

آقا محمد زمان کا ملازم تھا - اچھی طبیعت پائی تھی - اس کے دو شعر یہ ہیں :

ز بسکہ برتنِ خصمت نشستہ برهم تیغ
گمان برند کہ پوشیدہ دشمنت جوشن

مطربِ ما کہ بلب فتنۂ می نوشان است
نی جدا از لبِ او کوچۂ خاموشان است

☆ ☆ ☆

چراغ بیگ شاملو سمندر

اس کے والد امام قلی بیگ شاملو امراے جہانگیری میں سے تھے - پہلے کچھ عرصہ جہانگیر نگر میں رہ کر اڑیسہ چلے گئے - بعد میں اسلام خاں کے عہد میں دوبارہ واپس آئے - جنیر میں جاگیر ملی اور وہیں وفات پا گئے - موسیقی میں ماہر تھے - طبع لطیف پائی تھی - میرزا صادق کے اساتذہ میں سے تھے :

سیلِ اشکم در غمت از بسکہ طغیان میکند
چشم تا برهم زنم صد خانہ ویران میکند

بیک تبسمِ گل در چمن ز بیتابی
چہ خار خار کہ در دل فتاد بلبل را

☆ ☆ ☆

محسنای شیرازی

جہانگیر نگر میں آقا محمد زمان کا ملازم تھا ۔ حسنِ کتابت اور لطافتِ طبع سے موصوف تھا :

تا سرو تو افگند بسر سایہ زمین را
جا تنگ شد از سبزہ و گل خاک نشین را
جز چشم سیہ کز مژہ صد رخنہ بدل کرد
با خامۂ موکش نکند اقش نگین را

میدہم دل وز لبت بوسی تمنا میکنم
گوہری دارم بکف با لعل سودا میکنم

شدہ است دیدۂ خوبان ز عارضش روشن
سواد خوانی اطفال از دبستان است

از ہجوم گریہ نتوانم بکوی یار رفت
گرد از جا کی تواند خاست چون باران شود

(روزِ روشن ، ص ۶۱۴)

سرود مجلس عشاق ، آہ و افغان است
درو پیالۂ لبریز چشم گریان است
خیالِ بوسہ بران گردنِ بلند مبند
لبی کہ میرسد آنجا لب گریبانست

(نگارستانِ سخن ، ص ۹۰)

☆ ☆ ☆

زنبیل بیگ خلخالی منشی

یہ بھی جہانگیر نگر میں موجود تھا - منشی تخلص کے ساتھ شعر کہتا تھا :

من بذوق این کہ می بوسد لب جانانہ را
می مکم چندانکہ لب دارد لب پیمانہ را

☆ ☆ ☆

سید عبدالحق خرابی

جیسا اس کا تخلص تھا ویسا ہی وہ پریشان حال تھا - علاء الدین حسین شاہ بنگالہ (۸۹۹ھ - ۹۲۵ھ) کے اسلاف میں سے تھا - جہانگیر نگر میں ہی فوت ہوا :

دل خوشہ خوشہ از تف غم شد ازانکہ من
یکجو بکف ندارم از ابنای روزگار

ہمہ عالم اگر خیاط گردد
گریبان خرابی چاک گردد

☆ ☆ ☆

امیر علاءالدولہ مرعشی شوستری

سید نور اللہ کے بیٹے ، امیر علاء الملک اور امیر ابوالمعالی کے بھائی تھے - صفات حمیدہ سے آراستہ - اس قسم کے شعر کہہ لیتے تھے :

میان سروقدان قامت ترا خوش کرد
زمانہ مصرع موزون انتخاب زدہ

☆ ☆ ☆

میر معصوم کاشی[1]

حیدر معمائی کے بیٹے اور میر سنجر کے بھائی تھے - بڑے خوش صحبت اور خوش طبع تھے - ان کے اشعار یہ ہیں :

مجنون بخاک رفتہ و موران بنقشِ پا
بر تربتش نشانِ سلاسل نہادہ اند
کفر بی درد سری نیست ، چنین معلوم است
بت پرستان ہمہ صندل بہ جبینِ می مالند

☆ ☆ ☆

محمد سعید

محمد صالح کے بیٹے اور محمد صادق مؤلف 'صبح صادق' کے بھائی تھے - وہ بھی اسی علاقے میں رہتے تھے - موزوں طبیعت پائی تھی - اس طرح کے اشعار کہہ لیتے تھے :

گوئی حسام شاہ ز بس کشت روزِ رزم
آراستہ است بہرِ وحوش و طیور خوان
زین پس ہوای طعمہ خود بر ہوا خورد
از بس فتادہ بر سر یک دیگر استخوان

اسلام خان صوبے دارِ بنگالہ کے دورِ حکومت میں محمد قلی سلیم ، میر رضی پسر

۱- دیکھیے شمع انجمن ، ص ۴۳۷ - سروِ آزاد ، ص ۸۲ - تذکرہ نصر آبادی ، ص ۲۵۰ - ریاض الشعراء خطی ، ۳۵۳ ب - مجمع النفایس ، ص ۳۲۸ - مخزن الغرایب (نسخۂ خطی پنجاب یونیورسٹی میں صفحات غائب ہیں) -

میر ابوتراب مشہدی ، مُلاّ محمد شریف طالقانی ، شاہ باقر واحدی شیرازی بھی جہانگیر نگر میں موجود تھے اور سب موزوں طبیعت رکھتے تھے ۔

☆ ☆ ☆

خواجہ سعد الدین محمد مشہدی

حاجی غیاثا کے بیٹے تھے جو نامور تاجروں میں شمار ہوتے تھے ۔ جہانگیر نگر میں موجود تھے ۔ ان اشعار سے ان کی لطافتِ طبع عیاں ہے :

مائلِ بیہدہ گردی شدہ مجنون ورنہ
وسعتِ حلقۂ زنجیر کم از صحرا نیست

جنسِ ما پامال گردید از ہجومِ مشتری
ہمچو آتش سوخت ما را گرمی بازار ما

خوش آن سامانِ بی قیدی کہ چون طفلان ز مشتِ گل
بہر جا می رسیدم خانہ ای بنیاد میکردم

زندہ دارد کوہکن را سرگزشتِ زخم او
آبِ حیوان کہ میگویند آبِ تیشہ است

☆ ☆ ☆

مولانا محمد ایزدی لاہوری

اپنے زمانے کے علما میں شمار ہوتے تھے ۔ برسوں ابوالفضل کے ساتھ رہے ، پھر بنگالہ چلے گئے ۔ قاسم خاں کے عہد میں قاضی مقرر ہوئے ۔ محمد صادق مؤلف

'صبح صادق' لکھتے ہیں کہ وہ میرے استاد تھے - ان کا ایک شعر یہ ہے :

در دل ہوسِ کعبہ و بتخانہ شکستم
سنگِ رہ آمد و شد جانانہ شکستم

☆ ☆ ☆

مُلاّ عبداللہ

مولانا محمد ایزدی لاہوری کے بیٹے تھے - وہ شعر اور فنونِ سپاہگری میں مہارت رکھتے تھے - راج محل میں شاہ شجاع کے ملازم تھے - ان کا ایک شعر یہ ہے :

کان می‌نمود دعوی ہم دستیِ بگفت
دست زمانہ زین جہتش سنگسار ساخت

☆ ☆ ☆

شیخ منعم لاہوری

تعلیم سے فارغ ہو کر بنگال چلے گئے اور شاہ شجاع کے منظورِ نظر ہو گئے - اس کی مدح میں قصاید لکھتے اور انعام حاصل کرتے رہے - جب شاہزادہ شجاع کو پے درپے شکستیں ہوئیں تو وہ کچھ عرصہ تو اس کے ہمراہ رہے ، بعد میں معلوم نہیں ان پر کیا گزری - شیر خاں لودھی نے ان کی ایک غزل نقل کی ہے[1] :

از خندہ لبش تا نمک خوان نمک شد
در شور شد اشکِ من و باران نمک شد

۱- مرآۃ الخیال ، شیر خاں لودھی ، بمبئی ، ١٣٢٤ھ ، ص ١٦٣ -

چاکِ دل من دید و لبش کرد تبسّم
امروز لبِ زخم زباندانِ نمک شد
ما زخمِ دلِ خون شده چون غنچه ندیدیم
زخمِ دلِ ما بستهٔ پیمان نمک شد
از چشم من امروز رود بر سر دریا
آن جور که از لعلِ تو بر کانِ نمک شد
از شرم شدم آب که در خانهٔ چشمم
عکسِ لبِ میگونِ تو مهمانِ نمک شد
از حقِ نمک داغِ دلم چشم نپوشید
تا زخمِ دل از قدر شناسانِ نمک شد
بر یادِ لبِ لعل تو از داغِ جگر سوز
دل شد همه تن دیده و حیران نمک شد
روداد بدینسان غزلِ پر نمک امشب
یکدم که دل از قافیه سنجان نمک شد

☆ ☆ ☆

محمد صالح

میرزا محمد صادق مصنف 'صبح صادق' کے والد تھے - ۱۰۴۳ھ میں فوت ہوئے -
'صبح صادق' میں ان کے مندرجہ ذیل اشعار منقول ہیں : (بحوالہ گل رعنا)

موج اشکم چون بغل بکشاد ، جیحون گفت : بس
چون بخود پیچیدم از اندیشه ، گردون گفت : بس
ما و بختِ بد ، درین وادی ، بامید کسی
خاک میکردیم بر سر تا که هامون گفت : بس

جا ندهندش بصدر بزم حریفان
تا نه بری سر به تیغ کدو را

بکشای دلبرانه کمینی بر چشم
بگمار ز خون دل امینی بر چشم
گر همچو من از دیده نمی باری اشک
باری می مال آستینی بر چشم

ای دُرد کشان ، شراب در شیشه کنید
از بهر دلِ خراب ، در شیشه کنید
از نیم خمار می طپد در بر دل
گر نیست شراب ، آب در شیشه کنید

☆ ☆ ☆

کتبِ تاریخ

بہارستانِ غیبی

اس کے مصنف مرزا ناتھن تھے جو سرزمین پاک و ہند میں ایک ایرانی خاندان میں پیدا ہوئے ۔ ان کے والد ملک علی اہتمام خاں ، اکبر کے عہد میں ۲۵۰ سوار کے منصب دار تھے ۔ کچھ عرصے کے لیے آگرہ کے کوتوال بھی رہے ۔ جہانگیر کے عہد میں انہوں نے شاہزادہ خسرو اور بدیع الزمان پسر مرزا شاہ رخ کی بغاوت فرو کرنے میں مدد کی ۔ وہ ۱۶۰۷ء میں ۱۰۰۰ ذات اور

1- Social and Cultural History of Bengal, M. A. Rahim, Karachi, 1967, pp. 15-18.

۳۰۰ سوار کے منصب پر سرفراز ہوئے اور بنگال نوارہ کے امیر بحر مقرر ہوئے۔ اسلام خاں صوبے دار نے جب 'برا بھویان' کے خلاف فوج کشی کی تو اہتمام خاں نے بہت مفید بحری خدمات انجام دیں - ۱۶۱۲ع میں عثمان لوہانی کے خلاف جنگ "دولمباپور" سے واپس آ رہے تھے کہ بیمار پڑ گئے اور سرائیل کے مقام پر وفات پا گئے۔

مرزا ناتھن بھی اپنے والد کے ہمراہ نوارہ میں بحری خدمات انجام دیتے رہے۔ انھوں نے ساگ اور فرنگی حملہ آوروں کے خلاف نمایاں کام کیا۔ 'ڈاک چھرہ' کے محاصرے میں مرزا ناتھن نے ایک رات میں نہر کھود کر اچھامتی کو دلدلوں سے ملا دیا اور اس طرح اس قلعے پر قبضہ کر لیا۔ اسلام خاں صوبے دار نے زمینداروں کی شکست کا سہرا مرزا ناتھن کے سر باندھا۔ سلکا میں پرتاپ دتیا کے خلاف جنگ میں فتح اور جیسور کے قلعوں پر قبضہ انھی کی بحری قیادت کا مرہون منت تھا۔ دولمباپور کی لڑائی میں عثمان لوہانی کے ہاتھی نے ٹکر مار کر ان کی پسلی توڑ ڈالی اور وہ بے ہوش ہو گئے لیکن ان کی جان بچ گئی۔ ان خدمات کے صلے میں انھیں ۵۰۰ ذات اور ۲۵۰ سوار کے منصب پر ترقی ہوئی اور باپ کی جاگیر بھی عطا ہوئی۔ انھوں نے کوچ بہار، کامروپ اور کاچار وغیرہ ریاستوں کے خلاف فوج کشی میں نمایاں خدمات انجام دیں۔ وہ جیسور اور کنٹا گھاٹ کے عسکری ناظم بھی رہے۔ جہانگیر نے انھیں شتاب خاں کا خطاب عطا کیا اور منصب میں ۳۰۰ ذات اور ۱۵۰ سوار کا اضافہ کیا۔ جب شاہزادہ خرم نے بنگال پر قبضہ کیا تو مرزا ناتھن نے اس کا ساتھ دیا اور انھیں چار ہزاری منصب عطا ہوا اور وہ علاقہ اکبر محل کے ناظم مقرر کیے گئے۔ جب شاہزادہ الہ آباد پر قبضہ کرنے کے لیے آگے بڑھا تو مرزا ناتھن اکبر محل سے روپیہ اور راشن بھیجتے رہے۔ جب مہابت خاں نے شاہزادہ کو واپس اکبر محل جانے پر مجبور کیا تو داراب خاں ناظم جہانگیر نگر نے بھی اس کا ساتھ چھوڑ دیا۔ چنانچہ جہانگیر نگر میں مرزا ناتھن کا خاندان مشکلات میں گھر گیا۔ اکبر محل میں ان کی جائیداد لوٹ لی گئی۔ آخر انھوں نے شاہزادہ سے علیحدگی اختیار کر لی اور گوشہ نشین ہو گئے۔ اس واقعے کے بعد ان کی زندگی کا حال معلوم نہیں۔

مرزا ناتھن کا تخلص غیبی تھا اس لیے انھوں نے اپنی تاریخ کا نام بھی

'بہارستان غیبی' رکھا - کتاب میں اسلام خاں کے صوبے دار متعین ہونے سے لے کر شاہزادہ خرم کی واپسی تک یعنی ١٦٠٥ع سے ١٦٢٥ع تک کے حالات و واقعات مندرج ہیں - کتاب چار حصوں میں منقسم ہے - صوبے داروں کے نام پر ہر حصے کا نام رکھا گیا ہے - (١) اسلام نامہ - (٢) قاسم نامہ - (٣) ابراہیم نامہ اور (٤) واقعات جہانشاہی - مصنف نے پہلے تین حصے ١٦٣٣ع میں مکمل کیے - چوتھے کے اختتام کے متعلق تاریخ نہیں لکھی -

مصنف تقریباً بیس سال تک بنگال میں رہے اس لیے وہ وہاں کے جغرافیائی ، سیاسی اور معاشرتی حالات سے بخوبی واقف تھے - چشم‌دید گواہ ہونے کی حیثیت سے ان کی فراہم کردہ معلومات قابلِ اعتبار ہیں - یہ پہلی تاریخ ہے جو خالص اسی صوبے سے متعلق لکھی گئی ہے -

☆ ☆ ☆

صبح صادق[1]

اس کے مصنف محمد صادق ١٠١٨ھ/١٦٠٩ع کو سورت میں پیدا ہوئے جہاں ان کے والد محمد صالح ، عبدالرحیم خانخاناں کے ملازم تھے - محمد صالح ١٦١٠ع سے ١٦١٧ع تک شاہزادہ خرم (شاہجہان) کے ملازم رہے - بعد میں اپنے عم‌زاد غیاث‌الدین منصور بخشی احمدنگر کے پاس رہے - پھر وہ شاہزادہ پرویز کے ملازم ہو گئے - جب شاہزادہ پرویز بہار کا گورنر مقرر ہوا تو وہ صوبے کے دیوان متعین ہوئے - محمد صادق بھی اپنے والد کے ہمراہ گئے اور پٹنہ میں تعلیم و تربیت حاصل کی - بعد میں جونپور میں تعلیم جاری رکھی - جب باغی شاہزادہ خرم بہار میں داخل ہوا تو وہ دکن میں شاہزادہ پرویز سے جا ملے - ١٠٣٦ھ/١٦٢٦ع میں وہ شاہزادہ خرم کی ملازمت

1. Social and Cultural History of Bengal, M. A. Rahim, Karachi, 1967, pp. 18 - 20.

میں فوج کے واقعہ نویس مقرر ہوئے - شاہ جہان کی تخت نشینی پر محمد صادق کو بنگال میں جاگیر ملی - ۱۰۳۸ھ/۱۶۲۸ء میں وہ قاسم خان صوبے دار کے ہمراہ جہانگیر نگر میں متعین ہوئے - ۱۶۳۸ء میں صوبے دار اسلام خاں نے باپ کے قرض کی عدم ادائگی کی وجہ سے انھیں سلیم آباد میں نظر بند کر دیا - پھر سیف خاں قزوینی بخشی نے انھیں آزاد کرایا اور ملازمت بھی دی - ۱۶۳۹ء میں جب شاہزادہ شجاع بنگال کا ناظم ہو کر آیا تو محمد صادق اس کے ملازمین میں شامل ہو گئے - وہ ۱۰۶۱ھ میں فوت ہوئے - (ریو - ۳ : ۱۰۹۳)

اُنھوں نے اپنی تاریخ تیس سال کی عمر میں لکھنا شروع کی اور ۱۶۳۱ء سے ۱۶۳۹ء تک اسے مکمل کیا - یہ ایک عموسی تاریخ ہے اور چار جلدوں پر مشتمل ہے - تیسری جلد سرزمین پاک و ہند کی تاریخ سے متعلق ہے اور عہد شاہجہانی کے ساتویں سال تک کے واقعات پر مشتمل ہے - اس جلد کے بارھویں باب میں ان کی اپنی زندگی کے واقعات مندرج ہیں - اُنھوں نے مختلف شہروں میں علما ، شعرا ، امرا اور ماہرین فن سے اپنی ملاقاتوں کا ذکر کیا ہے -

صبح صادق ، بنگال کے متعلق اہم دستاویز ہے - مرزا ناتھن نے جہاں اپنی تاریخ ختم کی ہے اس سے آگے محمد صادق نے بیان جاری رکھا ہے - قاسم خان جوینی ، اسلام خاں مشہدی اور شاہزادہ شجاع کے زمانوں کے سیاسی واقعات اور جنگوں کے حالات بیان کیے ہیں - اس سے بنگال کی معاشرتی اور ثقافتی زندگی کے متعلق بیش بہا معلومات حاصل ہوتی ہیں -

محمد صادق نے جہانگیر نگر کے علما اور شعرا کا تُعارف پیش کیا ہے اور شعرا کے کلام کے نمونے بھی دیے ہیں - مصنف نے یہ بھی بیان کیا ہے کہ شاہزادہ شجاع کے بیشتر امرا اور منصب دار شیعہ تھے - شاہ شجاع شیعہ علما کی مجالس میں بیٹھتا تھا - اس نے یکے بعد دیگرے دو شیعہ عورتوں سے شادیاں بھی کیں - کثیر تعداد میں ایرانی اشخاص کی موجودگی سے بنگال کا تمدن بھی متاثر ہوا اور وہاں کے فنِ تعمیر میں بھی تبدیلی آئی -

☆ ☆ ☆

تاریخ معصومی[1]

اس کے مصنف محمد معصوم بن حسن بن صالح ہیں۔ اُنھوں نے یہ تاریخ ۱۶۶۰ء میں لکھی جب وہ مالوہ میں مقیم تھے۔ اس میں اُنھوں نے شاہزادہ شجاع کا سوانحی خاکہ پیش کیا ہے اور تخت کے لیے شاہزادے کی جد و جہد کے واقعات پر روشنی ڈالی ہے۔

☆ ☆ ☆

تاریخ عالمگیری[2]

اس کے مصنف احمد علی صفوی ہیں۔ یہ تاریخ بھی بنگال میں مرتب ہوئی۔ عالمگیر کے عہد میں مصنف بنگال میں واقعہ نویس تھے۔

☆ ☆ ☆

ہفت اقلیم

اس کے مصنف عبداللطیف ہیں جو ابوالحسن دیوانِ بنگال (۱۶۰۸ء) کے ملازم تھے۔ اس تاریخ سے بھی بنگال کی معاشرتی زندگی پر روشنی پڑتی ہے۔

☆ ☆ ☆

1,2. Social and Cultural History of Bengal, M.A. Rahim, Karachi, 1967, p. 29.

فتحیہ عبریہ

اس کے مصنف شہاب الدین طالش، بنگال کے واقعہ نویس تھے - یہ صوبے دار میر جملہ کے ہمراہ کوچ بہار اور آسام کے معرکوں میں شریک رہے - اُنھوں نے شایستہ خاں کے عہد کے واقعات بھی بیان کیے ہیں - ۱۶۶۰ع میں چٹاگانگ کی فتح کا حال خاص طور پر لکھا ہے - کتاب کی اہمیت اس سے ظاہر ہے کہ مصنف نے اپنے ذاتی مشاہدات سے معلومات مہیا کی ہیں - اس تاریخ سے دو مقتدر صوبے داروں کے عہدِ حکومت میں بنگال کی معاشرتی زندگی پر خاص روشنی پڑتی ہے -

☆ ☆ ☆

اشاریہ

- اشخاص و قبائل
- کتب و رسائل ، کتاب خانے اور علمی ادارے
- مقامات

مرتبہ

ڈاکٹر ظہور الدین احمد

اشخاص و قبایل

(اعداد صفحات ظاہر کرتے ہیں - (پ) سے مراد پا ورق ہے)

ب

پ

ت

چ

ح

خ

د

ش

ض

ط

ظ

ع

غ

ف

ق

ک

گ

ل

ن

ENGLISH

☆ ☆ ☆

کتب و رسائل ، کتاب خانے اور علمی ادارے

ت

ج

چ

د

ز

س

ش

ص

BOOKS AND LIBRARIES

☆ ☆ ☆

مقامات

الف

ب

ک

گ

ل

م

PLACES